قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انا مدینة العلم وعلی بابها

امام مبین

سوانح عمری امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

ضریح حضرة علی ابن ابی طالب ع

نجف الاشرف

ہفت روزہ شیعہ لاہور

مرتبہ

ملک صادق علی عرفانی

٤٨٦
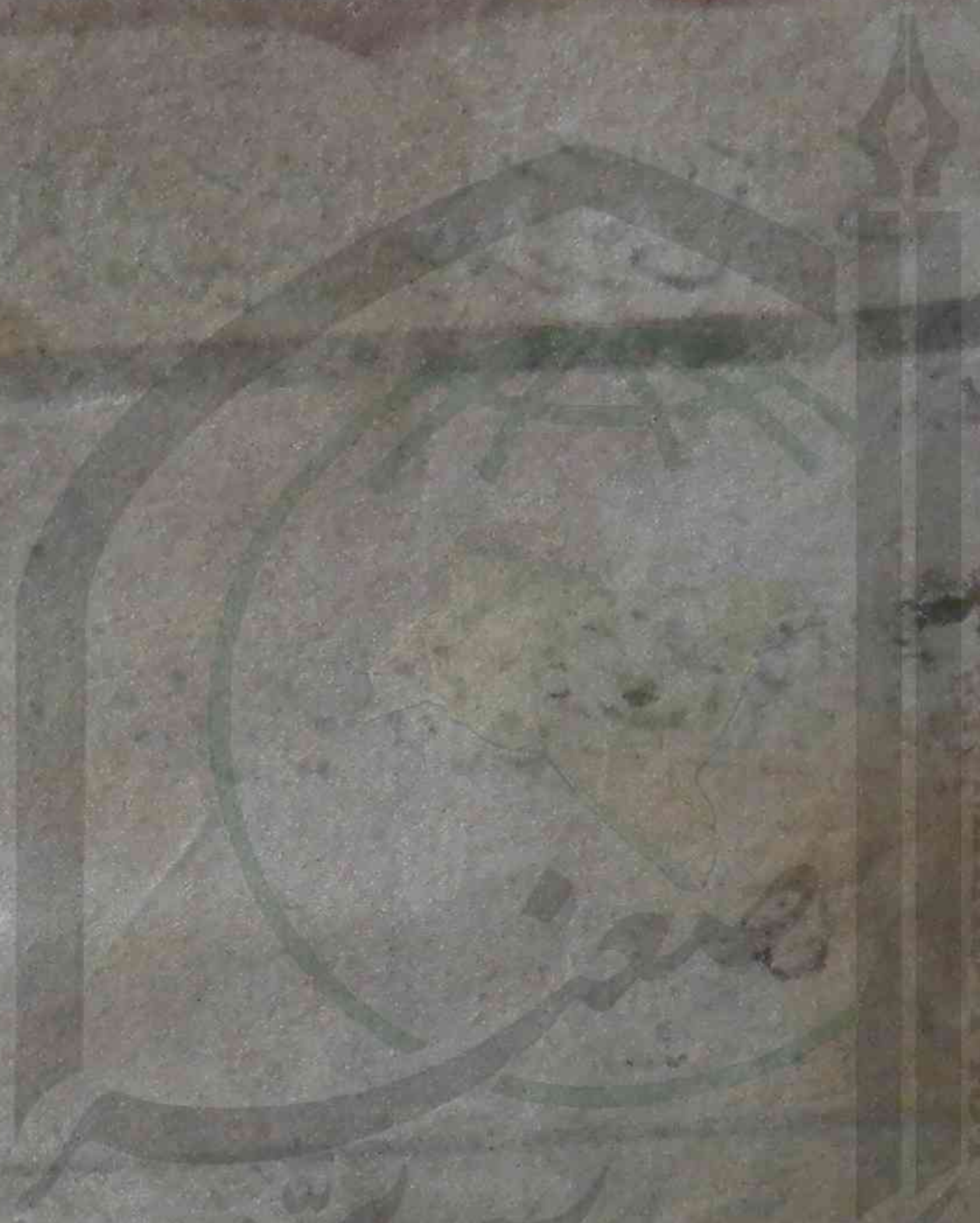
اوصاف علی بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علی بواجبی کے دانم
الّا دانم کہ مثل او ممکن نیست

امام مبین

یعنی

سوانح عمری امام المشارق والمغارب، امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

نگاشتہ

حضرات علمائے کرام و زعمائے ذوی الاحترام دامت برکاتہم

مرتبہ

تاج المتکلمین نجم الواعظین مورخ یگانہ فخر العلما حضرت مولانا سید محمد الحسن صاحب قبلہ برارروی
واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، ناظم مجلس علما شیعہ پاکستان، خطیب شیعہ جامع مسجد پشاور

بار دوم

ملنے کا پتہ
شیعہ جنرل بک ایجنسی محلہ شیعہ۔ لاہور

پیش لفظ

آج سے پانچ سال قبل "علی منبر" سوانح حیات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام رسالہ کی صورت شائع کئے گئے تھے اس رسالہ کو بیحد مقبولیت حاصل ہوئی مومنین کے بیحد اصرار پر بعد ترمیم و اضافہ کتابی صورت میں اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے اور اس مرتبہ اس میں فضائل حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام اور تاریخ نجف اشرف کا اضافہ کیا جا رہا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے امید ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے اور اس کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لیں گے۔ نیز اس سلسلہ میں سوانح حیات حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، سوانح حیات خاتون جنت، سوانح حیات حضرت امام حسن، سوانح حیات حضرت امام حسین، سوانح حیات حضرت امام علی ابن الحسین علیہم السلام علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں نیز ایک ضخیم کتاب چودہ ستارے سوانح حیات چہاردہ معصومین علیہم السلام طبع ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ آپ ان کتابوں کا مطالعہ فرما کر استفادہ حاصل کریں گے۔ اس ضمن میں جناب مولٰنا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی کا شکر گزار ہوں۔ کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت کا بیشتر حصہ کتاب "امام مبین" کی ترمیم و اضافہ میں صرف فرمایا۔ انشاء اللہ آئندہ محرم میں پانچویں امام حضرت محمد باقر علیہ السلام کے سوانح حیات شائع کئے جائیں گے حضرات مومنین و سادات عظام کو چاہیئے۔ کہ وہ ادارہ شیعہ سے پورا تعاون کریں، اور اس نیک کام میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ تاکہ ادارہ اپنی اسکیم کو جلد تکمیل کر سکے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور آپ محمد و آل محمد کے کارناموں کی اشاعت میں عملی حصہ لے کر زاد آخرت حاصل کریں۔

آخر میں میں اس ناچیز ھدیہ کو مولائے دو جہاں لنگر زمین و آسمان امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں بڑے عجز و نیاز کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ سرکار ولایت شہنشاہ نجف اشرف اسے قبول فرما کر روز آخرت میں اس کا صلہ عطا فرمائیں گے۔

خادم قوم:۔ ملک صادق علی عرفانی

مدیر اعلےٰ اخبار شیعہ لاہور

جلد ۳۷ نمبر ۲۸/۲۹

۱۶ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

فہرست

عناوین وارباب قلم

دیباچہ

کل شئی احصیناہ فی امام مبین

امام مبین سے مراد مجمع صفات نبویہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں۔ قرآن مجید نے آپ کے امام مبین اور جامع صفات کمال ہونے کی نص کر دی ہے اور بتا دیا ہے۔ کہ یہ مردے زندہ کر سکتے ہیں انسانوں کے اعمال و آثار اعمال قلم بند کر سکتے ہیں۔ اور سرور کائنات نے وضاحت فرما دی ہے کہ علی میں جملہ علوم اولین و آخرین کا احصا کر دیا گیا ہے۔ تفسیر صافی ص ۴۲۶ میں ہے۔ کہ حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں۔ انا و اللہ الامام المبین ابین الحق من الباطل میں خدا کی قسم امام مبین ہوں حق کو باطل سے اس طرح واضح کر دیتا ہوں۔ کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے آنحضرت فرماتے ہیں کہ ما من علم الا علمنیہ ربی کوئی علم کائنات کا ایسا نہیں جس کی خدا نے مجھے تعلیم نہ دی ہو۔ و انا علمتہ علیاً اور میں نے اسے علی کو نہ بتا دیا ہو۔ اور کوئی علم ایسا نہیں جس کا خدا نے مجھے احصا نہ کیا ہو۔ اور میں نے علی میں احصا نہ کر دیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جملہ کمالات و علوم کا احصا حضرت محمد مصطفٰے اور جناب علی مرتضٰی میں تھا۔ قمیص خلافت کو کھینچ تان کر پہننے کے "ایکسپرٹ" نے امام مبین سے توریت و انجیل اور قرآن کو سمجھا۔ تو سرور کائنات نے فرمایا نہیں نہیں اس سے علی بن ابی طالب مراد ہیں۔ انہ الامام الذی احصی اللہ فیہ علم کل شئی "پس یہی وہ امام ہیں۔ جن میں خدا نے جمیع کائنات کے علوم کا احصا کر دیا ہے صافی ص ۴۳۱ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ اگر علوم آل محمد کو محفوظ کیا جاتا۔ تو دنیائے اسلام کسی علم میں دوسروں کی محتاج نہ ہوتی اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جمع قرآن کی بحث میں تحریر کیا ہے۔ کہ اگر علی کا مجموعہ قبول کر لیا جاتا۔ تو بے شمار علوم کا احصا ہو جاتا۔ راقم الحروف دیباچہ کتاب ہذا (امام مبین) جو حضرت علی کی صفت قرآنی سے معنون اور مستفاد ہے کے طور پر آپ کے مختصر الفاظ میں حالات قلم بند کر کے درخواست کرتا ہے۔ کہ کتاب ہذا کا بنظر غائر مطالعہ فرما کر دین و دنیا کا فائدہ حاصل کریں اور فخر ملت جناب عرفانی صاحب کو داد دیں۔

آپ کے مختصر حالات

مولائے خیبر شکن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ۱۳ رجب المرجب سنہ ۳۰ عام الفیل یوم جمعہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد چشم مبارک اس وقت تک بند رکھی جب تک سرکار دو عالم کی آغوش مبارک میں نہ پہنچے۔ آنحضرت کو خبر ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور آپ نے کمال محبت کے ساتھ بچے کو کنار الفت میں لے لیا۔ آغوش رسالت میں پہنچ کر چشم امامت کھلی۔ اور جمال نبوت سے آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت علی نے دودھ کی بجائے لعاب دہن رسالت سے غذا حاصل کی۔ علامہ اربلی کا بیان ہے کہ زبان رسالت جب دہن امامت میں پہنچی تھی تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے مورخین بیک زبان کہتے ہیں۔ کہ علی نے آغوش رسالت میں کروٹیں لے کر بچپن کا زمانہ گزارا۔ پھر آنحضرت کی بعثت کا موقع آتے ہی سب سے اسلام اور ایمان کا اظہار کیا۔ جس کے متعلق آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

سبقتکم الی الاسلام طرا غلاماً ما بلغت اوان حلمی

میں نے اس وقت جبکہ میرا عنفوان شباب تھا تمام لوگوں سے پہلے پیغمبری کی تصدیق کر کے اپنے اسلام اور ایمان کا اظہار کیا۔

ابھی علی کا بچپن سایہ نبوت میں رہ کر جوانی کی پہلی ہی منزل میں پہنچا تھا کہ پیغمبر اسلام کو ایک بہادر مددگار کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس ہوئی بعثت کے بعد تین سال تک خاموشی کے ساتھ فرائض تبلیغ ادا کئے گئے یہاں تک کہ آفتاب رسالت بلند ہو گیا۔ اور واشگاف لفظوں میں حکم خداوندی پہنچا۔ فاصدع بما تومر اے پیغمبر تمہیں جو حکم دیا گیا ہے تم لوگوں تک پہنچا دو وانذر عشیرتک الاقربین اور دیکھو سب سے پہلے اپنے خاندان والوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ یہ حکم پاتے ہی آپ نے موحد اسلام حضرت ابو طالب کے گھر میں چالیس قریبی رشتہ داروں کو جمع کیا۔ اور بھنے ہوئے گوشت اور میٹھے دودھ سے لوگوں کی دعوت کی۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں۔ جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے تمہارے لئے نہایت ہی بہتر ہے۔ کیا میں تم سے اس وقت جو کچھ کہوں گا۔ تم یقین کرو گے۔ سب نے کہا فرمایئے ہم یقین کریں گے۔ ہم تو آپ کو صادق و امین پہلے سے ہی سمجھے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو مجھے خدا نے پیغمبر بنایا ہے۔ اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو دین کی طرف دعوت دوں۔ اور عذاب آخرت سے ڈراؤں اور اپنی تبلیغ کا کام کھلم کھلا جاری کروں۔ تم میں کون ایسا ہے۔ جو اس اہم امر میں میرا مددگار میرا بھائی میرا وصی اور میرا وزیر ہو کر مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرنے کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کر سکے۔ یہ سن کر سب دم بخود اور خاموش بیٹھے رہے اور کسی نے حامی بھرنے کی ہمت نہ کی۔ لیکن حضرت علی کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔ "انا یا رسول اللہ" مولا اس اہم خدمت کو میں انجام دوں گا۔ حضرت نے تین بار اپنے قول کا اعادہ فرمایا۔ اور ہر مرتبہ حضرت علی کلمات

اطاعت اور فرمانبرداری ادا کرتے رہے پھر آخر میں آپ نے علی کو قریب بلایا سینے سے لگایا اور لوگوں سے فرمایا۔ فاسمعوا له واطیعوه دیکھو اس کی بات کو بگوش دل سننا۔ اور اس کا حکم بدل وجان ماننا۔ یہ سن کر قریش ہنس پڑے اور طنزاً ابوطالب سے کہنے لگے۔ کہ لو تم پر تمہارا بیٹا حاکم بنا دیا گیا۔ مگر قربان جایئے علم پیغمبری اور نثار ہو جایئے عمل ابوطالب پہ کہ آپ نے اپنے عمل سے واضح اور ثابت کر دیا۔ کہ اگر کسی کو بحکم خداوندی امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت ہر ایک پر فرض ہوتی ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد قریش میں جذبہ عداوت تیزی کے ساتھ بھڑکنا شروع ہوا۔ اور اس درجہ دشمنی پیدا ہوئی۔ کہ انہوں نے آنحضرت کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔ پیغمبر اسلام چونکہ نزاکت وقت کو جان رہے تھے۔ لہذا آپ نے صحابہ کو اجازت دے دی کہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے چلے جائیں۔ قریش کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی۔ لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ رفتہ رفتہ اکثر اصحاب چلے گئے۔ اُدھر قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی کا عہد وثیق کر لیا اور آپ کی جان کے خواہاں اور در پے ہو گئے۔ بالآخر اکثر اصحاب مدینے پہنچ گئے۔ اور حکم خداوندی کے مطابق آنحضرت نے مدینہ کا عزم بالجزم کر لیا۔ جب قریش نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں جا کر زور پکڑتے جاتے ہیں اور اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا جاتا ہے۔ تو انہوں نے اپنے دار الندوہ میں جلسہ عام کیا جس میں ہر قبیلے کے رؤساء شریک ہوئے۔ لوگوں نے مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ کسی نے کہا کہ محمدؐ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کنوئیں میں ڈال دینا چاہیئے۔ کسی نے کہا کہ ان پر دیوار گرا دینی چاہیئے۔ کسی نے رائے دی۔ کہ انہیں جلا وطن کر دینا چاہیئے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک شخص کا انتخاب ہو۔ اور سب مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دیں۔ اسی طرح ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور ہاشمیوں سے خون بہا لینا دشوار ہو گا۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اور جھٹ پٹ سے آ کر محمد مصطفےٰ کے گھر کا محاصرہ کر لیا یہ دیکھ کر رسولِ خدا نے جناب جبرئیل کے اشارے پر حضرت علی کو طلب فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینے کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ اور صبح کو سب کی امانتیں واپس کر کے میرے پاس پہنچ جانا۔ حضرت علی جو قتل گاہ کو فرشِ گل سے کم نہ سمجھتے تھے۔ تلواروں کے سائے میں بستر رسول پر سونے کی خبر پا کر اس درجہ خوش ہوئے۔ کہ فوراً سجدہ شکر ادا کیا۔ مورخین کہتے ہیں۔ کہ اسلام میں یہ پہلا سجدہ شکر ہے جو جذبہ جانثاری میں علی نے ادا کیا الغرض رات کے تاریک پردے میں پیغمبر اسلام دشمنوں کی آنکھوں میں دھول ڈالتے ہوئے گھر سے نکل کر غارِ ثور تک جا پہنچے اور دشمن علی کو محمدؐ سمجھ کر رات بھر محاصرہ کئے رہے۔ جب اندر داخل ہوئے اور سبز چادر سرکائی۔ تو محمدؐ کی جگہ علی کو پایا۔ پوچھا محمدؐ کہاں گئے ارشاد ہوا کیا تم انہیں میرے سپرد کر گئے تھے جو مجھ سے پوچھتے ہو۔ جاؤ وہ امانِ خدا میں ہیں۔ دشمن کے چہرے فق ہو گئے۔ اور وہ تلاش محمدؐ میں ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پانچ یا آٹھ ماہ بعد مہاجرین مکہ کی دلبستگی اور تقویت کے لئے آنحضرت نے ایک عجیب و غریب تمدنی انتظام کیا یعنی مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کر دی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی قرار دیا علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ کہ اسلام تہذیب اخلاق اور تکمیل فضائل کی شہنشاہی ہے۔ جن لوگوں میں رشتہ قائم کیا گیا اُن میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا۔ کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحادِ مذاق موجود رہے۔ جو تربیت اخوت پذیری کے لئے ضروری ہے۔ لیجئے مواخات ہو رہی ہے۔ اور مذاق فطرت کو پہچان کر ایک دوسرے کو بھائی بنایا جا رہا۔ کہ حضرت علی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مولا میرا بھائی کس کو بنایا ہے۔ فرمانے والے رسول کہتے ہیں انت اخی فی الدنیا والاٰخرۃ اے علی تم تو دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو الله اکبر انا و علی من نور واحد شرار و مگر کا بیان ہے کہ دانائی اور سادگی کے اصول سے اس سلطنت کی بنیاد پڑی۔ جو قلیل مدت میں بہت عظیم الشان طاقت حاصل کرنے والی اور دنیا کی زبردست سے زبردست سلطنتوں کو ہلا دینے والی تھی۔ اب تو مجھے کہنے دیجئے۔ کہ جو رسول کا بھائی تھا جو ایک نور سے مخلوق تھا وہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا تھا۔ کہ رسول اللہ کی پیروی کرے۔ اور پیغمبر اسلام کی زندگی میں انتہائی بے جگری کے ساتھ ان کی مدد کرنے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے اصول کو نشر کر کے ان کی یاد تازہ رکھے۔ اور پھر ایسی صورت میں جبکہ ان کو علم و حکمت تہذیب و اخلاق کی بھرپور تعلیم دی گئی ہو۔ یہی سبب ہے کہ بدر اور خندق و خیبر میں علی کے جنگی شاہکار اور میدان علم کے کارنامے اور پیروی رسول کی بے مثل نشانیاں پیشانی تاریخ پر درخشاں نظر آ رہی ہیں کیا کہنا اس ہستی کا جو میدان جنگ میں بے مثل سپاہی، میدان علم میں بے مثل عالم و خطیب متبع سیرت پیغمبری میں سب سے زیادہ متبع تاریخ بتاتی ہے۔ کہ آپ نے سیرت پیغمبر کا حوالہ دے کر بڑے

بڑے عہدے چھوڑ دیئے ہیں اور کیوں نہ ہو مثلاً پیغمبر اسلام کی زندگی میں سادگی ملتی ہے اُسے باقی رکھنے کی شدید ضرورت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت علی نے اپنے عہد حکومت میں قیصر و کسریٰ کی طرح حریر و دیبا کے پردے نصب نہیں ہونے دیئے بلکہ اس وقت بھی فاقہ مستی اور مزدوری اپنی زندگی کا طرہ امتیاز بنا رکھا تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے حمل الصخرة من قلل الجبال احب الی من المن الرجال پہاڑ کی چوٹیوں سے مزدوری کی صورت میں پتھر لانا میرے نزدیک کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کہیں بہتر ہے محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کو ایک دن سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اور آپ کے گھر میں از قسم طعام کچھ نہ تھا آپ مزدوری کے لئے نکلے۔ ایک عورت کو دیکھا کہ وہ مکان کے لئے گارا بنا رہی ہے اور اسے پانی کی ضرورت ہے۔ اور وہ مزدور تلاش کر رہی ہے آپ نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اور مزدوری طے کر کے آپ پانی بھرنے لگے ابھی چند ڈول آپ نے کھینچے تھے۔ کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور آپ کے ہاتھوں نے جواب دیدیا۔ آپ نے مزدوری کا حساب کر کے سولہ خرمے اس سے لئے اور خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے اور دونوں نے مل کر تناول فرمایا۔

علامہ محب طبری کا ارشاد ہے۔ کہ ایک دن خلیفہ دوم کو ایک علمی دشواری درپیش ہوئی جس کا حل علی بن ابی طالب کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تھا خلیفۃ المسلمین حضرت عمر امام الاولین والآخرین حضرت علی علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ تو آپ کو ایک باغ میں پانی دیتے ہوئے پایا۔ اور مسئلہ دریافت فرمایا۔ آپ نے ایک اور واقعہ لکھا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ایک یہودی سے کچھ سوت کاتنے کے واسطے لئے اور اس کی مزدوری میں کچھ جو حاصل کئے اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو کاتنے کے لئے دیا۔ جب سوت کاتا جا چکا۔ اور روٹیاں تیار کی جا چکیں تو یتیم مسکین اور اسیر پے در پے آ گئے آپ نے اپنے اور بچوں کا لحاظ کئے بغیر سب روٹیاں ان لوگوں کے حوالے کر دیں۔ فاضل وطواط غرر الخصائص میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی کی سیرت میں ایک بات یہ بھی قابل غور و توجہ ہے کہ آپ دنیا کی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود گھر کے کام خود کیا کرتے تھے گھر کا پانی بھرنا لکڑیاں لانا اپنے ذمہ اور جھاڑو دینا روٹیاں پکانا حضرت فاطمہ کے ذمہ کر رکھا تھا۔ مجموعہ ورام میں ہے کہ آپ اپنا سامان اپنی پشت پر اٹھا کر لایا کرتے تھے ایک دن کسی مہربان نے کہا۔ مولا ہمیں دے دیجئے۔ سامان ہم پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا۔ ابو العیال احق بحمله بچوں کا بار اٹھانے کے لئے ان کا باپ زیادہ حق دار ہے۔ ایک دن ایک شخص آپ کو عید کی مبارک باد دینے کے لئے آیا۔ دیکھا کہ آپ سوکھی روٹی تناول فرما رہے ہیں۔ اس نے عرض کی مولا آج تو عید کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عید ان کی ہے جو عذاب الٰہی سے مامون و محفوظ ہو چکے ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا۔ دیکھو بہت سے ایسے بندے بھی ہوں گے۔ جنہیں یہ سوکھے ٹکڑے بھی نصیب نہ ہوں گے۔ حضرت علی کی سیرت کو دیکھنے کے بعد یہ کس کو خیال ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کا کوئی دشمن بھی ہوگا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے۔ کہ جو ہوا و ہوس کے بندے تھے اور جن کی نظر میں علی کا وقار خار کی طرح کھٹکتا تھا۔ وہ کب چاہتے تھے۔ کہ آپ کا وجود سطح ارض پر رہے۔ بالآخر گہری سازشوں نے کام کیا۔ اور حضرت علی نے ۲۱ رمضان المبارک کو دنیا چھوڑ دی۔

علامہ معاصر سید ابن حسن جارچوی لکھتے ہیں کہ انیسویں تاریخ چاند کی روشنی در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی۔ رات بھر جاگنے والے زاہدوں پر نیند کا جادو اثر کر چکا تھا۔ ہاں اکا دکا چوکیدار کی صدا یا کسی طائر شب کی پریشان کن آواز آس پاس کی پہاڑیوں سے ٹکراتی ہوئی سنائی دیتی تھی جس نے منظر کو اور بھی ہیبتناک اور بھیانک بنا دیا تھا۔ کہ یکایک کوفہ کے دار الامارۃ کے اس حصہ میں جس میں حضرت ام کلثوم کی قیامگاہ تھی۔ ایک آواز پیدا ہوئی اللہ اللہ اس قدر رات گزر گئی۔ اور آپ ابھی محو عبادت ہیں۔ "بابا جان" آج تو میں ایک نمایاں تبدیلی پاتی ہوں۔ آخر یہ کیا ماجرا۔ کہ آپ کا سارا بدن بید کی طرح لرز رہا ہے۔ بابا جان آپ پر بہت سے کٹھن وقت گزرے۔ مگر اس قدر گھبراہٹ اس بلا کی کبھی نہیں دیکھی۔ سارے دن کا روزہ اور پھر افطار کے وقت نان جویں اور نمک کے سوا کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا ہے۔ جلدی فرمایئے کہ آج یہ کس قسم کا انتشار ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ آج میں بہت بڑے دربار میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ بس رات درمیان میں ہے "صبح پیام موت لائے گی۔ تمہارا باپ اس منزل کی طرف سفر کر جائے گا۔ جہاں رب کو جانا ہے۔ بیٹی کل محراب مسجد میرے خون سے رنگین ہوگی۔ اور مولود کعبہ کا جنازہ خدا کے گھر سے نکلے گا۔

ام کلثوم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے گلوگیر آواز سے کہا۔ کہ جبکہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ آپ کل قتل کئے جائیں گے۔ تو خدا کے لئے اپنے

پیروں سے موت کی طرف نہ جائیے۔ آدمی تو بہت ہیں کسی اور کو نماز کے لئے حکم دے کر خود گھر میں بیٹھے رہیئے۔ میرا دل اس ہولناک خبر سے بیٹھا جاتا ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا آتی ہوئی موت کو کون ٹال سکتا ہے۔

ابھی کچھ رات باقی تھی کہ امیر المومنین نے مسجد کی راہ لی۔ مسجد میں جو لوگ محو خواب تھے۔ ان کو جگایا ابن ملجم جس کی گردن حضرت کے احسانات سے جھکی ہوئی تھی۔ جو جنگ نہروان میں قید ہو کر قتل کیئے جانے کے قابل تھا۔ جس کی زندگی حضرت کے رحم کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ آج دامن میں تلوار چھپائے سو رہا ہے۔ آہ! ابوطالب کے مقدس فرزند نے اپنے قاتل کا شانہ ہلا کر کہا اے اٹھ کھڑا ہو۔ اب نماز کا وقت قریب آگیا ہے اس کے بعد امیر المومنین نماز میں مشغول ہوئے۔ ابن ملجم آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا کبھی خیال آتا تھا کہ ایسے بزرگ کو قتل کر دوں۔ جو یتیموں کا والی اور بیواؤں کا وارث ہے۔ غریبوں کا ہمدرد۔ اس کی زندگی کے ساتھ ملک وملت کی بہت سی آرزوئیں وابستہ ہیں۔ دفعۃً اس عہد کی طرف دل منتقل ہو گیا جس کی بنا پر وہ کوفہ آیا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس قطامہ کی حسین صورت سامنے آگئی جس کا مہر علی کا سر تھا۔ اس کا دل ان متضاد امور کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بالآخر وہ آہستہ آہستہ اس محراب کی طرف آیا۔ جہاں اسلام کا یہ درویش صفت شہنشاہ اور ایمان مجسم نماز میں مشغول تھا۔ اس نے ادہر ادہر نگاہ ڈالی کوئی نظر نہ پڑا۔ دامن سے تلوار نکالی۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ کچھ جھجکا کچھ سوچا۔ پھر ایک مرتبہ تلوار کو دیکھ کر تولا۔ امام عالی مقام رکوع سے فارغ ہو کر سجدہ میں تشریف لے جانے والے تھے۔ کہ ابن ملجم خیالات کی زندگی سے چونکا۔ اب صبح نمودار ہونے کو تھی۔ مسجد کی قندیلیں ایک ایک کرکے گل ہوتی جاتی تھیں۔ لوگ بستروں پر انگڑائیاں لے رہے تھے۔ کچھ نماز کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ کہ مسجد کوفہ میں ایک شور برپا ہوا "قد قتل امیر المومنین" علی بن ابی طالب قتل کر دیئے گئے۔ ابن ملجم کا بھرپور وار علیؑ کے سر مبارک پر پڑا اسلام کا سر زخمی ہو گیا۔ اور ایمان کے فرق اقدس سے خون بہنے لگا۔

اللہ اکبر، وہ عدیم المثال بہادر جو مرحب وعنتر کے مقابلہ میں ڈٹا رہا۔ جس نے عمرو بن عبدود کے دو ٹکڑے کر دیئے اور فتح خیبر کرکے فاتح خیبر اور خیبر شکن کہا جاتا رہا۔ آج خاک وخون میں پڑا لوٹ رہا ہے۔ انیسویں رمضان کی صبح کو ضرب لگی۔ علاج کا سلسلہ تین روز تک جاری رہا۔ داعی اجل کو لبیک کہنے سے پہلے اپنی ساری اولاد کو پاس بلا کر امام حسن کے سپرد کیا۔ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کو یکایک پیشانی اقدس پر موت کا پسینہ آیا۔ قبلہ کی طرف رُخ پھیرا۔ زبان پر کلمہ جاری ہوا۔ آخر گلشن اسلام کا وہ بلبل ہزار داستان جس کی نغمہ سنجیوں کی صدائے بازگشت آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا فقط

سید نجم الحسن کراروی

باہتمام ملک رضا علی پرنٹر و پبلشر انصاف پریس لاہور میں چھپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

وقتیکہ بکعبہ مرتضےٰ شد پیدا　　در ارض و سما جلوہ نما شد پیدا
جبریل ز آسمان فرود آمد و گفت　　فرزند بخانۂ خدا شد پیدا

(خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ)

تاریخ ولادت: ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل جب کہ جنابِ رسالتماب کی عمر ۳۰ سال تھی اور سرکار رسالت کی بعثت میں دس سال باقی تھے، اور ۶۰۰ء بروز جمعۃ المبارک مولودِ کعبہ علی مرتضیٰ کی ولادت ہوئی۔

مقام ولادت: جوف بیت اللہ کعبہ زاد اللہ شرفہا۔ (۱) تواترت الاخبار ان فاطمۃ بنت اسد ولدت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبۃ۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)

اس امر میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ کہ جناب فاطمہ بنت اسد صلوٰۃ اللہ علیہما نے سرکارِ ولایت جناب امیر علی بن ابی طالب (علیہما السلام) کو وسط بیت اللہ میں جنم دیا۔

(۲) کون امیر کرم اللہ وجہہ ولد فی البیت امر مشہور فی الدنیا و ذکر فی کتب الفریقین السنۃ والشیعۃ (عینیہ جسکے شارح علامہ آلوسی مؤلف تفسیر روح المعانی ہیں)۔ (ترجمہ) جناب امیر علیہ السلام کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہونا دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اور سنی شیعہ دونوں فرقوں نے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ہم یہاں برادرانِ اہلِ سنّت کی ان کتبِ سیر و تاریخ میں سے چند کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ جن میں جناب امیر علیہ السلام کی خانہ کعبہ میں ولادت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۔ مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ یہ کتاب علامہ ابوالحسن علی بن حسین مسعودی کی ہے جن کی وفات ۳۴۶ھ ہجری مطابق ۹۵۷ء میں ہوئی۔ ان کی مشہور تالیفات مروج الذہب[۱] معادن الجوہر فی التاریخ[۲]۔ کتاب الاشراف والتنبیہ[۳] اہل سنت کے دورِ حاضر کے مؤرخ اور سیرت نگار علامہ شبلی ان کے متعلق اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"ابوالحسن علی بن حسین مسعودی فنِ تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تاریخ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں مل جائیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی، افسوس

ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے۔" (الفاروق حصہ اوّل دیباچہ ص۸)۔

مروج الذہب مسعودی علامہ محمد محی الدین عبدالحمید پروفیسر ازہر یونیورسٹی کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں مصر میں چھپی ہے۔

۲۔ مطالب السئول فی مناقب آل رسول ص۱۳۷ ایک کتاب علامہ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ کی ہے جن کی ولادت ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں ہوئی اور وفات ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۴ء میں ہوئی۔ شافعی المذہب ہیں۔ اور فرقہ اہل سنّت کے جلیل الشان عالم ہیں۔ علامہ یافعی ان کے متعلق لکھتا ہے:۔

"محمد بن طلحہ رئیس صاحب حشمت بزرگ تھے۔ علم مناظرہ و فقہ میں انھوں نے درجہ کمال حاصل کیا، بادشاہ کے وزیر تھے پھر وزارت چھوڑ دی۔ اور زہد اختیار کیا اور اپنے نفس کو مائل ریاضت کر لیا۔" (مراۃ الجنان یافعی جلد ۴ ص۱۲۸)۔

۲۔ ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص۲۵۱ یہ کتاب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے۔ وہ ہمارے برصغیر ہند و پاکستان کے مشاہیر علمائے اہل سنّت میں سے ہیں۔ اور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔"

۳۔ جناب امیر علیہ السّلام کی خانہ کعبہ میں ولادت کو صاحب مناقب مرتضوی نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"در بشائر مصطفےٰ از یزید بن قعنب مروی است کہ من با عباس بن عبدالمطلب بودم و جمعے از بنی عبدالعزیٰ برابر بیت الحرام نشستہ بودند کہ فاطمہ بنت اسد در مسجد کعبہ درآمد در عین طواف اثر طلق بروے ظاہر شد چون مجال بیرون رفتن نماند گفت خداوند بحرمت این خانہ کعبہ زحمات ولادت بر من آسان گردان دیدیم کہ دیوار خانہ کعبہ شق شد فاطمہ درون رفت و روز چہارم جناب امیر را بر دست گرفتہ بیرون آمد (مناقب مرتضوی ص۱۶۵ مطبوعہ ممبئی)۔

بشائر مصطفےٰ میں یزید بن قعنب سے روایت ہے کہ میں عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ تھا۔ اور اولاد عبدالعزیٰ کا ایک گروہ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ فاطمہ بنت اسد بیت اللہ میں آئیں عین طواف کی حالت میں ان پر آثارِ ولادت طاری ہوئے باہر جانے کے لئے وقت نہ تھا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد نے دعا کی۔ خداوندا! اس بابرکت خانہ کعبہ کی حرمت کا واسطہ ولادت کی تکالیف کو مجھ پر آسان فرما۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ دیوار خانہ کعبہ شق ہوئی جناب فاطمہ بنت اسد اندر گئیں۔ اور چوتھے دن جناب امیر کو اپنے ہاتھوں پر لئے برآمد ہوئیں۔

مناقب مرتضوی اس کتاب کے مؤلف میر صالح کشفی ہیں ان کے متعلق رواجح المصطفےٰ ص۲۸۹ میں لکھا ہے۔ کہ: "یہ صاحب انوار جلیہ اور جامع علوم دینی و دنیوی تھے۔ ان کے خوارق و کرامات مشہور ہیں سلسلہ قادریہ میں انکو شاہ نعمت اللہ سے بیعت تھی۔ دیگر سلاسل کی اجازت بھی انھیں حاصل تھی۔ انھوں نے ۱۰۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔" (نفائس السنی فی ذکر فضائل سیدنا ابی الحسن محمد علی حیدر علوی مطبوعہ مدینہ بجنور)

۴۔ سرکار ولایت علی ابن ابی طالب کی خانہ کعبہ میں ولادت کو عالم اہلسنت مولوی محمد مبین صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے اس طرح لکھا ہے:۔ "امیر المومنین علی پیدا شد در جوف کعبہ و پیدا نگشت کسے بجز نے و خدائے تعالیٰ مخصوص گردانید او را باین فضیلت و شرف گردانید خانہ کعبہ را باین شرافت و در بعضے کتب سیر از یزید نقل کردہ کہ با عباس و جمعے از بنی ہاشم و عبدالمطلب در مسجد الحرام نشستہ بودیم ناگاہ فاطمہ بنت اسد مادر علی حیدر بہم رسیدہ بطواف خانہ کعبہ مشغول گردید و در اثنائے طواف بدرد زہ مبتلا شدہ و آثار ولادت و علامت زائیدن بر وے

ظاہر گشت طاقتش نماند دیدیم کہ دیوار خانہ کعبہ شق شد و فاطمہ درون رفت ما ہر چند خواستیم کہ درون درآئیم میسر نشد روز چہارم علیؑ را بر دست گرفتہ بیرون آمد"۔ (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۶۰ مطبوعہ لکھنؤ) ترجمہ: حضرت علیؑ عین کعبہ کے بیچوں بیچ پیدا ہوئے آپ کے سوا کوئی کعبہ میں پیدا نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خاص فضیلت یہ آپ کو ہی بخشی اور کعبہ کو آپ کی جائے ولادت بنا کر معزز و سرفراز کیا کتب سیر میں بریر سے منقول ہے کہ میں اور عباس اولاد ہاشم و عبدالمطلب کے کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ ناگاہ حضرت فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علی حیدرؑ آئیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگیں دوران طواف میں دردزہ عارض ہوا اور علامات وضع حمل نمایاں ہوئیں طاقت بدن کی جاتی رہی اور دیکھا میں نے کہ دیوار خانہ کعبہ کی شق ہوئی اور فاطمہ اندر گئیں ہم لوگوں نے ہر چند چاہا کہ اندر جائیں مگر اندر جانا ممکن نہ ہوا۔ چوتھے روز فاطمہ اپنے فرزند کو لئے ہوئے برآمد ہوئیں۔

۵۔ دور متاخر کے جلیل الشان سُنی محدث شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جناب علی مرتضیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ازمناقب وے (علی) کہ در حین ولادت او ظاہر گشت یکے آن است کہ در جوف کعبہ معظمہ تولد یافت فقد تواترت الاخبار ان فاطمہ بنت اسد ولدت امیر المؤمنین علیاً (فی جوف الکعبۃ" (ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۱)۔ ترجمہ: منجملہ فضائل حضرت امیر المؤمنین جو وقت ولادت ظاہر ہوئے ایک یہ بھی ہے، کہ آپ خانہ کعبہ کے بیچوں بیچ پیدا ہوئے اس باب میں حدیثیں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ کہ جناب فاطمہ نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کو جوف کعبہ میں جنم دیا۔ خانہ کعبہ بیت اللہ یعنی مولد حضرت علی کا نقشہ:۔

رکن اسود — ۳۲ گز — رکن شامی
۲۰ گز — مولد علیؑ — ۲۲ گز
رکن عیانی — ۳۱ گز — رکن غربی

طول:	حجر اسود سے رکن شامی تک	۳۲ گز
عرض:	رکن شامی سے رکن غربی تک	۲۲ گز
طول:	رکن غربی سے رکن عیانی تک	۳۱ گز
عرض:	رکن اسود سے رکن عیانی تک	۲۰ گز
بلندی:	زمین سے چھت تک	۹ گز
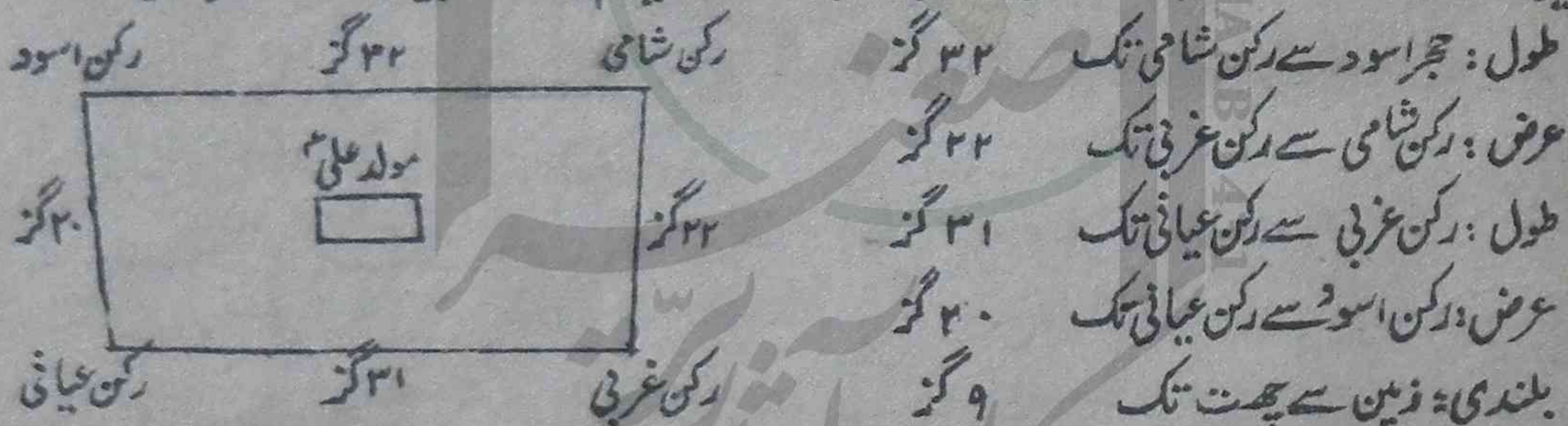
اپنی اس ولادت کی شان کو جناب امیر علیہ السلام نے خود مدح سرکار رسالت فرماتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"عترتہ خیر العتر و اسرتہ خیر الاسر شجرتہ خیر الشجر نبتت فی حرم و بسقت فی کرم لہا فروع طوال و ثمرۃ لا تنال۔ (نہج البلاغہ ج ۱ صفحہ ۱۸۵/۱۸۶ مطبوعہ مصر)۔ ترجمہ: سرکار رسالت کی عترت بہترین عترت ہے، ان کا خاندان بہترین خاندان ہے۔ ان کی اولاد کا شجرہ نسب بہترین شجرہ نسب ہے۔ جو حرم یعنی خانہ کعبہ میں اگا۔ اور جو اللہ کے فضل و کرم سے پھولا پھلا اس کی شاخیں دراز اور پھل ایسے بے نظیر ہیں کہ کوئی ان تک پہنچ نہیں سکتا۔

سرکار رسالت کا شجرۂ نسب جناب امیر کے ذریعہ چلا، اور بقائے نسل جناب امیر کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ خود فرماتے تھے ہر نبی کی اولاد اس کی اپنی صلب سے ہوئی میری اولاد کو اللہ تعالیٰ نے صلب علی ابن ابی طالب سے قرار دیا، وہ علی جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور جن کی تربیت آغوش رسالت کی فضا میں ہوئی ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

وہ رنگ نیرا جو ایمان کو جلا بخشے
وہ نسل تیری جو کہلاتی ہے رسول کی آل

جناب امیر علیہ السلام کے مولد بیت اللہ کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ میں ہوا ہے: "ان اول بیت وضع للناس

للذی ببکۃ مبارکاً وھدیً للعالمین فیہ ایاتٌ بینات مقام ابراھیم و من دخلہ کان امنا۔ (آل عمران آیت ۹۶-۹۷ پ۴)۔ ترجمہ (لوگوں کی عبادت کے واسطے) جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا، وہ تو یہی خانہ کعبہ ہے جو مکہ میں ہے بڑی خیر و برکت والا ہے۔ اور سارے جہان کے لوگوں کا رہنما ہے اس میں حرمت کی بہت سی واضح اور روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے جو اس گھر میں داخل ہوا امن میں آگیا۔

۲۔ اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا و اتخذوا من مقام ابراھیم مصلے وعھدنا الی ابراھیم و اسماعیل ان طھرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود۔ (البقرہ آیت ۱۲۴ - پ۱)۔ ترجمہ: اے رسول! وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے اس بیت کو لوگوں کیلئے ثواب اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا، کہ مقام ابراہیم کو مصلے بناؤ اور ابراہیم و اسمٰعیل سے عہد لیا، کہ میرے اس گھر کو طواف اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے پاک و پاکیزہ رکھو۔

۳۔ لا اُقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد و والد و ما ولد۔ (البلد آیت ۱-۲ پ۳۰) ترجمہ مجھے شہر مکہ کی قسم درحالیکہ تم اس میں رہتے ہو اور والد کی قسم اور اس کی قسم جو وہاں پیدا ہوا۔

ان آیات سے حضرت امیر المؤمنین کے جائے ولادت کی چند خصوصیات و امتیازات واضح ہوتے ہیں:۔

۱۔ خانہ کعبہ اس کائنات میں اللہ کی سب سے پہلی عبادت گاہ ہے ؎

دُنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خُدا کا
ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسبان ہمارا

۲۔ یہ گھر بہت ہی خیر و برکت کی جگہ ہے۔ (۳) یہ گھر سارے جہان کے لوگوں کا رہنما ہے سب کیلئے قبلہ ہے جس کی طرف لوگ منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ ۴۔ اس میں روشن اور واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے۔ ۵: وہ جائے امن و مامن کائنات ہے۔ ۶: وہ کائنات کے ثواب حاصل کرنے اور امن پانے کی جگہ ہے۔ ۷: وہ مقام طہارت ہے اور اسے پاکیزہ و پاک رکھنے کا حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے عہد لیا گیا ہے۔ ۸: خانہ کعبہ کے عز و شرف کی وجہ سرکار رسالت کا اس میں رہنا ہے۔ ۹: اس کی عظمت کا سبب ایک والد ہے۔ جس کا بیٹا اس خانہ کعبہ میں پیدا ہوا۔ یعنے حضرت ابوطالب عمران علیہ السلام۔ ۱۰: اس کی جلالت شان کا موجب وہ مولود ہے جو اس میں متولد ہوا یعنی حضرت علی علیہ السلام تلک عشرۃ کاملہ۔

اب ذرا ان خصوصیات و امتیازات کو ولادت جناب امیر علیہ السلام کے واقعات سے تطبیق دے کر پھر ان نتائج پر غور و فکر کیجئے۔ جو ان سے برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ سب سے پہلی اللہ کی عبادتگاہ منشائے ایزدی نے علی کی ولادت گاہ اور علی کا زچہ خانہ قرار دیکر یہ واضح کر دیا کہ علی علیہ السلام کو اللہ سے کس قدر لگاؤ ہے۔ علی علیہ السلام کا ذکر جب بھی کیا جائے تو اس عبد کو اپنے معبود سے اتنا ربط ہے کہ اس کا ذکر اللہ کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً:۔ علی کہاں پیدا ہوئے؟ جواب ہوگا فی بیت اللہ اللہ کے گھر میں۔ کس مہینے میں پیدا ہوئے؟ جواب ہوگا۔ اللہ کے محترم مہینے رجب میں۔ کب شہید ہوئے؟ اللہ کے مہینے رمضان میں۔ کہاں شہید ہوئے؟ اللہ کے گھر مسجد میں۔ ؎

موت ہو یا ہو ولادت جو ہو اپنے گھر میں ہو
مولد و مشہد تمہارا گھر خُدا کا ہو گیا

علی نے کس لیے جہاد کیا۔ اللہ کے لئے علی بستر رسالت پر کیوں سوئے۔ اللہ کے پاس اپنے نفس کو بیچنے کے لئے تین دن لگاتار فاقہ سے رہ کر مسکین یتیم اسیر کو کھانا کیوں کھلایا؟ اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ اپنی پہلی عبادت گاہ کو علی کا مولد اور زچہ خانہ بنا کر اس عبادت گذار اور آدیل عبد کی یاد کو تازہ رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ دُنیا کے انسان اس کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر والہانہ عبادت کر سکیں۔ حضرت علی اپنے ذوق عبادت کا اپنی زبان سے اس طرح تذکرہ کرتے ہیں ہے۔ استلذ ذت استلذ اذا ظننت ان اللہ لا یوجس نی علیہ۔ (زہر الربیع)۔ ترجمہ: مجھے اللہ کی عبادت میں ایسی لذت حاصل ہوئی، کہ جو لذت حاصل ہونے کا حق ہے۔ حتیٰ کہ مَیں نے گمان کیا، کہ اب اس پر میرے لئے اللہ کے پاس کوئی اجر باقی نہیں رہا۔

چونکہ علی کا ذکر اللہ کے ذکر کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اس لئے علی کا ذکر بھی عبادت ہے ذکر علی عبادہ :۔

۲۔ خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ خیر و برکت کا مقام ہے۔ علی کی ولادت وہ خیر و برکت تھی جس نے اس خانہ کعبہ کو جب کہ وہ خیر و برکت کھو چکا تھا پھر مرکزی خیر و برکت بنا دیا۔ منشار قدرت تھا کہ اس کی ولادت بیت اللہ میں ہو تاکہ دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسی مولود نے بیت اللہ کی کھوئی ہوئی برکت کو اپنی جد و جہد سے پھر پلٹانا ہے۔

۳۔ یہ گھر سارے جہاں کے بنی نوع انسان کا رہنما ہے مگر علی کی ولادت سے پہلے اس کی کیا حالت تھی۔ ؎

وہ دُنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا　　خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا　　کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ اک بُت پرستوں کا معبد بنا تھا　　جہاں تین سو ساٹھ بت بج رہا تھا　　(حالی)

مولود کعبہ کی وفا، مولود کعبہ کا ایثار، مولود کعبہ کی مواسات، مولود کعبہ کی جان نثاریاں، مولود کعبہ کے مجاہدات بدر و احد و خندق تھے جنھوں نے اپنے مولد کو ھدیً للعالمین ہونے کا دوبارہ فخر و شرف بخشا۔ اگر علی نہ ہوتے تو علی کا مولد جو صنم خانہ بن چکا تھا مرکز توحید و قبلہ انام نہ بنتا۔ علی علیہ السّلام کی ولادت علی کی عظمت و رفعت کی ایک پیشین گوئی ہے۔

۴۔ اس گھر میں روشن اور واضح نشانیاں ہیں یوں تو ہر چیز اس صانع کی نشانی ہے۔ مگر اس کی خاص نشانیاں نبوت رسالت امامت ولایت ہیں۔ اسی لئے جناب مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السّلام کو آیت الٰہیہ کہا گیا۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام آیات اللہ ہیں، اس خاندان کا ہر فرد آیت اللہ الکبریٰ ہے۔ جناب امیر بھی آیت اللہ الکبریٰ ہیں، اور ان کی ولادت بیت اللہ میں خود آیت من آیات اللہ ہے اس خانہ کعبہ میں مقامِ ابراہیم ہے معنوی لحاظ سے مقام ابراہیم سے مراد مقام امامت ہے جو سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو عطا ہوا۔ انی جاعلك للناس اماماً خطاب سرکار احدیت ہوا۔ "اے ابراہیم مَیں تجھے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔ آپ نے دعا کی قال من ذریتی پالنے والے میری اولاد سے بھی امام بنا۔ دعا مستجاب ہوئی۔ ارشاد ہوا۔ تیری اولاد سے آئمہ ہونگے۔ مگر وہی جو معصوم ہوں کیونکہ میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اس لئے اولاد ابراہیم کے افراد معصوم میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ سرکار رسالت پر پہنچکر یہ امامت امامت مطلقہ ہو گئی۔ انسانوں میں ہی محدود نہ رہی۔ سرکار رسالت کے بعد اس سلسلہ کا امام اوّل مولود کعبہ ہوا۔ اب یہ سلسلہ مولود کعبہ کی اولاد میں جاری و ساری قیامت تک رہیگا۔ یہ مطلب ہے کعبہ میں آیات بینات اور مقام ابراہیم کا۔ فتدبر و لا تکن من الجاحدین۔

۵۔ وہ جائے امن و مامن کائنات ہے، اسے مامن کائنات بنانے والے بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں انھوں نے ہمیشہ اس مامن کی حفاظت کی مولود

کعبہ نے جب کہ ابوسفیان اموی کہہ رہا تھا کہ میں حجاز کے میدانوں کو سوار و پیادہ سے پُر کردونگا اگر تم اجتماعی خلیفہ کے خلاف تلوار اٹھالو مگر حضرت علی جذبات کی رو میں نہ بہے اور تخت و تاج کو ٹھکرا کر حجاز کے امن و امان کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ جب مجبوراً آپ کو لڑنا بھی پڑا، تو کوفہ کو دارالخلافہ بنا کر زمین حجاز کے امن میں فرق نہ آنے دیا۔

عبداللہ ابن زبیر اور بنی امیہ کی چپقلش نے بیت اللہ کو جسے اللہ نے مامن قرار دیا مرکز جنگ و جدل بنایا مگر مولودِ کعبہ کے فرزند سرکار سید الشہدا نے حرمت بیت اللہ کے پیشِ نظر کعبہ سے ہجرت فرمائی، کربلا میں شہید ہوئے مگر اسلام کے مامن کے امن و امان میں فرق نہ آنے دیا۔

۶۔ مولد علی جائے ثواب بھی ہے اور جائے امن بھی علی ابن ابی طالب مولود کعبہ نے اس شرف کو چار چاند لگا دیئے اور کعبہ آج مثاب و مامن ہے اور قیامت تک رہے گا۔

۷۔ اللہ کا یہ گھر طہارت کا مرکز ہے اور اس کی طہارت کو قائم رکھنے کا حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا گیا ہے یہ عہد مولود کعبہ علی ابن ابی طالب کی طہارت کا شاہد ناطق ہے، جوفِ کعبہ میں علی ابن ابی طالب کی ولادت بتلا رہی ہے کہ علی مطلق طور پر طاہر و مطہر ہیں اور انکی ولادت عام انسانوں کی ولادت سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیونکہ ولادت کے وقت ماں پر جو آثار و کیفیاتِ نجاست طاری ہوتے ہیں ان سے فاطمہ بنت اسد والدہ علی مبرا و منزہ تھیں حیض و نفاس جس میں نجس ہیں فاطمہ بنت اسد فاطمہ بنت محمد علیہم السّلام کی طرح بتول اور حیض و نفاس سے پاک تھیں۔ اگر ان میں شائبہ نفاس ہوتا تو قدرت انہیں خانہ کعبہ میں دیوار کو شگافتہ کرکے ولادت کا موقعہ نہ دیتی۔ انبیاء و رسل ائمہ و اولیا کی ولادت عوام سے بالکل جداگانہ ہے، اس کے شواہد قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ ولادت انبیاء و ائمہ ایک مستقل عنوان ہے یہ مختصر مقالہ اس کی تفصیل کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ المختصر البیت مقام طہارت ہے، اسی لئے معصومین و مطاہرین کو اہل البیت کہتے ہیں بیت پر آل تعریف و تخصیص کیلئے ہے۔ محمد و آلِ محمد کی طہارت کو اسی لئے قرآن حکیم میں اہلبیت کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے: "انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا"۔ جس پر الِ استغراق کا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اہل البیت ہر قسم کی نجاست سے وہ مادی ہو یا ذہنی، روحانی ہو یا اخلاقی، عقلی ہو یا جسمانی پاک و پاکیزہ ہیں۔ اسی لئے اہل البیت کے دروازے مسجد نبوی میں کھلے رہے اور اصحاب کے بند کروا دیئے۔ اہل بیت پر کیفیات نجاست کبھی طاری نہیں ہوئیں اس لئے وہ مسجد نبوی میں ہر وقت آمد و رفت کر سکتے ہیں اور خانہ کعبہ کی حرمت قائم رہ سکتی ہے خلاصہ کلام علی علیہ السّلام کی عین جوف میں ولادت نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ علی بھی کیفیات نجاست سے مبرا و منزا ہیں۔ اور انکی سامی منزلت والدہ بھی۔ اَللّٰھم صلی علی محمد وعلی آل محمد۔

۸۔ خانہ کعبہ کی عزو شرف کی وجہ سرکار رسالت کا وجود ذیجود ہے سچ ہے اگر حضور علیہ السّلام خانہ کعبہ میں ورود نہ فرماتے تو اسے عزت و شرف کی وہ بلندی حاصل نہ ہوتی جو اب ہے۔

۹۔ خانہ کعبہ کی عظمت کا سبب مولود کعبہ کا والد ہے، یہ امر بھی سرکار احسان ابو طالب عمران کی عملی جدوجہد سے آشکار ہے۔

۱۰۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولودِ کعبہ کا یہ شرف ہے کہ ان کی ولادت بیت اللہ میں ہوئی بجا ہے مگر یہ بھی تو کہئے کہ خانہ کعبہ کا یہ شرف ہے کہ مولود کعبہ کی ولادت سے وہ مشرف ہوا جیسا کہ ما ولد کی قسم سے ظاہر و باہر ہے۔

گویا یہ کہہ رہی ہے ہنس کر جدار کعبہ   آؤ دکھائیں محسن تجھ کو بہار کعبہ

کسی امر میں حصولِ درجہ یقین کے لئے علمائے متکلمین فریقین نے دو امور میں سے ایک ضروری قرار دیا ہے نص محکم یا خبر متواتر مولود کعبہ علی

ابن ابی طالب کی جوف کعبہ میں ولادت دونوں طریق سے ثابت ہے نص محکم لفظ ما ولد میں موجود ہے۔ اور اس خبر کے متواتر ہونے کو سُنی محدث شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی تسلیم کیا ہے اور علامہ حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں اسکی توضیح کر دی ہے جیسا کہ ہم اس مقالہ میں اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔
مستدرک کے مؤلف علامہ ابو عبداللہ محمد الحاکم نیشاپوری صاحب مستدرک علی الصحیحین ہیں۔ ان کی ولادت ربیع الاول ۳۲۱ھ مطابق مارچ ۹۳۳ء میں ہوئی۔ اور ان کا انتقال ۳ صفر ۴۰۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۰۱۴ء کو ہوا۔ ان کے متعلق علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:-
"ابو عبداللہ محمد الحاکم امام علمائے حدیث زمانہ تھے حدیث میں انھوں نے ایسی ایسی اعلیٰ اور صحیح کتابیں لکھی ہیں کہ مثل ان کے اس سے پہلے نہ تھیں علامہ حاکم عالم عارف تھے، اور بہت علم واسع رکھنے والے تھے۔ ابو سہل الصعلوکی سے علم فقہ سیکھا پھر عراق کا سفر کیا اور وہاں ابو علی بن ابی ہریرہ سے علم حدیث و فقہ حاصل کیا اس کے بعد طلب حدیث کا شوق پیدا ہوا اور حدیث پڑھ کر انھوں نے غلبہ حاصل کیا۔ علم حدیث میں بہت مشہور ہو گئے اتنے جید علما سے انھوں نے علم حدیث حاصل کیا کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ وہ تقریباً دو ہزار کے قریب تھے۔ اس کثرت شیوخ کی وجہ سے حاکم کے بعد جو بھی عالم حدیث ہوا اس نے حاکم سے روایت اخذ کی۔ انہوں نے مختلف علوم میں ۱۵۰۰ کتابیں لکھیں" (وفیات الاعیان لابن خلکان)
تمام تاریخیں بتلاتی ہیں کہ حضرت علی نے ولادت کے بعد سب سے پہلے جس کی گود میں آنکھیں کھولیں۔ سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء کی ذات قدسی صفات تھی۔ آپ کی نگاہیں سب سے پہلے جمال سید البشر پر پڑیں۔ سرکار رسالت نے اپنے لعاب دہن سے سرکار ولایت علی ابن ابی طالب کو پہلی غذا دی۔ خدا گواہ ہے کہ یہ پہلی (بلکہ آخری بھی) صورت تھی جو ہمیشہ علی کی نگاہوں کا مرکز بنی رہی۔
جناب امیر نے آغوشِ رسالت میں پہنچ کر قبل نزول قرآن سورہ المؤمنون کے پہلے رکوع کی تلاوت کی ——— ولادت کے بعد آپ کی مادر گرامی نے آپ کا نام اسد و حیدر، جناب ابو طالب نے زید اور اللہ اور رسول نے علی رکھا۔
امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ جب ولادت جناب امیر ہوئی تو حضرت ابو طالب موجود نہ تھے، کہیں باہر تشریف لے گئے تھے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام اسد رکھا ——— سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: عطا کا قول ہے کہ علی مرتضیٰ کی والدہ نے ان کا نام حیدر رکھا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے دن جناب حیدر کرار نے رجز میں فرمایا تھا:۔ انا الذی سمتنی امی حیدرہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ (تذکرہ خواص الائمہ)
فخر الاسلام ابو بکر نجم الدین لکھتے ہیں:۔ "بعضوں کا قول ہے کہ جناب امیر المومنین جب پیدا ہوئے تو حضرت ابو طالب مکان پر موجود نہ تھے۔ والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب امیر ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے اور تنہا گھر میں تھے۔ آپ کی والدہ کسی کام میں مصروف تھیں۔ ان کا گھر مکہ میں ایک پہاڑ کے پہلو میں تھا، ایک سانپ پہاڑ سے اترا، اس نے جناب امیر کو کاٹنا چاہا، جناب امیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا، وہ انکے ہاتھ میں مر گیا، اتنے میں انکی والدہ باہر سے تشریف لائیں اور سانپ کو مرا ہوا ہاتھ میں دیکھ کر کہنے لگیں "حیاک اللہ یا حیدر" اے میرے شیر! خدا تجھے زندہ رکھے اس وجہ سے حیدر نام ہو گیا۔" (مناقب الصحابہ)
حافظ علی بن برہان الدین شافعی لکھتے ہیں:۔ "جناب امیر کا اپنے آپ کو حیدر کہنا امور کشفیہ میں سے ایک کشف تھا، کیونکہ اسی رات مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اسے ایک شیر نے پھاڑ ڈالا ہے۔ جناب امیر نے اسے خوفزدہ کرنے کیلئے اس کا ذکر کیا کہ میں وہ شیر ہوں جسے خواب میں تو نے دیکھا ہے۔ اس واقعہ کو ابو حاتم نے تفسیر میں اور امام مسلم نے صحیح مسلم کی کتاب الجہاد میں بھی لکھا ہے۔" (سیرت حلبیہ)
دراصل جناب فاطمہ بنت اسد نے مولود کعبہ کا نام عرب کی رسم کے مطابق اپنے باپ کے نام پر اسد رکھا پھر واقعہ مار کے بعد یہ نام حیدر بھی ہو گیا

ملا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں :۔ "یہ بھی مشہور ہے کہ جناب ابی طالب نے اپنے جد اعلیٰ جامع قبائل عرب قصی کے نام پر جناب امیر کا نام زید رکھا۔ سرکار رسالت تشریف لائے آپ نے نام کے متعلق پوچھا۔ ابوطالب اور جناب فاطمہ نے اسد بتایا۔ حضور نے فرمایا: نہیں علی نام ہونا چاہیئے۔ فاطمہ بنت اسد کہنے لگیں، بخدا میں نے ایک روز ہاتف غیبی سے اس بچہ کا یہی نام سنا تھا"۔ (روضۃ الشہداء)

حقیقت یہ ہے کہ جناب امیر المومنین کا نام ازل میں خدائے لم یزل علی رکھ چکا تھا، چنانچہ حضرت آدمؑ کو جبرئیل امین نے جو کلمات تعلیم دیئے تھے، وہ یہی اسمائے خمسہ نجباء (پنجتن پاک) تھے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ کلمات یہ تھے "الٰھی بحق محمد و انت المحمود بحق علی وانت الاعلٰی بحق فاطمۃ وانت فاطر السمٰوٰت والارض بحق الحسن و انت المحسن و بحق الحسین وانت قدیم الاحسان"۔ (تفسیر درمنثور سیوطی) ترجمہ: "اے میرے معبود محمد مصطفٰے کا صدقہ درحالیکہ تو محمود ہے علی مرتضٰے کا صدقہ درحالیکہ تو اعلٰے ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کا صدقہ کہ تو زمین و آسمان کو پیدا کرنیوالا ہے۔ حضرت حسن مجتبیٰ کا صدقہ کہ تو محسن ہے اور حضرت حسین شہید الشہداء کا صدقہ کہ تو قدیم الاحسان ہے"۔

قدیم کتب الہامیہ اور صحف انبیاء میں حضرت علی کے متعلق پیشینگوئیاں موجود ہیں جن میں آپ کو ایلیا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے ہی جناب امیر کا نام علی رکھا۔ علامہ محمد بن یوسف گنجی الشافعی اسی کے قائل ہیں چنانچہ انہوں نے اس کی تائید میں حضرت ابوطالب کا یہ شعر لکھا ہے:؎

سمیتہ بعلی کی یدوم لہ عز العلو فخر العز ادومہ

ترجمہ: میں نے اس کا نام علی اس لئے رکھا، تاکہ سربلندی کی عزت اس کیلئے ہمیشہ رہے اور عزت کا افتخار اس کیلئے دائمی رہے۔ (کفایۃ الطالب)

حضرت ابوطالب نے یہ نام سرکار احدیت کے ایما پر رکھا تھا۔ چنانچہ مناقب کی کتابوں میں تسمیہ علی ابن ابی طالب کا ذکر اس طرح موجود ہے کہ حضرت ابی طالب نے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر اس طرح دعا کی: ماذا ترٰی اسم ھذا الصبی میرے معبود تیرے نزدیک اس بچہ کا کیا نام ہے۔ فھتف ھاتف من السماء آسمان سے غیب کی ندا دینے والے نے اس طرح ندا دی :۔

اسمہ فی شوامخ العلا علی ن اشتق من العلی

ترجمہ: بلند دنیا کی بلند چوٹیوں میں اس بچہ کا بلند نام علی (بلند) ہے۔ جو بیر بلند نام علی سے مشتق ہے۔ بھی علی ہے، اس لئے علی علی کرنا بھی عبادت ہے"۔ ——— اس نام "علی" کی خصوصیات سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ سرکار احدیت نے انوار محمد و آل محمد علیہم السلام کو علی کی مناسبت سے "عالین" کہا۔ چنانچہ شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا: استکبرت ام کنت من العالین۔ اے شیطان کیا تو نے تکبر کیا، یا تو اپنے آپ کو "عالین" (علی والوں) میں سے سمجھا ہے اسی نام کی عظمت کو ملحوظ رکھ کر روحانیت کے بلند مقام کو "علیین" سے تعبیر فرمایا۔ عربی میں ایک ضرب المثل ہے: ان الاسماء تنزل من السماء تحقیق نام بھی آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ ضرب المثل صحیح معنوں میں جناب امیر کے نام "علی" پر صادق آتی ہے، عرب میں نام کی دو قسمیں ہیں مشتق اور مرتجل مشتق اس نام کو کہتے ہیں کہ جو اسم بامسمیٰ ہو جیسا نام ہو، ویسا ہی نام والا ہو۔ مرتجل اس نام کو کہتے ہیں، جو مسمیٰ کے خلاف ہو۔ نام تو فاضل ہو اور نام والا جاہل، نام عام طور پر اس لئے مرتجل ہو جاتے ہیں، چونکہ نام رکھنے والا علم غیب نہیں رکھتا گویا نام کا مرتجل ہو جانا نام رکھنے والے کی جہالت کی دلیل ہے حضرت علی کا نام اللہ نے رکھا جو عالم الغیب و الشہادت ہے اس لئے علی ہمیشہ علی رہے اور رہیں۔

علی حسب میں علی ہیں نسب میں علی ہیں۔ نام میں علی ہیں کام میں علی ہیں علم میں علی ہیں عمل میں علی ہیں۔ نماز میں علی ہیں روزہ میں علی ہیں زکوٰۃ میں علی ہیں حج میں علی ہیں خمس میں علی ہیں جہاد میں علی ہیں شجاعت میں علی ہیں عبادت میں علی ہیں سخاوت میں علی ہیں عفت میں علی ہیں عصمت میں علی ہیں اخلاق میں علی ہیں معاشرت میں علی ہیں طہارت میں علی ہیں زہد میں علی ہیں تقویٰ میں علی ہیں مصاہرت میں علی ہیں تمدن میں علی ہیں سیاست میں علی ہیں۔ علی ہر حیثیت سے علی ہیں ولادت میں علی ہیں شہادت میں علی ہیں امامت میں علی ہیں ولایت میں علی ہیں۔ علی علی ہیں۔ علی علی ہیں علی علی ہیں علی علی ہیں مسلمانوں سے ہماری تو یہی استدعا ہے کہ پہلے اور چوتھے کے جھگڑے کو ختم کر دو اور علی کو علی سمجھو

حضرت علی علیہ السلام کے والدین

انسانی تشکیل سیرت کے تین بڑے عناصر ہیں: ——— (۱) توارث صفات 1- HEREDITY

(۲) ماحول 2. ENVIRONMENT — (۳) قوت الارادیہ 3. WILL

تشکیل سیرت کی ان سہ گانہ عناصر کو انگریزی کی ایک ضرب المثل میں بیان کیا گیا ہے:۔

۱۔ توارث صفات: بعض لوگ عظیم المرتبت پیدا ہوتے ہیں:۔ HEREDITY -1. SOME BORN GREAT

۲۔ ماحول: بعض میں عظمت ٹھونس دی جاتی ہے:۔ ENVIRONMENT. 2. SOME HAVE GREATNESS THRUS UPON THEM.

۳۔ قوت الارادیہ: بعض عظمت کو حاصل کرتے ہیں:۔ WILL. 3. SOME ACHIEVE GREAT

حضرت علی علیہ السلام کے والدین حضرت ابو طالب عمران اور حضرت فاطمہ بنت اسد میں تشکیل سیرت کے یہ تینوں عظیم الشان عناصر بہترین طریق پر موجود تھے۔ ہم ان ہر دو عظیم الشان شخصیتوں کے حالات لکھنے سے پہلے ان کے عناصر کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔

توارثِ صفات:۔ HEREDITY - توارثِ صفات قدرت کا اٹل اور عالمگیر (UNIVERSAL) قانون ہے جس سے کسی طرح انکار ممکن نہیں۔ اس علم و معرفت کے زمانہ اور سائینٹیفک دور میں اس قانون پر بہت تحقیقات (RESERCH) ہوئی ہے۔ توارث صفات چہار گانہ موجودات عالم میں موجود ہے۔ جمادات میں بھی توارثِ صفات ہے۔ نباتات میں بھی حیوانات میں بھی توارث ہے اور انسانوں میں بھی بعض کانوں کے معدنیات عام کانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ عقیق یمنی ہے یہ نیشاپور کی کان کا فیروزہ ہے۔ یہ لعل بدخشاں ہے۔ اس سے اظہر من الشمس ہے کہ عالم جمادات میں توارث صفات موجود ہے۔

نباتات میں بھی توارثِ صفات کا سلسلہ جاری ہے ماہرین نباتات پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ بیج کے اثرات پھل میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی کو توارثِ صفات کہتے ہیں۔ محکمہ زراعت اعلان کرتا ہے کہ گندم نمبر ۵۹۱ کاشت کرو۔ ۳۱۲ نمبر کا گنا بوؤ۔ فلاں نمبر کی کپاس کاشت کرو۔ بنارسی لنگڑا آم اور سہارنپوری مالدہ فیض آباد کا فجری امرود کا ثمر بہشت اپنے باغات میں اگاؤ۔ ترش آم کی گٹھلی سے ترش آم ہی پیدا ہوتا ہے۔ توارث صفات کی بنا پر مالٹے کی مختلف اقسام ہیں کوئی ریڈ بلیڈ کہلاتا ہے تو کوئی ہنر کسلنسی الٰہ آبادی امرود کی اقسام میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

حیوانات میں بھی توارثِ صفات موجود ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ عربی النسل (ARABIANBREED) گھوڑا ہے۔ یہ (THOROUGHBREED) (تھارو نسل) کا گھوڑا ہے۔ یہ بلوچی نسل کا ہے۔ یہ سندھی نسل کا یہ ترکستانی نسل کا ہے۔ اس جوانی توارث صفات کے پیش نظر قدیم عرب اپنے گھوڑوں کے شجرہ ہائے نسب محفوظ رکھتے تھے۔ بیلوں میں بھی امتیاز نسل ہے کہتے ہیں یہ حصاری نسل کا بیل ہے یہ دھنی نسل کا بیل ہے

جس طرح موجودات سہ گانہ میں توارث صفات موجود ہے اسی طرح انسانوں میں بھی موجود ہے بھلا اسلام جو دینِ فطرت ہے، قدرت کے اٹل قانون توارث صفات کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے۔ اس نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر توارث صفات کے عالمگیر قانون کا بیان کیا ہے:۔

الآیہ:۔ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب (العنکبوت) ہم نے اولاد ابراہیم میں نبوت اور کتاب کو رکھا۔

الآیہ:۔ ان اللہ اصطفٰی آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین۔ (آل عمران) اللہ تعالیٰ نے آدمؑ نوحؑ آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالمین میں صفا و پاکیزگی کے لحاظ سے چنا۔

علامہ ابن خلدون توارث صفات اور نسلی امتیاز کا ذکر اپنے مقدمہ تاریخ میں ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔ "شرافت و حسب کا انحصار اخلاق و اطوار پر ہے اور اچھا خاندان وہ ہے جس کے اسلاف و اجداد مشہور شریف ہوئے ہوں یعنی نوع انسان اپنی نسل و خاندان کے لحاظ سے معادن میں مشابہ ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے: الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام۔ اس سے معلوم ہوا، کہ احساب و اخلاق نسب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون عربی معرب فصل نمبر ۱۳ ص ۱۳۴)۔

سرکار ولایت علی ابن ابی طالب کے ماں اور باپ دونوں شجرۂ طیبہ بنی ہاشم سے ہیں یہی وہ خاندان ہے جس سے سرکار رسالت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یہی وہ خاندان ہے جس کا سرکار رسالت نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے :۔ انا محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ھاشم ان اللہ عزوجل خلق خلقہ جعلنی خیر خلقہ ثم جعل خلق الذی انا منھم فریقین فجعلنی منھم خیر الفریقین من خلقہ ثم جعل الخلق الذی انا منھم شعوباً فجعلنی فی خیرھم شعوباً ثم جعلھم بیوتاً فجعلنی خیرھم بیتاً۔ (کتاب المحاسن والاضداد باب المفاخرہ لادیب الاریب حافظ عثمانی) ترجمہ:۔ "میں ہوں محمد خدا کا بندہ بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم خدا نے مخلوق کو پیدا کیا، اور مجھ کو بہترین مخلوق قرار دیا۔ پھر اس بہترین مخلوق کے جس میں ہم ہیں دو حصے کئے اور مجھ کو اس کے بہترین حصہ میں رکھا۔ پھر اس بہترین حصہ کو جس میں ہم شامل ہیں قبیلے قرار دیا اور ہم کو ان تمام قبائل کے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر ان قبائل کے بہترین گھرانے بنائے، اور مجھ کو بہترین گھرانے میں رکھا۔"

اسی خاندان کا علامہ ابن خلدون نے اس طرح ذکر کیا ہے "کوئی آدمی نہ نکلے گا، کہ آدم علیہ السلام سے لیکر اس وقت تک اس کے آباؤ اجداد علی الاتصال حسب و شرافت کے صدر نشین رہے ہوں۔ اگر کوئی ہے تو جناب رسالتمآب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آنحضرت کے تمام آباؤ اجداد آدم علیہ السلام تک صاحب مجد و شرف ہوئے اور جو شرافت قائم ہوئی اس کو زوال ہوا۔ اور جب کسی قوم و خاندان میں عز و شرف کی بنیاد قائم ہوئی، چار پشتوں سے زیادہ اسے ثبات و قرار نہ ہوا۔" (مقدمہ تاریخ علامہ ابن خلدون عربی فصل ۱۵ ص ۱۳۶-۱۳۷) علامہ ابن خلدون کی تحقیق ہے۔ کہ ایک مورث کی شرافت و نجابت حسن کردار و سیرت چار پشتوں تک باقی رہتی ہے۔ اب ذرا سرکار رسالت اور سرکار ولایت علی ابن ابی طالب کے والدین کے انساب پر غور فرمائیے۔

۱۔ نسب سرکار رسالت محمد مصطفٰے اروحنا لہ الفدا: محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

۲۔ نسب سرکار احسان ابوطالب عمران والد علی علیہم السلام :۔ ابوطالب عمران بن عبد المطلب بن ہاشم۔

۳۔ نسب سرکار امومت فاطمہ بنت اسد والدہ علی علیہا السلام : فاطمہ بنت اسد بن ہاشم۔

حضرت علی کے والد جناب ابوطالب عمران اور رسول اللہ کے والد جناب عبداللہ ماں اور باپ کی طرف سے حقیقی بھائی تھے، یہ شرف آنحضرت کے

کسی اور چچا کو نہ تھا۔ حضرت علی کی والدہ جناب رسول اللہ سے صرف دوسری پشت میں ملتی تھیں۔ وہ حضرت ابو طالب کی حقیقی بنت عم یعنی چچازاد تھیں۔ مورخین اسلام نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی اس فضیلت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: "انہا اول ھاشمیۃ تزوجت ھاشمیاً و ولدت ھاشمیاً واول ھاشمیۃ ولدت خلیفہ" (الاستیعاب، اصابہ، اسد الغابۃ، تاریخ الخلفا) "فاطمہ بنت اسد پہلی ہاشمی عورت ہیں جن کا عقد بھی خاندان بنی ہاشم میں ہوا، اور ہاشمی ہی فرزند آپ کے بطن سے پیدا ہوا، اور یہ [illegible] وہ پہلی ہاشمی عورت ہیں جن کے بطن اقدس سے خلیفہ رسول اللہ متولد ہوئے۔"

حضرت علی کے والد بھی ہاشمی ہیں والدہ بھی ہاشمیہ ہیں اور بنی ہاشم کے متعلق سرکار رسالت حضرت محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفداء نے فرمایا ہے:

"قال جبریل قلبت مشارق الارض ومغاربہا فلم اجد رجلاً افضل من محمد وقلبت مشارق الارض ومغاربہا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ہاشم" (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۶) "مجھ سے جبریل نے کہا کہ میں نے روئے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو چھان ڈالا ہے لیکن کسی شخص کو محمد سے اور کسی خاندان کو بنی ہاشم سے افضل و اعلیٰ نہیں پایا۔"

حضرت علی ابن ابی طالب نے سرکار رسالت محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفداء کی مدح کرتے ہوئے اس خاندان کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

۱- "اختارہ من شجرۃ الانبیاء ومشکاۃ الضیاء وذوابۃ العلیاء وسرۃ البطحاء ومصابیح الظلمۃ وینابیع الحکمۃ" (نہج البلاغۃ ج ۱ خطبہ ۱۰۳ ص ۲۰۶ مطبوعہ مصر) "اللہ تعالیٰ نے سرکار رسالت کو شجرہ انبیاء سے چنا جو روشنی اور ضیا کا چراغدان ہے، بلندی کا سرچشمہ ہے بطحا کا خاندان جو تاریکی کی شمعیں ہیں، اور حکمت کی نہریں ہیں۔"

۲- توصیف انبیاء علیہم السلام فرماتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام خاندان بنی ہاشم کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

"استودعہم فی افضل مستودع واقرھم فی خیر مستقر تناسختہم کرائم الاصلاب الی مطھرات الارحام کلما مضیٰ منہم سلف قام منہم بدین اللہ خلف حتی افضت کرامۃ اللہ سبحانہ الی محمد فاخرجہ من افضل المعادن منبتاً واعز الارومات مغرساً من الشجرۃ التی صدع منہ انبیاء وانتجب منہ امنارہ عترتہ خیر العتر وشجرتہ خیر الشجر نبتت فی حرم وبسقت فی کرم لہا فروع طوال وثمرۃ لاتنال" (نہج البلاغہ ج ۱ خطبہ ۹۰ ص ۱۸۵ مطبوعہ مصر) "اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اصلاب کی بہترین ودیعت گاہوں میں سونپا اور ارحام کی بہترین قرارگاہوں میں ٹھہرایا، انہیں پاکیزہ اصلاب سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل کرتا رہا۔ جب کبھی ان میں سے کوئی گزر گیا۔ تو دین اللہ کی حمایت کیلئے بعد میں آنیوالا اس کی جگہ کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ کرم و لطف کا سلسلہ محمد مصطفیٰ پر منتہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سرکار رسالت کو اس نشوگاہ سے جو عالم کی کانوں کی طینت کی بہترین کان ہے نکالا۔ اور نبوت کی اس اصل سے جو باعتبار قرارگاہ حق تمام اصلوں سے زیادہ باعزت ہے پیدا کیا اس خاندان کا شجرہ عصمت براہیمیہ سے برآمد فرمایا جس سے اس نے اپنے متعدد انبیاء پیدا کئے اور اسی کی شاخوں سے اپنے امانتداران وحی انتخاب فرمائے۔ انکی عترت بہترین عترت ہے ان کا خاندان تمام خاندانوں سے اعلیٰ ہے۔ ان کا شجرہ نسب تمام اشجار نسب سے بہتر ہے، جو حریم شرف میں روئیدہ ہوا۔ اور بزرگی کی فضا میں بلند ہوا اس درخت کی شاخیں دراز ہیں۔ اور اس کے پھلوں کی خوبیوں کو کوئی نہیں پا سکتا۔"

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ علی ابن ابی طالب کے والدین بہترین قبیلہ اور بہترین گھرانے سے ہیں، اگر مشرق و مغرب کو بھی چھان ڈالا

جائے تو اس سے افضل و اعلیٰ خاندان نہیں مل سکتا۔ خاندان نبوت ہے نور و ضیا کا چراغدان ہے تاریکیوں کی روشن شمعیں ہیں۔ اور علم و حکمت کا منبع ہے طینت کی بہترین کان ہے اسی خاندان سے انبیاء دنیا میں آئے اور اسی سے وحی کے مانند پیدا ہوئے۔ رشد و ہدایت اس خاندان کا طرہ امتیاز ہے۔ اسے قرآن حکیم میں کہیں امت مسلمہ کہا گیا ہے اور کہیں ذریت ابراہیم کے لقب سے سربلند کیا گیا، کہیں آل ابراہیم کہہ کر انہیں اصطفیٰ کے تاج سے سرفراز فرما کر اور رنگ عصمت و طہارت پر بٹھایا گیا۔

اس خاندان کی عصمت کے متعلق ہم چند احادیث درج کرتے ہیں :۔ ۱۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللّٰہ ان اللّٰہ اصطفیٰ من بنی کنانۃ قریشا ثم اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم۔ (بخاری، مسلم و ترمذی) "ام المومنین حضرت عائشہ سے منقول ہے، کہ سرکار رسالت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی کنانہ میں سے قریش اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کیا"۔

۲۔ عن واثلۃ ابن اسقع قال قال رسول اللّٰہ ان اللّٰہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم ولد اسمٰعیل ثم اصطفیٰ من ولد اسمٰعیل بنی کنانۃ ومن بنی کنانۃ قریشا و اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من ھاشم (شفا قاضی عیاض) "واثلہ ابن اسقع سے مروی ہے، کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے بنی اسمٰعیل کو برگزیدہ کیا۔ اور بنی اسمٰعیل میں سے بنی کنانہ کو بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا"۔

اس حدیث کو ترمذی نے بھی لکھ کر بتایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۔ انا و علی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی۔ کنز العمال)۔ "رسول اللہ نے فرمایا میں اور علی ایک شجرہ (خاندان) سے ہیں۔ اور لوگ مختلف خاندانوں سے ہیں"۔

۴۔ یا علی الناس من اشجار شتی انا و انت من شجرۃ واحدۃ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴) "رسول اللہ نے فرمایا: اے علی دنیا بھر کے لوگ تو مختلف درختوں سے ہیں۔ میں اور تم ایک ہی درخت سے ہیں"۔

۲۔ ماحول: ENVIRONMENT ۔ اگرچہ وقت ظہور رسالت عرب کا ماحول کفر و بت پرستی سے مملو تھا، اور فسق و فجور اور دنیا بھر کے قبایح سے بھرپور تھا۔ مگر خاندان براہیمی ان قبایح سے الگ تھلگ تھا۔ اس خاندان کا ماحول ایک اپنا ماحول تھا یہ امت مسلمہ کا ماحول تھا جس میں حضرت علی علیہ السلام کے والدین حضرت ابو طالب عمران اور حضرت فاطمہ بنت اسد زندگی بسر کر رہے تھے ہم اس ماحول کے مطابق کچھ شواہد قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم خلیل علی نبینا و علیہ السلام کی ایک دعا کا ان الفاظ میں ذکر فرماتا ہے:۔ "واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد امنا واجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام" (سورہ ابراہیم آیت ۳۵ پ ۱۳)۔ اور وہ وقت یاد کرو۔ جب ابراہیم نے خدا سے عرض کی تھی پالنے والے اس شہر (مکہ) کو امن امان کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔

یہ دعا ایک اولو العزم رسول کی دعا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ہمارے جیسی نہیں ہوتیں اسلئے یقیناً مقرون باجابت ہوتی ہیں کیونکہ ان کے لئے موانع اجابت دعا مفقود ہوتے ہیں، ان کی دعائیں نیک ہوتی ہیں زبان صدق سے صادر ہوتی ہیں ان کی دعائیں خلوص لئے ہوئے اس دل سے نکلتی ہیں جو مہبط وحی ہوتا ہے۔ وہ گناہ سے جو اجابت دعا میں سد راہ ہوتا ہے مبرا و منزہ اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان کا خضوع و خشوع معراج کمال پر ہوتا ہے۔ ان کی خدمات و عبادات کا صلہ انہیں اجابت دعا میں ملتا ہے۔ ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین

اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے اسی نبی مرسل حضرت خلیل کی یہ دعا مستجاب ہوئی، ان کی اولاد کا بتوں کی پرستش سے منزہ و مبرہ رہنا ضروری ہے اگر ان کی اولاد کے افراد بت پرستی کریں، تو وہ زمرہ اولاد سے اسی طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح حضرت نوح کا بیٹا خارج ہوا۔ اور حضرت نوح کو خطاب رب العزت ہوا: لیس من اھلک یہ تیرے اہل سے نہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہونے والے وہ تمام افراد جنھوں نے بت پرستی اختیار کی۔ ابنیت ابراہیم سے خارج ہو گئے، وہ آل ابراہیم میں شمار نہیں ہوں گے اگرچہ نسباً اولاد ابراہیم میں ہی ہوں۔ چنانچہ یہ امر اسی دعا کے آخری حصے سے جسے ہم پیش کر رہے ہیں متضاد ہوتا ہے۔ "فمن تبعنی فانہ منی" جو میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے۔"

اس دعا کے لحاظ سے اولاد ابراہیم میں ایک امت مسلمہ کا وجود رہنا ضروری ہے، جو بت پرستی سے محفوظ اور الگ تھلگ ہو۔ یہی امت مسلمہ حضرت ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد کا ماحول تھا۔ اس ذریت ابراہیمی بنی ہاشم کے کل حضرات ہمیشہ خدا پرست، موحد دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔ علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے، چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:-

"علمائے امامیہ کا اس امر پر اجماع قائم ہے کہ آنحضرتؐ کے ماں باپ اور دادا، دادیاں جناب آدمؑ تک سب کے سب مسلمان تھے اور آنحضرتؐ کا نور کسی مشرک کے صلب میں رہا نہ رحم میں اور آنحضرتؐ کا نسب ہر شک و شبہ سے پاک و صاف رہا۔ شیعہ سنی دونوں کی حد تواتر تک پہنچی ہوئی بکثرت حدیثیں بکثرت اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں بلکہ احادیث متواترہ سے یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر کے آباؤ اجداد سب کے سب انبیاء، اوصیا تھے اور سب دین خدا کے حامل رہے۔" (حیوۃ القلوب جلد ۲)۔

اب اس سلسلہ میں علمائے اہل سنت کی بھی سن لیجئے کہ قدرت نے حق ان کی زبان پر بھی جاری کر دیا ہے:-

۱۔ علامہ سیوطی نے ۹ کتابیں صرف اس موضوع پر تصنیف کی ہیں کہ سرکار رسالت محمد مصطفےٰ کے آباؤ اجداد عورتیں اور مرد سب کے سب باایمان اور دین حنیف پر تھے۔ یہ کل کتابیں ریاست حیدر آباد دکن کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے مسالک الحنفا میں لکھا ہے: "ان آباء النبی لم یکن فیھم مشرک" (مسالک الحنفاء ۹) "حضرتؐ کے آباؤ اجداد میں ایک بھی مشرک نہ تھا۔"

۲ شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے: "حضرت رسول خدا کے آباؤ اجداد کرام حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہ تک سب کے سب کفر و شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ تھے۔" اور علمائے متاخرین نے اس کی دلیلوں کو تحریر کیا ہے، یہ وہ علم ہے جس سے خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرتؐ کے آباؤ اجداد دین اسلام پر تھے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ خدا اس نور پاک کو تاریک اور گندی جگہ (کافروں کے صلب اور رحم) میں رکھے اور آخرت میں ان کے کافر آباؤ اجداد پر عذاب کر کے حضرت رسول خدا کو رسوا کرے۔" (اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۲۵۲)۔

۳۔ علامہ فخر الدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے: "ان آباء الانبیاء ما کانوا کفاراً و ھذا التقدیر الآیۃ دالۃ علی ان جمیع آباء محمد کانوا مسلمین مما یدل علی ان آباء محمد ما کانوا مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات" (مسالک الحنفاء ۱۸) "انبیاء کے آباؤ اجداد کافر نہیں تھے اس تقدیر پر یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمد کے کل آباؤ اجداد مسلمان تھے، اس امر کی دلیل کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباؤ اجداد مشرک نہیں تھے سرکار رسالت کی یہ حدیث بھی ہے۔ جس میں فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ لوگوں کے صلبوں سے پاکیزہ بیویوں ہی کے رحموں میں منتقل ہوتا آیا ہوں۔"

۴ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے: "ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب

کہ بزرگ، مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے، تو مذہب سے ہماری مراد ہے دینِ فطرت جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جس کا مذکور اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔ پھر دینِ فطرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا سے شروع ہو کر قوانین امن و عافیت پر ختم ہوتا ہے، اور دوسرا وہ جو صرف قوانین امن و عافیت پر بولا جاتا ہے۔ پہلی قسم دینِ کامل ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری قسم دینِ ناقص۔ قسم اوّل کو پیغمبر صاحب کے جدِ اعلیٰ ابراہیم نے ایجاد کیا، ایجاد نہیں بھی کیا تو شد و مد کے ساتھ اس کو رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلہ ہے ۔۔۔۔ یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لیکر آئے تھے اور دین کے چھپے تُلے خیالات خود ان کے دل میں پیدا ہوتے تھے۔ مگر خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگہ کا کام دیا تھا۔ اگرچہ ابراہیم کے مدتوں بعد دین میں بڑے بڑے رخنے پڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں: اصل وآخر نسبتے دارد۔ فطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبد المطلب اور ابو طالب میں از سرِ نو چمکی۔ اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا پڑتا۔ پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے کہ انکے والد انتقال فرما گئے، آٹھ برس کی عمر تک دادا عبد المطلب نے پرورش کی۔ انکی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لے کر پچیس سال کی عمر تک چچا ابو طالب نے اور عبد المطلب اور ابو طالب کے حالات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دونوں دینِ فطرت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ اور چونکہ ان کا زمانہ فطرت کا زمانہ تھا، دینِ فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے۔" (امہات الائمہ ص۱۴۷)۔

ان بیانات سے واضح ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ ارواحنا الفداہ کے والدین کا ماحول دینِ فطرت یعنی اسلام کے محافظوں کا ماحول تھا۔ اب ہم ان بزرگوں کے اسلام کا جائزہ قرآن حکیم سے کرتے ہیں ان کا اسلام بھی معمولی اسلام نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہم السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو انھوں نے رب العزت کی بارگاہ میں اس مرکز توحید اور قبلہ انام کی تعمیر کی اُجرت ان الفاظ میں طلب کی:۔ قرآن حکیم: اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۵ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۵ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔ (البقرۃ آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸ پ۱)۔ "جب ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور دعا مانگتے تھے۔ اے ہمارے پالنے والے یہ خدمت قبول کر بے شک تو ہی دعا کا سننے والا اور نیت کا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں مسلم بنا اور ہماری اولاد سے امت مسلمہ بنا۔ اور ہمیں حج کے مناسک دکھلادے اور ہمارے رجوع کو قبول کر۔ بے شک تو ہی رجوع کو قبول کرنیوالا اور مہربان ہے۔ اور اے ہمارے پالنے والے اس امت مسلمہ میں ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انکو پاکیزہ رکھے۔ بیشک تو ہی غالب اور حکیم ہے۔"

ان آیاتِ قرآنیہ سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں:۔ (۱) حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے تعمیر خانہ کعبہ کی اجرت طلب کی۔ (۲) اجرت اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اسلام تھا۔ (۳) سرکار ختمی مآب ان کی اس اولاد مسلمہ میں مبعوث ہوں یعنی ان کی اولاد یعنی امت مسلمہ کے کچھ افراد موجود ہوں جن میں یہ رسول مبعوث ہو۔

اُجرت بہت بڑے کام کی اُجرت تھی۔ اللہ کا گھر مرکز توحید قبلہ عالمین تعمیر کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع

نہیں کرتا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۔ اس لئے دعا یقیناً قبول ہوئی اور اولادِ ابراہیم میں ایک امت مسلمہ کا وجود ضروری ہوا، یہ وجود بعثت سرکار رسالت تک ہونا لازم ہوا، یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کے والد اور ان کی والدہ اور دادا وقتِ بعثت انتقال فرما چکے تھے، امت مسلمہ میں اس وقت حضرت علی کے والد ابوطالب عمران اور انکی والدہ فاطمہ بنت اسد موجود تھیں۔

یہ اسلام بھی عام اسلام نہیں ہے۔ چونکہ عام اسلام کے متعلق قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے: "قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا لما یدخل الایمان فی قلوبکم" "اے رسول ان بادیہ نشین عربوں نے تجھ سے کہا کہ ہم ایمان لائے، تو ان سے کہدے، کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے۔ ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔

اس سے ظاہر ہے کہ عام اسلام کا درجہ ایمان سے نیچے ہے۔ پھر یہ کون سا اسلام ہے جسے دو نبی درجہ نبوت پر فائز تعمیر بیت اللہ کی اجرت کے طور پر اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے طلب کر رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس اسلام کے معنے طاعت کاملہ الہیہ ہے اور طاعت کاملہ الہیہ کو ہی عصمت کاملہ کہتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اُمت مسلمہ کا اسلام عصمت کاملہ تھا۔ سوادِ اعظم کے علما محدثین قیاسی مصالح کی بناء پر حضرت ابوطالب کے اسلام سے انکار کر رہے ہیں اور قرآن حکیم سے حضرت ابوطالب کی عصمت کا اثبات ہو رہا ہے۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تابکجا

اُمت مسلمہ کا اسلام، اسلام نبوتی بلا واسطہ تھا۔ اور وہ اسلام ابراہیمی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح کیا گیا ہے اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا "اسلم" اسلام لاؤ۔ انہوں نے کہا: "اسلمت لرب العالمین"۔ میں عالمین کے پالنے والے پر اسلام لایا۔ اُمت مسلمہ کا اسلام بھی بلا واسطہ ہے اس لئے ان کے متعلق یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کس کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔ حضرت علی علیہ السلام کے والدین بھی مسلم باسلام بلا واسطہ تھے۔ فلا یکونن من الجاھلین۔

حضرت ابوطالب کے اسلام کے متعلق ہم یہاں چند شواہد نقل کرتے ہیں۔ (۱) حضرت ابوطالب فرماتے ہیں:۔

ودعوتنی وعلمت انک صادق ولقد صدقت وکنت ثم امینا

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریۃ دینا

"اے رسول! تونے مجھے اپنی تصدیق کے لئے دعوت دی میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے پہلے بھی تو سچ بولتا تھا اور امین تھا بتحقیق میں نے جان لیا ہے کہ محمدؐ کا دین تمام دینوں سے بہتر ہے مسلم تو آپ باسلام بلا واسطہ ہیں۔ ان اشعار میں آپ نے سرکار رسالت کی تصدیق کا حق ادا کیا ہے۔ ان اشعار کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان اشعار کے کلام ابی طالب ہونے پر مقاتل، عبداللہ ابن عباس، قاسم بن مخیرہ اور عطار بن دینار نے اتفاق کیا ہے۔ ان اشعار کا کلام ابوطالب ہونا ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں تسلیم کیا ہے اور انہیں جلد ۱ ص ۱۲۰ پر نقل کیا ہے۔

۲۔ حضرت ابوطالب کا ایک پورا قصیدہ قصیدہ لامیہ ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

وننصرہ حتی نصرع دونہ وتذھل عن ابنائنا والحلائل

"ہم رسول کی مدد آخر وقت تک کئے جائیں گے۔ جب تک ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھول نہ جائیں یعنی مرتے دم تک"۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

"سپیدہ رنگ (رسول) کہ جس کی وجہ سے ابر برستا ہے۔ جو یتیموں کا فریاد رس اور بیواؤں کا محافظ ہے"۔

وایدہ رب العباد بنصرہ واظہر دینا حقہ غیر باطل

"اللہ نے رسول کی مدد کی، اور اس کے دین حق کو جو باطل نہ تھا پھیلایا۔" (زرقانی ص۲۲۱ سیرت ابن ہشام ص۹۱ تا ۹۴)

۳۔ جب قریش نے سرکار رسالت اور بنی ہاشم سے مقاطعہ کیا اور عہد نامہ اس کے بارے میں لکھ کر دستخط کئے تھے، اس پر حضرت ابوطالب نے ایک نظم لکھی تھی۔ جس کے دو شعر یہ ہیں :۔

الم تعلموا انا وجدنا محمداً نبیاً کموسیٰ خط فی اول الکتب

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو اسی طرح نبی پایا جیسا کہ جناب موسیٰ تھے جن کی بابت اگلی کتابوں میں مذکور ہے۔"

وان الذی رقشتم فی کتابکم یکون لکم یوماً کراغیۃ السقب

"جو کچھ تم نے اپنے عہد نامہ میں لکھا ہے وہ تمہارے لئے غیر مفید ثابت ہوگا۔" (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص۲۱۵ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۳ ص۳۱۲)

۴۔ عقد سرکار رسالت میں جب حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔ جو خطبہ حضرت ابوطالب نے پڑھا، اس کے چند الفاظ یہ ہیں :۔ الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمٰعیل وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ "تمام تعریف اللہ کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو ذریت ابراہیم اور اولاد اسمٰعیل سے قرار دیا اور ہم کو اپنے بیت کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا۔"

۵۔ حضرت ابوطالب کا شان سرکار رسالت میں مشہور شعر ہے ؎

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذوالعرش محمود وھذا محمد

"اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی جلالت قدر کے لئے اپنے ہی نام سے ایک نام شق کر کے رکھا ہے۔ اس طرح صاحب عرش (خدا) محمود ہے اور رسول خدا محمدؐ ہیں۔"

ان حقائق کے باوجود آج مسلمانوں میں ایسے بھی احسان ناشناس موجود ہیں جو حضرت ابوطالب کے اسلام سے انکار کر رہے ہیں حضرت ابوطالب نے اپنی زندگی میں بنی امیہ کے ارادوں کو جس طرح ناکام بنایا۔ انکے اغراض و مقاصد کو جس طرح خاک میں ملایا اس کا نتیجہ بنی امیہ کا ابوطالب اور اولاد ابی طالب سے دشمنی اور عناد میں ظاہر ہوا۔ جب بنی امیہ اسلام کا نقاب پہن کر اقتدار کے اسٹیج پر آئے، اور انہوں نے اسلام کو مسخ کرنے کی مہم کو تاریخ نویسی اور حدیث سازی سے شروع کیا تو ان کا سب سے پہلا کارنامہ حضرت ابوطالب کے اسلام سے انکار تھا۔ اسلئے ایسے مورخ اور ایسے محدث جو اس خاندان کے اقتدار اور حکومت کے پچھو تھے انھوں نے انکار اسلام ابی طالب کی مہم کو بڑے زور و شور سے شروع کیا۔

شمس العلما نذیر احمد دہلوی اس پروپاگنڈے سے متاثر مگر ضمیر کی آواز سے مجبور اس سلسلہ میں لکھتے ہیں :۔ "جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی۔ آپ کے چچا ابوطالب زندہ تھے۔ گو انھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا، مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچا نبی اور اسلام کو صادق دین سمجھتے تھے، اگر وہ کافر بھی تھے، جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے اسلام سے ان کا کفر زیادہ ممنون ہے الٰہی! صدقہ اپنے پیغمبر کا ابوطالب جیسا ایمان ہم کو بھی نصیب ہو اور ہماری آئندہ نسلوں کو نصیب ہو۔" (امہات الامۃ ص۷۹)۔

سنی مورخ علامہ شبلی کو بھی سنی تاثرات کے باوجود حضرت ابوطالب کے محاسن کا اس طرح اعتراف کرنا پڑا :۔ "ابوطالب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جو جان نثاریاں کیں، ان سے کون انکار کر سکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپکی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے فاقے اٹھائے شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش، یہ جانثاریاں سب ضائع جائیں گی۔" (سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول تقطیع کلاں ص۱۸۰ و ص۱۸۱)۔

جناب خلیفہ محمد حسن خان بہادر وزیر الدولہ سی آئی ای اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں :۔ " افسوس کہ ان لوگوں نے ایسے ناصر دین خدا اور محافظ و مصدق رسول اللہ کے ایمان میں گفتگو کی ہے اور اس کو کافر بنایا ہے مگر اپنا تو عقیدہ ہے کہ اگر کافر ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں تو کاش ایسا کافر میں ہوتا کہ بقدر اپنی قدرت و طاقت کے اپنے مظلوم رسول کی خدمت و نصرت کرتا اور جو میرے اس کلام میں مجھ کو کوئی کافر کہتا یا مسلمان میں اپنے خدائے کریم و رحیم سے یہی کہتا ہے

اگر خدمتم رو کنی در قبول من و دست و دامان آل رسول

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ (اعجاز التنزیل) ——— مسلمانوں کی تاریخ میں احسان فراموشی کی عظیم الشان مثال محسن اسلام حضرت ابو طالب کے اسلام سے انکار ہے اسلام کی بنیاد حضرت ابو طالب کا ایثار و قربانی اور حضرت خدیجہ الکبریٰ کا مال ہے۔

الغرض حضرت علی علیہ السلام کے دین کا ماحول اوصیائے حضرت اسمٰعیل و امت مسلمہ کے افراد تھے اور حضرت ابو طالب خود ان اوصیائے میں سے ایک تھے اور آپ حضرت اسمٰعیل کے آخری وصی تھے۔ جس طرح ظہور حضرت عیسیٰ کے وقت حضرت موسیٰ کے آخری وصی حضرت یحییٰ کا مصدق بنے ہونا ضروری تھا۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیل کے آخری وصی حضرت ابو طالب کا ظہورِ خاتم الانبیاء کے وقت مصدق محمد ہونا ضروری تھا۔

۳۔ قوتِ ارادیہ 3. WILL : تشکیل سیرت کا آخری عنصر قوت ارادیہ ہے یہ بھی حضرت علی ابن ابی طالب کے والدین میں بدرجہ اتم موجود تھا ——— ختم رسالت کی نگہبانی کا جو ارادہ یہ بزرگوار کر چکے تھے اسے اپنے آخری سانس تک نبھایا۔ اس ارادہ کا اظہار حضرت ابو طالب نے اپنے ایک شعر میں یوں فرمایا ہے :۔

واللہ لن یصلوا الیک لجمعھم حتی اوسد فی التراب دفینا

قسم خدا کی تمہارے بدخواہ کبھی تم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میں زندہ ہوں اور مٹی میں دفن نہ ہو لوں (اسنی المطالب ص ۱۴ تاریخ ابو الفداء ص ۱۱۲ معارج النبوۃ ص ۷۵ نور الابصار ص ۱۸ روض المناظرہ۔ حاشیہ تاریخ کامل جلد ۷ ص ۱۳۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۰۲)۔

حضرت ابو طالب کی قوت ارادیہ کے متعلق ہم چند واقعات یہاں نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :۔

۱۔ " جب سرکار رسالت کے خطرات بڑھ گئے تو حضرت ابو طالب نے سرکار رسالت کو ایک محفوظ مقام میں پہاڑ کی گھاٹی میں ایک قلعہ کی صورت میں منتقل کر دیا۔ مشرکین کے اندیشہ سے حضرت ابو طالب خوابگاہ رسالت کو تبدیل کرتے رہتے تھے جس جگہ حضرت اول شب میں سوتے تھے آدھی رات یا شب آخر میں حضرت ابو طالب آپ کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ لٹا دیتے تھے۔ اور ان کی جگہ اپنے کسی بیٹے کو سلا دیتے تھے۔ تاکہ مشرکین مکہ اگر موقعہ پا کر آنحضرت کو اذیت پہنچانے کے لئے یہاں پہنچ جائیں تو جو کچھ گذرنا ہو اولاد ابی طالب پر گذر جائے۔ لیکن آنحضرت پر آنچ نہ آنے پائے۔" (انسان العیون)

۲۔ " بعثت کے بعد کفار مکہ کے سردار عتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ابو سفیان وغیرہ جمع ہو کر رسول اللہ کی شکایت کرنے کیلئے حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ تمہارا یہ بھتیجا ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔ ہمیں بت پرستی سے روکتا ہے اور ہمارے دین کی توہین کرتا ہے پس تم محمد کو قتل کرنے کیلئے ہمارے حوالے کر دو۔ اور انکی بجائے ولید بن مغیرہ کے خوبصورت بیٹے عمارہ کو ہم سے لیکر اپنا بیٹا بنا لو۔ یہ سن کر حضرت ابو طالب کو غصہ آ گیا فرمانے لگے تم بڑے بے وقوف ہو یہ کون سی دانائی کی بات ہے، کہ میں اپنے فرزند کو قتل کرنے کے لئے تمہیں دے دوں اور تمہارے بچے کو لے کر پال لوں۔ دور ہو جاؤ۔ میں کھلم کھلا کہتا ہوں جو محمد کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرے دین کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔" (معارج النبوۃ ص ۲۹)

۳۔ جب ان کوششوں کے باوجود رسول اللہ کفار کے ہاتھ نہ آئے اور حضرت ابوطالب نے شعب ابی طالب میں انہیں محفوظ کرلیا تو کفار قریش کی غصہ کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ ابوسفیان نے موقعہ پاکر تمام کفار قریش سے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کرا دیا اور ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کی رو سے ہاشمیوں سے نہ شادی بیاہ جائز تھا اور نہ ان کے ساتھ تجارت جائز تھی۔ یہاں تک کہ ضروریات زندگی پانی اور کھانا تک پہنچنے نہ دیا جاتا تھا۔ یہ واقعات رسالت کے ساتویں سال ۶۱۶ء کا ہے۔ اس معاشرتی مقاطعہ (SOCIALBYCOTT) میں حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور بنی ہاشم کی جس طرح مالی امداد کی، اور جس طرح ضروریات زندگی کو فراہم کیا وہ تاریخ کا زرین ورق ہے حضرت ابوطالب تین برس تک ہر قسم کی تکلیفیں اٹھاتے رہے جو سر پہ پڑی وہ جھیلی مگر آنحضرتؐ پر آنچ نہ آنے دی۔ اور ان مصائب میں ان کی قوت ارادیہ اور عزم بالجزم میں بال برابر فرق نہ آیا۔ تین برس کے بعد یہ بائیکاٹ ختم ہوا، اگرچہ اس معاشرتی مقاطعہ سے پہلے بعض ذی اقتدار قریش مسلمان ہو چکے تھے، مگر ان انتہائی مصائب کے تین برسوں میں انکی خدمات کا کوئی ریکارڈ تاریخ میں نظر نہیں آتا، اگرچہ ان میں غنی بھی تھے اور وہ بھی تھے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا اسلام لانا اسلامی دبدبہ اور شوکت کا سبب ہوا۔ حالانکہ ایسے باشوکت اصحاب کی شوکت کفار قریش کو اس معاشرتی مقاطعہ سے نہ روک سکی۔ اور ان مظالم کی راہ میں سد راہ نہ بن سکی۔ سیاسی اقتدار نے علی کے والدین کو مٹانے کی کوشش کی۔ تو بعض اصحاب سیاست کے لئے پروپاگنڈے کے دروازے کھول دیئے۔

جناب رسالتمآبؐ نے اپنے حقیقی غمگسار اور سرپرست چچا کے احسانات کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:۔ "ما نالت منی قریش شیئا اکرهه حتی مات ابوطالب" (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۲۹۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۴۲۔ اسنی المطالب ص ۴۸) "جب تک ابوطالب زندہ رہے قریش مجھے ایذا نہ پہنچا سکے" ــــــ ان حقائق کے بعد اب ہم علی کے والدین حضرت ابوطالب عمران اور حضرت فاطمہ بنت اسد کا فرداً فرداً تذکرہ کریں گے۔

۱۔ والد سرکار ولایت امیر المومنین علی علیہ السلام:۔

حضرت ابوطالب عمران علیہ السلام ۔ سن ولایت ۵۳۵ء، مقام ولادت مکہ معظمہ، والد حضرت عبدالمطلب نام عمران کنیت ابوطالب، آپ "شیخ البطحا" اور "سید القریش" کے القابات سے مشہور ہیں۔ عمران ہی وہ نام ہے جسے قرآن حکیم نے اختیار کیا اور ان کی اولاد معصومہ کو "آل عمرانؑ" کے معزز لفظ سے یاد فرمایا۔ انہیں مصطفےٰ کا تاج پہنا کر عصمت و طہارت سے مخصوص و ممتاز فرمایا۔ "إِنَّ اللهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" (آل عمران)۔ اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالمین میں سے عصمت و طہارت کے لحاظ سے چنا۔ عمران کے معنی "دنیا کو آباد کرنے والا" آپ کو اس نام سے غالباً اس لئے موسوم کیا گیا، کہ آپ باعث ایجاد عالم و بقائے عالم محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا کے محافظ و نگہبان تھے۔ سرکار رسالت کا وجود ذی جود سبب عمرانیت عالم ہے۔ آپ کو اس لئے بھی عمران کہتے ہیں۔ کہ جب تک آپ کا ایک نہ ایک فرزند اس عالم میں موجود رہیگا یہ دنیا قائم و آباد رہے گی۔ اور جب آپ کا کوئی فرزند اس عالم میں موجود نہیں ہوگا یہ زمین تباہ و برباد ہو جائیگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: لولا حجة علی الارض لساخت الارض باهلها اگر حجت خدا زمین پر موجود نہ رہے تو یہ زمین اپنے اہل کیساتھ تباہ و برباد ہو جائے کیونکہ آپ کی نسل کے وجود پر عمرانیت عالم کا انحصار ہے اس لئے آپ کو عمران کے نام سے مفتخر فرمایا عمران کے نام سے تاریخ مذہبیات میں تین ہی شخصیتیں ہوئی ہیں: (۱) موسیٰ کے والد عمران۔ (۲) مریم کے والد عمران۔ (۳) حضرت علیؑ

کے والد عمران ۔ مگر آیۂ اصطفیٰ میں آلِ عمران سے مراد آل ابی طالب ہے چونکہ آیۂ مبارکہ میں اصطفیٰ کا ذکر ترتیب سے کیا گیا ہے اور سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا آل ابراہیم میں داخل ہیں اس لئے آلِ عمران اولادِ معصومہ حضرت ابوطالب ہی ہوسکتی ہے چونکہ محمدؐ کے بعد تو آلِ محمدؐ ہی ہیں اور آلِ محمدؐ ہی کو آلِ عمران کہتے ہیں اور حقیقۃً آلِ محمدؐ آلِ عمران ہی ہیں جیسا کہ خود سرکار رسالتؐ نے ارشاد فرمایا: کہ ہر نبی کی اولاد اللہ تعالیٰ نے اس کی اپنی صلب میں رکھی ہے ۔ مگر میری اولاد کو صلب علی ابن ابی طالب میں قرار دیا ۔ اس لئے آلِ محمدؐ آلِ عمران ہی ہیں ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آلِ عمران ہی اولادِ رسولؐ ہیں اور ان کے سوا کوئی نہیں دُنیا کے کروڑ ہا انسان افضل العبادات نماز پنجگانہ میں ان الفاظ سے سرکار رسالت پر درود صلوٰۃ بھیجتے ہیں " اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید " ۔ بخاری شریف میں درود بھیجنے کا یہی طریق سرکار رسالت سے منقول ہے، اور جمہور اسلام کا یہی شعار ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اصطفےٰ بھی آل ابراہیم و آل عمران کا فرمایا اور انہی دونوں کو درود میں بھی شامل کیا ۔ اصطفےٰ میں آلِ عمران اور درود میں آل محمد اور حقیقت میں دونوں ایک ہیں ۔

در اصل دربار رب العزت سے یہ حضرت ابوطالب کی خدمات جلیلہ کا صلہ تھا کہ اولاد ابی طالب ہی آل محمدؐ ہو اور سرکار رسالتؐ کے بعد سلسلہ رشد وہدایت اولاد ابی طالب میں ہی رہے سرکار رسالت سے قبل ہر نبی کا زمانہ ہدایت محدود تھا مگر جب سے سلسلہ رشد وہدایت صلب ابی طالب سے متعلق ہوا اس کے بعد پھر کسی اور صلب کی طرف منتقل نہیں ہوگا ۔ اور قیامت تک اولاد ابی طالب ہی ائمہ و اولیائے خلق رہیں گے ۔ ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔

حضرت عبد المطلب کے دس بیٹے تھے جن میں سرکار رسالت کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کا انتقال حضرت عبد المطلب کی زندگی میں ہوگیا تھا ۔ حضرت عبد المطلب کے بعد حضرت ابوطالب ہی اپنے باپ کے تمام خصائص امتیازات اور اختیارات کے مالک ہوئے وہ تمام مواریث انبیا کے اور ان امانتوں کے جو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی متروکہ تھیں حامل ہوئے اور ایک سب سے بڑی امانت جو انکی حفاظت میں آئی وہ یتیم عبد اللہ حضرت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا کی ذات الاصفات تھی اور قدرت کے وہ تمام مقاصد جو اس ذات قدسی صفات سے وابستہ تھے ۔ ان سب کی حفاظت و نگہبانی حضرت ابی طالب کو تفویض ہوئی ۔ حضرت ابوطالب کی اس جلالت شان کو قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے : " الم یجدك یتیما فآوی " ۔ اللہ رسالت پر اپنے احسان کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے " اے حبیب ! کیا اللہ نے تجھے یتیم نہیں پایا پس پناہ دی ۔ جمہور اسلام نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر اس طرح کی ہے فآوی ای بحجر ابی طالب پناہ دی یعنی ابوطالب کی گود میں خدا کی پناہ جس گود میں سرکار رسالت پرورش پائیں اسکے اسلام میں شک کیا جائے ۔

مکہ میں اصحاب فیل کے حملہ کے آٹھ برس بعد ۵۷۸ء میں جبکہ سرکار رسالت کی عمر آٹھ برس تھی حضرت عبد المطلب انتقال فرما گئے ۔

مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ حضرت عبد المطلب اس وجہ سے کہ حضرت ابوطالب اور حضرت عبد اللہ ماں جائے بھائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کا منصب حضرت ابوطالب کو تفویض فرما گئے تھے ۔ پھر آنحضرت ہمیشہ حضرت ابوطالب کے ہمراہ رہے ۔ (تاریخ طبری جلد اول ص ۱۲۳ ۔ طبقات ابن سعد و ابن ہشام) ۔

حضرت ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے آپ تجارت کے قافلے غیر ممالک میں لے جاتے تھے یہ ظاہر ہے کہ جو آمد و برآمد (IMPORT AND EXPORT) کا کام کرے ۔ (FOREIG TRADER) غیر ملکی تاجر ہو، وہ غریب و مفلس نہیں

رہ سکتا۔ تمول کے بغیر غیر ممالک میں تجارت نہیں ہو سکتی مورخین نے جو حضرت ابوطالب کے افلاس کا ڈھنڈورا پیٹا ہے، یہ ویسا ہی بنی امیہ کا پروپاگنڈا ہے جیسا کہ عدم اسلام ابی طالب کا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوطالب کے حالات میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے فقراء و مساکین کی معاش کا بہت بڑا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا آپ مہمانوں کو اپنے مہمان خانے میں ٹھہراتے تھے اور انکے کھانے پینے کا پورا انتظام کرتے تھے، جب موسم حج گذر جاتا تھا۔ ان بڑے بڑے پیالوں کا تذکرہ اور ان بڑی بڑی دیگوں کا بیان جن میں ان کی دعوتیں کی جاتی تھیں۔ تمام عرب میں ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ باتیں کسی مفلس انسان سے ممکن نہیں ہیں۔ حضرت ابوطالب نے اپنا تمام دھن دولت اسلام پر خرچ کیا تھا اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت ابوطالب کے خود ساختہ افلاس کو شہرت دی گئی ہے۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی وغیرہ نے لکھا ہے: "ابوطالب حاکم قریش، سردار قریش اور مصیبت کے اوقات میں قریش کے جائے پناہ اور ملجا و ماوی تھے۔" (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۴۶۱ بلوغ الادب جلد ۱ ص ۳۲۴ سیرۃ دحلانیہ برحاشیہ سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۱۶ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۶۷)

سنی مورخ علامہ شبلی نے لکھا ہے: "ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے قریش کا دستور تھا، سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی، کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرتؐ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرتؐ کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے، تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے گئے، عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصریٰ میں پہنچے ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا اس نے آنحضرتؐ کو دیکھ کر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا ہے؟ اس نے کہا: جب تم لوگ پہاڑ سے اترے، تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۲۹)

حضرت ابوطالب کا ادبی کمال بھی بلند ترین درجہ پر پہنچا ہوا تھا چنانچہ ہم ان کا ایک شعر یہاں نقل کرتے ہیں آپ نے اپنے بھائی جناب حمزہؓ سے اسلام کی تائید کے متعلق فرمایا:-

فصبرًا ابا یعلیٰ علیٰ دین محمد　　وکن مظهرًا للدین وفقت صابرًا

"اے ابو یعلیٰ (حمزہ) آپ دین احمد پر ثابت قدم رہیں اور پورے استقلال سے دین احمد کا اظہار کرتے رہیں۔ خدا کرے آپ موفق من اللہ ہوں۔"

حضرت ابوطالب نے اپنے فرزند ارجمند حضرت علی علیہ السلام سے دعوت سرکار رسالت کے متعلق فرمایا:- "اما انہ لا یدعونا الا الی الخیر فالزمہ۔" (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۲) "اے بیٹا! محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو خیر و بہترین مذہب ہی کی طرف بلاتے ہیں تم اس دین کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔"

حضرت ابوطالب نے اپنے فرزند سعید جعفر سے کہا: "صل جناح ابن عمک فصلی جعفر مع النبیؐ۔" (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۷ ص ۱۱۳) "بیٹا! رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھا کرو۔ تو وہ حضرت کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے۔"

علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:- "ایک دفعہ حضرت ابوطالب نے رسول اللہ کو تلاش کیا، حضرت نہیں ملے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں قریش نے آپ کو پکڑ نہ لیا ہو۔ آپ فوراً اپنے تیسرے فرزند جناب جعفر کو لیکر حضرتؐ کی تلاش میں نکلے، جاکر دیکھا کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضرت رسول اللہ اور حضرت علی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں یہ دیکھ کر جناب ابوطالب نے جناب جعفر سے کہا آگے بڑھو اور تم بھی رسول

کے پیچھے مل کر نماز پڑھو۔ اس طرح جب تینوں بزرگ ملکر نماز پڑھنے لگے، تو حضرت ابو طالب یہ منظر دیکھ کر خوشی سے رو پڑے، اور کہا:۔

ان علیا و جعفرا ثقتی — عند ملم الخطوب والنوب

لا تخذلا وانصرا ابن عمکما — اخی لامی من بینھم وابی

واللہ لا اخذل النبی ولا — یخذلہ من بنی ذو حسب

"یقیناً مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں علی اور جعفر میرے معتمد علیہ ہیں، اے فرزندو! تم لوگ اپنے ابن عم (رسول اللہ) کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا، بلکہ برابر انکی مدد کرتے رہنا۔ تمہارے چچا (رسول اللہ کے والد) میرے بھائیوں میں حقیقی بھائی تھے کہ انکے باپ میرے باپ اور انکی ماں میری ماں تھیں، خدا کی قسم میں بھی رسول اللہ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑونگا۔ اور نہ میرے بیٹوں کے کوئی شریف اور سعید ان کا ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔" (شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۳۱۸)۔

حضرت ابو طالب نے اپنے بستر مرگ پر سرداران قریش کو بلا کر انہیں نیکی اور صلہ رحم اور خانہ کعبہ کی نگہبانی اور صلاح و تقویٰ کی نصیحتیں کیں، اور سرکار رسالت اور اسلام کے متعلق بطور وصیت فرمایا: "اے قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والو میں تم سے محمدؐ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عربوں میں صدیق مشہور ہیں، اور ان میں وہ کل خوبیاں موجود ہیں، جن کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، وہ یقیناً خدا کی طرف سے ایسا مذہب لائے ہیں جس کو سب کے دل حق اور درست مانتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے زبان سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں پس اے قریش والو! تم سب انکے پیرو اور والی اور ان کا کلمہ پڑھنے والوں کے حامی و مددگار ہو جاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص بھی انکے مذہب پر چلے گا وہ اچھا اور سیدھی راہ پر رہے گا اور جو شخص انکی ہدایت قبول کریگا۔ وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہو جائیگا۔ اگر میری زندگی کچھ دنوں اور رہتی اور مجھے موت مہلت دے دیتی تو میں ہمیشہ ان سے فتنوں اور مصیبتوں کو دفع اور انکی آفتوں کو زائل کرتا رہتا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ قریشیوں سے فرمایا:۔ جب تک تم لوگ محمدؐ کی باتیں سنتے اور انکی پیروی کرتے رہو گے اس وقت تک خیر ہی پر رہو گے، لہٰذا تم لوگ ان کی اطاعت کرتے رہو، تاکہ بھلائی حاصل کرو۔ (سیرہ حلبیہ جلد ا ص ۳۵۲)۔

جناب ابو طالب نے نصف شوال یا ذیقعد سنہ ۱۰ بعثت میں انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر اسّی سال سے زیادہ ہو چکی تھی حضرت ابو طالب کے انتقال کا صدمہ سرکار رسالت کو اس درجہ ہوا کہ اس سال کا نام آپ نے عام الحزن (رنج و مصیبت کا سال رکھا)۔

حضرت ابو طالب کو غسل دیا گیا کفن پہنایا گیا اور اسلام کے اصولوں کے مطابق آپ دفن کئے گئے۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا، تو سرکار رسالت محمد مصطفےٰ او واحساہ الفراقہ جنازے کے آگے آگے چلتے تھے، اور فرماتے جاتے تھے، اے چچا آپ نے اپنی قرابت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے (تاریخ خمیس جلد ا ص ۲۳۹ و سیرت حلبیہ جلد ا ص ۳۵۲)۔ علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے خوب کہا ہے:۔

ولولا ابو طالب وابنہ — لما مثل الدین شخصا وقاما

فذاک بمکۃ اوی وحامی — وھذا بیثرب حس الحماما

(شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۳۱۸)

اگر ابو طالب اور ان کے فرزند (حضرت علی) نہ ہوتے تو مذہب اسلام نہ صورت پکڑتا نہ کھڑا ہو سکتا۔ ابو طالب نے مکہ میں رسول خدا کو پناہ دی اور آپ کی حمایت کی اور حضرت علیؑ نے مدینہ میں موت سے مقابلہ کیا بلکہ جب بھی اسلام کو خون کی ضرورت ہوئی، اولاد ابی طالب نے اسلام کی

بقا کیلئے اپنا خون بہانے سے دریغ نہ کیا، جنگ موتہ میں ابوطالب کے فرزند جعفر اسلامی علم کو سربلند رکھنے کیلئے اپنے بازو کٹا کر شہادت سے بغل گیر ہوئے کربلا کے میدان میں جن اٹھارہ بنی ہاشم نے اپنا خون بہا کر اسلام کو زندہ جاوید کیا، وہ ابوطالب کے ہی فرزند تھے اور کسی ہاشمی کی اولاد نہ تھی۔

یونہی اسلام کے پیکر میں مضبوطی نہیں آئی! — بہت انمول جانیں دی ہیں اولادِ پیغمبر نے

وفاتِ ابی طالب کا دشمنانِ اسلام بنی اُمیہ پر کیا اثر ہوا۔ میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں "بنی اُمیہ سے زیادہ اسلام اور ہادیِ اسلام کا مخالف و دشمن قریش میں کوئی اور نہ تھا۔ جب بنی اُمیہ نے دیکھا کہ ابوطالب کا انتقال ہوگیا جن کا اثر کچھ نہ کچھ قریش پر تھا، اور اس سے وہ ایک محدود جگہ پر رُکے ہوئے تھے، مگر اب اُنھوں نے میدان خالی پایا اور وہ اسلام کے مکہ سے استیصال کے درپے ہوئے، اور نئی طرح سے پھر ان کے حسد، دشمنی اور غصہ کی آگ بھڑکی، اور وہ اپنی اس مخالفت پر آمادہ ہوئے، اور ہاشمیوں کو ستانے کی نئی نئی تدبیریں کرنے لگیں۔" (سیرت محمدیہ مؤلفہ مرزا حیرت ص ۲۱۹)۔

بنو اُمیہ نے ابوطالب اور اولادِ ابی طالب کیلئے تاریخی پروپاگنڈے کی ایک بردست مہم اپنے زمانہ اقتدار میں شروع کی جو آج تک جاری ہے ابوطالب اور اولادِ ابی طالب کے وقار اور انکی عظمت کو کم کرنے کے مختلف عنوان قائم کئے۔ مثلاً :- (۱) حضرت ابوطالب کے اسلام سے انکار۔ (۲) حضرت ابوطالب کے افلاس کے تذکرے۔ (۳) حضرت امام حسن علیہ السلام پر تعدد ازدواج کا الزام۔ (۴) حضرت امام حسن علیہ السلام پر کثرت طلاق کا الزام۔ (۵) حضرت امام حسن علیہ السلام پر عسرفانہ زندگی کا الزام۔ (۶) حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا پر مختلف حملے ——— ضرورت ہے کہ اس علم و روشنی کے زمانہ میں خاندانِ رسالت کی غلامی کا دعویٰ کرنے والے ہمت باندھ کر ان کا جواب لکھنے پر قلم اُٹھائیں، تاکہ مغرب کے تاریخ و سیرت لکھنے والے اس پروپیگنڈے کی دلدل سے نکل سکیں۔

یہ تھیں بنو اُمیہ کی سیاسی چالیں، سیاسی اقتدار سے سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنانا بنو امیہ کا ادنےٰ ہتھکنڈا تھا، وہ لوگ اپنے اعمال کے ساتھ رخصت ہوئے، اور ان کا زمانہ اقتدار بھی ختم ہوا، آج ابوسفیان اور مروان کی اولاد کہلانے والا بھی کوئی موجود نہیں اس لئے ہم اس تاریخ اور حدیث سازی کو انصاف پسند مسلمانوں کے حوالے کرتے ہیں وہ سوچیں سمجھیں اور ریسرچ کریں، ہم سب نے ایک دن مرنا ہے اور سرکارِ احدیت کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن ابی الحدید نے خوب کہا ہے :-

وما ضر مجد ابی طالب — جھول لغا او بصیر تعامی

کما لا یضر ایات الصباح — من ظن ضوء النھار الظلاما (شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۳۱۲)

"جس طرح وہ شخص جو دن کی روشنی کو اندھیرا ہی سمجھے اپنے اس سمجھنے سے صبح کی نشانیوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، بالکل اسی طرح کسی جاہل کے لغو بکنے یا کسی آنکھ والے کے خواہ مخواہ اندھا بن جانے سے حضرت ابوطالب کی شان گھٹ نہیں سکتی"۔

۲۔ والدہ امیر المومنین حضرت علی علیہا جناب فاطمہ بنت اسد علیہا السلام { اسم گرامی فاطمہ۔ اگرچہ کتب انبیا و سیرت سے آپ کی کنیت کا پتہ نہیں چلا، مگر عرب کے دستور کے مطابق کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی کنیت ام طالب ہوگی۔ چونکہ عرب میں عام طور پر بڑے بیٹے پر کنیت ہوتی تھی، آپ کے سب سے بڑے بیٹے طالب تھے اسلئے آپکے شوہر عمران ابوطالب تھے، اس لحاظ سے آپ ام طالب تھیں، چونکہ ائمہ اثنا عشر اہلبیت علیہم السلام آپ ہی کے بطنِ اقدس سے ہوئے، اسلئے آپ کو ام الائمہ بھی کہہ سکتے ہیں آپ اسد بن ہاشم کی بیٹی ہیں اور حضرت عبد المطلب کی بھتیجی اور اپنے شوہر حضرت ابوطالب کی بنت عم ہیں۔ انکے متعلق مورخین اسلام لکھتے ہیں :-

"انها اوّل هاشمية تزوجت هاشميًا وولدت هاشميًا واوّل هاشمية ولدت خليفه" (الاستیعاب، اصابہ، اسد الغابہ، تاریخ الخلفا) - اصابہ میں ہے: "كانت امرأة صالحة وكان النبي صلى الله عليه وآله وسلم يزورها ويقيل في بيتها" (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۰) "وہ نہایت صالحہ بی بی تھیں سرکار رسالت انکی زیارت کو تشریف لاتے تھے، اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے" ـــــ "حضرت فاطمہ بنت اسد وہ صاحب ایمان صاحب شرف اور مقدس بی بی ہیں، جن کو رسول اللہ نے ماں کے پیارے خطاب سے یاد فرمایا ہے" (ازالۃ الخفا مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی صفحہ ۲۵۱) ـــــ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں: "حضرت رسولِ خدا نے فرمایا: "حضرت فاطمہ بنت اسد ہماری ماں ہیں، اس ماں کے بعد جس نے ہم کو پیدا کیا اور فرمایا کہ جب حضرت ابو طالب ہم کو جمع کر کے کھانا کھلایا کرتے تھے، تو حضرت فاطمہ بنت اسد اس کھانے میں سے کچھ کھانا میرے لئے بھی رکھتی تھیں جو ہم دوبارہ آکر کھایا کرتے تھے" (ماخوذ از ناموس اسلام حصہ ۲ صفحہ ۶) -

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: "بلا شبہ یہ وہ بی بی ہیں جو بعد خدیجۃ الکبریٰ عورتوں میں سابق الاسلام کہلانے کی مستحق ہیں، یہی وہ بی بی ہیں جو رسول اللہ کی محبت اور دین اسلام کی حمایت میں عالم پیری و ناتوانی میں مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرما رہی ہیں راستے کی صعوبتیں اور دھوپ کی اذیتیں اٹھاتی ہیں۔ مگر پیارے بھتیجے رسول الٰہی کی محبت کے جوش میں ان سب تکلیفوں کو راحت سمجھتی ہیں۔ (تذکرہ خواص الائمہ صفحہ ۱۶) - امت مسلمہ براہیمیہ خاندان بنی ہاشم کے اسلام کا جہاں ذکر آئے۔ اس سے تصدیق رسالت مقصود ہے بلکہ یہ حضرات مسلم باسلام بلا واسطہ تھے، جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں چنانچہ آپ کا اسلام قبل از بعثت روایات سے ثابت ہے، - چنانچہ علامہ ابن شہر آشوب علیہ الرحمۃ وقتِ ولادت جناب امیر علیہ السلام کے حالات میں لکھتے ہیں: "فلما قربت ولادته اتت فاطمة الى بيت الله وقالت رب انى مومنة بك وبما جاء من عندك من رسل وكتب مصدقة بكلام جدى ابراهيم وبحق الذى بنا هذا البيت وبحق المولود الذى فى بطنى لما يسرت على ولادتى فانفتح البيت ودخلت فيه" (مناقب ابن شہر آشوب صفحہ ۱۳۲) - "جب جناب امیر کی ولادت کا وقت قریب پہنچا تو جناب فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور کہا "پالنے والے میں تجھ پر اور جو رسول تیری طرف سے آئے ان پر اور ان کتابوں پر جو ان پر نازل ہوئیں ایمان لائی ہوں اور اپنے جد ابراہیم کے کلام کی تصدیق کر چکی ہوں پس بتوسل اس بزرگوار کے جس نے اس خانہ خدا کو بنایا ہے اور بتصدق اس بچہ کے جو میرے شکم میں ہے، وضع حمل کو مجھ پر آسان کر" - دعا ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ دیوار خانہ کعبہ شق ہو گئی، اور فاطمہ اس میں داخل ہو گئیں -

حضرت ابو طالب نے جب فاطمہ بنت اسد سے نکاح کیا، تو یہ خطبہ پڑھا: "الحمد لله رب العلمين رب العرش العظيم والمقام الكريم والمشعر العظيم الذى اصطفانا اعلامًا وسدنة وعرفاء وخلصاء وحجبة بهاليل اطهارًا من الخناء والريب والاذى والعيب واقام لنا المشاعر وفضلنا على العشائر نحن آل ابراهيم وصفوته وزرع اسمعيل فى كلام له ثم قال وقد تزوجت فاطمة بنت اسد وسقت المهر ونفذت الامر فاسئلوه واشهدوا" - "حمد و ثنا دو جہان کے پالنے والے کیلئے زیبا ہیں جو عرش عظیم مقام کرم اور شعر حطیم کا رب ہے جس نے ہمیں نشان و ہدایت بنا کر منتخب روزگار قرار دیا۔ اپنے پاکیزہ گھر کا محافظ بنایا۔ بلند و برتر خالص و پاکیزہ، حجت تمام خوبیوں کا حامل سید و سردار پیدا کیا۔ زنا و فحش سے پاک و صاف برائی سے مبرا قرار دیا ہمارے لئے مشاعر قائم کئے، ہمیں تمام قبائل پر فضیلت بخشی ہم ابراہیم کے چشم و چراغ اور پسندیدہ و محبوب ہیں ہم شجرہ اسمٰعیل کا پاکیزہ پھل ہیں پھر

آپ نے فرمایا میں نے فاطمہ بنت اسد سے شادی کی۔ مہر ادا کر دیا۔ امر کو نافذ کر دیا ہے۔ تم معلوم کرو اور اس کے گواہ رہو، جب حضرت ابو طالب خطبہ سے فارغ ہوئے اور ایجاب کر چکے تو حضرت فاطمہ کے والد ماجد اسد بن ہاشم نے ان الفاظ میں اس نکاح کو قبول کیا: زوجنا و رضینا بک" ہم نے فاطمہ کو تمہاری زوجیت میں دیا اور تم سے راضی ہوئے اس تقریب سعید پر امیہ بن الصلت مشہور شاعر نے قصیدہ تہنیت پڑھا۔ جناب فاطمہ بنت اسد کی زوجیت ابی طالب حضرت ابو طالب کے ایمان کی زبردست دلیل ہے۔ حضرت فاطمہ بنت اسد نے ۱۳ بعثت میں اسلام کا اعلان کیا اور دس برس بعد اعلان الاسلام زوجیت ابو طالب میں رہیں نہ فاطمہ بنت اسد نے انکو چھوڑا اور نہ جناب ابو طالب ان سے جدا ہوئے، اور نہ رسول اللہ نے فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد مسلمان ہو چکی ہیں اس لئے ابو طالب کے عقد میں نہیں رہ سکتیں۔ نہ ہی ابو طالب نے بیوی کو اس مذہب سے روکا۔ یہ ایمان ابی طالب کی زبردست اور مسکت خصم دلیل ہے حضرت فاطمہ بنت اسد کے متعلق علامہ ابن صباغ مالکی تحریر فرماتے ہیں: "وھی اول امراۃٍ ھاجرت من مکۃ الی المدینۃ ماشیۃ حافیۃ وھی اول امراۃ بایعت رسول اللہ بعد خدیجہ"۔ (فصول المہمہ ص۱۵)۔ "فاطمہ بنت اسد وہ پہلی عورت ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ کو پاپیادہ ننگے پاؤں ہجرت فرمائی، وہ پہلی عورت ہیں جنھوں نے بعد حضرت خدیجہؓ مکہ میں رسول اللہ سے بیعت کی"۔ انس بن مالک انصاری سے منقول ہے: "کہ جب علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، تو رسول اللہ تشریف لائے اور فاطمہ بنت اسد کے سرہانے بیٹھے اور فرمایا: "رحمک اللہ یا اُمی کنت امی بعد امی" اے ماں خدا تم پر رحم فرمائے۔ آپ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں آپ خود بھوکی رہتی تھیں اور مجھ کو کھلاتی تھیں، اور اچھی غذائیں میرے لئے رکھتی تھیں، خود نہ پہنتی تھیں اور مجھے پہناتی تھیں، اور یہ سب محبت اور پیار آپ کا میرے ساتھ خدا کی رضا اور دار الآخرت کے لئے تھا"۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)۔

جب فاطمہ بنت اسد کا ۴ھ ہجری میں انتقال ہوا، تو رسول اللہ نے اپنی قمیص انہیں بطور کفن پہنائی، اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور تکبیریں کہیں اور ان کی قبر میں اُترے اور قبر کے کناروں کو خود کھودنے لگے گویا انہیں کشادہ کر تے تھے پھر آپ قبر سے برآمد ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ ان کی قبر میں گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۷ مطبوعہ حیدر آباد)۔

حضرت فاطمہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ عبداللہ بن عباس کا بیان ہے: "فاطمہ بنت اسد کے ساتھ رسول خدا کے خاص عمل اور سلوک کو دیکھ کر اصحاب نے عرض کی کہ آپ نے فاطمہ بنت اسد کی وفات پر جو کچھ فرمایا اور کیا کسی اور کے ساتھ نہیں فرمایا اور نہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں ابو طالب کے بعد فاطمہ بنت اسد سے زیادہ میرے ساتھ کوئی زیادہ نیکی کرنے والا نہیں تھا"۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۷۵۲۔ مدارج النبوۃ ص ۱۸۷ و ص ۱۸۸، تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۵۲۶، فصول المہمہ ص ۱۵، تذکرہ خواص الامہ ص ۶)۔ —— یہ ہیں حضرت علی علیہ السلام کے ماں اور باپ رسول اللہ کے کس قدر والہ و شیفتہ اور نصرت دین کے کس حد تک شیدائی تھے، اگر اللہ نے بصیرت دی ہے تو اس پر غور کیجئے اور سمجھئے۔

اسلام نام ہے ابو طالب کے وقار، فاطمہ بنت اسد کی شفقت، خدیجۃ الکبریٰ کے تمول، علی کی شجاعت اور آلِ محمد کی قربانیوں کا۔

حضرت علی علیہ السلام کی تربیت

سائیکالوجی یا علم نفسیات کے ماہر اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ کسی بچہ کی زندگی کی کامیابی کا انحصار بیشتر ان ہاتھوں میں ہوتا ہے جو اس کی تربیت اور پرورش میں کار فرما ہوتے ہیں، کیا کہنا اس مولود مسعود کی حیات طیبہ کا جس کی اولین تربیت عالم ذر (عالم ارواح) میں عرش الٰہی اپنے

نوری ماحول میں ہوئی اور جب وہ کتم عدم سے عالم وجود میں آیا تو خانہ کعبہ اس کا زچہ خانہ بنا۔ پیدا ہونے کے بعد اس نورانی مولود نے اس وقت تک آنکھ نہ کھولی جب تک "اوّل ما خلق اللہ نوری" اور "خلقت انا و علی من نور واحد" کہنے والے نے اپنے اس جزو ثانی کو اپنی آغوشِ رحل میں نہ لیا، تاکہ اس دنیا دوں میں آکر پہلی نظر کسی بت پر نہ پڑے۔ بلکہ اس چہرہ مقدس پر پڑے جس کے چہرہ پر کروڑوں برس عالم نورانی میں نظر جما کر تسبیح الٰہی میں مشغول رہا تھا، اور اس بچہ کا آغوشِ رسولِ مقبول میں آنا تھا کہ آنکھیں کھولیں، زیارت کی اور مسکرانے کے بعد انجیل، توراۃ، زبور اور قرآنِ پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ اس دنیا میں آکر علی کی تربیت پہلے ہی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں شروع ہو گئی۔ پہلی خوراک جو آنکھیں کھولنے کے بعد آپ نے کھائی۔ وہ آنحضور صلعم کا لعابِ دہن تھا۔ چنانچہ ارجح المطالب باب چہارم ص ۳۲۷ پر ذیل کی حدیث موجود ہے:۔ "عن فاطمہ بنت اسد ام علی قالت لما مضت اربعۃ اشھر من حملی بعلی ابن ابی طالب وکان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا نظر الی یقول یا امی مالک قد یتغیر لونک قلت اما علمت انی حامل فقال محمد لابی طالب ان کانت انثی فزوجنیہا فقال ابوطالب ان کان ذکرا فھو لک عبد وان کانت انثی فھی لک امۃ فلما وضعتہ جعلتہ فی غشاوۃ فقال ابوطالب لا تفتحوہ حتی یاتی محمد فیاخذ حقہ فجاء محمد وفتح الغشاوۃ فاخرج منہا غلاما حسنا فغسلہ بیدہ وسماہ علیا وبزق فی فیہ واصلح امرہ ثم انہ القمہ لسانہ فما زال علی یمصہ حتی نام فلما کان من الغد طلبنا لہ ظئرا فابی ان یقبل ثدیا فدعونا محمدؐ فالقمہ لسانہ فنام فکان کذلک ما شاء اللہ" (راحۃ ذی الصلابۃ فی محبۃ الصحابۃ)۔

ترجمہ:۔ "جناب فاطمہ بنت اسد مادر گرامی حضرت علی علیہ السلام فرماتی ہیں کہ جب حضرت علی کو میرے پیٹ میں رہتے ہوئے چار ماہ گذر گئے، تو آنحضرت صلعم جو اکثر میرے گھر آیا جایا کرتے تھے، مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ اماں جان! تم دن بدن کیوں زرد پڑتی جا رہی ہو، میں نے عرض کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں حاملہ ہوں؟ حضرت صلعم نے فرمایا، اگر لڑکی پیدا ہو تو اس کا نکاح مجھ سے کر دینا۔ حضرت ابوطالب کہنے لگے اگر لڑکا پیدا ہوا تو وہ آپ کا غلام ہوگا، اور اگر لڑکی ہوئی تو وہ آپ کی لونڈی ہوگی۔ جب مجھے لڑکا پیدا ہوا تو میں نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا اور ابوطالب کہنے لگے جب تک محمد صلعم تشریف نہ لائیں اس کو مت کھولنا۔ وہ آکر خود اپنے حق کو لیں گے۔ اتنے میں حضرت صلعم تشریف لائے اور اس کپڑے کو کھولا اور ایک خوبصورت لڑکا اس میں سے نکالا اور اپنے ہاتھ سے اسے غسل دیا، اور علی اس کا نام رکھا۔ اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا وہ لڑکا حضرت صلعم کی زبان کو چوسنے لگا، اور چوستا چوستا سو گیا۔ دوسرے روز ہم نے دودھ پلانے والی عورت بلائی اس لڑکے نے اس عورت کا پستان منہ میں نہ لیا۔ ہم نے حضرت صلعم کو بلا بھیجا حضرت نے آکر اپنی زبان مبارک کو اس کے منہ میں ڈالا وہ حضرت کی زبان مبارک کو چوستا چوستا پھر سو گیا، اس طرح سے خدا نے جب تک چاہا حضرت صلعم کی زبان مبارک کو ہی چوستا رہا۔"

سبحان اللہ! علی کی تربیت شروع سے ہی رسول اللہ صلعم کرنے لگے یہ آپ کے لعاب دہن ہی کا اثر تھا جس سے آپ کا گوشت پوست ہڈیاں اور بدن بنا، یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلعم نے بارہا ارشاد فرمایا: یا علی لحمک لحمی ودمک دمی الخ کہ اے علی! تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون، تیرا جسم میرا جسم، تیری روح میری روح ہے"۔ الغرض علی رسول اللہ صلعم کا لعاب دہن چوستے چوستے پرورش پانے لگے، اس کے بعد آپ باقاعدہ حضرت رسول اللہ صلعم کی کفالت میں آ گئے چنانچہ مطالب السئول اور ریاض النضرہ میں ہے:۔ عن ابی الحجاج مجاھد بن جبیر قال کان من نعمۃ اللہ علی علی وعلی ما اراد اللہ بہ الخیر ان قریشا اصابتھم ازمۃ شدیدۃ وکان

ابو طالب ذا عیال کثیرۃ فقال رسول اللہ صلعم لعمہ عباس و کان من رئیس بنی ہاشم یا عم ان اخاک ابا طالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری فانطلق بنا الیہ فلنخفف من عیالہ اخذ من بنیہ رجلا فنکفلہا عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا ابا طالب فقالا انا نرید ان نخفف عنک من عیالک حتی ینکشف عن الناس ما ہم فیہ فقال لہما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعوا ما شئتما فاخذ رسول اللہ علیا فضمہ الیہ و اخذ العباس جعفر فضمہ الیہ فلم یزل علی مع رسول اللہ حتی بعث اللہ عزوجل نبیاً فاتبعہ و امن بہ و صدقہ۔" (ارجح المطالب ص ۳۸۹)۔ ترجمہ: ابو الحجاج نے جبیر سے روایت کی ہے کہ جناب علی کے حق میں خدا کی نعمت تھی، اور خدا نے اس کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا تھا، کہ اہل مکہ کو دردناک قحط پیش آیا اور ابو طالب کثیر العیال تھے، جناب رسول خدا صلعم نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ وہ ان دنوں تمام بنی ہاشم میں مالدار تھے، اے چچا ابو طالب بڑے عیالدار ہیں، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت لوگوں کو کیا مصیبت پیش آ رہی ہے، تم ہمارے ساتھ ابو طالب کے پاس چلو تاکہ ہم ان کا عیال بانٹ لیں، ان کا ایک لڑکا میں لے لوں، اور ایک تم لے لو، اور ہم ان دونوں کی کفالت کریں۔ عباس کہنے لگے بہت بہتر۔ دونوں مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے ہم آپ کو عیال کے بوجھ سے کسی قدر سبکدوش کرنا چاہتے ہیں تاوقتیکہ قحط لوگوں کے سر سے ٹل جائے ابو طالب نے کہا کہ اگر عقیل کو میرے لئے چھوڑ دو، تو اور جو چاہو سو کرو۔ جناب رسول اللہ صلعم نے علی کو لے لیا، اور عباس نے جعفر کو۔ علی ہمیشہ جناب رسول اللہ صلعم کے پاس رہتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کو پروردگار نے نبی مقرر کیا۔ جناب علی نے حضور کا اتباع کیا اور ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔

اس وقت سے لیکر آخری دم تک حضرت علی آنحضرت صلعم کے ساتھ رہنے لگے، رات ہو یا دن، سفر ہو یا حضر ہر وقت ہر حال میں حضرت علی آنحضور کے ساتھ ہی رہتے رہے علی کی تربیت اسی طرح ہوئی کہ علی بالکل رسول کے رنگ میں رنگے گئے، علی نے رسول اللہ صلعم کی ہر حرکت قول و فعل کو بنظر غائر دیکھا، اور ہر حالت میں آپ کا اتباع کیا، رسول اللہ صلعم نے بھی اپنے ہونہار شاگرد کو وہ تمام باتیں تعلیم دیں جو انہیں نبی اللہ ہونے کی حیثیت سے من جانب اللہ وحی ہوتی تھیں، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کا اپنا قول موجود ہے کہ زقنی رسول اللہ زقا زقا کہ مجھے رسول خدا صلعم نے اس طرح بھرایا جس طرح پرندہ اپنے بچے کو بھراتا ہے اس میں قابل غور یہ نکتہ لطیفہ ہے کہ حضرت علی نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے رسول اللہ نے یوں تعلیم کیا جس طرح ماں اپنے بچے کو دودھ پلا کر سیر کرتی ہے، کیونکہ دونوں میں فرق ہے کہ ماں جو بچے کو دودھ پلاتی ہے وہ چھاتی میں بہت سی تبدیلی کے بعد دودھ بنتا ہے اور پرندہ جو چوگا اپنے بچے کو بھراتا ہے وہ بجنسہٖ وہی ہوتا ہے جو وہ خود چگتا ہے پس حضرت علی کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے جو کچھ خداوند تعالیٰ سے حاصل کیا، وہ سب کچھ بلا کم و کاست مجھے عطا فرما دیا۔ سبحان اللہ۔

تبھی تو حضور نے ارشاد فرمایا تھا: "انا مدینۃ العلم و علی بابھا و من اراد العلم فلیات من باب" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں پس جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ دروازہ سے آئے"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کس قدر علم حضرت علی کو تعلیم فرمایا اس کا اندازہ اس آیت سے ہو سکتا ہے جس میں خدا فرماتا ہے: "و علمک ما لم تکن تعلم"۔ اے میرے رسول میں نے آپ کو تمام علوم جو تمہاری قدرت سے بھی باہر تھے تعلیم کر دیئے یہی سبب ہے کہ حضرت علی بر سر ممبر فرمایا کرتے تھے۔ "سلونی قبل ان تفقدونی" یعنی جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ"۔ شرح نہج البلاغہ میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت علی نے سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرنا شروع کر دی یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی آپ نے فرمایا: اے ابن عباس اگر رات ختم نہ ہو جاتی تو میں یوں ہی بیان کرتا رہتا۔ لو شئت لاوقرت سبعین بعیرا من تفسیر فاتحۃ الکتاب" یعنی اگر میں چاہوں تو صرف سورہ فاتحہ

کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کردوں۔ اے ابن عباس آگاہ ہو کہ جو کچھ تمام قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے۔ اور جو بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ نقطہ بائے بسم اللہ میں ہے۔ وانا النقط تحت الباء اور میں وہ نقطہ ہوں جو اس بے کے نیچے ہے" اس سے حضرت کا مقصد یہ تھا کہ تمام قرآن کا علم میرے سینے میں ہے۔

صاحب ارجح المطالب نے ص ۱۱۳ میں فقیہ ابن المنازل کے حوالہ سے ایک حدیث اس سے ملتی جلتی لکھی ہے:۔ عن ابن عباس قال یشرع لنا علی نقطة الباء من بسم الله الرحمن الرحیم لیلة فانفلق عمود الصبح فرایت نفسی فی جنبه کالفوارة فی جنب البحر المثعجر"۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک رات جناب علی بائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لفظ کی شرح فرمانے لگے، تو صبح ہو گئی مگر وہ تفسیر پوری نہ ہوئی، مجھے اپنی جان ان کے پاس مثل ایک فوارے کے معلوم ہوتی تھی ایک بحر ذخار کے مقابلہ میں"۔

یہ سب فیض تربیت آنحضرت صلعم کا اثر تھا حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں: "اے لوگو! تم میرے مقام اور منزلت کو جو مجھ کو رسول اللہ صلعم سے بسبب قرابت قریبیہ کے حاصل ہے جانتے ہو میں بچہ تھا جس وقت رسول اللہ صلعم مجھ کو گود میں اٹھاتے اور اپنے خاص فرش خواب پر اپنے ہمراہ سلاتے، اپنے سینہ سے سینہ لگا کر مجھ کو پیار کرتے تھے اور اپنے جسد اطہر سے میرے بدن کو مس فرماتے تھے۔ میں ان کے پسینہ کی خوشبو سونگھتا تھا۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی چیز کھانے کی ہوتی، تو اپنے منہ میں لقمہ چبا کر میرے منہ میں دیتے۔ اس طفلی کے زمانہ سے لیکر جوانی کے وقت تک رسول اللہ نے میری کسی بات کو جھوٹا نہ پایا اور میرے کسی فعل میں کبھی کوئی خطا نہ دیکھی میں ہر وقت آپ کے ساتھ اس طرح رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے رہتا ہے آپ ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق کا علم بلند فرماتے تھے۔ اور مجھ کو اقتدا کا حکم دیتے تھے، اس وقت دنیا میں اسلام کا فقط ایک ہی گھر تھا جس میں رسول تھے، اور خدیجۃ الکبریٰ اور تیسرا میں تھا۔" (نہج البلاغہ)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ علیؑ کے جسقدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے اس کی توضیح اس طرح فرمائی ہے کہ علی کی اس خصوصیت کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ انھیں شریعت اسلامی کا پورا علم حاصل تھا۔ دوسرے یہ کہ انہیں بوجہ قرابت نسبی قربت ظاہری بھی حاصل تھی، علاوہ بریں اللہ تعالے نے ان پر خاص عنایت یہ کی کہ انہوں نے آپ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ اس پر مستزاد یہ ہوا، کہ آپ نے حضرت فاطمہ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اس وجہ سے انکی فضیلت اور قربت میں بھی اضافہ ہو گیا"۔ (ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ دہلوی جلد ۲ ص ۶۶۰)

ناظرین خود ہی اندازہ لگالیں کہ جس شخص نے کامل تیئس سال تک آنحضرت صلعم سے تربیت حاصل کی ہو، اس کی علمیت کا پایہ کتنا بلند ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ جس کو سرکار دو عالم جیسا استاد اور مربی میسر آجائے، اور وہ مدت العمر اسے قرآن اور حکمت سکھائے پھر اس کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو سب جانتے اور مانتے ہیں، کہ قرآن سرچشمہ علوم ہے اور یہ کتاب آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی، جب اس قرآن کی تعلیم خود آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو دی تو پھر ان سے بڑھ کر دنیا میں اسکے حقائق و معارف جاننے والا اور کون ہو گا۔ خصوصاً جب کہ حضرت علیؑ نے ابتدائے سن تمیز بلکہ روز ولادت سے آنحضرت صلعم کے کنار عاطفت میں تربیت پائی تھی، اور حصول علم میں ہمیشہ سے انکی طبیعت راغب تھی، آپ کبھی دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود میں حصہ نہیں لیتے تھے اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ان کی تعلیم و تربیت میں ہمیشہ کوشش بلیغ فرماتے تھے۔ اس وجہ سے جناب علی علیہ السلام کو وہ تعلیم حاصل ہوئی کہ جس میں تمام عقلائے زمانہ حیران رہ گئے۔ امام فخر الدین رازی نے اربعین میں لکھا ہے: عن علی قال علمنی رسول الله صلعم الف باب من العلم ففتح لی من

کل باب الف الف باب جناب علی علیہ السلام فرماتے ہیں" کہ مجھے جناب رسول اللہ صلعم نے علم کے ہزار باب تعلیم کئے ہیں پس ہر باب سے ہزار ہزار باب میرے لئے کھل گئے"۔ ظاہری تعلیم اور تربیت کے علاوہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو خفیہ تعلیم بھی دی اور اکثر آپ یہ تعلیم سرگوشی کی صورت میں دیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہوں روایات ذیل :- (۱) عن جابرؓ قال دعا النبی صلعم علیاً یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقد طال نجواہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ (صحیح ترمذی و صحیح نسائی)
ترجمہ: جابر کہتے ہیں کہ طائف کے روز آنحضرت صلعم نے جناب امیر کو سرگوشی کے لئے بلایا، لوگ کہنے لگے حضرت کی سرگوشی اپنے ابن عم سے بہت بڑھ گئی ہے۔ حضرت نے فرمایا میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ خدا نے کی ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے علی کے ساتھ سرگوشی کرنے کا حکم دیا ہے"۔ (۲) عن انس قال دعا رسول اللہ صلعم یوم الطائف فانتجاہ طویلاً فقال الناس لقد طال نجواہ مع ابن عمہ قال فذکرہ فقال من حسد علیاً فقد حسدنی ومن حسدنی فقد کفر (اخرجہ ابن مردویہ) ارجح المطالب ص۵۹۴)۔ ترجمہ: انس کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے طائف کے روز جناب امیر کو دیر تک سرگوشی فرمائی، لوگ کہنے لگے کہ آپ نے اپنے ابن عم سے دیر تک سرگوشی کی ہے جب اس کا چرچا آنحضرت صلعم تک پہنچا تو آپ نے فرمایا جس نے علی سے حسد کیا اس نے مجھ سے حسد کیا۔ جس نے مجھ سے حسد کیا وہ کافر ہوا"۔ اس سرگوشی میں حضرت علی علیہ السلام نے وہ وہ علوم سیکھے، جو اور کسی صحابی کو نصیب نہ ہوئے۔

سبقتِ الی الاسلام و خلقتِ نوری

مشہور ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور اس کا مطلب بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے، کہ اسلام لانے سے پہلے مسلمان نہ تھے۔ تب ہی تو اسلام لائے۔ اور جب مسلم نہ تھے تو کیا تھے، اور کس دین پر تھے، یہ بھی ایک حل طلب سوال پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب قرآن مجید اور احادیثِ رسول پر نظر غائر کی جائے، تو یہ تمام مذکورہ بالا امور درست ثابت نہیں ہوتے کیونکہ قرآن مجید میں آیہ فطرت سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے کسی مولود کو کافر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہر بچہ فطرت میں مسلم ہی ہوتا ہے، کیونکہ اگر خدا خود کافر پیدا کرتے تو پھر انبیاء علیہم السلام کو کس لئے بھیجتا ہے، کیا اپنا مقابلہ کرانے کے لئے؟۔ آیہ فطرت کی تفسیر میں فریقین نے تحریر کیا ہے، کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے والدین اس کی تربیت میں اپنا ہم مذہب بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں ہے :-
"کل مولود یولد علی الفطرۃ ولکن ابویہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ"۔ یعنی "ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے والدین اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"۔
آیہ فطرت و حدیث متفق علیہ سے ثابت ہو گیا کہ بچہ آغوش فطرت میں مسلم ہوتا ہے لیکن جب آغوشِ تربیت ملتی ہے تو والدین کا دین و مذہب اختیار کر لیتا ہے، یہ قانون جب ہر بچہ کے لئے ہے تو خواہ وہ کسی گھر میں پیدا ہو مسلم پیدا ہو گا۔ عیسائی کے گھر میں پیدا ہو گا تو مسلم ہو گا، مجوسی کے گھر ہو گا تو مسلم ہو گا۔ جب دنیا کے تمام بچوں کیلئے یہ قانون کلی ہے تو حضرت علی بھی اس قانون کے مطابق مسلم ہی پیدا ہوئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ تربیت کس کی حاصل ہوئی ——— یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب حضرت علی پیدا ہوئے تو مکہ میں انتہائی قحط ہو گیا اور اس قحطِ شدید کی وجہ سے ابو طالب جو کثیر العیال تھے کچھ تنگ ہو گئے۔ خداوندِ عالم کی یہ ایک خصوصی نعمت تھی کہ جناب

رسالتمآبؐ نے ابوطالب سے خواہش کی کہ ایک بچہ مجھے دیدو، جس کی میں تربیت و پرورش کروں جناب ابوطالب نے کہا کہ جو بچہ آپ پسند کریں لے لیں حضور سرکار دو عالم نے علیؑ کو پسند کیا اور اپنی تربیت میں رکھا حتی کہ اظہار نبوت کا وقت آیا۔ اور علیؑ آپ ہی کی تربیت میں تھے، اب قانونِ فطرت و تربیت پر نظر کرتے ہوئے بآسانی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ علیؑ دینِ فطرت پر پیدا ہوئے۔ لہٰذا فطری طور پر مسلم تھے اور تربیت رسول اکرمؐ کی حاصل ہوئی۔ لہٰذا تربیت میں بھی علیؑ کا دین وہی رہا جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ اور آپ کا دینِ اسلام تھا۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام تربیت میں بھی مُسلم ہی رہے۔ اب جو بچہ فطرت و تربیت میں مُسلم ہو اس کے متعلق یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ وہ کب اسلام لایا، وہ بہرصورت اسلام ہی پر رہا ہے۔

ہاں یہ سوال ان کے متعلق پیدا ہو سکتا ہے جو فطرت میں مُسلم پیدا ہوئے اور پھر تربیت کفر و شرک کی حاصل ہوئی اور کافر بن گئے۔ اب ان میں سے کون پہلے اسلام لایا عورت ہو یا مرد۔ بچہ یا بوڑھا؟ ان میں سابق کون ہے؟ اور لاحق کون ہے؟ لیکن حضرت علیؑ اس فہرست میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہاں کفر کا شبہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اب یہ مشہور واقعہ کہ علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے اس معنی سے درست ہے کہ تمام اُمت محمدیہ سے پہلے اسلام پر تھے نہ کہ اسلام لائے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے اشعار کا ایک مصرعہ یہ ہے ع: "سبقتکم الی الاسلام طراً" یعنی مجھے تمام اُمت محمدیہ پر اسلامی سبقت حاصل ہے۔

اب اس سبقت اور پہل کا اندازہ مندرجہ ذیل احادیث فریقین سے ہو سکتا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ نے اپنی حدیث مبارک میں اس پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ ایک دن سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد کندی، عمار یاسر، حذیفہ بن یمان و خزیمہ بن ثابت و عامر بن واثلہ و سعید بن جبیر و ابو ہیثم بن تیہان حضور کی خدمت میں غمگین بیٹھے تھے۔ آنحضرت نے وجہ حزن و ملال دریافت کی۔ انھوں نے عرض کی کہ لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ جب بالکل طفولیت میں تھے تو اسلام لائے اور بچپن کی بات کا کیا اعتبار اس لئے ہمیں رنج و غم ہوا ہے۔ جناب رسالتمآب نے کتب سابقہ میں پیدائش حضرت ابراہیمؑ، ولادت حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے معجزانہ حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمام انبیاء سے افضل ہوں اور میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں ہم دونوں کا نور اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں سے گزرا ہے، اور ہم اپنے آباؤ اجداد اور امہات کی تسبیح و تہلیل برابر سنتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ہمارا نور صلب عبدالمطلب میں پہنچا۔ خداوند عالم نے اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک عبداللہ کے صلب میں دوسرا ابوطالب کے صلب میں اور یہ نور ان دونوں کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ یہاں تک کہ جانور ان پر سلام کرتے تھے اس نور کی ضوفشانی کی وجہ سے اور جب ہم پیدا ہوئے تو وہ نور ہم میں رہا۔ چنانچہ جب علیؑ پیدا ہوئے تو میرے پاس جبرئیل آئے، اور مجھ سے کہا، کہ اے محمدؐ خداوند عالم تحفہ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے، کہ اب تمہارے اعلانِ وحی اور اظہار نبوت کا وقت قریب آگیا ہے تمہارا ناصر و مددگار اور تمہارا خلیفہ جس کے ذریعہ تمہاری پشت مضبوط ہوگی پیدا ہو گیا ہے۔ فوراً جاؤ اور داہنے ہاتھ میں اس کو لے لو۔ چنانچہ جب میں پہنچا اور میں نے داہنا ہاتھ بچہ کی طرف بڑھایا وہ بچہ فوراً میرے پاس آگیا اور اس نے اپنا داہنا ہاتھ کان پر رکھا اور اذان و اقامت کہی، اور شہادت توحید خدا ادا کی اور میری رسالت کی گواہی دی اور مجھ پر یوں سلام کیا: السلام علیک یارسول اللہ۔ میں نے علیؑ سے کہا کہ پڑھو، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے علیؑ نے صحیفہ آدم علیہ السلام پڑھنا شروع کیا اور اس طرح پڑھا کہ حضرت آدم موجود ہوتے تو ضرور کہہ دیتے کہ مجھ سے بہتر تلاوت کی ہے پھر صحیفہ نوح و صحیفہ ابراہیم کی تلاوت کی۔ اسکے بعد توراۃ انجیل کی قرأت کی

کہ اگر موسیٰ و عیسیٰ موجود ہوتے تو بول اُٹھتے کہ ہم سے بہتر تلاوت کی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت شروع کردی اور پورا قرآن سنا دیا پھر ہم میں باہم گفتگو ہوئی جس طرح کہ انبیاء میں مخاطبہ ہوا کرتا تھا۔ پھر وہ بچہ اپنی طفولیت کی حالت میں ہو گیا۔ یہی حال انکی نسل کے گیارہ اماموں کا بھی ہے۔ اب بتاؤ کہ تمھیں کیا حزن و ملال ہے اور دشمنوں کی باتوں پر کیا رنج و غم ہے۔ تم یاد رکھو کہ میں افضل الانبیاء ہوں اور علیؑ افضل الاوصیاء ہیں۔ حضرت آدمؑ نے جب میرا اور علیؑ کا نام اور فاطمہ اور حسن و حسین کے نام ساق عرش پر دیکھے تھے تو دریافت کیا تھا کہ اے خدا کیا مجھ سے پہلے بھی یہ مخلوق موجود ہے؟ تو خدا نے جواب دیا تھا یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ آسمان کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو اور نہ کسی فرشتہ کو پیدا کرتا۔ نہ کسی نبی کو اور نہ تم ہی کو پیدا کرتا۔ آدم نے یہ سن کر عرض کی۔ پروردگار! انکے طفیل مجھے اپنی رحمت و غفران میں لے اور یہی وہ کلمات تھے جو آدم کو خدا نے تلقین کئے تھے، آدم یہ سن کر شکر ادا کیا کہ ایسی ہستیاں میری ذریت میں ہونگی۔ جناب رسالتمآب نے حاضرین کو فرمایا: کہ یہ ہے ہمارا افضل مرتبہ جو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے۔ یہ سن کر اصحاب حاضرین نے عرض کیا کہ الحمد للہ ہم نہایت خوش نصیب ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مستحق جنت ہو۔ اور تمھارے دشمن مستحق دوزخ ہیں۔

حدیث مذکور کو حضرت علامہ ابن بابویہ نے اپنی امالی میں درج فرمایا ہے۔ اور علامہ طوسی نے مصباح الانوار میں درج کیا ہے، جناب علامہ بحرانی نے مدینۃ المعاجز میں یہ حوالہ تحریر کیا ہے"۔ —— اہل سنت کی کتاب ینابیع المودۃ ص۱۰ میں چند احادیث مندرج ہیں، جو حضرت امیر المومنین کی خلقت نوری پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ ابن مغازلی نے اپنی کتاب مناقب میں سلمان فارسی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اور علیؑ نوری حالت میں تسبیح خدا کیا کرتے تھے، اور یہ واقعہ آدمؑ کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے کا ہے۔ جب آدمؑ پیدا ہوئے تو خدا نے یہ نور آدم کے صلب میں ودیعت کردیا۔ اور میں اور علی ایک ہی حالت میں رہے یہاں تک کہ یہ نور اصلاب طاہرہ سے گزرتا ہوا جب عبد المطلب کے صلب میں پہنچا تو خدا نے اس نور کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا مجھے نبوت دی اور علیؑ کو امامت عطا کی"۔ نیز علامہ حموینی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ جب یہ نور اصلاب طاہرہ سے گزر کر صلب عبد المطلب میں پہنچا تو خدا نے اس کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ عبد اللہ کے صلب میں اور دوسرا ابو طالب کے صلب میں۔ پس میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ وہ مجھ سے ہیں میں ان سے ہوں، میرا گوشت ان کا گوشت ہے، میرا خون ان کا خون ہے۔

حضرت علی علیہ السّلام کا حُلیہ مبارک

خلاق عالم نے اپنے تمام انبیاء اور اوصیاء کو وجیہ المنظر قرار دیا ہے۔ اور انہیں ایسے عیوب سے بری اور پاک رکھا ہے جو باعث نفرت بن کر کار تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کریں۔ حضرت علی علیہ السلام جو جملہ انبیاء کے صفات کا مجموعہ تھے اور جن میں آدم سے خاتم تک کی خوبیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہم جب انکے صفاتِ جسمانی اور انکی شکل و شباحت پر کتابوں کے اوراق میں نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ حسن و جمال میں یکتا تھے۔ اور آپ کے اعضاء و جوارح مناسب خوبصورتی میں ممتاز تھے۔ اسد الغابہ میں ہے، کہ ابو العجاج کہتے ہیں کہ میں نے علی کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بڑے ہی خوبصورت تھے۔ ارجح المطالب صفحہ ۲۹۵ میں ہے کہ آپ کے لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔ استیعاب عبد البر میں ہے۔ کہ آپ کا چہرہ مبارک خوبصورتی میں چودھویں رات

کے چاند کی مانند تھا۔ نورالابصار ص۶۹ میں ہے۔ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند تھا۔

آپ کا قد مُبارک: جس طرح انسان کا طویل القامت ہونا معیوب ہے اسی طرح پستہ قد ہونا بھی معیوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام کو خداوندِ عالم نے نہ طویل القامت قرار دیا تھا اور نہ پستہ قد رکھا تھا۔ نورالابصار ص۶۹ میں ہے حضرت علی علیہ السّلام کا قد مبارک میانہ سے کچھ کھلتا ہوا تھا۔ ارجح المطالب ص۲۹۵ میں ہے۔ جناب امیر میانہ قد سے کچھ اونچے تھے۔ تاریخ میں جہاں آپ کا حلیہ مبارک بیان کیا گیا ہے آپ کے قد کے بارے میں لفظ ربعہ آیا ہے جس کے معنی میانہ قد کے ہیں۔ المنجد ص۲۴۶ و صراح جلد ص۱۵ مذکورہ عبارت میں لفظ فوق بھی مذکور ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ میانہ قد سے بھی کچھ اونچے تھے۔ ایسی صورت میں آپکو پستہ قد کہنا کس قدر افسوسناک ہے۔

آپ کا رنگ: ۔ نورالابصار ص۶۹ طبع مصر میں ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام سانولہ رنگ کے آدمی تھے۔ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے وہ رنگ میں گندم گون تھے۔ ارجح المطالب ص۲۹۵ میں بحوالہ اسد الغابہ رزارہ ابن سعد العقیلی سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد سے حضرت علیؑ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ اگر تم انکو دُور سے دیکھتے تو سبزہ رنگ معلوم ہوتے تھے۔ اور جب گہری نظر کرکے قریب سے دیکھتے تو کھلتا ہوا گندمی رنگ دکھائی دیتا۔

سَر اور سر کے بال: ۔ آپ کے حسن و جمال اور آپ کے قد مبارک اور رنگ اقدس پر روشنی ڈالنے کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ میں آپ کے حلیہ کے سلسلہ میں جسمی تشریحات پیش کر دی جائے لیکن عرض کرنا ضروری ہے کہ جو کچھ بیان کیا جارہا ہے وہ کتب اہلِ اسلام سے تمسک کا نتیجہ ہے یعنی جو کتابوں میں موجود ہے ہم اُسے پیش کر رہے ہیں۔ بہرحال آپ کا سر مبارک نہایت مناسب تھا نہ بہت بڑا تھا۔ اور نہ چھوٹا تھا۔ آپ کے سر اقدس کے بال سفید تھے۔ اور آپ کی پیشانی کھلی ہوئی تھی۔ جیسا کہ مطالب السئول صفحہ ۴۱، نورالابصار صفحہ ۶۹ میں ہے۔

آپ کی چشم مبارک: ۔ نورالابصار صفحہ ۶۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ موٹی موٹی آنکھوں والے تھے، ذخائر العقبیٰ میں ہے کہ آپ کی آنکھیں بڑی اور سیاہ اور خواب آلود تھیں۔

آپ کی ریش اقدس: ۔ مطالب السئول صفحہ ۴۱ میں ہے کہ آپکی ڈاڑھی نہایت ہی چوڑی تھی، جس پر آپنے کبھی خضاب نہیں فرمایا استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ آپ کی ڈاڑھی میں بہت زیادہ بال تھے یعنی ڈاڑھی گھنی تھی، ارجح المطالب صفحہ ۲۹۶ میں ہے، کہ آپکی ڈاڑھی اس قدر گھنی تھی کندھوں کی دونوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ جہاں تک ہمارے مسلمات کا تعلق ہے حضرت علی علیہ السّلام کی ڈاڑھی گھنی اور عریض ہونے کے باوجود ایک مُشت کی تھی۔

آپ کی گردن: ۔ ذخائر العقبیٰ میں ہے، کہ آپ کی گردن ایک چاندی کی صراحی کے مانند تھی، یعنی آپکی گردن صراحی دار تھی، اور صاف و شفاف ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چاندی کی بنی ہوئی ہو۔ ارجح المطالب صفحہ ۲۹۶۔

آپ کے کندھے: ۔ امام شبلنجی نورالابصار کے صفحہ ۶۹ میں لکھتے ہیں۔ آپ کے دونوں کندھوں کی ہڈی اور آپس کی ساخت میں چوڑائی تھی اور ایسی ہڈیاں تھیں جیسے شیر درندہ کی ہوتی ہیں یعنی چوڑی اور نرم ہڈیاں تھیں، صراح جلد ۱ صفحہ ۴۶۷، اسد الغابہ میں ہے آپ نہایت مستحکم اور مضبوط کندھوں والے تھے مقصد یہ کہ آپ کے کندھے مضبوط اور آپ کا سینہ چوڑا تھا۔ ربیع الابرار میں ہے کہ آپ شیر بیشہ شجاعت تھے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ آپ کے سینہ پر بال بکثرت تھے۔

آپ کے بازو:۔ ذخائر العقبیٰ میں ہے کہ آپ کے بازوؤں اور کلائیوں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ استیعاب اور ارجح المطالب ص۲۹۶ میں ہے آپ کی کلائی اور بازوؤں میں فرق نہ تھا یعنی دونوں ایک سے تھے اور نہایت ٹھوس اور مضبوط تھے! اسد الغابہ میں ہے آپ کے بازو بھرے ہوئے اور کلائیاں باریک تھیں

آپ کی کلائیاں ہتھیلیاں اور پنجے:۔ حضرت علیؑ کی کلائیاں نہایت مضبوط مستحکم اور بھری ہوئی تھیں۔ علامہ شبلنجی نور الابصار کے صفحہ ۹۹ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی کلائیاں سخت مضبوط اور مستحکم گرفت والی تھیں (صراح جلد ا ص۲۷۵، علامہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں کلائیاں انکی مضبوط تھیں۔ جب کسی کی گردن آپ خود پکڑ لیتے تھے تو اس کا گلا اس طرح گھونٹ جاتا تھا کہ وہ سانس نہیں لے سکتا تھا۔ انکی کلائی اور ہاتھ سخت تھے، جب جنگ کو جاتے تھے تو ٹھنڈے دل کے ساتھ جاتے تھے وہ ایسے بہادر تھے کہ جس سے جنگ کی فتحیاب ہوئے۔ (ارجح المطالب ص۲۹۶) ۔

آپ کا شکم مبارک اور ارجح المطالب کی رد: حضرت علیؑ جہاں ایک عظیم الشان عالم علم لدنی تھے وہاں ایک عظیم المرتبت اور بے مثل بہادر بھی تھے علماء کے بیان کے مطابق اور انکے عملی اثرات کے پیش نظر بہ یقین سے کہا جاسکتا ہے، کہ آپ شیر بیشہ شجاعت اور اسد اللہ تھے، آپ ہر جنگ اسلامی میں شریک رہے ہیں۔ اور ایسی جنگ کی ہے کہ دنیا لوہا مانے ہوئے ہے۔ جنگ بدر سے لے کر جنگ صفین و جمل تک آپ کی ذوالفقار نے فتح کیا ہے، لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار آپکی شان مبارک میں نازل ہوئی ہے۔ بہرحال دنیا کو اس کا اعتراف ہے کہ آپ سے بڑا بہادر نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ پھر ایسی صورت میں آپ کے لئے یہ کہنا کہ جناب امیر تند یلے بڑے پیٹ والے تھے (ارجح المطالب ص۲۹۵) کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

حضرت علیؑ کا روحانی حلیہ:۔ حضرت علی شکل و شباہت کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد جی چاہتا ہے کہ آپ کا ایک مختصر ترین روحانی حلیہ بھی پیش کر دیا جائے اور بہتر ہوگا، اگر اسے ایک دشمن کی تصدیق کے ساتھ بیان کیا جائے۔ بنابریں عرض ہے کہ کتاب استیعاب، کنز العمال اور صواعق محرقہ میں ہے کہ امیر معاویہ نے ضرار صدائی سے کہا کہ اے ضرار: مجھ سے علیؑ کے اوصاف بیان کر ضرار نے کہا اے امیر مجھ کو اس سے معاف رکھ، معاویہ نے کہا تجھے ضرور انکے اوصاف بیان کرنا ہونگے۔ ضرار نے کہا کہ جبکہ مجھے انکے اوصاف بیان کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو سُن، واللہ وہ دور کے کام والے اور بڑی قوتوں والے تھے۔ بزرگی سے بات کرتے تھے اور عدل سے حکم دیتے تھے۔ علم کا دریا انکے دل سے موجزن تھا، حکمت انکی زبان سے بولتی تھی۔ وہ دنیا اور دنیا کی خوبیوں سے گریز کرتے تھے وہ اندھیری رات اور اس کی وحشت سے مانوس تھے۔ وہ رونے کو پسند کرتے تھے، اور دور دراز فکر میں ڈوبے رہتے تھے، انکو کپڑا چھوٹا اچھا لگتا تھا۔ اور ان کو کھانے میں کم خست چیز بھلی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ہم میں ہمارے جیسے تھے۔ وہ ہم کو جواب دیتے تھے جب ہم ان سے پوچھتے تھے۔ وہ ہمارے پاس آتے تھے جب ہم انکو بلاتے تھے۔ خدا کی قسم ہے کہ باوجود انکے قرب کے ہیبت کی وجہ سے اُن سے کلام نہیں کر سکتے تھے۔ اور اہل دین کی تعظیم کرتے تھے مسکینوں کو اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ انکے خوف سے کوئی زبردست اپنی بیہودگی کی خواہش دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ ضعیف ان کے عدل سے ناامیدی کا منہ نہیں دیکھتا تھا۔ میں نے ان کو بعض مقامات پر دیکھا جبکہ رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ستارے سیاہی میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اور نرم آواز سے رو رہے تھے اور فرما رہے تھے، اے دنیا! میرے سوا کسی اور کو فریب دے، میرے کیوں سامنے آئی ہے، یا کیوں مجھ سے شوق رکھتی ہے۔ افسوس!! افسوس!! میں نے تجھے تین طلاق دی ہیں۔ جن میں ہرگز رجعت کی گنجائش نہیں۔ تیری عمر بہت تھوڑی ہے اور تیرے دکھ بہت بڑے ہیں۔ آہ! آہ تھوڑا زاد ہے اور دور کا سفر ہے۔ امیر معاویہ یہ سُن کر

رونے لگے۔ اور کہنے لگے، خدا ابوالحسن پر رحم کرے واللہ وہ ایسے ہی تھے ربیع الابرار میں ہے کہ جناب امیر کی شان کے متعلق روایت ہے کہ واللہ حضرت علی علیہ السلام چودھویں رات کے چاند اور بن کے شیر اور موج مارتے دریا اور صبح کے برستے ہوئے ابر کے مشابہ تھے۔ ارجح المطالب صفحہ ۱۲۹۔ طبع لاہور ۱۳۵۱ھ۔

تبلیغِ رسالت اور جانشینی رسول اللہؐ کی پہلی منزل

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اصولِ قدرت بدل نہیں سکتے اور نظامِ خداوندی میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ آدم کیلئے جو اصول مقرر ہوئے انکا خاتم تک مستمر رہنا ابدی لازمی اور ضروری ہے یعنی جس طرح آدمؑ نے اپنا جانشین مقرر کیا نوح نے اپنا خلیفہ بنایا، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ وغیرہم نے بحکم خداوندی اپنا قائمقام معینؑ مقرر کیا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے لئے ضروری تھا کہ اپنا جانشین اپنی زندگی میں مقرر فرماتے چنانچہ آپنے ایسا ہی کیا اور اس کے لئے کمال احتیاط سے کام لیکر کئی مرتبہ اسکی وضاحت فرمائی تاکہ آپ کی وفات کے بعد اختلافات رونما نہ ہوں، کیا کہنا حضور اکرمؐ کا کہ تبلیغِ رسالت کی پہلی منزل سے لیکر وفات کے عہد تک اس پر روشنی ڈالتے رہے آپنے دعوت ذوالعشیرہ یعنی تبلیغ رسالت کی پہلی منزل میں اس کی بنیاد ڈالی اور واقعہ تبوک میں اس پر روشنی ڈالی اور موقع غدیر پر ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب میں اس کی مکمل وضاحت کی، یہی نہیں بلکہ مرنے سے قبل نوشتہ دینے کے ارادہ سے قلم دوات مانگ کر اس کی اہمیت اصلیت اور حقیقت کو واضح فرمایا۔ تاریخ کے اوراق پکار رہے ہیں، کہ جب آپکی عمر چالیس سال کی ہوئی اور آپ مبعوث برسالت ہوئے تو قریش نے آپکے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا اب اس کا مقتضا یہ تھا کہ کمال احتیاط سے کام لیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ کی جلد ۱ صفحہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں کہ نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔ علامہ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ تین برس تک آنحضرت نے مخفی طور پر دعوتِ اسلام فرمائی، اس کے بعد پروردگارِ عالم نے آپکو بالاعلان دعوتِ اسلام کا حکم دیا۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲ تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جزء ۳ صفحہ ۱۶ وغیرہ میں ہے کہ چوتھے سال کے شروع میں جب آیاتِ انذر عشیرتک الاقربین اور فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین نازل ہوئیں تو آپنے ابوطالب کے گھر میں چالیس فرزندانِ عبدالمطلب کی ضیافت کی۔ ان میں ابوطالب، حمزہ، عباس، ابولہب بھی تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپنے فرمایا کہ اے فرزندانِ عبدالمطلب میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا و آخرت دونوں میں بہتر ہے جو کچھ میں تم سے کہونگا تم اس کا یقین کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں آپنے فرمایا کہ خدا نے مجھے پیغمبر کیا ہے اور تمام عالم کی ہدایت کے واسطے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں اور قریبیوں کو اس امر کی دعوت کروں اور عذاب آخرت سے خوف دلاؤں تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار ہو۔ اور میں اسکو اپنا بھائی وصی اور وزیر و خلیفہ قرار دوں۔ یہ سن کر سب چپ ہو رہے۔ مگر حضرت علیؑ جو اس وقت تیرھویں، چودھویں یا کم و بیش پندرھویں برس میں تھے۔ تاب نہ لا سکے اور نہایت جوانمردی سے بولے یا رسول اللہ میں آپ کا وزیر ہونگا جو آپ حکم کرینگے اسکی تعمیل کرونگا۔ آپ کی مدد کرونگا آپکے دشمنوں کی آنکھیں نکال لونگا! در پیٹ پھاڑ ڈالونگا، آپنے فرمایا ٹھہر جاؤ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں وہ قبول کریں۔ تین مرتبہ حضرتؐ نے اسی مضمون کا اعادہ کیا، مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور علیؑ اسی طرح کلمات اطاعت و فرمانبرداری دھراتے رہے۔ آخری مرتبہ آپنے حضرت علیؑ کو اپنے پاس بلایا اور بیعت لی، ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا۔

اور فرمایا لوگو! دیکھو میرے بھائی میرے وزیر میرے وصی میرے خلیفہ تم میں بس یہی علی بن ابی طالب ہیں، تم سب انکی بات ماننا اور انکی اطاعت کرتے رہنا۔

اسلام کے اس اہم واقعہ کو علامہ خازن بغدادی لباب التاویل میں علامہ بیہقی دلائل النبوۃ میں، علامہ سیوطی جمع الجوامع میں، علامہ علی متقی کنز العمال میں اور ان کے علاوہ اکثر مفسرین تفسیر و مورخین اور محدثین حضرت علیؑ کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں کہ جب آیہ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو جناب رسالتمآب نے مجھے بلا کر ارشاد کیا کہ اے علیؑ پروردگار عالم نے حکم دیا ہے کہ اپنے قرابتداروں کو اُسکے عذاب سے ڈراؤں لیکن قوم کی حالت دیکھ اور یہ سمجھ کر کہ جب میں انکو حکم خدا پہنچانے کیلئے بلاؤنگا تو ان سے اطوار ناملائم دیکھونگا میری ہمت پست اور طاقت ضعیف ہوگئی اور میں نے سکوت اختیار کیا۔ حتیٰ کہ جبرئیل امین نے مکرر نازل ہو کر مجھے آگاہ کیا کہ اے محمدؐ اگر تم حکم الٰہی کے پہنچانے میں تامل کرو گے تو یہ امر موجب عتاب ربانی ہوگا، تو اب اے علیؑ تم ایک صاع طعام اور ایک بکری کی ران اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ تیار اور مہیا کر کے بنی عبدالمطلب کو میرے پاس جمع کرو۔ تاکہ ان کو حکم الٰہی پہنچاؤں۔ چنانچہ میں نے حکم نبویؐ کے موافق عمل کیا اور بنی عبدالمطلب جو ایک کم یا ایک اوپر چالیس مرد تھے جمع ہوئے جن میں آپ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے، جب بایمائے رسول مقبول کھانا حاضر کیا گیا تو آنحضرتؐ نے ایک ٹکڑا گوشت کا اُٹھالیا اور اسے اپنے دانتوں سے پارہ پارہ کر کے اطراف ظرف میں ڈالدیا اور فرمایا بسم اللہ کھاتے جاؤ۔ چنانچہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔ باوجودیکہ بخدا یہ کھانا اتنا ہی تھا کہ فقط ایک شخص کے کھانے اور پینے کو کفایت کرتا۔ اس کے بعد آنحضرت نے ان سے کلام کرنا چاہا تو ابولہب نے مبادرت کی۔ اور کہا کہ تمہارے صاحب (آنحضرتؐ) نے تم پر سحر کیا ہے، یہ سن کر تمام قوم متفرق ہوگئی، اور آنحضرت صلعم کو ان سے کلام کرنے کی نوبت نہ آئی۔ دوسرے دن جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اے علیؑ روز گذشتہ کی طرح مکرر سامان مہیا کرو اور بنی عبدالمطلب کو بلاؤ چنانچہ میں نے حکم نبویؐ کے موافق انتظام کر کے سب کو جمع کیا اور جب وہ خورد و نوش سے فارغ ہوئے تو آنحضرتؐ نے اُن کے سامنے یہ تقریر کی کہ اے بنی عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی نعمت و نیکی لایا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات پر مامور کیا ہے کہ تمہیں اسکی طرف بلاؤں، پس تم میں ایسا کون شخص ہے جو اس امر میں میری وزارت کرے اور میرا بھائی اور وصی و خلیفہ ہو۔ اس مقام پر تاریخ کے عیون الفاظ یہ ہیں۔ فایکم یوازرنی علی امری ہذا و یکون اخی و وصی و خلیفتی فیکم۔ آنحضرت صلعم کی اس تقریر کا کسی نے جواب نہ دیا۔ مگر میں نے باوجودیکہ سب سے کمسن ہونیکے عرض کیا کہ یا نبی اللہ اس کام کیلئے میں حضور کی وزارت کو حاضر ہوں۔ یہ سنکر آنحضرت صلعم نے میری گردن پر دست شفقت رکھ کر فرمایا کہ اے افراد قوم دیکھو تم لوگوں میں یہ علی میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم سب اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

تاریخ کا یہ اہم واقعہ غیر مسلم کی کتابوں میں بھی موجود ہے اس سے اسکی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ گبن جلد ۲ صفحہ ۴۹۹ کتاب اوکلی صفحہ ۵، کتاب کارلائل صفحہ ۹۱، کتاب ایرونگ صفحہ ۳۷ کتاب گلمن صفحہ ۸۳۔ کتاب ڈیون پورٹ صفحہ ۵ وغیرہ۔

شبِ ہجرت اور کارنامہ حضرت علی علیہ السلام

آج صحن عالم میں کسی ملک میں بھی خود مختار حکومت نہیں ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں کسی نہ کسی نوعیت کی جمہوری طرز کی حکومت قائم ہے جمہوری طرز حکومت خواہ مشروط ہو یا وفاقی ہو، یا اشتراکی ہو ایک بنیادی اصول ہے کہ جب کسی کو کوئی ذمہ دار عہدہ دیا جاتا ہے تو اس سے حلف یا عہد لیا جاتا ہے اور عہد کرنے والے عہدہ دار کو اس امر کا وعدہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ میں حکومت کی پالیسی اور ذمہ داریوں

کو نہایت دیانت اور ایمانداری سے پورا کرونگا۔ یعنی عہدہ کے ساتھ مطلق العنانی نہیں ہوتی، بلکہ ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔
اور وہ حکومت، کابینہ، ایوان اور جمہور کے سامنے جوابدہ بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی
کرتا ہے، تو اُس کے خلاف عدم اعتمادی کا ووٹ پاس کیا جاتا ہے۔ اور اس کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے۔
یہ دستور دُنیا میں کب سے رائج ہوا؟ اس سوال کے جواب کی فکر میں اگر آپ تاریخ عالم کی ورق گردانی کریں، تو آپ کو آج سے
تیرہ سو تہتر (۱۳۷۳) سال قبل تاریخ اسلام میں دعوتِ ذوالعشیرہ کا واقعہ ملتا ہے جس کا تفصیلی بیان آپ اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔
یعنی جناب رسولِ خُدا نے اپنی نبوت کے ساتھ امامت کا بھی اعلان کر دیا۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ میرے بعد وہی شخص میرا
نائب اور وزیر ہوگا، جو کارِ رسالت میں میری مدد کریگا۔ صرف ہمارے آقا اور مولا حضرت علی ہی نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین بار
کھڑے ہو کر اپنے عہد کا اظہار کیا، کہ میں کارِ رسالت میں آپ کی مدد کروں گا۔ عہد کرنا تو آسان ہے، مگر اُسے پورا کرنا مشکل ہے
اس مشکل کام کو حضرت علی علیہ السلام نے کیسے انجام دیا؟

اعلانِ نبوت کے وقت ہی سے کفار قریش نے حضرت محمدؐ کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ ایذا رسانی شروع ہوگئی۔ راہ میں کانٹے
بچھائے گئے، عورتیں اپنے گھر کا کوڑا جمع رکھتی تھیں اور جب آپ اُن کے گھر کے پاس سے گذرتے تھے۔ تو آپ پر اس کوڑے کو پھینک
دیا کرتی تھیں۔ حالتِ نماز میں آپ پر جانوروں کی اوجھڑی ڈالی جاتی تھی۔ اور اس مذاق سے اپنی دلچسپی اور تفریح کا سامان کیا
جاتا تھا۔ راستے میں کفار قریش کے سر پھرے اور شوخ لڑکے آپ پر سنگباری کیا کرتے تھے اُس وقت حضرت علیؑ وہی ڈھیلے اُٹھا کر
ان لونڈوں کو مار کر بھگا دیتے تھے۔ لیکن حضرت محمدؐ باوجود ان گوناگوں ایذا رسانیوں اور پریشانیوں کے تبلیغ اسلام فرماتے رہے
اور حضرت علی ان کا ہاتھ بٹاتے رہے، جب ستانے سے کام نہ چلا تو آپ کے چچا حضرت ابوطالب سے شکایت کی، اور کہا کہ وہ
اپنے بھتیجے کو دینِ اسلام کی تبلیغ سے روکیں۔ اس کے بعد آخری حربہ رشوت کا استعمال کیا۔ لیکن جب وہ بھی کارگر نہ ہوا۔ تو
اب آپ کو قتل کر ڈالنے کی تدبیریں سوچنے لگے اُن کو یہ ڈر تھا کہ جس قبیلہ کے لوگ حضرت محمدؐ کا خاتمہ کرینگے اُسے بنی ہاشم تاراج
ہی کر کے چھوڑیں گے، انکی اس پریشانی کو دُور کرنے کیلئے شیطان شیخ نجد کی صُورت میں اُنکے درمیان میں آیا۔ اور رائے دی، کہ
ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر آدمی لو اس طرح ایک جماعت بنا کر شب کی تاریکی میں گھر میں گھس کر حضرت محمدؐ کو قتل کر ڈالو۔ اس تجویز میں
خوبی یہ تھی کہ رات کے وقت حضرت محمدؐ کو قتل کرنا آسان بھی ہوگا اور یہ پتہ بھی نہ چلے گا کہ کس قبیلے کے آدمی نے قتل کیا ہے اس لئے
حضرت محمدؐ کے قتل کا الزام ہر قبیلے پر ہوگا۔ اور بنی ہاشم کیلئے خونِ محمدؐ کا انتقام لینا ناممکن ہو جائیگا۔ شیخ نجد کی ترکیب چلتی ہوئی تھی۔ اس لئے
سب نے متفقہ طور پر قبول کی۔ اور اس پر عملدرآمد کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

اس سازش کی اطلاع حضرت محمدؐ کو بھی مل گئی۔ مگر اُسی شب میں جس میں آپ کے گھر پر شبخون مارنے کا کفارِ قریش نے ارادہ کیا تھا
آپ نے حضرت علیؑ کو بُلا کر فرمایا کہ کفارِ قریش میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں آج رات کو وہ میرے گھر پر
مجھے قتل کرنے کے لئے آئینگے اس لئے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ میں مدینہ کی طرف ہجرت کروں اور تم میری جگہ پر میرے ہی بستر
پر آج رات کو آرام کرو۔ کارِ رسالت کو پورا کرنے کیلئے رسولِ خُدا کا زندہ رہنا ضروری تھا۔ پس جو رسولِ خدا کی جان کی حفاظت
کرے۔ وُہ وہی ہستی ہے جس نے کارِ رسالت میں رسول کا ہاتھ اپنی جان پر کھیل کر بٹایا۔

بیشک دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقعہ پر جس بات کا وعدہ کیا تھا، اسے شبِ ہجرت اپنی جان پر کھیل کر حضرت علی نے پورا کیا، اور ایک زریں عملی ثبوت پیش کیا، کہ میں صادق القول ہوں، جو کہتا ہوں، اسے پورا کرتا ہوں، خُدا کے رسُول کی شرطِ وزارت و خلافت کو میں پورا کرونگا، یہ پہلا ثبوت دے رہا ہوں، کارِ رسالت میں مدد یوں جان کو خطرے میں ڈال کر کی جاتی ہے۔ اس طرح جان کو خطرے میں ڈالنا میدانِ جنگ میں جہاد کرنے سے ایک شجاع ہستی کے لئے زیادہ سخت کام تھا۔ آپ نے خُدا کے رسُول سے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ اگر شب میں کفارِ قریش آپ کے رسالت کدہ پر آپ کو شہید کرنے کیلئے حملہ کرنیوالے ہیں تو میں اگر آپکے بستر پر لیٹونگا، تو میری جان بھی تو خطرہ میں پڑ جائیگی۔ آپ اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے خُدا کے رسُول سے یہ ارشاد فرما سکتے تھے کہ آپ اس اندھیری رات میں جنگل اور بیابان میں تنہا نہ جائیں بلکہ مجھے بھی ہمراہ لیتے چلیں، تاکہ اگر راہ میں کوئی دشمن حملہ کرے، یا درندہ ملے تو میں اس وقت آپ کے کام آؤں اور آپ کی حفاظت کر سکوں۔

ایسی تجویز پیش کرنا نفس اللہ کی شان کے خلاف تھا حضرت علی جیسا کہ ایک انگریز مورخ سر لوئیس پیلے لکھتا ہے خُدا کے بڑے پیارے بندہ تھے، آپنے ساری عمر خُدا ہی کے کام کئے، دن بھر جہاد کیا، یا کارِ رسالت میں رسُول کا ہاتھ بٹایا، یا رسُولِ خُدا کی جُوتیاں ٹانکیں۔ رات بھر خُدا کی عبادت کی۔ اگر کسی رات سوئے بھی تو شبِ ہجرت اپنی جان پر کھیل کر رسُول خُدا کے بستر پر آرام کیا۔ اگر ولادت ہوئی تو خُدا ہی کے گھر میں اور اگر شہادت پائی تو خُدا ہی کے گھر میں۔ ابتدا سے انتہا تک خُدا ہی خُدا رہا۔ نفس اللہ کو صرف مرضئ رب پر چلنے کی فکر تھی۔ اس لئے آپ نے بغیر کسی چوں و چرا بسترِ رسُول پر دشمنوں کی کھنچی ہوئی تلواروں کے درمیان آرام کرنا برضا و رغبت قبول کیا۔ حضرت علی کو اس وقت اپنی جان کی مطلق فکر نہ تھی۔ اگر کوئی تشویش تھی، تو صرف رسُولِ خُدا کی جان کی۔ اسی لئے آپ نے خُدا کے رسُول سے بیچین ہو کر پوچھا، کہ میں تو آج کی رات آپکے بستر پر لیٹوں ہی گا لیکن میری اس خدمت سے کیا آپکی جان بچ جائیگی۔ حضرت محمدؐ نے جب ہمارے آقا اور مولا کو اطمینان دلایا کہ ہاں تم میرے بستر پر آج کی رات آرام کرو گے، تو میری جان بچ جائیگی۔

عزم، احتیاط، دُور اندیشی اور حفاظتِ جان کا تقاضا یہ تھا، کہ حضرت علی بسترِ رسُول پر رات بھر ننگی تلوار اپنے سامنے رکھ کر نہایت چوکنا ہو کر بیٹھے رہتے۔ یہاں تک کہ رات گزر جاتی اور صبح نمودار ہوتی، کفارِ قریش کے حملے کا علم تو ہو ہی چکا تھا اس لئے اس شب کو جاگتے رہنا ہی ضروری تھا اور رات بھر جاگنا حضرت علی کیلئے کوئی مشکل کام نہ تھا، اسلئے کہ آپ رات بھر عبادت کیلئے جاگنے کے عادی تھے۔ محلہ والے بھی ہزار تکبیروں کی صدائیں سُننے کے عادی ہو گئے تھے۔ پھر خطرہ کی رات میں ہر ایک متنفس روشنی کا خاص انتظام کرتا ہے کیونکہ روشنی سے درندے، چور، ڈاکو، شبخون مارنے والے دُور بھاگتے ہیں۔ قرینہ یہ بتاتا ہے، کہ حضرت علیؑ نے اندھیرے میں ہی بسترِ رسُولِ خدا پر آرام فرمایا۔ بجلی کا بلب تو اس وقت تھا نہیں، کہ جسے ایک مرتبہ جلا دیا تو جب تک اس میں کوئی خرابی واقع نہ ہو، تب تک وہ جلا ہی کریگا۔ کوئی ایسا لیمپ یا لالٹین بھی نہ تھی جس میں رات بھر کیلئے تیل بھر کر جلا دیا جاتا۔ خُدا کے رسُولؐ کے گھر میں صرف ایک دِیا ہو سکتا ہے جسے بھیڑ یا اونٹ کی چربی یا زیتون کے روغن سے روشن کیا جا سکتا تھا۔ اور اسے رات بھر روشن رکھنے کے لئے ہمارے آقا و مولا حضرت علیؑ رات بھر جاگتے رہتے اور جب چراغ میں روغن کم ہو جاتا تو تیل ڈالتے۔ اور جب بتی جل جاتی، تو اُسے اُسکاتے اس طرح گھر میں رات بھر خطرہ کے عالم میں روشنی رکھنا ضروری تھا لیکن نفس اللہ کو تو صرف یہ فکر تھی کہ میری جان رسُولِ خُدا کے کام آجائے۔ آپ اس رات گہری نیند سوئے تاکہ دشمنانِ اسلام آئیں اور اندھیری رات میں اُن کو یہ معلوم

نہ ہو سکے، کہ بستر رسولِ خدا کے نبی سے خالی ہے اور اس پر آج کی رات وصی رسول گہری نیند سو رہا ہے۔ وہ دھوکا کھائیں اور اپنے خیال میں وصی رسول کو شہید کر کے یہ سمجھیں کہ انھوں نے خدا کے رسول کو قتل کر ڈالا اور اس طرح کفار قریش تو مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں اور خدا کے رسول کو بے خوف و خطر سفر کا زیادہ راستہ طے کر لینے کا موقع مل جائے۔ یہ تھے وہ تمام وجوہ جنکے بنا پر حضرت علیؑ شب ہجرت بستر رسول پر گہری نیند سوئے۔ مختصر یہ کہ اگر حضرت علیؑ کسی رات گہری نیند سوئے بھی تو وہ بھی کارِ رسالت میں مدد دینے کیلئے۔

ہجرتِ رسول اللہ کے بعد حضرت علیؑ کی بادیہ پیمائی

مکہ سے مدینہ تک:۔ شب ہجرت ہی کا واقعہ ایسا جاذبِ نظر نہیں ہے۔ جس سے تاریخوں کی نگاہیں اسی طرف مرکوز ہو جائیں بلکہ اس سے زیادہ پر خطرات کو تصور میں لایئے۔ جبکہ پیغمبر اسلام کو ہجرت کئے ہوئے تین دن گذر گئے ہیں۔ کفارِ عرب غم و غصہ کی آگ میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں کہ ایک سنہرہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ اور اس طرف امین صادق کا سب سے قابلِ اعتماد سچا امانت دار علی ابن ابی طالب تمام لوگوں کی امانتیں بحفاظت تمام پہنچا کر سفر کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ آپ یقین کریں۔ کہ تنہا خاموشی سے گذر جانا اتنا مشکل نہ تھا۔ جتنا مخدرات عصمت کو ہمراہ لے کر کھینچی ہوئی تلواروں سے گذرنا مشکل تھا۔

بہرحال جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے۔ کہ ہجرت پیغمبر خدا کے بعد تین دن علیؑ مکہ میں رہے کہ جو چیزیں رسول کے پاس امانتاً رکھی تھیں، انہیں واپس کر دیں، اور ابن خلدون نے تصریح کی ہے۔ "علی کرم اللہ وجہہ بعد روانگی آنحضرت صلعم لوگوں کی امانت جو آنحضرت صلعم کے پاس تھیں اور جن کو جو کچھ آپ نے دینے کو فرمایا دیکر مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔

اسے بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ مکہ سے مدینہ تک کا فاصلہ تین سو سوا سو میل سے کبھی کم نہ تھا۔ اس وقت کے دشوار گزار راستے اور سفر کی دقتیں پھر جس صورت میں آپ کی روانگی معرضِ ظہور میں ہوئی وہ کس قدر خطرات سے پُر تھی۔ موسم بھی یورپین مؤرخ کاسن ڈی پرسیوال کی تحقیق کے مطابق جون کا مہینہ تھا۔ اور گرمی کے دن، گرمی بھی کہاں کی عرب کی۔ کوسوں تک ریگستان جس کا ذرہ ذرہ تمازت میں آفتاب سے کم نہیں تھا، راستہ میں نہ کہیں سایہ نہ کہیں سایہ دار درخت، مکہ سے پہاڑوں کا سلسلہ جو شروع ہوتا ہے وہ مدینہ تک لگاتار چلا آتا ہے۔ اور وہی عام گذرگاہ ہے۔ علی مرتضےٰ کو اس شدت کی گرمی میں انہی پہاڑوں کے جلتے ہوئے پتھروں پر ایک سو پچیس میل تک پیادہ پا چلنا ہوا اس قیامت کے سفر میں آپ کے پاس سواری تک بھی نہیں تھی۔ شریک و ہمسفر کہاں تک ہونگے۔ ان کی ثابت قدمی اور کامل الایمانی نے ان مشکلوں کو بھی آسان کر لیا، اور نہایت سہولت سے ان دشوار گذار راہوں کو طے فرمایا۔ مشرکین مکہ سے تو آپ مطمئن تھے۔ مگر ان ایمان فروشوں کا ضرور خوف تھا جو انعام کے لالچ میں پڑ کر آنحضرت کی تلاش میں ادھر ادھر لگے رہتے تھے۔ اس خیال سے آپ دن کو چھپے رہتے تھے اور رات کو راستہ چلتے تھے۔ مکہ سے مدینہ تک کی مسافت اسی طرح تمام کی گئی۔ مدینہ کے قریب پہنچکر ایک نخلستان میں شبانہ روز کی مسافت کی وجہ سے مجبور ہو کر بیٹھ گئے، آپکے پاؤں پھول گئے تھے تلوؤں میں چھالے پڑھ گئے تھے۔ گرد و غبار سے بدن بھر گیا تھا۔ کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ وہاں تھوڑی دیر تک دم لیکر آپ نے آبادی کا رُخ کیا۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی تحریر کے موافق حضرت رسولِ خدا نے مکہ سے سفر کر کے قبا پہنچکر توقف فرمایا۔ اس لئے ابو واقد کی معرفت حضرت علی کو فوراً چلے آنیکا حکم دیا تھا۔ اور غالباً یہ غرض تھی کہ جب حضرت علی مع حضرت فاطمہ زہرا اور دیگر عوارت کے پہنچ جائیں تو اس

وقت داخلِ مدینہ ہوں، ابو واقد جس وقت خط لیکر پہنچا حضرت علیؑ نے مومنین کو ہجرت کرنے اور موضع ذی طویٰ میں جمع ہونے کیلئے کہا اور خود مع حضرت فاطمہ، فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب اور ایمن پسر ام ایمن کے روانہ ہوئے۔ ابو واقد دشمنوں کے خوف سے اونٹوں کو تیز لے جاتا تھا۔ علی نے کہا: اے ابو واقد عورتوں کے ساتھ مدارا کرو کہ وہ کمزور ہوتی ہیں۔ اب اونٹوں کو ہموار راستوں سے لے چلے، علی حمدِ خدا میں رجز پڑھتے جاتے تھے۔ علامہ کے قول کے مطابق آپکو آٹھ کفار نے روکا لیکن آپ نے حارث بن امیہ کے غلام کا نشانہ زخمی کیا اور سب بھاگ گئے منزلوں پر نماز پڑھتے اور حسنِ سلوک کا لحاظ کرتے ہوئے پہنچے حضرت رسولؐ اب کلثوم بن ہدم کے مکان سے مدینہ تشریف لائے۔

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، ردائے شب نے اپنے دامن کو سمیٹا، آفتاب عالم تاب اپنے نورانی بالوں کو سنوارتا ہوا اُفق سے کچھ اونچا ہوا۔ چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ کارخانہ قدرت میں زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ بادِ نسیم کے جھونکے چلنے لگے۔ گلستان میں پھول کھلے، غنچے چٹکے، کلیاں مسکرائیں۔ اور بلبلیں چہکنے لگیں۔ غرضیکہ قدرت کی ہر شے مسرور نظر آنے لگی۔ اور دوسری طرف ابو تراب کا چہرہ روشن دکھائی دیا۔ گرد و غبار سے کپڑے اٹے ہوئے، پیر لہولہان لیکن فاتحانہ تبسم آقائے نامدار علی مرتضیٰ کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور بیساختہ دوڑ کر لپٹ گئے اپنے ہاتھوں سے اُنکے جسم کا گرد و غبار پاک کرنے لگے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۴۲ جلد دوم)۔

حضرت علی علیہ السلام اور اُخوّتِ نبویہ

اُخُوت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک نسلی اور آبائی اتحاد کا نتیجہ۔ دوسرے قلبی تاثیر و تاثر کا ظہور کسی انسان کیلئے اگر ان میں سے کوئی درجہ یا دونوں درجے حاصل ہو جائیں، تو اُسے اپنی شخصیت اجاگر کرنے میں اس شرف کے بیان کرنے کا حق ہے اور اس شخصیت پر غور کرنیوالے صاحبانِ نظر پر فرض ہے، کہ وہ بھی اس رشتے کو پسِ منظر میں دیکھیں نسلی اُخوت کسی کے اختیار میں نہیں، بلکہ یہ کہیں اتفاقی اور کہیں مظاہر قدرت کے طور پر نمایاں ہوتی ہے۔ البتہ صفاتی اُخوت شخصیت کے امکانی حدود میں ہوتی ہے۔ وہ جس سے قربت اور اُخوت حاصل کرنا چاہے۔ اس جیسا بن کر اپنائے اس اپنانے میں اسکے ذہنی اور اخلاقی رجحانات کار فرما ہوتے ہیں۔

امیر المومنین کی شخصیت میں یہ نکتہ ناقابلِ نظر انداز ہے کہ وہ کردار ساز انسان نواز پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کے "نسلی" حقیقی بھائی بھی تھے۔ اور صفاتی بھائی بھی۔ صفاتی "بھائی" اور "اُخوت کرداری" کبھی یہ نہیں کہ علیؑ کہتے ہیں، کہ میں نبی کا بھائی ہوں بلکہ نبیؐ فرماتے تھے، کہ "علیؑ میرا بھائی" ۔۔ پیغمبر نے علیؑ کی اُخوت کا اعلان جن مواقع پر فرمایا، وہ مواقع بھی شخصیاتی تاریخ کے بڑے اہم اور بالکل نادر ہیں۔ مثلاً:۔ (۱) تبلیغ نبوت و بعثت کے اس تاریخی وقت جب دُنیا پر یہ انکشاف ہوا، کہ آپ خدا کے نبی ہیں۔ اُسی وقت تمام جاننے والے عزیزوں کے سامنے اعلان فرمایا: کہ "علی میرا بھائی ہے" دعوتِ ذو العشیرہ کا تیسرا دن ہے۔ اکابر قریش کھانا کھا چکے ہیں کہ آنحضرت نے تقریر شروع فرمائی:۔ "یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتکم به انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرة وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیه فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم۔" (اے اولادِ عبد المطلب کی یادگار، عرب میں کوئی شخص میرا جیسا پیامبر نہیں آیا اور میرا پیام دُنیا و آخرت کی اچھائیوں کا حامل ہے مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس نیک دعوت کی طرف بلاؤں، کیا تم میں کوئی ہے جو اس کام میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہو

تمام سربرآوردہ لوگ خاموش تھے کہ علیؑ اُٹھے اور عرض کی:۔ انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ۔ (میں آپ کا بوجھ بٹاؤں گا)
حضرتؐ نے اسی وقت پشت پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی۔ یہ میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہے۔ (ابن جریر م ۳۱۰ھ، طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ طبع اوّل حسینیہ مصر) معالم التنزیل، خازن، دلائل النبوۃ بیہقی، جمع الجوامع، کنز العمال، تاریخ کامل۔ ابوالفداء)۔

(۲) مکّے کے مسلمان مدینے آئے۔ اور اسلام کو ایک اور اجنبی ماحول مِلا۔ تھوڑے سے عاشقانِ رسولؐ جو مدینے کے رہنے والے تھے۔ وُہ پیغمبرؐ کے اصحاب سے عمومی تعارف ضرور رکھتے تھے لیکن یہ تعارف غیروں کے لئے تعارف کا ذریعہ کیسے بنتا۔ کیونکہ ہر اجنبی یہ سوچتا، کہ مدینہ والوں سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلئے پیغمبرؐ نے اپنے ہجرت کے کچھ دن بعد مہاجرین و انصار میں "اخوۃ" قرار دی۔ (بخاری جلد ۲ حدیث ۱۰۰۹)۔ ابنِ حجر عسقلانی شارح بخاری، تاریخ ابوالفداء (م ۷۳۲ھ) اور استیعاب عبدالبر (م ۴۶۳ھ) میں ہے:
اخی رسول اللہ صلعم بمکۃ بین المھاجرین ثم اخی ثانیا بالمدینۃ بین المھاجرین و الانصار و قال فی کل واحدۃ منھما لعلی انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ "پیغمبرؐ نے مکّے میں مہاجرین کے درمیان اور مدینے میں مہاجرین و انصار کو ایک دُوسرے کا بھائی بنایا تھا، اور دونوں جگہ علیؑ سے فرمایا۔ تم دُنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو"۔ تاریخ الخلفاء طبع کانپور صفحہ ۱۱۹ (از سیوطی م ۹۱۱ھ) اخرج الترمذی عن ابن عمر اخی رسول اللہؐ بین اصحابہ فجاء علی تدمع عیناہ فقال یا رسول اللہ اخیت بین اصحابک و لم تواخ بینی و بین احد! فقال رسول اللہؐ انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ۔ "ابن عمرؓ سے ترمذی نے نقل کیا ہے، کہ آنحضرتؐ نے اصحاب میں مواخاۃ قائم فرمائی (نہ معلوم مکّہ کا ذکر ہے یا مدینے کا یا دونوں کا) تو علیؑ سے فرمایا کہ "تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو"۔

(۳) ۹ھ میں غزوہ تبوک تشریف لے جاتے وقت اپنے گھر پر چھوڑ کر چلے تو منافقین (مسلمان) نے امیر المومنینؑ پر طنز کیا:
فلما قال ذلک المنافقون اخذ علی سلاحہ ثم خرج حتی اتی رسول اللہ وھو بالجرف فقال یا نبی اللہ زعم المنافقون انک خلفتنی انک استثقلتنی و تخففت منی؟ فقال کذبوا و لکنی انما خلفتک لما ورائی فارجع فاخلفنی فی اھلی و اھلک افلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی)۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۴، صحیح مسلم۔ صحیح بخاری باب مناقب علی، حدیث ۹۵۷، باب غزوہ تبوک پ ۱۸ حدیث ۱۴۳۲ (از ترجمہ حیرت دہلوی) تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۹

یہ وہ مقامات ہیں جو اسلامی تاریخ کے بڑے اہم موڑ ہیں۔ علیؑ کی اخوت کا اعلان انہی تین موقعوں پر کیا گیا۔ ۱۔ کفار کے سامنے (جہاں پیغمبرؐ نے اپنے کردار کو منوا کر منصب کا اعلان کیا) ۲۔ مسلمانوں کے سامنے (جب معاشرے کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اور بقول مولانا شبلی و بلاذری اس موقع پر صورت و سیرت کی مطابقت کا پورا خیال کیا۔ جس کا اثر اسلام کی تاریخ مستقبل پر بہت پڑا۔ حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ اور عبدالرحمٰن و حضرت عثمان کی اخوتیں کار آمد ہیں) ۳۔ منافقین کے سامنے۔
ان مختصر سے حوالوں کے بعد تاریخ و حدیث کے اس دفترِ بے پایاں کو دیکھنا چاہیے جسے شیعوں نے اور سُنیوں نے مرتب کیا ہے جس کے حوالوں کے لئے بھی دفتر چاہیئے۔ (میں نے پیش نظر مناقب وغیرہ کی کتابوں کو عمداً نہیں لکھا)۔
مناقب آلِ ابوطالب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ تالیف محدث حافظ معتمد فریقین محمد بن علی ابن شہر آشوب م ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ کی ایک مفید عبارت ملاحظہ ہو۔ صار اخوین من ثلاثۃ اوجہ اولھا لقولہ علیہ السلام، فما زال ینقلہ من الآباء الاخیار الجزء الثانی:

ان فاطمة بنت اسد لبیته حتی قال هذه امی وکان عند ابی طالب من اعز اولاده رباه فی صغره وحماه فی کبره ونصره باللسان والمال والسیف والاولاد والهجرة ــــ والاب ابوان ـــ اب ولادة واب افادة ـــ ثم ان العم والد، قوله تعالیٰ حکایة عن یعقوب: ما تعبدون من بعدی الآیة واسمٰعیل کان عمه وقوله تعالیٰ حکایة من ابراهیم: واذا قال ابراهیم لابیه آزر، قال الزجاج اجمع النسابة ان اسم ابی ابراهیم تارخ - والثالث؛ اخاه فی عدة مواضع یوم بیعة العشیرة حین لم یبایعه احد علی ان یکون له اخا فی الدین؛ وقال فی مواضع کثیرة - منها یوم خیبر انت اخی ووصیی؛ وفی یوم المواخاة ما ظهر عند الخاص والعام رواه ابنه - (ذکر روایات)۔ "اخوت علیؑ و نبیؐ جو تاریخ اسلام میں اہم ترین واقعہ اور شخصیت امیر المومنینؑ کا ایک ناقابلِ تقابل کرداری معجزہ ہے۔ وہ شیخ نے یوں دیکھا ہے جس طرح ایک محدّث کو دیکھنا چاہیئے" انہوں نے فرمایا ہے کہ:-

امیر المومنینؑ کو یہ مرتبہ تین حیثیتوں سے ملا تھا:- (۱) خلقۃً فی وحدت ابا رطاہرین۔ (۲) ابوطالب و فاطمہ بنت اسد علیہما السّلام کی تربیت اور وہ بھی اس حد تک کہ جس کی مثال نہیں۔ حضرت ابوطالب کا جو شرف ہے وہ تو سب کو معلوم ہے۔ والدہ معظمہ امیر المومنین کیلئے آنحضرت کا یہ فرمانا بھی یاد رہے، کہ یہ میری اماں ہیں۔ (۳) خود آنحضرت کا متعدد مواقع پر بھائی کہنا، جیسے دعوتِ ذوالعشیرہ، جنگِ خیبر اور یوم مواخات۔ میرے خیال میں اس اخوت کے بعد کوئی بھی مورخ و نفسیاتی مبصر علیؑ کے ہوتے ہوئے دوسرے کو پیغمبری مسائل میں اپنا پیشوا نہیں بنا سکتا۔ اسی وجہ سے شیعہ اس اخوت کے واقعے کو بھی نص خلافت سمجھتے ہیں۔

حضرت علیؑ کا عقد جنابِ معصومہؑ کے ساتھ

اسلامی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی روز افزوں زیادتی، مدینے میں قیامِ پیغمبر، جہادوں کا ہونا۔ اور تعلقات کی وسعت کو اگر زیرِ نظر موضوع کیلئے پس منظر بنایا جائے تو عقدِ معصومہؑ ایک اہم واقعہ نظر آئیگا۔ شہزادی کی عمر ۱۵ سال کی ہے۔ (نہ معلوم شبلی اور قاضی سلیمان صاحب فقط ابنِ سعد کی روایات کو کیوں صحیح مان کر تمام روایات سے انکار کرتے ہیں) حضرت عائشہ کی رخصتی ہو چکی ہے۔ (بخاری باب تزویج) چھوٹی چھوٹی لشکر کشیوں کے علاوہ بدر اور ذو العشیرہ کے غزوات بھی ہو چکے۔ لوگوں کو اپنے کردار دکھانے اور پیغمبر کو اشخاص کا ظاہری کردار دیکھنے کے مواقع مل چکے، ان طوفانی حالات اور اتفاقی قدروں میں یہ شادی ہوئی۔ اور رشتہ اخوت کے مالک نے دامادی کا شرف حاصل کیا۔ افسوس ہے کہ یہ واقعہ سیرت و تاریخ نگاران اسلام نے نظر انداز کرنے یا ٹال جانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ بات یہ ہوئی کہ طبقاتِ ابن سعد میں یہ تفصیل آچکی تھی۔ مگر یہ واقعات اتنے عجیب اور عقیدت شکن تھے۔ بعد والے مؤرخین کم سے کمتر کرتے، اور "بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی" (علامہ شبلی)۔ کا اضافہ فرماتے گئے۔ بات یہ ہے کہ بقولِ ابن سعد و بالفاظ ابن شہر آشوب قد اشتهر فی الصحاح بالاسانید عن امیر المؤمنین وابن مسعود وابن عباس وجابر الانصاری و انس بن مالک والبراء بن عازب و ام سلمہ بالفاظ مختلفة و معانی متفقة۔ ان ابا بکر و عمر خطبا الی النبیؐ فاطمة مرة بعد اخری فردهما (مناقب جلد ۴ صـ ۱۶)۔ ان سات معتبر اشخاص کی روایت کو علامہ شبلی کی زبانی ملاحظہ کیجئے: "ابنِ سعد نے روایت کی ہے، کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔" (سیرت النبی طبع لاہور صـ ۳۶۶) ابنِ بطہ کی روایت ہے، کہ عبدالرحمٰن نے پیغام کے ساتھ مہر کا ذکر کر کے حضرت کی دل آزاری بھی کی تھی۔ جس کے بعد سلمان فارسی نے

حضرت علی کیلئے سلسلہ جنبانی کی یا امیر المؤمنین نے خود درخواست کی تو بقول ابو ہریرہ آنحضرت نے فرمایا: "مرحبا و اھلاً" ــ بڑی مسرت کی بات ہے ـ یہ اہل تمہیں مبارک ہو ــ فقیل لعلیؑ: یکفیک من رسول اللہ احدیھما اعطاک الاھل و اعطاک الرحب ـ کسی نے کہا کہ "یا علی آپ کو مبارک باد، مرحبا اور منظوری درخواست میں سے ہر بات فخر کے لئے کافی ہے"۔ لیکن بروایت مناقب رشتہ اس طرح قرار پایا ـ کہ (بقول ابن بطہ اور ابن موذن اور سمعانی نے ابن عباسؓ و انس بن مالک) بینما رسول اللہ جالس اذ جاء علی فقال یا علی ما جاء بک" ـــــ آنحضرتؐ جلوہ افروز تھے، کہ علیؑ آ گئے ـ حضرت نے پوچھا: یا علی کیسے آئے؟ (فقال جئت اسلم علیک) عرض کی سلام کرنے حاضر ہوا ہوں" ـ فرمایا: (ھذا جبریل یخبرنی ان اللہ زوجک فاطمہ) یہ جبریل کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے تم سے سیدہ کا عقد کر دیا ہے ـــ علامہ شبلی کا بیان ہے کہ "بہر حال حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہیں ـ یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا ـ آپ نے حضرت علی سے پوچھا، کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں ـ آپ نے فرمایا "وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟" عرض کی وہ تو موجود ہے" ـ آپ نے فرمایا وہ کافی ہے ـ ناظرین کو خیال ہو گا، کہ بڑی قیمتی چیز ہو گی ـ لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے، کہ صرف سوا سو (۱۲۵) روپے کی زرہ کے سوا اور جو کچھ علی کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر" ـ ص ۳۶۶ ـ

ابن بطہ نے ابانہ میں انس بن مالک اور محمد بن علی بن شہر آشوب نے امام رضاؑ سے آنحضرت کا وہ خطبہ نقل کیا ہے جو آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا، کہ الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع فی سلطانہ المرغوب الیہ فیما عندہ المرھوب من عذابہ ـ النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ و میزھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بنبیہ ـ ان اللہ تعالیٰ جعل المصاھرۃ نسبا لاحقا وامرا مفترضا وشج بھا الارحام والزمھا الانام ـ قال اللہ تعالیٰ وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا" ثم ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی! وقد زوجتھا ایاہ علی اربعمائتہ مثقال فضۃ ان رضیت یا علی؟ ـــ فقال رضیت یا رسول اللہ! "اس خدا کی حمد جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود اور قدرت کی وجہ سے معبود ـ سلطنت کی وجہ سے اطاعت کے قابل ہے ـ جو کچھ رضا اس کے پاس ہے ـ اُس کی رغبت اور عذاب سے خوف کیا جاتا ہے ـ اس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے ـ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اور اپنے احکام سے تمیز دار ـ اور دین سے صاحب عزت اور نبی سے مکرم کیا، خدا نے رشتہ زن و شوہر کو نسب اور مہر واجب قرار دیکر شکم مادر کو انسان کا گھر بنایا ـ اس نے فرمایا: وہی وہ ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا اور اس کے لئے نسب اور رشتہ مصاہرت بنایا ـ پھر اس نے مجھے حکم دیا، کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کروں ـ اس لئے میں سیدہ کو علی کے عقد میں دیتا ہوں اور مہر ایک سو سات روپے مقرر کرتا ہوں ـ کیا تم راضی ہو یا علی؟ ـــ عرض کی: یا رسول اللہ! راضی ہوں"۔

ابن مردویہ کی روایت ہے ـ کہ آنحضرت نے امیر المؤمنین کو خطبہ کا حکم دیا ـ آپ نے خطبہ پڑھا ـ پھر صیغہ قبول پڑھا پیغمبر نے فرمایا: کہ تم بہترین بھائی، داماد، اور صحابی ہو، تمہارے لئے رضائے خدا کافی ہے؟ علی سجدہ شکر بجا لائے، اور درگاہ باری میں عرض کی: رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی الخ "خدایا تیری نعمتوں کا شکریہ" پیغمبر نے آمین فرمائی ـ جب علی سجدے سے اُٹھے ـ تو حضرتؐ نے مبارکباد اور دعائے برکت دی ـ پھر میوے بچھاور کرنے اور گھر میں جانے کا حکم دیا ـ آنحضرتؐ بھی

اندر تشریف لے گئے۔ ایک برتن میں پانی لیکر آیاتِ قرآنی پڑھیں۔ اور سیدہ و علیؑ پر الگ الگ چھینٹے دیکر دُعا دی۔ (زیادہ پانی پلایا
اور وضو کرایا) پھر فرمایا: "اللّٰھم انی اعیذہ بک و ذریتہ من الشیطان الرجیم۔" خدایا علی اور اُس کی اولاد کو شیطان
سے محفوظ رکھنا"۔۔۔۔ اُس وقت شہزادی ایک قمیص (۷ درم کی) ایک برقعہ (۴ درم کا) اور ایک چادر میں ملبوس تھیں۔ اور آپ
کے جہیز میں ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے۔ ایک چھاگل پانی کھینچنے کے لئے اور مشک، ایک چکی
دو مٹی کے کوزے، ایک گھڑا۔ یعنی کل سات چیزیں تھیں ۔۔۔ تین دن تک زن و مرد ولیمے کی دعوت میں شریک ہوئے۔ پھر رخصتی
کے موقع پر بنو عبد المطلب اور انصار و مہاجرین کی لڑکیاں اشعار پڑھتی اور خوشیاں کرتی جاتی تھیں۔ جناب ام سلمہؓ، حضرت عائشہؓ
و حفصہؓ کے ترانے (مناقب میں نقل ہیں) عورتیں دہرا رہی تھیں۔ ناقۂ سیدہؑ کی مہار سلمانؓ جیسے محترم صحابی کے ہاتھ میں تھی۔ پیغمبرؐ
حمزہؓ، عقیلؓ، جعفرؓ اور دوسرے گھر والے برہنہ تلواریں لئے پیچھے پیچھے تھے، تکبیروں کی آواز سے مدینہ گونج رہا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد پیغمبرؐ نے داماد سے پوچھا: "یا علی کیسی زوجہ پائی؟" عرض کی (نعم العون علی طاعۃ اللہ) اطاعتِ خداوند
کے لئے بہترین مددگار، پھر بیٹی سے دریافت فرمایا: کہ کیسا شوہر پایا۔ عرض کی: "خیر بعل" بہترین شوہر! یہ جواب سن کر
آپ نے دونوں کو دعائیں دیں ۔۔۔ بقولِ علامہ شبلی اب تک تو علیؑ آنحضرتؐ ہی کے پاس رہتے تھے، لیکن اب مکان کی ضرورت
ہوئی، اور شہزادی نے ذکر بھی کیا۔ حارثہ بن نعمان انصاری (جنھوں نے کئی مکان اس سے پہلے حضرت کی خدمت میں پیش کئے
تھے) ایک اور مکان پیش کر کے سُرخرو ہوئے اور سیدہ اس مکان میں رہنے لگیں۔ اس موقع پر واقعہ کے آغاز و انتہا کے
اجزاء دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اور ان سے بیشمار فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں، مثلاً: ۱۔ لڑکی کے باپ کا لڑکے سے
مکمل کر بات کرنا۔ ۲۔ لڑکی سے ہونے والے شوہر کے لئے پسندیدگی معلوم کرنا۔ ۳۔ مہر کا معمولی ہونا۔ ۴۔ ولیمہ کرنا۔ ۵۔ عورتوں اور
مردوں کا رخصتی کے موقع پر دُلہن کے ساتھ جانا۔ ۶۔ جہیز میں سادگی کا خیال رکھنا ۔۔۔ یہاں یہ بھی عرض کروں کہ علی شخصیت اور
سیدہ کی عظمت کا راز فقط یہ رشتہ ہی نہیں، بلکہ پیغمبرؐ کا یہ فرمان کہ سیدہؑ کے لئے علیؑ اور علی کے لئے سیدہ کے علاوہ کوئی ہمسر نہیں
مل سکتا تھا، اور یہ کہ سرمایہ دار ناموروں کے مقابلے میں پیغمبرؐ کی نگاہِ نکتہ شناس کا علی کو چننا۔ یا خدا کا علی کو نامزد فرمانا
علی کی بلندی کا راز ہے ۔۔۔ اس تاریخی واقعہ میں علی کا عمل بھی دیکھتے چلئے اور سوچئے کہ کیا ہم اس کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت
نے عقد کے بعد سجدۂ شکر کیا۔ ۲۔ آپ نے نئی دلہن کے بارے میں حسن و جمال، خوبی، کلام، حسنِ معاشرت، یا اس طرح کے دوسرے
توصیفی کلمات کے بجائے سیدۂ عالم کو تخلیقی غرض خداوندی، اور بنیادی سبب زندگی کی کسوٹی پر کسا اور پیغمبرؐ کے جواب
میں عرض کی۔ نعم العون علی طاعۃ اللہ سیدہ اطاعت خداوندی میں بہترین مددگار ثابت ہوئی ہیں"۔ زندگی کے
اس موڑ پر علی کا یہ پُر حکمت جملہ ایک نظریاتی اور الٰہی دستور ہے۔ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (قرآن)
جسے حکمت مل گئی۔ اُسے سب سے زیادہ خوبیاں مل گئیں"۔

جنگِ بدر اور حیدری شجاعت کا نقش اوّل

اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے، کہ دُنیا میں خیر و شر کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ان دونوں کی طاقتیں آپس میں

متصادم بھی ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے رفع شر اور قیامِ امن کی خاطر کبھی کبھی جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جنگِ بدر کا واقعہ ایسی مجبوریوں کے سبب وقوع پذیر ہوا۔ ہوا یہ کہ آنحضرت جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اور اسلام اپنے شاندار اصول اور بانی اسلام کے اعلیٰ اخلاق کے باعث ترقی کرنے لگا، تو سردارانِ قریش کے حسد کی آگ بڑھنے لگی۔ پہلے تو انہوں نے مسلمانوں پر چھوٹے چھوٹے حملے کئے۔ جنہیں آجکل جھڑپ کہتے ہیں۔ لیکن جب اس طرح کامیابی نہ ہوئی۔ تو پھر ایک فیصلہ کُن جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۲ھ کا نصف حصّہ جوں توں کر کے گذرا۔ پھر اس قسم کی اطلاعات ملنے لگیں، کہ کفارِ مکہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ آنحضرت نے سُنا۔ تو حکم دیا کہ مسلمان بھی مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں۔

مدینہ میں کیوں نہیں: نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم مدینہ کو میدانِ جنگ بنانا نہیں چاہتے تھے، اسکی خاص وجوہ یہ ہو سکتی ہیں:۔ (ا) اگر مدینہ میں جنگ ہوتی، اور خدانخواستہ شہر کو کچھ نقصان ہوتا تو منافقین اور یہودیوں کو طعنہ زنی کا موقع مِل جاتا، وہ یہی کہتے کہ محمد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے مدینہ میں پناہ بھی لی اور اس کو برباد بھی کرایا۔ (ب) جنگی اُصُول سے مناسب نہیں تھا کہ گھر کے اندر لڑائی کی جائے۔ (ج) عرب ایک بہادر قوم تھے۔ وہ شہر میں لڑنا اپنی شجاعت کے منافی تصور کرتے۔

آنحضرتؐ نے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ لشکر مرتب کیا گیا۔ کُل ۳۱۳ مُسلمان جہاد کیلئے نکلے۔ اُن میں حضرت عثمان باوجود مہاجر ہونے اور مدینہ میں مقیم ہونے کے شریک نہیں ہوئے۔ (صحیح بخاری جلد دوم ص۱۸۳، روضۃ الاحباب ص۲۲۳ وغیرہ)۔ آنحضرتؐ مدینہ سے باہر تھوڑے فاصلہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان جو اسلام کا بدترین دشمن تھا، شام سے کافی مالِ تجارت لیکر واپس مکہ جارہا ہے صرف تجارتی مال نہیں بلکہ اُس کے ساتھ سامانِ حرب بھی ہے اور اسکے ساتھی جنگی مشقیں بھی کر رہے ہیں۔ اُن کا واحد مقصد مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی آزاد قوم اپنے حدود سے دشمن کو جنگی سامان لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ پھر ایسا جنگی سامان جو اسی کے خلاف استعمال کیا جانے والا ہو۔ بالخصوص جبکہ جھڑپیں بھی ہو چکی ہوں۔ آنحضرتؐ نے قافلہ کو روکنے کا حکم دیا۔ یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ لُوٹ لیا جاتا، ممکن ہے کہ کچھ شرائط کے بعد اُنہیں باقاعدہ گذرنے کی اجازت دیدی جاتی۔ بہرحال قافلہ سالار ابوسفیان چالاک تھا۔ اُس نے ایک تو ابوجہل کو پیغام بھیجا، کہ مکہ سے فوج لیکر جلد از جلد مدینہ کی طرف پہنچو اور مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔ دُوسرے خُود معہ ساز و سامان کے ایک غیر معروف راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مکہ کی وہ فوج جو عرصہ سے جنگی تیاریاں کر رہی تھی، ابوجہل کی قیادت میں اکڑتی ہوئی مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ آنحضرتؐ نے بھی اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ سے باہر چاہ بدر پر آ کر قیام فرمایا۔ آپ کے ساتھ کُل تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمان تھے۔ جن میں سے اکثر کے پاس ہتھیار نہ تھے اگر کسی کے پاس تلوار ہے، تو ڈھال نہیں، ڈھال ہے، تو تلوار نہیں ہے۔ تیر ہے تو کمان نہیں اگر کمان ہے تو تیر نہیں۔ اس قلیل التعداد فوج کے پاس دو گھوڑے تھے وہ گھوڑے جو عرب کی حربی زندگی کے رُوح تھے۔ وہ اسلامی کیمپ میں نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسکے برخلاف کفارِ مکہ کے پاس سو گھوڑے تھے، وہاں تیر، کمان، تلوار، زرہ، ڈھال، بکتر غرض ایکہزار یا ساڑھے نو سو سپاہیوں پر مشتمل فوج اس زمانہ کے جملہ ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

جنگِ بدر خاص دفاعی جنگ تھی: بعض عیسائی مورخین نے غلط بیانی کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اسلام خود جنگ کی ابتدا کرنے والا تھا یا بالفاظ دیگر اسلام جارح (AGRESSOR) تھا۔ مگر یہ صریح کذب اور سراسر غلط بیانی ہے۔ واقعہ یہ ہے،

کہ مسلمان کفار کے ہاتھوں سخت تنگ تھے۔ جبتک مکہ میں رہے سخت تکلیفیں برداشت کرتے رہے، مدینہ آکر بھی انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا ایسی صورت میں اگر مسلمان انتقاماً بھی کوئی قدم اٹھاتے تو ایک فراخ دل مورخ انہیں طعون نہ کرتا لیکن مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ مکہ سے ایک لشکر جرار ہماری بیخ کنی کے لئے آرہا ہے۔ تو خدا پر توکل کر کے باہر نکل آئے۔ غور فرمایئے کہ ۳۱۳ بے سروسامان انسانوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ ایک ہزار مسلح فوجیوں کو دعوت جنگ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگِ بدر اسلام کی دفاعی جنگ تھی، جو محض قیام امن اور انسدادِ جارحیت کی غرض سے لڑی گئی۔ قرآن مجید سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، کہ اُس وقت مسلمان ایسی پوزیشن میں نہ تھے، کہ وہ کثیر اور مسلح فوجیوں کے ساتھ جنگ و جدال کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ۔ یعنی خدا نے تمہاری مدد کی ورنہ تم لوگ (بدر میں) کمزور تھے۔ (آل عمران پ۴) یہ کمزوری ایمان کی نہ تھی، شجاعانہ حوصلہ کی نہ تھی۔ بلکہ محض تعداد اور سامان کی تھی، جس کو اللہ نے ملائکہ کے ذریعہ پورا کیا۔

تاریخیں بتاتی ہیں کہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ یوم جمعہ مطابق ۱۳ جون ۶۲۴ء کو دونوں گروہ بالمقابل ہوئے اُدھر کفارِ مکہ نے بھی اپنی صفوں کو مرتب کیا۔ مسلمانوں کو اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی کا شدید احساس تھا۔ مگر حضور علیہ السلام انکی اُمنگوں کو پست نہ ہونے دیتے تھے۔ اس جنگ میں قریش اور مکہ کے تقریباً تمام بڑے بڑے سردار موجود تھے، ولید، عقبہ، شیبہ، ابوجہل، حکیم بن حزام، عمرو بن عبدود اور اُمیہ بن خلف جیسے صنادید مکہ کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے، کہ کفارِ مکہ نے تہیہ کر لیا تھا، کہ آج اسلام اور بانیٔ اسلام کے قصہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دینگے۔ اُدھر اسلام کے لئے جنگ کا پہلا موقعہ تھا، اگر خدانخواستہ اس لڑائی میں اسلامی کیمپ کی طرف سے کمزوری ظاہر ہوتی، تو اسلام میدانِ بدر میں خود اپنی جان جانِ آفرین کے حوالہ کر دیتا۔

مسلمانوں میں بھی ماہرین جنگ عنقا نہ تھے، علی مرتضیٰ، حمزہ، عبیدہ اور زبیر بن العوام کمر ہمت چست کر کے تیار تھے۔ ان میں حضرت علی سب سے کمسن تھے۔ اُن کی عمر چوبیس ۲۴ سے لیکر اٹھائیس ۲۸ برس کے اندر تھی۔ یہ عمر عرب کے جنگجو سرداران کے مقابلہ میں ہیچ تھی لیکن علی بن ابی طالب جو زبیر کی طرح گھوڑے پر سوار نہ تھے، نہ اُنکے پاس ضروری سامانِ جنگ ہی تھا پیغمبرؐ کی طرح بالکل مطمئن تھے۔

سعد بن معاذ نے آنحضرتؐ کو مشورہ دیا، کہ آپ کیلئے عریش بنایا جائے۔ تاکہ آپؐ وہاں کھڑے ہو کر میدانِ جنگ اور حالاتِ جنگ کا معائنہ فرمائیں۔ اور حسبِ ضرورت مجاہدین کو ہدایات دیں۔ عریش (ایک قسم کا مچان نما چھپر) کھجور کے پتوں سے بنایا گیا۔ سعد ایک دستہ کے ساتھ آپ کی حفاظت کرنے لگے۔ تمام مسلمانوں کو حکم تھا، کہ متحد و منظم ہو کر میدانِ جنگ میں جائیں لیکن کتب تاریخ و سیر بتاتی ہیں کہ حضرت ابوبکر عام مسلمانوں سے جدا ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عریش میں بیٹھ گئے۔ مشہور سُنی عالم و مورخ علامہ جمال الدین شیرازی اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں تحریر کرتے ہیں "بعد ازاں حضرت بعریش آمد و ابوبکر با وے بود سعد بن معاذ با جمعی از انصار بیرون عریش بودند و حراست و محافظت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می نمودند"۔ (روضۃ الاحباب ص ۲۳۰)۔ غور طلب امر یہ ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ مسلمان مجاہدوں کی کمی تھی حضرت ابوبکر کو محفوظ مقام میں پناہ لینے کی کیا ضرورت پڑ گئی ظاہر ہے کہ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:۔ (۱) (معاذ اللہ) خدا کا رسول صحیح سوچنے اور حکم کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا! ورنہ وہ ابوبکر کے مشوروں کا محتاج تھا۔ (۲) حضرت ابوبکر جنگ سے گریز چاہتے تھے! اس لئے وہ محافظ دستہ کی پناہ لیکر عریش میں بیٹھ گئے۔

۱۔ آنحضرتؐ کی ساری زندگی میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ جہاد قائم کرنے یا دیگر امور کے سمجھنے کی

اہلبیت نہ رکھتے تھے۔ (ب) بدر کی لڑائی میں حضرت ابوبکر نے کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا جس سے انکی ضرورت محسوس کی جائے۔ سُنی مورخین (جن میں علامہ شیرازی صاحب روضۃ الاحباب بھی ہیں) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسیرانِ بدر سے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا جس پر عمل بھی کیا گیا لیکن خدا کی طرف سے اس پر تنبیہ کی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی (تریدان عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ (الانفال پ۱۰) تم لوگ دنیاوی ساز و سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (آخرت) کی نیکی چاہتا ہے ـــــــ یعنی ایک مشورہ دیا بھی تو غلط اور قابلِ تنبیہ بلکہ علامہ شیرازی کے نزدیک اس وقت فدیہ لینا آنحضرتؐ کی اجتہادی غلطی تھی۔ ایسی غلطی جو انبیاء سے سرزد ہو سکتی ہے۔ اب اس ذہنیت کا ماتم نہ کیا جائے۔ تو اور کیا کیا جائے۔ کہ غلطی کا ارتکاب کریں حضرت ابوبکر اور غلطی شمار ہو آنحضرتؐ کے اعمال میں۔ نہ صرف خاتم الانبیاء ہی کی غلطی بلکہ اس لپیٹ میں تمام انبیاء لے لئے جاتے ہیں۔ فیا للعجب ولضیعۃ الادب ـــــــ مختصر یہ کہ سُنی علماء کے بقول حضرت ابوبکر نے ایک مشورہ دیا بھی، تو خدا کی طرف سے اس پر تنبیہ کی گئی، پھر بتایئے کہ ایسے مشیر کی عریش میں کیا ضرورت تھی۔ (ج) حضرت ابوبکر کی آئندہ زندگی کے حالات بتاتے ہیں کہ انھیں جنگی امور میں کوئی مہارت حاصل نہ تھی۔ (د) قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی۔ اللہ فرماتا ہے:۔ (اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملٰئکۃ مردفین (الانفال پ۹) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد قبول کی اور پے در پے (پہنچنے والے) ایک ہزار فرشتوں کو وحی کی میں تمہارے ساتھ ہوں پس ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو۔ علامہ شیرازی لکھتے ہیں:۔ "از علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مرویست فرمود روز بدر زمانے با کفار مقابلہ نمودم بعد ازاں نزد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آمدم کہ از وی خبر گیرم دیدم کہ در سجدہ است ـــ باز آمدم بجنگ و زمانی دیگر مقابلہ کردم و باز رفتم کہ از وے خبر گیرم ہنوز در سجدہ بود۔ باز بجنگ گاہ رفتم مقاتلہ نمودم و باز آمدم بہماں حال مشغول بود۔ (روضۃ الاحباب ص۲۲۳) حضرت علیؑ جنگ کرتے کرتے تھوڑی دیر کے لئے حضورؐ کی خبر گیری کرنے کے لئے چلے آتے تھے، پھر چلے جاتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر چاہتے تو وہ بھی ایسا کر سکتے تھے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ جنگ کی تند و تیز آندھیوں سے محفوظ رہنے کیلئے عریش میں بیٹھ گئے تھے۔

آغاز جنگ: جب کفار مکہ صف آرا ہو چکے تو اپنی صفوں سے تین بہادروں کو مسلمانوں کی طرف بھیجا۔ ولید، عتبہ، شیبہ، یہ وہی ولید ہے جس کے فرزند خالد بن ولید حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں سیف اللہ کے خطاب سے نوازے گئے۔ تینوں نے مبارز طلبی کی انکے مقابلہ کیلئے تین انصاری گئے جن کو انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ تم ہمارے ہمسر نہیں ہو۔ ہم قریشی ہیں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے جنگ کرنا عار سمجھتے ہیں حضورؐ نے مسلمانوں کی جانب سے علیؑ بن ابی طالب، حمزہ اور عبیدہ کو بھیجا۔ یہ آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: حضرت علیؑ نے جنگِ بدر میں شیبہ اور ولید کو قتل کیا۔ اور حضرت حمزہ نے عتبہ (معاویہ کے نانا) کو۔ (سیرۃ النبی جلد اوّل ص۲۹۹) ـــ ولید مشہور جنگجو تھا وہ پہلے عبیدہ سے ٹکرایا تھا لیکن خدا نے اس کو بھی امیر المومنین علیؑ کے حصہ میں مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ آپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ تاریخ کی گہری چھان بین ثابت کریگی، کہ خالد بن ولید حضرت علیؑ کے اس لئے مخالف تھے کہ علیؑ نے خالد کے باپ کو قتل کیا تھا۔ تاہم اگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حکومتِ وقت خالد کو اپنے اغراض کے لئے استعمال نہ کرتی تو ممکن تھا کہ انکے دل میں بغض علیؑ کی آگ اس شدت کے ساتھ نہ بھڑکنے پاتی۔

الغرض بدر کا میدان حشر کا میدان بن چکا تھا۔ دلفگار چیخیں جگر پاش آہیں، خون کی نہریں، نیزے اور تلواریں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انسان خون کے طلاطم دریا میں بہا دیا گیا ہو۔ ایک طرف ایک ہزار مسلح اور تربیت یافتہ فوج دوسری طرف ۳۱۳ بے سر و سامان مسلمان جن میں حضرت علیؑ جیسا کمسن علمبردار لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اس کمسن علمبردار کے غیر تربیت یافتہ سپاہیوں نے فوجِ مخالف کے دانت کھٹے کر دیئے ـــــ یہ جنگ جو فی الواقع ایک اور تین کا مقابلہ تھا۔ مسلمانوں کیلئے بھی آسان نہ تھی۔ مسلمان ابھی تک حسبِ دلخواہ کامیاب نہ ہو سکے تھے، خدا کے رسول نے سجدہ میں سر جھکا دیا "میرے خالق اگر آج تیرے یہ چند نیک بندے کامیاب نہ ہوئے تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی متنفس نہ بچے گا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تو اپنے وعدہ کو پورا کر۔ یقیناً تیرا وعدہ پورا ہوگا۔ کیونکہ تیرا وعدہ حق ہے۔ اے عزت دینے والے! مسلمانوں کو سرخرو و کامیاب کر۔

حیدری شجاعت:۔ ادھر پیغمبر دعاؤں میں مشغول، ادھر اس کا نائب، اُس کا بھائی، اُس کا ہونے والا داماد جان کی بازی لگا کر جنگ کا رُخ پلٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ قدرت جو ابھی تک محوِ نظارہ یا مسلمانوں کے ایمان کا امتحان لے رہی تھی جوش میں آئی اُس نے مسلمانوں کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتے نازل کئے۔ نبی کریمؐ نے سر اٹھایا، مسلمانوں کو تسلی و اطمینان دلایا۔ آخرکار دشمن پسپا ہوئے۔ کفارِ مکہ کے بڑے بڑے سردار جن میں ولید، عتبہ اور ابوجہل تھے جہنم کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اِس لڑائی میں ستر کفار واصل جہنم ہوئے۔ جن میں چھتیس حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں: بدر کبریٰ میں ستر مشرکین قتل کئے گئے جن میں نصف حضرت علیؑ نے قتل کئے اور نصف باقی کو مسلمانوں اور فرشتوں نے مل کر قتل کیا (شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۶) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کو خدا نے وہ قوت اور شجاعت بخشی تھی جو ملائکہ اور مسلمانوں کی مشترکہ قوت سے زیادہ تھی یقیناً بدر کی فتح کا سہرا امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے سر ہے ملا عبدالرزاق محدث حنبلی نے اپنی کتاب رموز الدین میں لکھا ہے، کہ قرآن کی آیت یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (اے پیغمبر (بدر میں) تمہارے لئے خدا اور وہ مومن جس نے تیری صحیح اتباع کی کافی ہیں) یہ حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (حاشیہ ترجمہ قرآن مجید از مولانا فرمان علی مرحوم)۔

اس جنگ میں کل ۱۴ مسلمان شہید ہوئے آٹھ انصاری اور چھ مہاجرین جن میں عبیدہ بھی شامل ہیں، جو ہاشمی تھے۔ کفارِ مکہ کے ستر آدمی اسیر بھی ہوئے۔ جن میں آنحضرتؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب، حضرت علیؑ کے بھائی عقیل بن ابی طالب اور زینب دختر خدیجہ کے شوہر ابوالعاص بھی تھے۔ اسیرانِ بدر مدینہ لائے گئے۔ ان سب کو باندھا بھی گیا۔ کیونکہ عرب کا یہی دستور تھا آنحضرتؐ کے چچا عباس بندش کی سختی سے رات کو کراہنے لگے۔ آنحضرتؐ نے سُنا تو بے چین ہو گئے۔ آپ کی نیند جاتی رہی، ایک صحابی نے سبب پوچھا تو فرمایا: کہ چچا عباس کی تکلیف سے نیند نہیں آتی عباس کے بند ڈھیلے کر دیئے گئے، انھیں آرام ملا تو سو گئے آنحضرتؐ نے ان کے کراہنے کی آواز نہ سُن کر وجہ دریافت کی بتایا گیا کہ ان کے بند ڈھیلے کر دیئے گئے ہیں آپ نے فرمایا: کہ پھر تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیئے جائیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کے اس منصفانہ سلوک کو دیکھ نیز فدیہ کی رقم کے معاملہ کو ایک پوشیدہ راز بتانے پر عباس کو اسلام کی سچائی کا یقین ہوا اور انھوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ فدیہ لیکر اسیرانِ بدر کو رہا کر دیا گیا۔

جنگِ بدر میں جہاں تک حضرت علیؑ کی شجاعت اور مخلصانہ جد و جہد کا تعلق ہے، ہر مورخ تسلیم کرتا ہے کہ بدر کے فاتح وہی تھے اُنھوں نے نہایت کمسنی میں اپنی شجاعانہ صلاحیتوں کا ایسا عمدہ مظاہرہ کیا کہ دیکھنے والے عش عش کر گئے۔ ان کی وجہ سے دشمنانِ

اسلام کے دلوں پر اسلام کا رُعب چھا گیا۔ چونکہ یہ جنگ اسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ تھی اس لئے اگر خدانخواستہ اس لڑائی میں مُسلمانوں کو شکست ہوجاتی تو یقین کیجئے کہ اسلام اسی دن ختم ہوجاتا۔ یہ جنگ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت کا نقش اوّل تھا۔ جو دن بدن نمایاں ہوتا گیا حتیٰ کہ آج شجاعت اور علیؑ دونوں مترادف الفاظ نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر خالد لطیف گابا ایک سُنی نومسلم مورخ اپنی کتاب The Prophet of the Desert میں لکھتے ہیں کہ جنگِ بدر میں اُنھوں نے ایسی شجاعت اور شہامت کا ثبوت دیا کہ دوست دشمن دونوں ان کی تعریف پر مجبور ہو گئے۔ دُنیا میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو حضرت فاطمہ کا شوہر بننے کے لئے موزوں ہو۔ اگر کسی شخص میں اہلیت پائی جاتی ہے تو وہ صرف حضرت علی ہیں۔ (پیغمبر صحرا۔ ترجمہ کتاب مذکور ص۱۶۷)۔

جنگِ اُحد اور ذوالفقارِ حیدری

غزوۂ اُحد جو تمام غزواتِ نبی میں ایک غیر معمولی اہمیت اور خصوصیت کا مالک ہے یہ مدینہ سے قریب تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ۱۵؍ شوال ۳ھ یوم شنبہ واقع ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدرِ کبریٰ میں قریش کو جو شکستِ فاش نصیب ہوئی اسکی وجہ سے ان میں غم و غصہ کی عام لہر دوڑی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ابوجہل کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ (ابوسفیان کا خسر) ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا سالہ) شیبہ بن ربیعہ (ابوسفیان کا چچا خسر) بھی اس جنگ میں قتل ہوئے تھے اور آخر الذکر مقتولین کے قتل کرنے میں حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ کا ہاتھ تھا، لہٰذا ہندہ زوجہ ابوسفیان (جو عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور ولید بن عتبہ کی بہن تھی) کو اپنے باپ بھائی کے مارے جانے کا بہت صدمہ تھا۔ وہ انکے خون کا بدلہ لینے کے لئے قریش کو برابر ابھارا کرتی تھی۔ قریش نے مہینوں قبل رات دن مسلسل جنگ کی مکمل تیاری کرکے اور اپنی بھرپور تنظیم کرکے اور قبیلہ کنانہ و قبیلہ تہامہ کو بھی اپنے ہمراہ لیکے سر دھڑ کی بازی لگادی اور تین ہزار سپاہیوں کیساتھ مدینہ پر دھاوا بول دیا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان ۱۵ امیرزادیوں کے جھرمٹ میں دف بجاتی اور مشتعل کرنے والے گیت گاتی ہوئی اس فوج کے ہمراہ تھی ادھر جناب عباس بن عبد المطلب (رسُولؐ کے چچا) جو درحقیقت مُسلمان ہو چکے تھے مگر بہ مصلحت ابھی مکہ ہی میں مقیم تھے نے اس اقدام کی خبر پاتے ہی یہ خیال کرکے کہ اگر اتنی بڑی فوج بے خبری کے عالم میں یکایک مدینہ پر جا پڑی تو رسولِ کریمؐ اور مُسلمانوں پر کیا گزریگی ایک رازدار اور تیز رفتار قاصد کو بھیج کر آنحضرتؐ کو اس خطرہ سے مطلع کردیا۔ جب یہ قاصد پہنچا تو آنحضرتؐ مقامِ قبا میں تھے۔ آپ فوراً مدینہ تشریف لائے اور اصحاب کو جمع کرکے مشورہ لیا کہ یہ جنگ اندرونِ مدینہ لڑی جائے یا بیرونِ مدینہ۔ اصحابِ کبار کا ایک طبقہ اس پر مصر تھا کہ یہ جنگ مدینہ کے اندر لڑی جائے تاکہ ہماری عورتیں بھی ہماری مدد کرسکیں اور وہ اپنے مکانوں سے دشمنوں کی ضیافت ڈھیلوں اور پتھروں سے کریں۔ مگر پیغمبر اسلام اور بعض اصحاب کی غیرت و حمیت اس کو قبول نہیں کرتی تھی۔ جب یہ طے ہوگیا کہ بیرونِ مدینہ لڑنا چاہیئے تو کچھ لوگ سخت ناراض ہو گئے۔

آنحضرتؐ ابنِ اُمِ کلثوم کو نماز پڑھانے کیلئے مدینہ میں چھوڑ کر تقریباً ایکہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہو کر بروز شنبہ علی الصبح مقامِ اُحد (ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) پہنچے۔ راہ میں ایک واقعہ پیش آیا، کہ چونکہ کچھ یہودی اور خزرجی بھی ساتھ ہو گئے تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول منافق تھا۔ آنحضرت نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ یہودی اُسی

وقت ہمراہ چل سکتے ہیں جبکہ مسلمان ہو جائیں۔ جب انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو آنحضرتؐ نے اُن کو مدینہ واپس جانے کا حکم دے دیا۔ اس پر عبداللہ بن ابی ناراض ہو کر اپنے خزرجیوں کو ہمراہ لیکر پلٹ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد گھٹ کر صرف سات سو رہ گئی۔ حضرتؐ اپنی اس مختصر سی فوج کو لے کر اُحد کی گھاٹی میں مقیم ہو گئے۔

لشکرِ کفار چہار شنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو مقامِ ذوالحلیفہ میں قیام کر کے شنبہ کی صبح کو مقامِ اُحد پہنچا۔ پیغمبرِ اسلام نے دفاعی تدابیر اختیار کرنا شروع کر دیں۔ اور اپنے مختصر سے لشکر کو ترتیب دیا۔ عکاشہ بن محصن اسدی کو میمنہ پر، ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ پر، ابوعبیدہ جراح اور سعد بن ابی وقاص کو ہراول پر، اور مقداد بن عمرو کو ساقہ پر مقرر فرما کر لواء مصعب بن عمیر کے حوالہ کیا اور رایت یعنی بڑا علم حسب معمول حضرتِ علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ میں دیا۔ اور اپنا رُخ مدینہ کی طرف اور پشت کوہِ اُحد کی طرف رکھی اور کوہِ عینین دستِ چپ کی طرف رکھ عینین میں جو ایک پتلا سا درہ تھا اور سخت محلِ خطر تھا۔ اس پر عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ یہ کہہ کر مقرر فرمایا، کہ تا حکمِ ثانی تم اور تمھارے ساتھی ہرگز اس درہ سے نہ ہٹیں۔ خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب اور تاکید اًیہ ارشاد فرمایا: کہ بصورتِ فتح اگر مسلمان لوٹ میں مصروف بھی ہو جائیں تو بھی تم لوگ درہ نہ چھوڑنا۔ اُدھر لشکرِ کفار یوں صف آرا ہوا کہ خالد بن ولید میمنہ پر، عکرمہ بن ابوجہل میسرہ پر، ابوسفیان قلب لشکر پر اور عبداللہ بن ربیعہ کو تیر اندازوں کا سردار مقرر کیا، اور صفوان بن امیہ یا عمر بن عاص کو چند آدمیوں کے ساتھ درۂ کوہ پر مقرر کر کے علم لشکر طلحہ بن ابی طلحہ کے حوالے کیا۔

ابتدائے جنگ: ابوعامر فاسق نے اپنے پچاس آدمیوں سے نکل کر یک بیک مسلمانوں پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے بھی تیروں کا جواب تیروں سے ایسا دیا کہ ابوعامر اور اس کے ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ عورتوں نے بہت شور و غل مچایا مگر بھاگنے والوں نے ایک نہ سُنی یہ دیکھ کر طلحہ بن ابی طلحہ علمبردار لشکرِ کفار نے صف سے نکل کر مبارز طلب کیا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ مقابلہ کو نکلے اور آن کی آن میں اس کو خاک و خون میں لوٹتا ہوا چھوڑ کر اپنی صف میں آکھڑے ہوئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں اور انھوں نے پے در پے حملے کر کے کفار کو درہم و برہم کر دیا۔ پھر کفار نے عثمان بن ابی طلحہ کو علمبردار بنایا حضرت حمزہ عبدالمطلب نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ پھر ابوسعید بن ابی طلحہ نے علم اُٹھایا۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر اسے بھی تہ تیغ کیا پھر کلا سبر آیا اور وہ بھی قتل ہوا۔ اسی طرح مسافع بن ابی طلحہ اور اس کا بھائی جلاس اور حارث علمبردار بنے اور قتل ہوئے پھر ارطاۃ بن شرجیل، پھر شریح بن فارض پھر صواب غلام آئے اور قتل ہوئے۔ جب کفار کے پے در پے دس علمبردار مارے جا چکے، تو ایک عورت علقمہ حارثیہ نے کفار کا علم ہاتھ میں لے لیا۔ جب حضرتِ حمزہ نے یہ دیکھا تو کچھ فوج لے کر قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابودجانہ آپ کی داہنی طرف تھے اور جناب حمزہ کے ساتھ ساتھ نبرد آزما تھے، ابودجانہ لڑتے لڑتے آگے بڑھ گئے، اس وقت حضرت حمزہ سباع بن القریٰ سے برسرِ پیکار تھے کہ وحشی جو جبیر بن مطعم کا غلام حبشی تھا اور جس کو ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے کافی روپے کا لالچ دیکر اس امر پر مقرر کیا تھا کہ محمدؐ، علیؑ یا حمزہ کا سر لائے وہ ایک پتھر کی آڑ میں اسی گھات میں چھپا بیٹھا تھا، موقعہ پا کر اس نے نیزہ سے حملہ کر دیا اور حضرت حمزہ جان بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کو جوش آگیا۔ اور منتشر ہو کر انھوں نے کفار پر ایسے زبردست حملے کئے کہ اُن کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلے، گانے والی عورتیں بجائے گانے بجانے کے نوحہ و زاری میں مصروف ہو گئیں اور دف پھینک پھینک کر پہاڑی کی طرف بھاگیں۔ خالد بن ولید نے درۂ عینین کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا مگر عبداللہ بن جبیر کے تیر اندازوں نے

انھیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ تھوڑی دیر کے وقفہ کے بعد اس نے کئی دفعہ یہ ارادہ کیا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ بالآخر کمین میں پتھروں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور گھات میں رہا۔

اُدھر جب لشکرِ کفار کے قدم اکھڑ چلے تھے اور مسلمان فتح کی منزل کے قریب تھے کہ یہ لوٹ میں مصروف ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دستے کے محافظ سپاہی بھی آنحضرت ؐ کے تاکیدی حکم و ارشاد کو بالائے طاق رکھ کر طمع کا شکار ہو گئے۔ اور عبداللہ کی فہمائش اور سمجھانے کے باوجود انھوں نے ایک نہ سُنی عبداللہ اور انکے چند ساتھیوں کو شہید ہونے کیلئے اکیلا چھوڑ کر لوٹ کے لئے چلے گئے۔ جب خالد نے (جو گھات میں بیٹھا تھا) یہ رنگ دیکھا تو موقعہ کو غنیمت پا کر حملہ کر دیا۔ اور عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مسلمان جو لوٹ مار میں مصروف تھے، اس منظم حملہ کی تاب نہ لاسکے، گھبرا گئے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو قتل اور زخمی کرنے لگے۔ پھر کیا تھا بھاگے ہوئے قریش پلٹ پڑے اور مسلمانوں کو ڈھونڈ کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور فتح مبدل بہ شکست ہو گئی اسی ہنگامہ میں مصعب بن عمیر عبداللہ بن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے پیغمبرِ اسلام نے ان کا لواء بھی حضرت علی مرتضیٰ کے حوالہ کر دیا حضرت علیؑ نے وہ علم بھی سنبھالا اور دشمن کی فوج پر زبردست حملہ کیا۔

بقول طبری و ابنِ اثیر اس جنگ میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں نو دس صرف علم برداران لشکرِ کفار قتل ہوئے اس وقت آنحضرت ؐ ایک خود اور دوہری زرہ پہنے ہوئے خود بھی ہتھیار چلا رہے تھے۔ (دیکھو ابن اثیر اور تاریخ الخمیس) یہاں تک کہ ترکش خالی ہو گیا اور کمان کا چلّہ ٹوٹ گیا۔ جب اُبی بن خلف آنحضرت کو تلاش کرتا اور کہتا ہوا آیا کہ محمد ؐ کہاں ہیں اور آنحضرت کو دیکھ کر اس ملعون نے نیزہ کا وار کیا تو آنحضرت نے بڑھ کر اس کا نیزہ چھین لیا اور اسی کے نیزہ سے اُسے ہلاک کر دیا۔ اسی دارو گیر میں عقبہ بن وقاص کا پھینکا ہوا پتھر آنحضرت کے دہن مبارک پر لگا۔ اور دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ اور دوسرے پتھر سے پیشانی مبارک مجروح ہوئی، اور بعض زخم آنحضرت ؐ کو تلوار کے بھی لگے۔ روضۃ الاحباب اور حبیب السیر وغیرہ میں ہے کہ جب مسلمانوں میں بھگدڑ پڑ گئی تو ابن سراقہ نے قریش کی ہمت اور دل بڑھانے اور مسلمانوں کو شکستہ دل کرنے کیلئے یہ چال کھیلی کہ بلندی پر چڑھ کر آواز دیدی کہ محمد قتل ہو گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ مسلمانوں کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ حبیب السیر، مدارج و معارج، روضۃ الاحباب، ابن اثیر میں ہے، کہ جب لشکرِ اسلام فرار اختیار کرنے لگا اور پیغمبرِ اسلام کو اکیلا چھوڑ دیا تو کئی دفعہ آنحضرت نے آواز دی اے مسلمانو! اِدھر آؤ میں یہاں ہوں میری طرف آؤ۔ مگر حضور کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی اور کسی نے نہ سُنی۔ آنحضرت اپنے اصحاب کی یہ حالت دیکھ کر بہت غیظ میں آئے، یہاں تک کہ پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ یکایک آنحضرت نے دیکھا کہ علی مرتضیٰ پہلو میں کھڑے ہیں اور دشمنوں کو دفع کر رہے ہیں۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا: علی تم بھی کیوں نہ بھاگ گئے۔ علی مرتضیٰ ؑ نے عرض کیا۔ "اکفرت بعد الاسلام" کہا ایمان لانے کے بعد میں کافر ہو جاتا مجھے تو آپ سے اقتدا ہے اور کسی سے کیا غرض۔

نزولِ ذوالفقار: دفعتہً کفار کا ایک گروہ آنحضرت کی طرف آتا ہوا معلوم ہوا پیغمبرِ اسلام نے آواز دی یا علی بچا اس سے اور حقِ خدمت بجا لا کہ یہی نصرت کا وقت ہے، حضرت علیؑ نے زبردست حملہ کر کے انکو منتشر کر دیا۔ پھر دوسری طرف سے حملہ ہوا اور پیغمبرِ اسلام نے پھر آواز دی علی ہوشیار علی مرتضیٰ نے ادھر بھی حملہ کر کے اُن کو بھگا دیا۔ پھر پس پشت سے حملہ ہوا اور علی نے انکو بھی مار کر پیچھے دھکیل دیا، اب کفار نے منظم ہو کر بیک وقت چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ اس وقت علی مرتضیٰ کا استقلال ایسا تھا کہ انسان تو انسان فرشتے

بھی خاموش نہیں رہ سکتے تھے، وسط میں شمع رسالت تھی جس کے بجھانے کیلئے تمام کفار تلے ہوئے تھے۔ اور گرداگرد شمشیر بکف فانوس علی جو مثل پروانہ کے طواف کر رہا تھا اور کشتوں کے پشتے اور مُردوں کے انبار لگا رہا تھا، یکایک شمشیر علی ٹوٹ گئی فوراً ملک نے نبیؐ کو اور نبیؐ نے علیؑ کو ایک تلوار دی جس کو اس سے قبل چشم فلک نے بھی نہ دیکھا تھا۔ اور نہ یہ تلوار اس سے قبل کبھی میدان میں آئی تھی، اس کے نام کا تعارف فرشتے کے اس جملہ سے ہوا جو بین السماء والارض پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ ع۔ لَا فتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار۔ پیغمبر اسلام نے تلوار دینے کے بعد ارشاد فرمایا: کہ علی سُن رہے ہو ملک یہ کیا کہہ رہا ہے۔ علی مرتضےٰ نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ جبرئیل نے بڑھ کر آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یہ کمال مواسات و ہمدردی و جوانمردی ہے جو علی مرتضےٰ اس وقت ظاہر کر رہے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کیوں نہ ہو، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، جبرئیل نے عرض کیا وانا منکما یعنی میں تم دونوں سے ہوں۔

اس موقع پر مولوی عبدالحق صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ احد میں حق مبارزت و محاربت و جلادت و شجاعت ایسا ادا کیا کہ اس سے مافوق متصور نہیں ہو سکتا۔ معارج و مدارج میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ جو ابتداء سے برابر دشمن سے مقابلہ میں مصروف تھے، فرماتے ہیں کہ میں لڑتا بھی جاتا تھا اور آنحضرتؐ کے پاس آکر اُن کو دیکھ بھی جاتا تھا، ایک دفعہ جب میں دشمنوں کو دُور کر کے اور انکی صفوں کو پیچھے ڈھکیل کے واپس آیا تو آنحضرت کو اپنی جگہ نہ پایا۔ میں نے خیال کیا کہ لوگوں کے فرار ہونے سے خُدا نے غضبناک ہو کر اپنے پیغمبر کو آسمان پر اُٹھا لیا ہے۔ میں نے دل میں ٹھان لیا کہ بس اب بہتر یہی ہے کہ میں قتال کئے جاؤں یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں اور میں نے اعدا پر پھر حملہ کر دیا۔ اور ایسا قتال کیا کہ لشکر کفار درہم برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت کو پھر زندہ پا لیا۔

مورخین لکھتے ہیں، کہ اُحد کی لڑائی جب بگڑی تو اصحاب رسول کئی طبقوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو بھاگ کر پہاڑ اور گڑھوں اور گوشوں میں جا چھپا تھا۔ اور بعض نے مدینہ اور نواح مدینہ میں بھاگ کر دم لیا۔ اور ایک گروہ لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹، تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ ۴۸۸) ۔ حبیب السیر اور کامل میں ہے کہ انس بن نضر انس بن مالک کے چچا جن کے جسم پر ستر زخم لگ چکے تھے لڑتے ہوئے جب ایک مقام سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں حضرت عمر بن خطاب، طلحہ بن عبیداللہ، بعض مہاجرین و انصار کے جمگھٹ میں بیٹھے ہیں، اُنہوں نے کہا تم لوگ یہاں بغلوں میں ہاتھ دیئے کیوں بیٹھے ہو۔ جواب ملا کہ کیا کریں رسول تو شہید ہو گئے، یہ سُن کر ان کو غیظ آگیا اور کہا: کہ اگر محمد مارے گئے تو محمد کا خُدا تو زندہ ہے جس پر تم ایمان لائے ہو۔ جب رسول اللہ شہید ہو گئے تو تم ان کے بعد جی کے کیا کرو گے اُٹھو جس طرح وہ شہید ہو گئے تم بھی لڑ کر مر جاؤ۔ مگر یہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور اسی طرح جمے بیٹھے رہے اور بعض نے کہا کہ اگر محمد نبی ہوتے، تو کبھی قتل نہ ہوتے، پھر چلو اپنے بھائیوں کی طرف اور پھر جاؤ اپنے دین کی طرف۔ اور بعض نے کہا کاش کوئی قاصد عبداللہ بن اُبی کے پاس جا کر ہمیں پناہ دلوا دیتا (طبری جلد ۳ صفحہ ۲) تب انس بن نضر نے سر بلند کر کے کہا کہ بارالہٰ جو کچھ یہ منافق مُسلمان کہہ رہے ہیں اس کی نسبت میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور برائت چاہتا ہوں یہ کہہ کر غنیم پر ایک شدید حملہ کیا اور شہید ہو گئے۔

مدارج النبوۃ اور تاریخ طبری میں ہے کہ جناب عثمان اپنے دو رفیقوں کے ساتھ مقام اعوص میں جو شہر مدینہ سے متصل واقع ہے پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اور جب خطرہ دُور ہونے کا یقین ہو گیا تو تین روز کے بعد آنحضرت کی خدمت میں تشریف لائے، جس پر آنحضرت نے فرمایا، تم بڑی دُور نکل گئے تھے اے عثمان! اور تفسیر کبیر میں ہے کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر و عثمان بھی ہیں۔ تاریخ الخمیس میں ہے کہ حضرت ابوبکر فخریہ فرماتے تھے کہ جب سب لوگ رسول اللہ کے پاس سے بھاگ گئے تھے تو سب سے پہلے ہم پلٹ کر آئے تھے۔ طبری جلد ۴ صفحہ ۹۰ در منثور

جلد ۲ صفحہ ۸۸ میں ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ احد کی لڑائی کے دن ہم نے شکست کھائی اور میں بھاگ کر پہاڑی پر چڑھ گیا تھا۔ حبیب السیر لکھتے ہیں، کہ اوائل حال میں جبکہ سپاہِ اسلام بھاگ گئی تھی سوائے مرتضیٰ کے مصطفےٰ کے پاس کوئی نہ رہا تھا پھر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر ایک گوشہ میں چھپ گئے تھے اور حضرت عثمان کسی طرف نکل گئے تھے، اور تین دن کے بعد واپس آئے تھے۔

اس جنگ میں ایک عورت نسیبہ بنت کعب نے بڑی مردانگی دکھائی، یہ عورت دراصل لشکرِ اسلام کو پانی پلانے کی غرض سے لائی گئی تھی، جب لڑائی کا رنگ بدلا اور مسلمان فرار ہو گئے تو یہ عورت آنحضرت کی حفاظت میں مصروف ہو گئی۔ آنحضرت پر ہر چہار طرف کے حملوں کو خود بھی روکتی تھی اور اپنے دونوں بیٹوں عمارہ اور عبداللہ کو بھی لڑنے کیلئے آمادہ کرتی تھی نسیبہ نے متعدد کفار قتل کئے اور خود بھی زخمی ہوئی جن میں سے ایک زخم تو اتنا گہرا تھا کہ ایک سال میں اچھا ہوا۔ حضرت علیؑ نے خود فرمایا ہے کہ غزوہ اُحد میں مجھے تلوار کی سولہ ضربیں لگیں، جن میں چار ایسی سخت تھیں کہ میں زمین پر گر گر پڑا ہر بار جب میں گرتا تھا ایک مرد خوبرو اور نیک خو میرا ہاتھ پکڑ کے اُٹھا دیتا تھا، اور کہتا تھا کہ متوجہ کارزار ہو، کہ تو خدا اور رسول کی اطاعت میں ہے اور اے علی یہ دونوں تجھ سے راضی ہیں جب آنحضرت نے سُنا تو فرمایا۔ کہ اے علیؑ خدا تیری آنکھوں کو روشن کرے، وُہ جبرئیل تھا۔

جنگِ احزاب یا غزوہ خندق

یہ جنگ جو جنگِ احزاب یا غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے، جملہ کفارِ عرب نے ایک سوچی ہوئی سکیم کے ماتحت متفق ہو کر مسلمانوں کے خلاف سرزمین مدینہ پر بتاریخ ۲۳ ذیقعدہ ۵ھ لڑی تھی۔ اسے جنگِ احزاب اس لئے کہتے ہیں، کہ اسلام کو دُنیا سے نیست و نابود کرنے اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ہوس خام میں عرب کی تمام غیر مُسلم قوموں اور قبیلوں نے متحد ہو کر اس میں شمولیت اختیار کی تھی۔ اور غزوہ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ کہیں حملہ آور شبخون نہ ماریں یا درانہ گھس آئیں حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے معتمد صحابی حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے مدینہ کے ارد گرد پانچ گز گہری خندق کھود کر مدافعانہ مقابلہ فرمایا۔ یہ وہ فیصلہ کن جنگ تھی جس کی فتح کا سہرا مولائے کائنات اسد اللہ الغالب علی کل غالب حضرت علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر رہا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ جب قبیلہ بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا، تو غصہ کی آگ میں جل بھن کر ان کے سرغنے (۱) السلام بن ابی الحقیق (۲) کنانہ بن الربیع اور (۳) حی بن اخطب وغیرہ برانے دشمن اسلام و المسلمین ابوسفیان کے پاس یہ خواہش لے کر آئے کہ اگر قبیلہ قریش انکی مدد کرے، اور مسلمانوں پر حملہ میں ان کا شریک کار ہو جائے، تو وہ اسلام کو مٹا کر دم لیں گے، ابوسفیان نے جو اسلام کے خلاف پہلے ہی ادھار کھائے ہوئے تھا فوراً اس پیشکش کو قبول کر لیا، اور جملہ عملہ قریش کو کعبہ میں جمع کر کے آپس میں حلفیہ معاہدہ کر لیا۔ یہاں سے مطمئن ہو کر یہودیوں کے سرغنے قبیلہ غطفان میں پہنچے اور انھیں اس شرط پر اپنے ساتھ ملا لیا کہ علاقہ خیبر کا نصف خراج انہیں دیتے رہینگے غطفان والوں نے قبیلہ بنی اسد کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے اپنے حلیف قبیلہ بنو سعد کو بھی اپنے ساتھ کر لیا۔ ادھر قریش بھی غافل نہ رہے، ابوسفیان نے دوڑ دھوپ کر کے قبیلہ بنو سلیم کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا نتیجہ یہ ہوا، کہ سب قبیلے مل ملا کر کوئی چوبیس ہزار سے زیادہ فوج اسلام کی بیخ کنی کے لئے تیار ہو گئی۔ اب قبیلہ بنو قریظہ رہ گیا تھا، یہ وہ قبیلہ تھا جس نے اس

زمانہ قریب میں اسلام کے ساتھ معاہدہ کرلیا تھا، بنی نضیر کا ایک سرغنہ حی بن اخطب جو طاقت لسانی اور سحر البیانی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ بنفس نفیس بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا پہلے تو اس نے ملنے سے بھی انکار کردیا لیکن جب مجبوراً ملنا ہی پڑا تو اس نے یہ کہہ کر شمولیتِ سازش سے انکار کیا کہ اس کا معاہدہ آنحضورِ صلعم سے ہوچکا ہے اور ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے بدعہدی نہیں ہوئی اسلئے وہ بھی بدعہدی نہیں کریگا۔ لیکن حی بن اخطب کی چرب زبانی آخر رنگ لائی اور کعب مخالفتِ اسلام پر کمربستہ ہوگیا۔

آنحضورِ صلعم کو جب بنی قریظہ کے سازش میں شریک ہونے کی اطلاع ملی تو آپنے دریافت حال کیلئے حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو اس کے پاس بھیجا، کعب بن اسد جب ان سے ملا تو آنکھیں پھیرلیں، اور غصہ سے لال پیلا ہوکر کہنے لگا، کہ میں نہیں جانتا، کہ محمد (صلعم) کون ہے، اور معاہدہ کیا ہے، چنانچہ دونوں اصحاب واپس لوٹے، اور دربارِ رسالت میں پہنچ کر بڑی احتیاط کے ساتھ حقیقتِ حال عرض کی، تاکہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے اور مسلمانوں کی فوج میں بددلی پیدا نہ ہو۔

بنی قریظہ کی تعداد بے حد تھی، اسکے مل جانے سے سازشیوں کی فوج چوبیس ہزار سے بڑھ گئی، اس لشکرِ کثیر نے مدینہ پر ہلہ بول دیا اور نہایت قلیل عرصہ میں مدینہ کے ارد گرد محاصرہ کرلیا، جب مدینہ والوں نے اس لشکر کی آمد کا ذکر سنا، تو نہایت خوفزدہ ہوگئے، اس واقعہ کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا:۔ "اذ جاءکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً (سورہ احزاب) ترجمہ: وہ وقت یاد کرو، جبکہ دشمن تم پر اوپر کی طرف سے اور نشیب کی طرف سے آپڑے، اور جب تمہاری آنکھیں مارے خوف کے ٹیڑھی ہوگئیں اور تمہارے کلیجے منہ کو آگئے، اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اسی موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انکو بہت ہی سختی کے ساتھ ہلا ڈالا گیا"۔ — بھلا مسلمان گھبرا تے کیوں نہ مٹھی بھر تو تھے، اور دشمن سمندر کی لہروں کی طرح چاروں طرف ٹھاٹھیں مار رہا تھا، پھر مسلمانوں میں سارے قوی دل تھوڑے ہی تھے اور مصیبت بالائے مصیبت یہ تھی کہ جن قبیلوں سے امداد کی توقع تھی وہ سب کے سب دشمن کی فوج سے مل کر جان کے لاگو ہو رہے تھے۔ قریش کا لشکر تین حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ قبیلہ غطفان عینیہ بن حصین فزاری کی ماتحتی میں دیا گیا تھا، یہ شخص قبیلہ غطفان میں بنو اسد وغیرہ کا رئیس تھا، عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کی سرکردگی میں تمام ہم معاہدہ قوموں اور قریش کے بھی قبیلے دے دیئے گئے۔ ان تمام افواج کا کمانڈر انچیف ابوسفیان کو بنا دیا گیا۔

مسلمانوں کی فوج کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، اور یہ تعداد دشمنوں کی تعداد کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہ رکھتی تھی۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ فوج کفار کی آمد کی اطلاع پاکر آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا آپ کے معتمد خاص جناب حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی نسل سے تھے آپنے اسی قسم کے اکثر مواقع دیکھے ہوئے تھے۔ اور انہیں شہر کے ارد گرد خندقیں کھود کر بچاؤ کے طریقے بھی یاد تھے۔ چنانچہ انھوں نے آنحضورِ صلعم کی خدمت میں دست بستہ عرض کی، کہ جب کبھی انکے آبائی ملک ایران میں دشمن کثیر تعداد فوج لیکر حملہ آور ہو تو ہم لوگ اپنے شہر کے ارد گرد خندقیں کھود کر اپنا بچاؤ کرلیا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کو یہ مشورہ پسند آیا، اور اسی پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ چنانچہ کل مسلمان جو تین ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ پھاوڑے اور کدالیں لیکر خندق کھودنے میں مشغول ہوگئے چونکہ شہر مدینہ تین طرف سے مکانات اور باغات سے گھرا ہوا تھا، اور ان اطراف سے دشمن کے حملہ کی امید نہ ہوسکتی تھی۔ اس لئے تینوں رخ چھوڑ کر آپ نے طرف شامی رخ کی طرف جو بالکل کھلا ہوا اور غیر محفوظ تھا۔ خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور کام شروع کردیا گیا

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی صحابہ کے ساتھ خندق کھودنے لگے ۔ انتظام یہ کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ لمبی اور پانچ پانچ گز گہری خندق تیار کرنے کے لئے زمین الاٹ کر دی گئی، جناب سلمان فارسی ہر روز پانچ گز لمبی اور اتنی ہی گز گہری خندق کھودتے تھے ۔ چونکہ آپ اس فن میں خاص مہارت رکھتے تھے اس لئے ہر شخص ان کی ہدایت کے مطابق کام کرتا تھا ۔

تاریخ طبری ص۱۴۸۶ اور روضۃ الاحباب ص۳۱۷ و دیگر تواریخ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی کی مستعدی اور ہمتِ مردانہ کو دیکھ تمام مہاجرین نے کہنا شروع کیا :- "السلمان منا : سلمان فارسی ہم لوگوں میں سے ہیں" انصار نے جب یہ فقرہ سنا تو فخریہ کہنے لگے: السلمان منا سلمان تو ہم انصار میں سے ہیں" حضرت سلمان فارسی سب کچھ سنتے تھے لیکن خاموش تھے آنحضور نے جب مہاجرین اور انصار کے اقوال سنے تو فرمایا: "السلمان منا اهل البیت ۔ سلمان تو ہم اہل البیت کی ایک فرد ہیں ۔

مسلمانوں پر بوجہ قلیل ہونے کے خوف تو تھا ہی، مگر مصیبت یہ ہوئی کہ ان میں منافقوں کی بھی ایک خاص تعداد تھی انھوں نے بھاگنے کا ایک حیلہ تراشا، جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: یقولون ان بیوتنا عورة وما ھی بعورة ان یریدون الا فرارا ۔ (الاحزاب) منافق لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر خالی ہیں در اصل وہ خالی نہیں ہیں یہ صرف اس بہانہ سے بھاگنا چاہتے ہیں ۔

آنحضرت صلعم نے ان بزدل منافقین کو اجازت تو دے دی، لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے لشکر میں اور کمی ہو گئی، اور خوف و ہراس بڑھنے لگا، چونکہ سردی کی بھی شدت تھی، خوراک کی بھی کمی تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا، کہ لوگ بھوک سے بے تاب ہو رہے تھے ۔ کمزور مسلمان آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش ہوئے اور اپنی بھوک کی شدت کی شکایت کی، اسکے ثبوت میں ان لوگوں نے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے، جن پر پتھر بندھے ہوئے تھے، تاکہ بھوک کی شدت رک جائے آنحضور صلعم کو انکی تکلیف دیکھ کر بیحد قلق ہوا لیکن انکی تسلی کے لئے آپ نے اپنا پیٹ دکھایا، جس پر ایک کی جگہ دو پتھر بندھے ہوئے تھے، لوگ آپکی حالت دیکھ کر رونے لگے اور خدا پر بھروسہ کر کے بیٹھ گئے ۔

مصنف اسوۃ الرسول نے جلد دوم ص۵۳۲ پر امام سلیمان الحنفی القندوزی کی کتاب ینابیع المودت ص۱۴۵ مطبوعہ بمبئی کے حوالہ سے ایک واقعہ لکھا ہے، جو خالی از دلچسپی نہ ہو گا ۔ لکھتے ہیں، "عن علی قال کنا مع النبی صلعم فی حفر الخندق اذ جاءته فاطمة بکسرة من خبز وقالت اخبزت لابنی جئتك منه هذه بکسرة فقال بنیة انها اول الطعام دخل فی فم ابیك منذ ثلاثة ایام ۔ حضرت علی بیان فرماتے ہیں کہ میں آنحضور صلعم کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول تھا، کہ جناب فاطمہ آئیں، انکے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، خدمت رسول میں عرض کرنے لگیں کہ میں نے اپنے دونوں بچوں کیلئے روٹی پکائی تھی اس میں کا ٹکڑا آپ کے لئے لائی ہوں، آپ نے وہ ٹکڑا لیکر ارشاد فرمایا: بیٹی یقین جان کہ پورے تین دن کے فاقہ کے بعد یہ پہلی خوراک ہے، جو تیرے باپ کے منہ میں جا رہی ہے ۔ معلوم ہوا دیگر اصحاب کی طرح آنحضرت صلعم تین دن سے فاقہ کر رہے تھے ۔

جب خندق کھودی جا چکی تو قریش کے لشکر نے آکر محاصرہ ڈال دیا آنحضور نے حفظ ماتقدم کے خیال سے اپنے اور صحابہ کے اہل وعیال کو تو حسان بن ثابت کی حفاظت میں قلعہ میں بھیجدیا، اور خود جبل سلیع کو جو بالکل متصل تھا، پشت پر لیکر صف آرائی کی، لشکر اسلامی کو تین حصوں میں تقسیم کر کے خندق کے تین مختلف حصوں پر مقرر کیا گیا ۔

لکھا ہے کہ محاصرہ کی مدت طول پکڑتی گئی، سردی اسقدر شدت سے پڑ رہی تھی کہ الامان والحفیظ دن بھر سرد ہوا کے جھونکے جسم میں کپکپی ڈالتے تھے اور رات کو سردی قیامت برپا کرتی تھی، اس پر بارش پڑ کر تکلیف بڑھا رہی تھی ۔ ایک رات کا ذکر ہے،

کہ سردی زور سے پڑ رہی تھی، اتفاق سے بارش بھی موسلادھار ہو رہی تھی، آنحضور صلعم کو کفار کی طرف سے حملہ کا خطرہ لاحق ہوا کہ شاید وہ شبخون ماریں آپ نے خیمہ کے اندر سے آواز دی سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں دبکے بیٹھے تھے، اتفاق سے زبیر العوام جاگ رہے تھے انہوں نے جواب دیا، آپ نے انہیں دشمن کی خبر لانے کا حکم دیا حضرت زبیر بن العوام گئے اور بعد دریافت حالات خدمتِ اقدس میں واپس پہنچکر عرض کی کہ اندیشے کی کوئی بات نہیں، ہر طرف خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس خدمت کے عوض میں آنحضور صلعم نے زبیر بن العوام کو حواری کا لقب عطا فرمایا "۔۔۔ ایک رات آپ کے خیمہ کی حفاظت عباد بن بشر کر رہا تھا صبح کے قریب خندق کے پاس شور و غل کی آوازیں آنے لگیں، آپ نے عباد بن بشر کو حالات دریافت کرنیکے لئے بھیجا اور خود خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر واپسی کا انتظار فرمانے لگے۔ جب عباد واپس آئے تو بیان کیا کہ ابوسفیان کچھ آدمی لیکر شبخون مارنے کے ارادہ سے خندق کے پار آنا چاہتا تھا لیکن مسلمانوں نے وہیں روک دیا۔ عباد اور اسکے ساتھیوں نے تیر چلانے شروع کئے اور اسقدر تیر برسائے کہ مجبوراً ابوسفیان کو پسپا ہونا پڑا۔ یہ سن کر حضور صلعم نے ارشاد فرمایا:۔ اللھم ارحم عباد بن بشر۔ خدایا! عباد بن بشر پر رحمت نازل فرما۔ (روضۃ الاحباب ص ۳۲۳)

اس محاصرہ میں عورتوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے چنانچہ قلعہ میں جہاں آنحضور صلعم اور صحابہ کرام کے اہل و عیال حسان بن ثابت شاعر کی حفاظت میں تھے، ایک دفعہ بنی قریظہ کا ایک یہودی مرد قلعہ کے اندر گھس کر حملہ کی تیاری کا موقعہ ڈھونڈھنے لگا وہ اپنی تدبیر سے قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اس ملعون کو آنحضرت صلعم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب نے دیکھ لیا اور حسان بن ثابت کو کہا کہ تم کرا سے قتل کر دو لیکن وہ بیچارے خالی خولی شاعر تھے، مرد میدان تھوڑے ہی تھے، عذر کرنے لگے کہ اگر میں اس قابل ہوتا تو حضور مجھے یہاں کیوں تعینات فرماتے۔ خیر جناب صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور قلعہ سے اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ واپس قلعہ پر پہنچکر حسان بن ثابت کو کہا کہ جا کر اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لاؤ اس نے معذوری ظاہر کی حضرت صفیہ نے کہا کہ چلو اس کا سر کاٹ لاؤ اور قلعہ کے نیچے پھینک دو تاکہ یہودیوں پر رعب طاری ہو جائے لیکن حسان بن ثابت نے انکار کر دیا آخر یہ کام بھی حضرت صفیہ ہی نے سرانجام دیا یہودی خائف ہو گئے انھوں نے سمجھا کہ قلعہ میں بھی مسلمانوں کی فوج ہے پھر کسی کو حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔ (سیرۃ النبی ص ۲۱۵ بحوالہ زرقانی باسناد طبرانی و ابویعلی بسند صحیح جلد دوم ص ۱۲۹ بحوالہ اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۵۳۵)۔

محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا! اس سے نہ صرف مسلمان ہی گھبرا رہے تھے، مشرکین کے لشکر میں بھی بددلی پیدا ہو رہی تھی آخر انھوں نے ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس مطلب کیلئے مشہور بہادر عمرو بن عبدود کو چنا گیا۔ چنانچہ اسے ایک دستہ فوج کے ساتھ علی الصبح ہی مسلمانوں پر حملہ کرنیکی غرض سے بھیجا گیا۔ یہ دستہ فوج کچھ معمولی آدمیوں کا نہیں تھا بلکہ اس میں عرب کے مشہور و معروف جنگ آزما شامل تھے، مثلاً ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، ہبیرہ بن ابی وہب، مرداس الجاربی وغیرہ اس دستہ کے کمانڈر بھی شہرت یافتہ تھے، مثلاً ایک ان میں سے حضرت عمر کا بھائی ضرار بن الخطاب تھا اور دوسرا نوفل بن عبداللہ یہ دونوں شجاعانِ عرب میں سے شمار ہوتے تھے یہ دستہ جب خندق کے پاس پہنچا تو عمرو بن عبدود کی شکل دیکھ کر مسلمانوں پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اس دستہ کو روک نہ سکے تاآنکہ عمر بن عبدود اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق سے پار آ گیا۔ اور آتے ہی یہ رجز پڑھا ؎

ولقد بححت من الندا ء بجمعکم ھل من مبارز ⁂ ووقفت اذجبن اشجاع بموقف البطل المناجز

وکذلک انی لم ازل متسرعا نحو الحضرائر ⁂ ان الشجاعة فی الغنی والجود من خیر الغرائز

ترجمہ:- تحقیق کہ میری آواز تم لوگوں کو ھل من مبارز پکارتے پکارتے تھک گئی جب بہادر نامردی کرتے تھے میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا میں اس طرح لوگوں کی صف میں دوڑتا تھا۔ کیونکہ جوانمرد کے لئے سخاوت اور شجاعت اچھی صفت ہے۔ (ارجح المطالب جلد اول ۲۱۶)

امام ابن طلحہ الشافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں امام الحرمین علامہ طبری الشافعی کتاب ذخائر العقبیٰ میں محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدود نے خندق پار کر کے تین بار ھل من مبارز کا نعرہ لگایا۔ لیکن کسی کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ علامہ شبلی سیرۃ النبی ص ۲۱۳ پر لکھتے ہیں :- ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمر بن عبدود تھا وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگِ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا، اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لونگا، بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ جس وقت اس کی عمر نوے برس کی تھی۔ عمرو بن عبدود وہ شخص تھا جس کا رعب کئی سالوں سے عربوں کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ مسلمان اس کے نام سے کانپتے تھے۔ جب اسے انہوں نے خندق کے پار دیکھا تو ان کی حالت سخت متغیر ہو گئی۔ خوف کے مارے دلوں میں کپکپی طاری ہو گئی، محدث شیرازی اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں لکھتا ہے :- یاران رسول اللہ ہمہ ایستادہ بودند وہیچ نمی گفتند۔ کانہا علی روسہم الطیر چہ دلاوری وشجاعت عمر بن عبدود رامی دانستند۔" ترجمہ: تمام اصحاب رسول کھڑے تھے۔ اور کچھ نہ بولتے تھے جیسے کہ انکے سروں پر جانور بیٹھا ہو۔ کیونکہ وہ عمر بن عبدود کی دلاوری اور شجاعت کو جانتے تھے۔

حبیب السیر اور مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب مسلمان خوفزدہ ہو رہے تھے، تو حضرت عمر نے اسکی آواز پہچان کر کہا، کہ یہ تو عمر بن عبدود ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ نہایت دلیر اور بہادر آدمی ہے، ایک دفعہ یہ میرے ساتھ سفر میں شریک تھا۔ راستہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر حملہ آور ہوئے، میں اس شخص کی ہمت اور جرأت دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نے اکیلے ڈاکوؤں کی کثیر تعداد سے مقابلہ کیا۔ لڑتے لڑتے اس کی ڈھال ٹوٹ گئی۔ عمر بن عبدود نے اونٹ کے ایک بچہ کی ٹانگ پکڑ کر اسے اپنی ڈھال بنالیا اور قزاقوں سے اسقدر لڑا کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ میں اس کی اس قدر طاقت سے انگشت بدنداں رہ گیا۔ ایک تو مسلمان پہلے ہی خائف ہو رہے تھے حضرت عمر کی اس تقریر نے انہیں اور بھی حواس باختہ کر دیا۔

حضرت علیؑ کا میدانِ جنگ میں مقابلہ کیلئے آنا:- تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمر بن عبدود کا نعرہ سن کر حضرت علیؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ انا ابارزہ "اے خدا کے رسول میں اس سے مقابلہ کروں گا۔" علامہ شبلی لکھتے ہیں :- "تین بار عمر بن عبدود نے مبارز طلبی کی اور تین بار حضرت علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی چونکہ اور کوئی شخص مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا، اس لئے آنحضور صلعم نے حضرت علیؑ کو اجازت عطا فرمائی اور خود اپنے دست مبارک سے تلوار عنایت کی اور سر پر عمامہ باندھا۔ (سیرۃ النبی ص ۳۱۳)۔

حافظ جمال الدین اور محدث شیرازی نے حضرت علی کی خدمت رسول سے روانہ ہونیکی کیفیت یوں لکھی ہے :"پس حضرت شمشیر خود ذوالفقار را بوے داد و زرہ خود را در وے پوشانید و دستار خود را بر سر وے نہاد۔ وبروایتے آنکہ عمامہ از برائے وے بست و گفت اللّٰھم اعنہ علیہ۔ بارخدایا علی را یاری دہ بر عمر بن عبدود وبروایتے آنکہ دستہائے خود را برداشت بسوئے آسمان وگفت الٰہی عبیدہ را در روز بدر از من گرفتی وحمزہ را در روزِ احد از من جدا ساختی واین علی است برادر من و پسر عم من فلا تذرنی فرداً وانت خیر الوارثین"۔ ترجمہ: آنحضرت صلعم نے اپنی تلوار خاص ذوالفقار حضرت علی کو عنایت کی۔ اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی،

اپنی دستار مبارک ان کے سر پر رکھی۔ اور ایک روایت کے مطابق انکے سر پر اپنے دستِ مبارک سے عمامہ باندھا، اور کہا: بار خدایا تو عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں علی کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے، کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا الٰہی تو نے عبیدہ کو بدر کے دن مجھ سے لے لیا اور حمزہؑ کو اُحد کے دن مجھ سے جدا کیا۔ یہ علیؑ میرا بھائی اور ابن عم ہے، تو مجھے تنہا نہ فرما۔ حالانکہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔

امام ابن طلحہ الشافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ:۔ جب حضرت علی علیہ السلام میدان کی طرف چلے تو عمرو بن عبدود کے رجز کے جواب میں یہ اشعار پڑھنے لگے:۔

یا عمرو ویحك قد اتاك ٭ مجیب صوتك غیر عاجز ٭ ذو نیة وبصیرة ٭ والحق منجی کل فائز
انی لارجوا ان اقیم ٭ علیك النائحة الجنائز ٭ من ضربة تفنی ویبقی ٭ ذکرها عند الهزاهز

ترجمہ:۔ "اے عمرو تجھ پر افسوس ہے کہ تیرے پاس وہ آرہا ہے، جو تیری آواز کے جواب دینے میں عاجز نہیں ہے اور صاحب ارادہ و بصیرت ہے اور سچ ہے کہ ایک فیروز مند کو نجات دینے والا ہے۔ میں بے شک امید رکھتا ہوں کہ میں بوڑھی عورتوں کے بَین تجھ پر جاری کراؤنگا۔ ایک ایسی ضرب سے کہ تو فنا ہو جائیگا، اور معرکوں میں میری ضرب کا ذکر باقی رہ جائیگا۔" اسکے بعد امام ابن الطلحہ الشافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ:۔ "جب حضرت علی اور عمرو بن عبدود ایک دوسرے کے سامنے ہوئے، تو عمرو بن عبدود نے آدابِ جنگ کے مطابق آپ سے آپ کا حسب نسب دریافت کیا، تو حضرت علیؑ نے کہا: انا علی بن ابی طالب ابن عم رسول الله وصهره میں ابو طالب کا بیٹا علی ہوں۔ رسول اللہ صلعم کا بھائی اور داماد۔

عمرو بن عبدود:۔ (حیران ہو کر) تم ابی طالب کے بیٹے ہو، ابو طالب تو میرے بڑے دوستوں میں سے تھے تم واپس چلے جاؤ مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرا نیزہ تم کو زخمی کرے۔

حضرت علی:۔ اے عمرو یہ باتیں چھوڑ دے، جو میں کہتا ہوں سُن اگر تیرا جی چاہے تو تو میری بات مان لے۔ ورنہ نہیں۔

عمرو بن عبدود:۔ کہو کیا کہتے ہو۔

حضرت علی:۔ تمام عرب میں مشہور ہے، کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات کو ضرور اسکی درخواست کرنے کے وقت قبول کر لیتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری بھی تجھ سے تین درخواستیں ہیں ان میں جو تجھے پسند ہو۔ اس کے مطابق عمل کر۔

عمرو بن عبدود:۔ کہو کیا کہتے ہو۔ حضرت علی:۔ میری پہلی درخواست یہ ہے کہ تو دینِ اسلام قبول کرے اور مرنے کے وقت یہ ہدیہ خدا کے دربار میں اپنے ہمراہ لیتا جا۔ عمرو بن عبدود:۔ یہ مجھے کسی طرح قبول نہیں ہے۔

حضرت علی:۔ تو اچھا جنگ میں قریش کا ساتھ نہ دے اور گھر لوٹ جا۔

عمرو بن عبدود:۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا مرد ہو کر مکہ کی عورتوں کا طعنہ کون سُنے گا۔

حضرت علی:۔ پھر مقابلہ کرے اور لڑلے۔۔ عمرو بن عبدود اپنی بہادری کے گھمنڈ پر بہت اچھا کہہ کر گھوڑے سے اُتر پڑا، اور اپنا رعب جمانے کی غرض سے تلوار کے ایک ہی وار سے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ گر کر مر گیا۔ عمرو نے تو یہ فعل حضرت علی اور دوسرے مسلمانوں پر دھاک بٹھانے کیلئے کیا تھا لیکن اس سے حضرت علی کو آسانی ہو گئی، وہ یہ کہ پہلے عمرو بن

عبدود گھوڑے پر سوار تھا، اس کا قد بھی لمبا تھا۔ اب وہ پیدل ہو گیا۔ حضرت علی پہلے ہی پیدل تھے اور اُس سے قد میں بھی چھوٹے تھے ممکن تھا کہ اگر وہ سوار ہوتا، تو بوجہ طویل القامت ہونے کے حضرت علی کی زد میں نہ آتا لیکن اب مقابلہ برابر کا ہو گیا۔

عمر بن عبدود اِس غرور میں تھا کہ علی عرب کا ایک ناتجربہ کار اور الھڑ چھوکرا ہے اسے مار لینا کون سی بڑی بات ہے چنانچہ اس نے نہایت چالاکی سے اپنی تلوار کا بھرپور وار حضرت علی کے سر پر اس زور سے لگایا، کہ اگرچہ آپ نے اپنی سپر پر روکا لیکن اسکی تلوار آپ کی سپر کو کاٹ کر آپ کی پیشانی مبارک کو زخمی کر گئی۔ عمر بن عبدود نے جونہی اپنی تلوار اٹھائی حضرت علی نے ذوالفقار کا وار اس زور سے لگایا کہ وُہ اس کے شانہ کو کاٹتی ہوئی پہلو تک اتر آئی اور عمر بن عبدود لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا، اور ڈھیر ہو گیا۔

علامہ زرقانی نے اِس ضربت کی تفصیل یوں لکھی ہے:۔ "وطعنہ فی ترقوتہ حتی اخرجھا من مراقہ فسقط ثم اقبل نحوہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو متھلل فقال عمر بن الخطاب ھلا سلبتہ درعہ فانہ لیس فی العرب درع خیر منھا فقال انہ حین ضربتہ استقبلنی بسواتہ فاستحییت"۔ ترجمہ: حضرت علی نے اِس کو نیزہ لگایا اور وہ ایسا کاری تھا، کہ گردن سے پیوست ہو کر پیٹ سے نکل آیا، اور عمر گر پڑا۔ اور آپ اسی طرح جناب رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند فرماتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ یا علی آپ نے اس کی زرہ کیوں نہ اُتار لی، اس کی زرہ سے اچھی عرب میں کوئی زرہ نہیں ہے، حضرت علی نے کہا: کہ جب میں اس کے قریب گیا، تو وہ ننگا تھا، مجھ کو حیا آ گئی"۔

جونہی حضرت علی نے عمر بن عبدود کو مار گرایا، تکبیر کا نعرہ لگایا، آنحضرت صلعم نے یہ نعرہ سُنکر ارشاد فرمایا کہ علی نے عمر بن عبدود کو مار گرایا۔ جب حضرت علی عمر بن عبدود کے مقابلے میں نکلے تھے تو رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا تھا:۔ "برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ" یعنی پورے کا پورا ایمان پورے کے کفر کے مقابلہ میں نکلا ہے۔ گویا حضرت علی ایمانِ کامل تھے اور عمر بن عبدود کفر کامل تھا۔ اگر حضرت علی اس دن قتل ہو جاتے تو ایمان دُنیا سے اُٹھ جاتا۔ حضرت علی کی فتح دراصل ایمان کی سلامتی اور بچاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی نے عمر بن عبدود کو فی النار کیا تو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا: ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین۔ یعنی حضرت علی کی تلوار کا ایک وار خندق کے دن کا دونوں جہان کی عبادت سے افضل ہے۔

سبحان اللہ کیا کہنا حضرت علی کی اس ضربت کا۔ امام حاکم مستدرک میں امام دیلمی فردوس الاخبار میں، محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں، عبداللہ بن مسعود صحابی کی سند سے لکھتے ہیں:۔ کہ جب حضرت علی عمر بن عبدود کا کٹا ہوا سر لے کر آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے سر دیکھ کر فرمایا:۔ "المبارزۃ علی بعمر بن عبدود فی الیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ"۔ ترجمہ: خندق کے روز عمر بن عبدود کے ساتھ علیؑ کی لڑائی میری اُمت کے تمام اعمال سے جو وہ قیامت تک بجا لائینگے، بہتر ہے۔ (روضۃ الاحباب)۔ اور مطالب السئول ابن الطلحۃ الشافعی میں ہے:۔ عن عبداللہ بن مسعود قال کان یقرء وکفی اللہ المؤمنین القتال بعلی وکان اللہ قویاً عزیزاً۔ ترجمہ: عبداللہ بن مسعود اس طرح پڑھا کرتے تھے، کہ لڑائی میں مومنوں کی اللہ نے علی کے سبب سے مدد کی اور اللہ غالب ہے اور مہربان ہے (ارجح المطالب صفحہ ۲۱۹)۔

زرقانی کے حوالہ سے میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ باوجود حضرت عمر ابن الخطاب کے کہنے کے حضرت علی نے عمر بن عبدود کو قتل کر کے اس کے ہتھیار اور لباس وغیرہ ویسے ہی چھوڑ دیئے تھے اس کے متعلق ارجح المطالب جلد اول صہ ۲۱۹ پر بحوالہ مطالب السئول میں لکھا ہے کہ :- عن ابی الحسن مدائنی قال لما قتل علے عمر بن عبدود نعی الیہ اختہ فقالت من ذالذی اجتری علیہ فقالوا علی بن ابی طالب فقالت کانت میتہ علی ید کفو کریم ما سمعت بافخر من ھذا یا بنی عامر فانشات :-

لو کان قاتل عمر غیر قاتلہ لکنت ابکی علیہ آخر الابد

لاکن قاتلہ لا یعاب بہ من کان یدعی قدیما بیضۃ البلد

ترجمہ :- "ابو الحسن مدائنی روایت کرتے ہیں، کہ جب علی نے عمر بن عبدود کو فی النار والسقر کیا تو اس کی بہن اس کی لاش پر رونے کو آئی، اس کی لاش کو محفوظ اور مسلم دیکھ کر لوگوں سے پوچھنے لگی، کہ اس پر کس کا وار چل گیا، لوگوں نے کہا کہ حضرت علی ابن ابیطالب کا، وہ کہنے لگی اس کی موت اس کے بزرگ بھائی بند کے ہاتھ سے ہوئی ہے، اے بنی عامر اس سے بڑھ کر عمرو بن عبدود کے لئے اور کون سی فخر کی بات ہو سکتی ہے پھر اس نے یہ اشعار پڑھے" (جن کا ترجمہ یہ ہے) :- اگر عمر کا قاتل اس قاتل کے سوا کوئی اور ہوتا۔ تو میں ہمیشہ اس پر رویا کرتی۔ لیکن اس کا قاتل ایسا ہی ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے، اور وہ ہمیشہ سے شہر کا سردار پکارا جاتا ہے۔" علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :-

"عمر بن عبدود کے بعد اس کے دو ہمراہیوں نے ضرار ابن الخطاب (حضرت عمر کے بھائی) اور جبیرہ نے حضرت علی پر حملہ کرنا چاہا لیکن حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے متواتر حملات سے دونوں کو مار بھگایا حضرت عمر اپنے بھائی ضرار کو بھاگتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکے اس نے پیچھے پھر کر دیکھا، تو بھائی چلے آرہے ہیں، وہیں سے نیزہ سیدھا کیا اور بڑی سختی سے وار کیا اور پھر ہاتھ روک لیا اور یہ کہہ کر بھاگ گیا، کہ اے عمر اس احسان کو یاد رکھنا۔" (سیرۃ النبی صہ ۳۱۲ بحوالہ اسوۃ الرسول جلد دوم صہ ۵۴۱)۔

اس جنگ میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا، عمر بن عبدود کے قتل ہو جانے کے بعد نوفل مارے ڈر کے کمین گاہ سے نکل کر ضرار اور جبیرہ کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا، لیکن گھبراہٹ کے عالم میں خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے موقع غنیمت جان کر اس پر تیر برسانے شروع کر دیئے وہ چلایا کہ میں نامردی کی موت نہیں مرنا چاہتا، میں مردانہ وار لڑ کر مرونگا حضرت علی سن رہے تھے آپ ذوالفقار لیکر فوراً خندق میں کود پڑے اور فرمانے لگے۔ تو میں تجھے شریفانہ طریق ہی سے موت کے گھاٹ اتارے دیتا ہوں" یہ کہہ کر نوفل کا سر کاٹ لیا اور مسلمانوں کی طرف پھینک دیا۔

نوفل کے قتل ہونے کا قریش کو بے حد قلق ہوا۔ کیونکہ انھیں اس کے ساتھ بے پناہ محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کی لاش مسلمانوں سے دو ہزار دینار طلائی کے عوض لینا چاہی لیکن مسلمان راضی نہ ہوئے۔ آخر آنحضرت صلعم تک یہ معاملہ پہنچا، آپ نے لاش دے دی۔ اور فرمایا : کہ ہمیں قریش کے روپے کی ضرورت نہیں ہے۔

محاصرہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ قریش کے نامی گرامی بہادر عمر بن عبدود، نوفل، ضرار بن خطاب اور جبیرہ جن کی بہادری پر قریش کی فتح کا دارومدار تھا ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے۔ اس پر مصیبت یہ نازل ہوئی، کہ یہودیوں نے بھی قریش کا ساتھ چھوڑ دیا، بنو قریظہ الگ ہو کر واپس چلے گئے۔ ان سب باتوں نے ابوسفیان کی کمر ہمت توڑ دی۔ ادھر قدرت بھی اس سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی۔ موسم بے حد سرد تھا۔ ہوا اس قدر تیز اور تند تھی، کہ خیموں کی طنابیں اکھاڑ رہی تھی۔ چولہوں

سے ہنڈیاں اور دیگچیاں اُلٹ دیتی تھی، ابو سفیان کی یہ حالت تھی کہ بار بار خیمے سے باہر نکل کر آگ کے الاؤ کے پاس آتا تھا اور تھوڑی دیر گرم ہو کر پھر خیمہ میں چلا جاتا تھا لیکن سردی بیٹھنے نہ دیتی تھی سردی کی یہی حالت اسلامی کیمپ میں تھی۔ حذافت شیرازی لکھتے ہیں کہ:۔
آنحضرت صلعم نے فتح کی شام کو کچھ رات گئے نماز پڑھی۔ اور اصحاب کو یہ کہہ کر پکارا کہ جو کوئی اس وقت لشکر مخالف میں جا کر ان کے جانے کی خبر لائے وہ بہشت میں حضرت ابراہیمؑ کا رفیق ہوگا کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی، دُوسری بار آپ نے ارشاد فرمایا: کہ جو کوئی فوج کفار میں جا کر ان کے حالات دریافت کر کے آئے، وہ بہشت میں میرا ساتھی ہوگا۔ اس پر بھی کوئی آواز نہ آئی حضرت حذیفہ بیان فرماتے ہیں، کہ اب کی بار آپؐ نے خاص میرا نام لیکر پکارا، تو میں سردی میں کانپتا ہوُا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوُا۔ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا تم نے میری آواز سُنی تھی میں نے عرض کی ہاں سُنی تھی لیکن بھوک اور سردی کی شدت سے حاضر نہ ہو سکا، یہ سُن کر آپؐ نے دستِ شفقت میرے سر پر پھیرا، اور فرمایا، کہ براہ راست لشکر گاہ کفار میں چلے جاؤ اور وہاں دیکھ آؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب اُن کا کیا ارادہ ہے، لیکن ان پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ اور نہ کسی کو قتل کرنا، میں نے عرض کی کہیں وُہ مجھ کو قید نہ کر لیں آپؐ نے فرمایا: نہیں، وُہ تمہیں قیدی نہیں کر سکتے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے میرے حق میں یہ دعا فرمائی :۔ "اللھم احفظہ من بین یدیہ ومن خلفہ ومن یمینہ ومن شمالہ ومن فوقہ ومن تحتہ" ترجمہ: پروردگار! تو اس کی سامنے سے، پشت سے، داہنے سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے اس کی حفاظت کرنا اور محفوظ رکھ۔
حذیفہ کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد پھر مجھے سردی اور بھوک کی شدت محسوس نہ ہوئی، اور نہ ہی خوف اور دہشت معلوم ہوئی میں نے سلاح جنگ پہنی اور لشکر قریش میں جا پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ الاؤ کے پاس لوگ بیٹھے آگ تاپ رہے ہیں۔ ابوسفیان نے خیمہ سے نکل کر حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے ساتھی کو باہم لپٹا کر آگ کے پاس بیٹھے کہ بدن اور آگ کی گرمی مل کر خوب گرم ہو جائے۔
حذیفہ کہتے ہیں، کہ میں بھی یہ حکم سُن کر ایک جماعت میں مل کر بیٹھ رہا۔ اور جو شخص میرے پہلو میں بیٹھا تھا اس کو لپٹا لیا۔ نام و نسب پوچھا تو اس نے کہا کہ قبیلہ بنی ہوازن سے ہوں۔ میں نے اپنے دل میں قصد کیا کہ اپنے کمان کے تیر کے ذریعے ابوسفیان کو ٹھنڈا کروں۔ لیکن مجھے آنحضرت صلعم کا حکم امتناعی یاد آگیا اور میں اپنے قصد سے باز رہا۔ ابوسفیان کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی اور فوج کو سردی سے تسکین نہ ہوئی، بلکہ جوں جوں رات بڑھتی گئی سردی بھی بڑھتی گئی، اور سردی کے ساتھ ہوا بھی تیز و تند ہوتی گئی۔ اب تو یہ نوبت پہنچی کہ سانس کا لینا اور منہ سے بولنا دشوار ہو گیا۔ بالآخر ابوسفیان نے دیگر سرداران لشکر سے مشورہ کر کے لشکر میں اعلان کر دیا، کہ اب یہاں ٹھیرنا محض بیکار ہے۔ ٹھیرنے میں انسان اور جانور دونوں کی جانوں کا نقصان ہے۔ اگر تھوڑی دیر یہاں اور مقیم رہے تو سب کے سب یہیں ڈھیر ہو کر رہ جائینگے۔ اس لئے فوراً بار کر کے کوچ کر جاؤ۔ اب ٹھیر کر کیا کرو گے۔ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا بنی قریظہ اپنے اپنے گھر بیٹھ رہے۔ اس حکم کے سنتے ہی لشکر میں کوچ کا شور برپا ہو گیا اور نصف شب جاتے جاتے کفار کے لشکر نے میدان خالی کر دیا۔
حضرت حذیفہ بیان فرماتے ہیں، کہ اس کے بعد میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضری کے قصد سے واپس چلا۔ راستے میں مجھے کچھ لوگ سفید عمامے باندھے ملے۔ اور ان لوگوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے سردار سے جا کر کہہ دو، کہ خداوند عالم نے دشمنوں سے تمہاری مدد فرمائی اور تم کو محفوظ رکھا۔ حذیفہ کہتے ہیں، کہ جس وقت میں خدمت اقدس میں حاضر ہوُا تو آپؐ نماز پڑھ رہے تھے فارغ ہوئے تو میں نے مژدہ سنایا، یہ مژدہ مسرت افزا سن کر آپ خنداں ہوئے! اور اتنا کہ میں نے آپ کے دندان

مبارک کی زیارت کرلی، ارشاد ہوا کہ راستہ میں جن لوگوں نے تمہیں بشارت دی تھی، وہ خدا کے فرشتے تھے، جو نصرتِ اسلام کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (روضۃ الاحباب ص ۲۳۱ اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۵۴۵ و ص ۵۴۶)۔

قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:۔ "یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذا جاءتکم جنودٌ فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا۔ (الاحزاب)۔ ترجمہ:۔ مسلمانو! خدا کے احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں، تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھیں۔

جنگِ خیبر

یوں تو حضرت علی ہر اسلامی غزوہ اور جہاد میں پیش پیش نظر آتے ہیں لیکن غزوہ خیبر میں اس بہادر نوجوان نے جس طرح دینِ خدا کی لاج رکھی" اور صداقتِ قرآنی کو بچایا، وہ تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ خیبر مدینہ سے کم و بیش پچاس میل پر یہودیوں کی ایک قلعہ بند آبادی تھی۔ اور اس میں چھوٹی بڑی دس گڑھیاں تھیں، اسلام کی ترقی اور رسول عربی کے جاہ و جلال اور اقبال کو دیکھ کر یہودی آتشِ حسد میں جل رہے تھے، اگر جب مدینہ کے جلاوطن یہودی بھی ان میں شریک ہو گئے تو مخالفت کی آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے، انھوں نے بنی اسد اور غطفان کا تعاون حاصل کرکے مدینہ پر حملہ کرنیکی منصوبہ بندی کی، اور بڑی شد ومد کے ساتھ اپنی عسکری قوت میں اضافہ کے لئے سرگرم عمل ہو گئے، رسولِ اکرم کو جب ان کے عزائم کا علم ہوا، تو آپ نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا، تاکہ یہودیوں کی سرکوبی کی جائے۔ اور اس فتنہ کو قیامت بننے سے پہلے ہی دبا دیا جائے۔

یہودیوں کو اپنی قلعہ بندی پر ناز اور فنِ حرب کی مہارت پر بڑا بھروسہ تھا، وہ یہ سمجھتے تھے، کہ غیر تربیت یافتہ عرب اور فنِ حرب و ضرب سے ناآشنا سپاہی ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں، مسلمان ایک ماہ تک انکے ساتھ برسرِ پیکار رہے اور ایک ایک کر کے تمام قلعے فتح کر لئے۔ لیکن قاموس نامی قلعہ جو اپنی پائیداری اور استحکام کے اعتبار سے ناقابلِ تسخیر بنا ہوا تھا، کسی صورت فتح ہونے میں نہیں آتا تھا۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سرکارِ رسالت نے ایک دن حضرت عمر کو حکم دے کر بھیجا لیکن وہ ناکام لوٹے۔ دوسرے دن حضرت ابوبکر کو بھیجا اور یہ بھی آغوش کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکے، تیسرے دن حضرت عمر کو پھر حکم دیا گیا لیکن وہ بھی ناکام واپس آئے۔ جب نبی عربی نے بہادرانِ اسلام کو اچھی طرح آزمالیا، تو فرمایا:۔ "لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ و رسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ"۔ یعنی کل علمِ لشکر اس مرد کو دونگا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ کرار غیر فرار ہوگا۔ اللہ اس کے ہاتھ پر قلعہ کو فتح کرے گا"۔ وحی الٰہی کے ترجمان کی زبان سے یہ جملے نکلے، اور تاریکیٔ شب نے اپنے خوفناک پردے چھوڑ دیئے۔ ادھر مجاہدینِ اسلام کے دلوں میں یہ ولولہ چٹکیاں لینے لگا کہ کاش اس سعادت سے میں ہی سرفراز ہو جاؤں، تمام رات صحابہ نے اختر شماری میں بسر کی کہ دیکھئے کل علم کسے ملتا ہے۔ تاریخ الخمیس میں ہے، کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے، کہ مجھے اعزازِ سیف اور سرداری کی کبھی خواہش و تمنا نہیں ہوئی، مگر اس روز میں اس اعزاز کے حصول کے لئے مضطرب تھا۔

رات گزری، افقِ مشرق سے آفتاب نے جھانکنا شروع کیا۔ بزمِ رسالت سجائی گئی، صحابہ کرام آراستہ و پیراستہ ہو کر آنا شروع

ہو گئے۔ ہر شخص رسولِ اسلام کی نظر میں سمانے کیلئے طرح طرح کے پینترے بدل رہا تھا۔ بعض لوگ تو اس انداز کے ساتھ پہنچے کہ گفتگو سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر رسولِ اسلام کی نظر انتخاب قد و قامت، سج دھج اور دیگر امتیازات پر نہیں پڑتی تو آواز کی طرف ہی متوجہ ہو کر یہ اعزاز و منصب عطا فرما دیں۔ سعد بن ابی وقاص نے تو کمال ہی کر دیا، سرکارِ رسالت کے سامنے جا کر دھم سے زمین پر گر پڑے تاکہ میں نبی اکرم کی توجہ کا مرکز بن جاؤں، لیکن خدا کا رسول تلاش کر رہا تھا، اسے جس کی قسمت میں فتح خیبر لکھی ہوئی تھی، پوچھا کہاں ہیں میرے بھائی علی ابن ابی طالب؟ صحابہ نے عرض کی وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں انھیں تو دکھائی بھی نہیں دیتا۔ وحی الٰہی کے ترجمان نے فرمایا: ذرا علی کو بلا تو لاؤ۔ چنانچہ سلمہ بن الاکوع گئے، اور علی کا ہاتھ پکڑ کر بزمِ رسالت میں لے آئے آپ نے اپنا لعاب دہن لگا کر آنکھوں کو شفا بخشی، علم دے کر فرمایا: جاؤ قلعہ کو فتح کرو۔ علی نے پوچھا یا رسول اللہ کب تک لڑوں؟ فرمایا: جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں، اور دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو جائیں۔ علی گئے اور علم کو حصار قموس کے نیچے پتھر پر گاڑ دیا۔

یہودیوں نے جب اس محیر العقول واقعہ کو دیکھا تو زمین ان کے پاؤں تلے سے نکل گئی ایک شخص نے علی کا نام دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا: میرا نام "حیدر" ہے۔ ایک شخص پکار اٹھا کہ توریت کی قسم ہم لوگ مغلوب ہو نگے، یہ بغیر فتح کئے یہاں سے نہ لوٹے گا، کتب سابقہ میں رسول اکرم اور انکے اصحاب خاص کے جو حالات لکھے تھے یہ شخص ان سے واقف تھا اسی بنا پر اس نے علی کے ہاتھوں خیبر کی فتح کی پیشگوئی کی تھی۔

خیبریوں کی طرف سے سب سے پہلے مرحب کا بھائی حارث میدان میں نکلا رسول اکرم کے سرمایہ نازش بھائی علی نے اسے قتل کر دیا، اس پر مرحب مار کھائے ہوئے سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے نکلا مرحب بہادری اور شجاعت میں خاص شہرت کا مالک تھا بڑے بڑے بہادر اس کا نام سن کر دہل جاتے تھے، آج یہ دو زرہیں زیب تن کئے ہوئے تھا، دو تلواریں حمائل کر رکھی تھیں اور دو عمامے باندھے اور ان پر آہنی خود پہنے ہوئے تھا۔ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔ علی نے جواب میں کہا:۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　ضرغام اجام ولیث قسورہ

یعنی میں وہ ہوں، کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا تھا"۔ اس سے قبل مرحب نے خواب میں دیکھا تھا، کہ مجھے شیر پھاڑ رہا ہے علی مرتضیٰ نے درحقیقت وہ خواب یاد دلایا تھا۔ مرحب کی آنکھوں کے سامنے موت کا نقشہ پھر گیا لیکن بہادر تھا۔ میدان چھوڑ کر بھاگنا شانِ مردانگی کے منافی سمجھتا تھا۔ مرحب نے علی پر نیزے سے وار کیا، آپ نے اس کے وار کو رد کر کے ذوالفقار کا بھرپور وار کیا اور مرحب کو دو کر دیا یہودیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں لیکن لڑائی جاری رہی، یکے بعد دیگرے بہت سے بہادر میدان میں آئے لیکن علی کے ہاتھوں آغوش موت سے ہمکنار ہوئے، یہودیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ یہودی قلعہ کی طرف پسپا ہو رہے تھے اسی انتشار اور ہنگامی صورتِ حال میں کسی یہودی نے پیچھے کی طرف سے علی کے ہاتھ پہ ضرب لگائی، آپ کی ڈھال ہاتھ سے چھوٹ گئی، دوسرا یہودی اسے لیکر بھاگ گیا، آپ نے شیرانہ انگڑائی لی، شبیر خدا کو جلال آ گیا، خندق کو عبور کر کے حصار کے دروازے پر پہنچے، در خیبر کو جھٹکا دیکر ہاتھ میں اٹھا لیا اور سپر بنا لیا، دروازہ اکھاڑنے سے قلعہ میں تزلزل پیدا ہو گیا۔ صفیہ بنت حی بن اخطب تخت سے گر پڑیں۔ جابر بن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ آپ نے بابِ خیبر کو خندق پر رکھ کر پل بنا لیا، اور مسلمان اس پر سے گذر کر قلعہ خیبر میں داخل ہو گئے۔ یہ در اس قدر بھاری تھا کہ ستر آدمی مشکل سے حرکت دے سکتے تھے، جناب امیر فرمایا کرتے تھے کہ قلعت باب الخیبر با القوۃ الروحانیہ لا با القوۃ الجسمانیہ۔ خیبر کا دروازہ میں نے قوتِ روحانیہ سے اکھاڑا تھا، نہ کہ قوتِ جسمانیہ سے۔ اہلِ خیبر نے جب اسدی قوت اور حیدری شان کا مظاہرہ دیکھا تو وہ سپر انداختہ ہو گئے

اور الاماں الاماں کی صدائیں بلند کرنے لگے، رسولِ اللہ نے کچھ شرائط طے کر کے انہیں امان دی۔

علی جب خیبر فتح کر کے واپس آ رہے تھے تو رسولِ اکرم فرطِ محبت اور فرطِ جوش میں علی کے استقبال کیلئے خیمہ سے باہر نکل آئے اور علی کو سینہ سے لگا کر اور آنکھوں کو چوم کر فرمایا: علی تمہاری سعی مشکور اور کوشش بار آور ہوئیں، اللہ و رسول تم سے خوش ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولِ اسلام جسقدر بھی اظہار مسرت فرماتے کم تھا۔ انتالیس روز سے اسلام کی عزت اور قرآن کی صداقت معرضِ خطر میں پڑی ہوئی تھی۔ اسلام کے چہرہ پر آثارِ مایوسی تھے اور کفر اکڑ رہا تھا آج علی کی شجاعت نے بساطِ جنگ کو پلٹ دیا۔ فتح و نصرت نے علی کے قدم چومے۔ کفر کے ایوانوں میں تزلزل پیدا ہوا۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت میں انقلاب رونما ہوا۔ عرب کے فاقہ کش لوگ علی کی قوتِ بازو کی بدولت اس قابل ہو گئے کہ وہ روٹی کے سوال سے بے نیاز ہو کر ہمسایہ ممالک کے خلاف صف آرائی کی منصوبہ بندی کر سکیں۔

تاریخ کی یہ حقیقت انتہائی المناک ہے کہ جس علی کے قوتِ بازو سے فتح خیبر کے بعد مسلمان زر و جواہر میں کھیلنے لگے، اسی خیبر کی ملحقہ اراضی میں سے فدک رسولِ اسلام نے اپنی پارۂ جگر فاطمۃ الزہرا کو عطا فرمایا، تو فاطمہ سے فدک کو چھین لیا اور پیغمبر خدا کی اکلوتی بیٹی کو باپ کے ورثہ سے محروم کر دیا۔ اسلام کی پیشانی پر یہ ایسا داغ ہے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اور انصاف پسند دنیا سیدہ طاہرہ کو پدری ترکہ سے محروم کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

غزوۂ تبوک

بعثت سرورِ انبیاء سے پہلے عرب کے قبائل میں جاہلانہ رقابت جنگ و پیکار کے شعلے اس طرح بھڑکاتی چلی آ رہی تھی کہ خرمنِ امن و امان کے دامن میں آگ لگی ہوئی، اس عداوت پسندی نے انکی اجتماعی قوت کی رگ رگ ڈھیلی کر دی تھی۔ وہ منظم جمعیت اور سلطانی عساکر سے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ملکی فتوحات کا دروازہ ان پر بند ہو گیا تھا لیکن بعثت سرورِ انبیاء کے بعد اس اندھیرے میں اُجالا پیدا ہونا شروع ہوا، جو رفتہ رفتہ اپنے دامن پھیلاتا رہا۔ ہجرت کے بعد قومی تنظیم اور جماعتی شیرازہ بندی نے بہت جلد ان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ خانہ جنگیوں کو ختم کر کے کسی بیرونی دشمن کا مقابلہ پوری جرأت کے ساتھ کر سکیں۔

چونکہ اسلامی بازوؤں میں تائید ایزدی کا خون بھرا ہوا تھا۔ اس لئے غازیوں کا جو قدم اُٹھا وہ کامیاب ہی رہا۔ بہت جلد تمام ملک عرب پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ ہمسایہ سلاطین اس ہوش ربا فتوحات کا نظارہ دوربین لگائے ہوئے کر رہے تھے اور اس خیال سے کانپ رہے تھے، کہ کہیں اس سیلابِ عظیم کا رُخ ہماری طرف نہ ہو جائے، جنگ موتہ کے بعد ہرقل بادشاہ روم کے کان بھی کھڑے ہوئے اور سطوت و جبروت کے نشے ڈھیلے ہونے شروع ہو گئے، یہ سمجھتے ہوئے، کہ مسلمانوں کا حملہ اس ملک پر ضرور ہو گا اس نے بطور حفظ ما تقدم ایک عظیم الشان لشکر سرحد عرب پر جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضور سرورِ انبیاء کو جب اسکی خبر پہنچی، تو آپ نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں یہ واقعہ ۹ھ ہجری کا ہے جب حضور کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ ہر مسلمان کو اس جنگ میں شریک ہونے کیلئے آمادہ ہو جانا چاہئے تو ہر طرف ہل چل پڑ گئی، اوّل تو دور دراز کا سفر پھر بڑے دشمن کا مقابلہ، پھر شدت کی گرمی، چشمے خشک پڑے تھے، اور ندی نالوں میں پانی نام کو بھی نہ تھا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی، کہ کئی ماہ سے قحط پڑ رہا تھا، اور بیشمار لوگ فاقہ کشی کی تکلیف اُٹھا رہے تھے۔ ہر شخص جانے سے جان چرا رہا تھا اور منہ چھپانے کیلئے کونے گوشے ڈھونڈ رہا تھا۔ اسی وجہ سے اس لشکر کا نام جیش العسرہ یعنی سختی

لشکر رکھا گیا تھا، سوئے اتفاق سے یہ وہی زمانہ تھا جب باغوں میں کھجوریں پک رہی تھیں، اور باغ والوں کو بہت کچھ ان سے منفعت کی امید تھی۔ چاہتے تھے کہ انکی حفاظت کیلئے مدینہ ہی میں رہیں۔ ان اسباب سے منافقوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی چنانچہ عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم خزرج کو اپنی یہ سب باتیں بیان کر کے روکنے کی کوشش کی لیکن جب تہدیدی آیات نازل ہونی شروع ہوئیں، تو مسلمانوں کو قدم بڑھانے کے سوا کوئی دوسری راہ نظر نہ آئی۔

حضور سرورِ انبیاءؐ کے تمام غزوات مخفی طور سے ہوتے تھے، سوائے مخصوص صحابہ کے جنگی تدبیر سے کسی کو آگاہ نہ کیا جاتا تھا لیکن اس مہم کیلئے چونکہ بڑی تیاری کی ضرورت تھی۔ لہذا مجبوراً حضرتؐ نے ہر شخص پر اس مہم کا قصد واضح کر دیا تھا تاکہ ہر شخص اپنے پسماندوں کا معقول انتظام کر کے اپنے گھر سے نکلے اور جتنی زیادہ رسد اس سے ممکن ہو ساتھ لے کر چلے کیونکہ دور دراز کا سفر ہے۔ مورخین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ حضورؐ کے ہمراہ جانے والے لشکر کی تعداد کیا تھی، کسی نے دس ہزار لکھی ہے کسی نے بیس ہزار تاریخ الخمیس میں ستر ہزار لکھی ہے۔ تاریخ ابو الفداء اور حبیب السیر میں ہے، کہ لشکر مدینہ سے روانہ ہوا، تو عبداللہ بن ابی منافق مع اپنے چیلے چانٹوں کے پیچھے رہ گیا، انصار میں سے تین شخص بھی اس کے ساتھی بن گئے۔ حبیب السیر میں ہے کہ جب آنحضرت چلنے لگے تو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا، اور امہات المومنین کو تاکید کی، کہ امام المسلمین (حضرت علیؑ) کے کہنے سے باہر نہ ہونا۔ پھر یہ مورخ لکھتا ہے کہ اس غزوہ میں حضرت علی کو اسلئے پیچھے چھوڑا اور ساتھ نہ لیا تھا، کہ حضور کو بعلم نبوت یہ معلوم ہو چکا تھا، اس سفر میں دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت نہ آئیگی۔ چونکہ منافقوں کے دل میں حضرت علی علیہ السلام کی عداوت پنہاں تھی، لہذا ان کو یہ ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا جا بجا یہ کہنا شروع کیا، آنحضرت علی کو اپنا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے پیچھے مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں تاکہ امہات المومنین کی نگرانی کرتے رہیں حضرت علی کے دل میں یہ خیال تو پہلے ہی سے تھا، کہ ہر معرکے کا فاتح تو میں ہی رہا ہوں، کیا اچھا ہوتا کہ یہ معرکہ بھی میرے ہی قوتِ بازو سے سر ہوتا۔ اس خیال میں الجھے ہوئے تھے کہ منافقوں کی طعنہ زنی کا خیال معلوم ہوا، دل کو ملال ہوا۔ ابھی لشکر اسلام کچھ ہی دور گیا تھا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرتؐ سے جا ملے، اور منافقوں کی طعنہ زنی کا حال بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، میں تم کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا کر آیا ہوں، تم جاؤ اور میری خلافت کرتے رہو۔ ابو الفداء کامل اور تاریخ طبری میں اتنا فقرہ اور ہے کہ (میرے اہل اور اپنے اہل میں میری نیابت کرو) اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو، کہ تمہارا مرتبہ میرے ساتھ وہی ہے، جو ہارونؑ کا مرتبہ موسیٰؑ کے نزدیک تھا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی) ایرونگ لکھتا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہی ہے اور اکثر علما نے یہی نتیجہ نکالا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنانا ظاہر کیا ہے۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں ؎

علی را چنیں گفت خیر الانام ٭ کہ اے کردہ در کار دیں اہتمام ٭ ترا از من آں منزلت شد پدید ٭ کہ نسبت زہارون بموسیٰ رسید

مگر آنکہ نبود پس از من نبی ٭ نبوت ز مردم شود اجنبی

صاحب کشف الغمہ لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس حدیث میں نبوت کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سوائے مرتبہ نبوت کے جو مرتبہ ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھا، وہ علی کو آنحضرت صلعم کیساتھ حاصل تھا۔ اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں اصحاب حضرت علیؑ کے ساتھ اس میں شریک نہیں۔ آنحضرتؐ سے یہ حدیث سن کر حضرت علی کو اطمینان حاصل ہوا، اور مدینہ واپس آکر حکومت کرنے لگے۔

الغرض جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، انکو آگے چل کر جب لمبے چوڑے میدان قطع کرنا پڑے تو ان میں بہت سے تو دوسرے ہی دن واپس چلے آئے بعض تیسرے اور چوتھے دن جب لوگوں کے واپس جانے کی خبر حضرت صلعم کو ملتی تو فرماتے اگر ان کے ساتھ رہنے میں فائدہ ہے تو خدا ان کو واپس بھیج دے گا، اور اگر نہیں تو ہم بوجھ سے ہلکے ہوئے۔ مدینہ میں رہ جانے والوں اور واپس آنے والوں میں سے اکثر کو اپنی ضعیف الایمانی اور واپسی پر ندامت ہی ہوئی، چنانچہ ایک شخص ابو خیثمہ نامی جب شدت کی گرمی میں اپنے باغ میں داخل ہوا اور اس کی دو بیبیوں نے گرم کھانا اور ٹھنڈا پانی اسکے سامنے لا کر رکھا، تو آہ سرد بھر کر کہنے لگا۔ محمدؐ تو گرم صحراؤں میں لوؤں میں چلیں اور میں اپنی بیبیوں کے درمیان اس خیمہ میں عیش مناؤں تف ہے ایسی زندگی پر یہ کہہ کر تلوار اٹھائی اور اونٹ پر سوار ہو کر لشکر اسلام سے آملا۔

تبوک کے راستہ میں مسلمانوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے سخت تکلیف اٹھانا پڑی سات دن کے دشوار سفر کے بعد مقام حجر پر پہنچے جہاں قدیم زمانہ میں قوم ثمود رہتی تھی جس پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔ جہاں چشمہ اور سبزہ دیکھ مسلمانوں کو قیام کرنیکی رغبت ہوئی اور ڈیرے ڈال دیئے۔ آنحضرتؐ ساری فوج کے پیچھے تھے حضرت کا دستور تھا کہ کمزوروں کی مدد کرتے اور پیچھے رہ جانے والوں کو ساتھ لینے کیلئے لشکر کے پیچھے ہی رہا کرتے تھے۔ جب حضورؐ نے دیکھا لوگ اترنے لگے تو سب کو منع کیا، کہ اس چشمہ کا پانی نہ پینا! اور اگر پیاس میں کسی نے پی لیا ہو تو قے کر ڈالے، اور اگر آٹا گوندھا ہو تو اونٹوں کو کھلائے اور جس قدر جلد ممکن ہو اس معذب سرزمین سے نکل چلیں یہ سن کر سب بہت جلد وہاں سے روانہ ہو گئے آگے چلے تو پیاس کی شدت سے جانوں پر بن گئی موسم بہت زیادہ گرم تھا۔ ہر طرف سے لو تھپیڑے مار رہی تھی۔ بھوک سے چلنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ حضورؐ نے خدا سے دعا کی، دوسرے دن خوب زور سے پانی برسا۔ مردہ بدنوں میں جان آئی۔ اور لشکر اسلام جس طرح بنا تبوک تک پہنچ گیا۔ یہ مقام سرحد روم پر ایک چھوٹی سی بستی ہے، مدینہ اور دمشق سے دس دس منزل پر واقع ہے جہاں ایک چشمہ کے قریب حضرت نے چھاؤنی ڈالی، مگر ہرقل کی فوج مقابلہ کو نہ آئی۔ بیس روز تک لشکر اسلام وہاں قیام پذیر رہا اس عرصہ میں حضرت نے سرداران لشکر کو گرد و نواح میں اس لئے روانہ کیا، کہ تبلیغ اسلام کر کے لوگوں کو مسلمان بنائیں یا ان پر جزیہ لگائیں چنانچہ قرب و جوار کے شہزادوں نے ایلچی بھیج کر اسلام یا جزیہ قبول کیا اور لشکرِ اسلام بہ فتح فیروزی واپس آگیا۔ یہ تو اس واقعہ کی تاریخی نوعیت تھی، اب بلحاظ فضائل علی بن ابی طالب علیہ السلام بھی ان پہلوؤں پر نظر کیجئے۔

واقعہ تبوک ۹ ہجری میں ہوا۔ اس سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام بہت سے معرکے اپنے زور بازو سے فتح کر چکے تھے مثلاً بدر، احد، خندق، خیبر وغیرہ اور تمام عرب پر حضرتؑ کی شجاعت کی دھاک بیٹھ چکی تھی پھر کیا وجہ تھی کہ حضرتؐ نے انکو مدینہ میں چھوڑنا پسند فرمایا اور اپنے ساتھ کیوں نہ لے گئے۔ یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس غزوہ کیلئے حضورؐ کو خاص اہتمام کرنا پڑا تھا، اور ہر غزوہ سے زیادہ فوج اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت پیش آئی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ مسلمان غازیوں سے خالی ہو گیا ہو گا۔ پس ایسی صورت میں اس کی ضرورت تھی، کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے کسی بہترین بہادر اور جنگ آزما کو اپنی جگہ چھوڑا جائے۔ تاکہ اگر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو وہ اس حملہ کو روک سکے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ بہت سے منافق بہانہ کر کے مدینہ میں رہ گئے تھے اور بہت سے راستہ سے واپس آ گئے تھے۔ لہٰذا ان کی طرف سے بھی خطرہ لاحق تھا کیونکہ ان کا نہ جانا اور واپس آنا اس کی دلیل تھا، کہ وہ آنحضرتؐ کی غیبت میں کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں، ان حالات کے ماتحت آنحضرتؐ کا یہ انتہائی تدبر تھا، کہ حضرت علی کو اپنا قائمقام بنا کر مدینہ میں چھوڑیں پس منافقوں کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علی کو اپنا بوجھ ہلکا کرنیکے لئے چھوڑا تھا۔ ایک بے معنی سی بات ہے۔ اگر بوجھ بھی ہلکا کرنا تھا تو وہ بھی خلاف

متعلق تھا، ورنہ حضرت علیؑ کے مدینہ میں چھوڑنے کا اور کوئی مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔

حدیث شریف صاف صاف امیر المومنین کی خلافت پر دال ہے پہلے یہ سن لیجئے، کہ وہ منزلت کیا تھی، جب حضرت موسیٰؑ کو خدا نے اپنا رسول بنایا تو انھوں نے خدا سے دعا کی "رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی واشرکہ فی امری الخ یعنی اے پروردگار! میرے سینے کو کشادہ کر دے میرے اوپر امر رسالت کو آسان کر دے میری زبان کی بستگی کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے اہل خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے، اور میرے امر رسالت میں ان کو میرا شریک بنا دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب ہارونؑ کی منزلت یہ تھی کہ وہ جناب موسیٰ کے وزیر تھے۔ اور کار رسالت میں شریک پس آنحضرت صلعم نے حدیث منزلت میں اس چیز کو ظاہر فرمایا ہے، کہ جس طرح ہارون موسیٰؑ کے وزیر تھے، اسی طرح اے علی تم میرے وزیر ہو لیکن چونکہ حضرت ہارون شریک نبوت بھی تھے یعنی نبی بھی تھے، لھذا لانبی بعدی کہہ کر نبوت کا استثنا حضرت علیؑ سے کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک بات اور بھی سمجھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنا وزیر اپنے اہل یعنی اپنے ہی خاندان سے مانگا تھا۔ نہ کہ اپنی امت میں سے نہ کہ اپنے اصحاب میں سے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت کا استحقاق خاندان والوں ہی کو ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اہل ہوں، آیہ لقد اوتیت سولک یاموسیٰ سے معلوم ہوا کہ خدا نے موسیٰ کی اس خواہش کو قبول کر لیا اور آیہ سنشد عضدک باخیک (تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو عنقریب ہم مضبوط بنا دیں گے) سے اپنی قبولیت کی سند دے دی پس اگر امر خلافت امت سے متعلق ہوتا، تو یہ درخواست جناب موسیٰ کی منظور ہی نہ ہوتی۔

جب جناب موسیٰ توریت لینے کے لئے طور پر جانے لگے تو انہوں نے اپنا خلیفہ حضرت ہارون کو بنایا اخلفنی فی قومی اصحاب میں سے کسی کو نہ بنایا، یہ واقعہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ تبوک میں جاتے وقت آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ رہا یہ کہنا کہ حضرت موسیٰ نے اپنا جانشین جناب ہارون کو اپنی زندگی میں بنایا تھا نہ کہ مرنے کے بعد تو یہ خصوصیت کلام باری سے تو کہیں ظاہر نہیں ہوتی، اگر جناب ہارون کا انتقال جناب موسیٰؑ کے سامنے نہ ہو جاتا، تو یقیناً ان کے بعد وہی انکے خلیفہ اور جانشین ہوتے۔ انسان جس کو زندگی میں اپنا خلیفہ بناتا ہے عقلاً وہی بعد میں بھی ہونا چاہیئے زندگی میں خلیفہ بنانا اسکی دلیل ہے کہ منیب کو اپنے نائب پر اعتماد کلی حاصل ہے ورنہ وہ اپنا جانشین بناتا ہی کیوں پس اس کا یہ اعتماد اس کی موت کے بعد بھی باقی رہنا چاہیئے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ مرتے وقت اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کر دے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو بوقت روانگی تبوک اپنا جانشین بنایا، پھر غدیر خم کے موقع پر خلافت کی دستار بندی بھی کر دی لوگوں سے علی کے مولا ہونے کا اقرار بھی لے لیا۔ حدیث ثقلین بیان کر کے انکے ساتھ امت کی نجات بھی وابستہ کر دی۔ مرتے وقت اس خلافت کے متعلق وصیت لکھنی بھی چاہی، مگر لوگوں نے اس ارادہ کو پورا نہ ہونے دیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس سے زیادہ اظہار رائے کا مؤثر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے، زبان سے کہہ دیا۔ تبوک میں جانشین بنا کر دکھا دیا۔ غدیر خم میں ولایت کا اقرار لے لیا مرتے وقت خلافت کی سند لکھ دینی چاہی، دنیا میں کسی امر کے تعین کے یہی طریقے ہوا کرتے ہیں اب کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات اور لکھ دیں۔ کہ جب آنحضرت امیر المومنین کو اپنا جانشین بنا کر تبوک کو جانے لگے تو امہات المومنین کو یہ تاکید فرمائی کہ اطاعتِ علی سے باہر نہ ہوں۔ یہ امہات المومنین کی خصوصیت بہت زیادہ قابلِ غور ہے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور کے گھر میں ہی کچھ ایسی ازواج تھیں جن سے مخالفت علی کا قوی اندیشہ تھا لہذا اس کے انسداد کی ضرورت پیش آئی۔ آپ بعلم نبوت جانتے تھے، کہ کچھ منافق مدینہ میں رک جائینگے اور کچھ راستہ سے واپس آ جائینگے، یہ

میری عدم موجودگی میں فتنہ برپا کرنا چاہینگے۔ ان کے اس ناپاک ارادہ میں قوت آجائے گی۔ اگر میری ازواج میں سے کسی نے
ان سے تعاون کرلیا۔ لھٰذا ضرورت تھی، کہ سب سے زیادہ تاکید ازواج کو فرمائیں، حضرت کا یہ اندیشہ بالکل صحیح تھا۔ اُس وقت تو یہ خطرہ
اِس لئے ٹل گیا کہ حضرت موجود تھے لیکن آپکے مرتے ہی جنگ جمل کا واقعہ پیش آگیا، اگر مفسد عناصر کو ام المومنین کا تعاون حاصل
نہ ہوتا تو ہرگز یہ جنگ واقع نہ ہوتی۔ طلحہ اور زبیر نے جو قوت حاصل کی وہ محض ام المومنین کے سہارے سے بس یہی خطرہ حضرت کو تبوک کے
وقت لاحق تھا، اور اسی لئے فاتح جمل کو مدینہ میں چھوڑا تھا اگر کوئی فتنہ برپا ہو، تو علی اس کا دلیری سے مقابلہ کرلیں۔ علی کے سوا
دوسرا کوئی اس بھروسہ کا آدمی حضرت کو نظر نہ آیا۔ یہ ہے جنگِ تبوک کی حقیقت ۔۔

صُلح حدیبیہ اور کتابتِ صُلح نامہ

وجہ تسمیہ :۔ اس صُلح کو اس لئے صلح حدیبیہ کہتے ہیں، کہ مکہ معظمہ سے ایک منزل پر ایک کنواں ہے۔ جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ یہ
صُلح اسی مقام پر مُسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان ہُوئی تھی۔ اس لئے اِس کو صُلح حدیبیہ کہتے ہیں۔

اسباب :۔ مہاجروں کو اپنے وطن مکہ معظمہ کی یاد ستا رہی تھی اور انصار بھی خانہ کعبہ کی زیارت کرنا چاہتے تھے اور حضرت رسُول خدا
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی فی الحال دشمنوں سے قدرے اطمینان ہو گیا تھا، اور کفار کی خاموشی بعد از جنگ خندق یا احزاب انکی کمزوری
کی غماضی کر رہی تھی۔ اِدھر پیغمبر اسلام نے خواب دیکھا، کہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ درآنحالیکہ سر تراشے ہوئے ہیں مسلمانوں کی تعداد
بھی اچھی خاصی بن گئی تھی، اور اب وہ دشمن کا منہ توڑ جواب دے سکتے تھے لہٰذا ذیقعد ۶؁ ہجری میں آنحضرت نے مکہ معظمہ کی زیارت کا
قصد فرمایا۔ چونکہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ان چار مہینوں میں سے ہیں، جن کا احترام کافر بھی کرتے ہیں لھٰذا مسلمان سمجھتے تھے کہ کافر خانہ کعبہ
کی زیارت سے منع نہیں کرینگے، اور اس کے بعد لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ شائد اس زیارت سے فریقین کے تعلقات خوشگوار
ہو جائیں اور اسلام جو مزید مقاصد لیکر آیا ہے، اس کو زمانہ امن میں خاطر خواہ پھیلنے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ پندرہ سو یا چودہ سو بروایت
مُسلمانوں کی جمعیت روانہ ہو گئی۔ جنکے ساتھ قربانی کے اونٹ تھے۔ اور احرام کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ تلواریں اور وہ بھی غلاف میں
جو عرب حالتِ سفر میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ یہ چیزیں صاف بتا رہی تھیں، کہ مُسلمانوں کا ارادہ سوائے زیارت کعبہ کے اور کچھ نہیں ہے
راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برابر قبائل کو زیارت کیلئے اپنے ساتھ چلنے کو کہتے رہے لیکن عربی فطرت اُن کا مذاق اڑا رہی
تھی اور کہتے تھے، کہ قریش نے مکہ سے جا کر مدینہ منورہ میں ان کے ساتھ جنگ کی، اور اب یہ لوگ اس قلیل تعداد میں اُنکے وطن میں داخل
ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے اور وہاں سے کوئی بھی زندہ واپس نہ ہوگا۔ یہ انکی سخت غلطی ہے لہٰذا کوئی بھی ساتھ
نہ ہوا قریش کو اس کی خبر مل گئی، اور انھوں نے دریافتِ حال کیلئے ادھر اُدھر آدمی لگا دیئے تمام قریش نے مل کر عہد کیا کہ جبتک اُن میں
سے کوئی ایک بھی زندہ ہے ان مُسلمانوں کو مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے معلوم ہونا چاہیئے، کہ اس زمانہ میں کافی لوگ مکہ معظمہ کے
اندر ایمان لا چکے تھے اور تقیہ کرتے ہوئے اپنے مذہب کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس حالت میں اُن کے لئے ایک مستقل مشکل کو پیدا کرنا
یا کفار کا ساتھ دیں تو قتل ہو جائیں یا مُسلمانوں کے ساتھ مل جائیں تو اپنے لئے خطرہ مول لیں، ان مُسلمانوں کی حالت کیلئے صلح سے
بہتر کوئی چیز نہ تھی سب سے پہلے بدیل ابنِ ورقہ آنحضرت سے آکر حدیبیہ میں ملا اور تشریف لانے کا مقصد دریافت کیا آپ نے فرمایا

میرا ارادہ صرف زیارت کعبہ ہے، انھوں نے اس بات کو پسند کیا۔ واپس پلٹ کر قریش سے حقیقت بیان کی انھوں نے انکو اسلام کا سازشی سمجھ کر ان کے کہنے پر اعتبار نہ کیا اور عروۃ بن مسعود ثقفی کو جو ان میں نہایت صاحب اعتبار تھا۔ حضرت کے پاس دریافت حال کے لئے روانہ کیا۔ یہ عروۃ وہی شخص ہے جس کے بارے میں قرآن کی آیت "وقالوا لولا انزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" اتری ہے۔ حضرت نے فرمایا: کہ میرا ارادہ صرف زیارتِ کعبہ ہے، قربانی کے اونٹ ذبح کر کے گوشت آپ لوگوں کیلئے چھوڑ دونگا۔ اور چلا جاؤنگا۔ انہوں نے اس تجویز کو نہایت پسند کیا، اور واپس چلا گیا۔ قریش نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل مکہ معظمہ ہو جائیں، اور عرب سن لیں، تو ہم انکی نظروں میں ذلیل ہو جائیں گے۔ اور وہ ہم پر جرأت پیدا کرینگے اس لئے ہم انکو داخل ہونے نہیں دینگے۔ پھر انہوں نے حفص ابن اخنف اور سہیل ابن عمرو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روانہ کر دیا کہ آپ کو واپس کر اسکے یا کچھ شرائط پر ان سے کوئی صلح کر سکے۔

آنحضرت نے حضرت عمر کو کفار قریش کے پاس اپنے ارادہ زیارت سے مطلع کرنے کے لئے روانہ کرنا چاہا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرا قبیلہ قریش میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اور میں بھی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں رکھتا ہوں لہٰذا مجھے معاف فرمایا جائے۔ اور حضرت عثمان کو بھیجا جائے۔ چونکہ حضرت عثمان قبیلہ بنی امیہ سے تھے اور قریش کا سردار اس وقت ابوسفیان اموی تھا۔ آنحضرت نے عثمان کو بھیجدیا۔ جب حضرت عثمان پہنچ گئے، تو قریش نے انکو قید کر لیا۔ اور مسلمانوں کے لشکر میں افواہ پھیل گئی، کہ عثمان قتل کر دیئے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں ان کا انتقام لئے بغیر واپس نہ جاؤنگا۔ چنانچہ ایک درخت کے نیچے اور درخت سے پیٹھ لگا کر مسلمانوں سے جنگ کے لئے بیعت لینی شروع کی۔ جس کے متعلق خدا فرماتا ہے: "لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ"۔ "بتحقیق خدا راضی ہوا ان مومنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اس لئے اس کو "بیعتِ رضوان" یا "بیعتِ شجرہ" کہتے ہیں۔ پھر خدا ان مومنوں (مومنین کی لفظ ملحوظ خاطر رہے) کی تعریف کر رہا ہے:۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ آج دنیا اسلام اسی بیعت رضوان یا شجرہ کو بعض کے لئے باعث فخر و عزت و فضیلت پیش کرتے ہیں اور اس پر نازاں رہتے ہیں کہ فلاں نے بیعت کی۔ اور ان سے خدا راضی ہوا۔ اور ان کی یہ بیعت خدا سے بیعت ہے۔ لیکن اگر اس بیعت کو دیکھا جائے۔ اور ان حضرات کے اعتراضات بر صلح و کردار رسول بلکہ شک در نبوت تو یہ ان کی منقصت ہوگی اور ان کے لئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہوگا کہ ان حضرات کو رسول کا کسقدر پاس تھا۔ اس لئے تو آخری وقت ان رجل لیھجر کہہ گئے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:۔ فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ بیعت تو ہو گئی۔ لیکن خبردار اس اقرار و عہد کو توڑو نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات اس بیعت کو توڑنے والے ہیں بلکہ نبوت میں شک کرنے والے ہیں۔ "ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجراً عظیما۔ البتہ جو خدا سے اقرار کر کے اس کے پابند ہوں گے، وہ اجر عظیم پائیں گے۔ بیعت یا اقرار کرنا آسان ہے البتہ اس کو پورا کرنا اور اس پر قائم رہنا کار دارد۔ جب اس واقعہ کی اطلاع قریش کو مل گئی تو انہوں نے حضرت عثمان کو رہا کر دیا۔ جب سہیل اور حفص حضرت کے پاس پہنچ گئے، تو عرض کیا اس سال آپ واپس چلے جائیں، تاکہ عرب ہم پر جرأت پیدا نہ کر سکیں اور ہمارے لئے باعث شرم نہ ہو اور لڑائی سے آپ کی اپنی قوم قریش ختم ہو جائیں گے یہ بھی آپ ہی کو نقصان ہوگا، کیونکہ وہ لات وعزیٰ پر قسم کھا چکے ہیں کہ جب

تک سب ختم نہ ہو جائیں۔ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ دوسرے سال آپ آجائیں۔ کعبہ کو آپ کے لئے خالی کردیا جائے گا۔ تاکہ آپ مناسک حج بجالائیں۔

کافی جدوجہد کے بعد صلح پر فریقین راضی ہو گئے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام صلح کے شرائط لکھنے کے لئے مامور کئے گئے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا۔ سہیل نے کہا کہ ہم رحمن و رحیم کو نہیں جانتے لکھئے باسمک اللھم آنحضرتؐ نے فرمایا یہ بھی خدا کا نام ہے اسی طرح لکھ دیجئے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے ایسا ہی لکھا۔ اس کے بعد ھذا ما اصطلح علیہ محمد رسول اللہ۔ سہیل نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ اگر ہم محمد کو خدا کا رسول مانتے تو یہ لڑائیاں کس لئے؟ بلکہ لکھئے کہ محمد ابن عبد اللہ حضرت امیرؑ تلوار کھینچ کر غصہ سے بھر گئے۔ کہنے لگے کہ میں آپ کے اس اعلیٰ منصب اور خطاب کا جو بارگاہ احدیت سے آپ کو ملا ہے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ سہیل مجھے اس کے لکھنے سے منع کرتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: یا علی! انکی اولاد آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کریگی۔ جبکہ آپ مجبور و حق پر ہونگے۔ رسول اللہ سے سہیل نے عرض کیا کہ محمد آپ کو اپنے باپ کے نام لکھنے سے عار کیوں آتا ہے۔ لکھ دیجئے محمد ابن عبد اللہ۔ حضرتؐ نے امیر المومنین سے فرمایا۔ کہ پھر ایسا ہی لکھ دیجئے۔ آپ نے عرض کیا میری کیا جرأت کہ میں لفظ رسول اللہ کو کاٹ سکوں۔ آنحضرت نے فرمایا لائیے میں خود کاٹ دیتا ہوں۔ چنانچہ لفظ کاٹ کر فرمانے لگے کہ اے قریش میں خدا کا رسول ہوں۔ اگرچہ تم تسلیم نہیں کرتے جس طرح قریش نے رحمن و رحیم پر اعتراض کیا حضرتؐ نے کاٹ دیا۔ اسی طرح رسول کے لفظ پر اعتراض کیا۔ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد صلحنامہ مرتب ہونے لگا۔

ھذا ما اصطلح بہ محمد ابن عبد اللہ والملاء من قریش و سہیل ابن عمرو اصطلحوا علی وضع الحرب بینھم عشر سنین علی ان یکف بعضنا عن بعض و ان من احب ان یدخل فی عھد محمد و عقدہ فعل ومن احب ان یدخل فی عھد قریش وعقدھا فعل وانہ من اتی محمدا بغیر اذن ولیہ ردہ الیہ وانہ من اتی قریشا من اصحاب محمد لم تردہ الیہ وان یکون الاسلام ظاھرا بمکۃ ولا یکرہ احدا علی دینہ ولا یوذی ولا یعیر وان محمدا یرجع عنھم عامہ ھذا واصحابہ ثم یدخل علینا فی العام القابل مکۃ فتقیم فیھا ثلاثۃ ایام ولا یدخل بسلاح الا سلاح المسافر السیوف فی القراب۔

(۱) ملخص یہ ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہوگی۔ (۲) جو قبیلہ مسلمانوں سے معاہدہ کرنا چاہے کر سکتا ہے اور جو قریش سے کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ (۳) قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں کے پاس آئے واپس کر دیا جائیگا اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش کے پاس جائے واپس نہ کیا جائے۔ (۴) مذہب کی آزادی ہوگی۔ مکہ میں کوئی مذہب کے معاملہ میں مجبور نہ کیا جائے گا۔ (۵) اس سال مسلمان واپس چلے جائیں۔ دوسرے سال آئیں۔ تین دن تک مکہ میں رہیں صرف تلوار غلاف میں ساتھ ہونی چاہیئے۔ کوتاہ بین نظروں میں یہ صلح دب کر کی گئی ہے اور اس کے شرائط نہایت سخت ہیں خصوصاً تیسری دفعہ تو ناقابل قبول ہے۔ چنانچہ مخالفت شروع ہو گئی مخالفین آنحضرتؐ پر اعتراض کرنے لگے۔ کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا: ضرور ہیں۔ کہنے لگے کیا آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم مکہ معظمہ میں داخل ہونگے۔ فرمایا: ضرور لیکن اس سال کے لئے تو نہیں کہا تھا۔ میں خدا کا رسول ہوں جو کچھ کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ ان لوگوں

ناراض ہو کر قریش پر حملہ کر دیا۔ بری طرح پسپا ہو گئے۔ قریش بڑھنے لگے۔ تو رسولؐ نے حضرت امیرؑ سے فرمایا کہ ان کو روکو حضرت تلوار سونت کر سامنے آ گئے۔ قریش نے پوچھا کیا آپ صلح سے منحرف ہو گئے۔ فرمانے لگے نہیں۔ اب مخالفین نے آکر معذرت چاہی، رسولؐ نے تمام وہ واقع گنوائے جن میں یہ بھاگ کر رسولؐ کو تنہا چھوڑ گئے تھے۔

صلح کے بعد چند قریش آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے کچھ غلام آپ کے پاس آئے واپس کر دیجئے آپ نے فرمایا، کہ وہ صلح سے پہلے آئے ہیں۔ اس لیئے ان پر صلح کی دفعہ ۳ حاوی نہیں ہو سکتی، وہ اصرار کرنے لگے۔ حضرت کو غصہ آیا، اور فرمانے لگے، کہ اگر مجھے مجبور کیا گیا تو تمہارے لئے بہت جلد ایسے شخص کو بھیجونگا۔ جن کے اطمینان قلب کا امتحان خدا کر چکا ہے، وہ تم کو ایسی تلواریں لگائیگا کہ تم ان کی تاب نہ لا سکو گے۔ سب کو آرزو ہوئی کہ کاش وہ شخص میں ہوں آنحضرتؐ سے پوچھنے لگے کہ وہ کون ہے۔ آنحضرت نے فرمایا: وہ جو میرے نعلین کو ٹانکیں لگا رہا ہے۔ دیکھا تو علی ابن ابی طالب تھے۔

صلح کے فوائد جن کو کورمین نہ سمجھ سکے۔ (۱) اس صلح سے ان مسلمانوں کی جان بچ گئی جو مکہ معظمہ میں بحالتِ تقیہ تھے اور اب انکو آزادیٔ مذہب مل گئی۔ (۲) مسلمانوں اور مشرکوں کی عداوت کم ہو گئی، ملک میں امن و امان ہو گیا۔ (۳) سب لوگ کاروبار کی طرف متوجہ ہو گئے، قافلوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ (۴) اسلام کو تبلیغ کیلئے کافی وقت ملنے لگا، اور عرب کے اندر ظاہراً تبلیغی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ (۵) کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان آمد و رفت بڑھ گئی، اور لوگ خود بخود مسلمان ہونے لگے۔ چنانچہ اس صلح کا نتیجہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ٹھیک بائیس مہینے کے بعد فتح مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ تو یہ چودہ سو کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ عرب کے اکثر لوگ اس زمانے میں اسلام لا چکے تھے۔ چونکہ اس صلح سے بغیر ایک قطرہ خون بہائے وہ عظیم فوائد حاصل کئے گئے، جو جنگ سے حاصل نہ ہوئے۔ اس لئے خدا اس کو فتح مبین سے یاد فرماتا ہے۔

فتح مکہ اور حضرت علی علیہ السلام کی بت شکنی

ابوسفیان نے مکہ جا کر جب یہ خبر سنائی، کہ محمدؐ ایسے لشکر جرار کے ساتھ آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ تو قریش کے مرد و زن سنکر ششدر رہ گئے۔ اسکی زوجہ ہندہ نے اسکی ڈاڑھی پکڑ کر فریاد شروع کر دی۔ مکہ میں کہرام مچ گیا۔ ابوسفیان نے کہا، جو چاہے کرو، اگر مسلمان نہ ہو گے، تو مارے جاؤ گے۔ قریش پر اس طرح خوف و ہراس طاری ہو گیا کہ کسی میں یہ جرأت نہ تھی، کہ مقابلہ کرتا۔ ادھر آنحضرت نے اعلان کر دیا تھا، کہ کسی پر کوئی حملہ نہ کیا جائے، نہایت امن و سکون اور نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ یہ فوج داخلِ مکہ ہو رہی تھی، اور سرورِ کائناتؐ لحن عربؐ میں سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے اور کبھی بالانِ شتر پہ سجدۂ شکر بجا لاتے تھے نعرہائے تکبیر سے مکہ کے در و دیوار لرز رہے تھے۔ اس شان و دبدبہ کے ساتھ داخلِ مسجد الحرام ہوئے، اطراف و جوانب کی بستیوں میں ہدایت و اصلاح کیلئے چند دستے ارسال فرما دیئے تھے۔ اور انھیں ہدایت تھی کہ قتل غارت نہ کیا جائے۔ ان میں سے ایک دستہ خالد بن ولید کے ساتھ موضع کو اکر روانہ کیا گیا تھا۔ چونکہ اس موضع میں خالد کے کچھ خاندانی دشمن مل گئے۔ اس لئے تلوار چلا دی، اور تیس کے قریب آدمی مارے گئے۔ یہ خبر آنحضرتؐ کو ملی، تو بیحد ناراض ہوئے اور مقتولین کا خون بہا حضرت علیؑ مرتضٰے کے ذریعے روانہ فرمایا۔ آپ نے خون بہا ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچا وہ بھی انہیں پر تقسیم کر دیا۔ جس سے وہ بہت خوش ہو گئے۔ اور آنحضرت نے بھی آپ کو آفرین کہا۔ ۲۰۔ رمضان المبارک

کو مکہ فتح ہوا، شہر میں داخل ہوئے، تو گیارہ مرد اور چھ عورتوں کا نام لیکر حکم دیا۔ کہ ان کا خون مباح ہے جن سے اہل اسلام کو سخت تکالیف پہنچی تھیں۔ جن میں سے بعض کی سفارش کی گئی، اور انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اور بعض کو تہ تیغ کیا گیا۔

حضرت علی کی بت شکنی بیت اللہ میں:۔ مکہ معظمہ میں داخل ہو کر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا، اسکے بعد جس طرف سے گذرتے "(جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا) (حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا، اور وہ تھا ہی نیست و نابود ہونیوالا) کی تلاوت کرکے جس بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے وہ بت گر جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مشرکین کے ۳۶۰ بتوں کا صفایا ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اساف نامی ایک بت کوہِ صفا پر اور نائلہ نامی ایک بت کوہِ مروا پر نصب تھا، کہا جاتا ہے کہ اساف اور نائلہ قوم جرہم کے دو زناکار زن و مرد تھے۔ خدا نے انھیں سزا دی کہ پتھر بنا دیا۔ قریش نے اپنی جہالت سے انھیں بھی کوہِ صفا اور مروا پر خدا سمجھ کر نصب کر دیا۔ جب انھیں توڑا گیا، تو ایک میں سے ایک سیاہ فام عورت خون سے بھری ہوئی نکلی، اُسے دیکھ کر آنحضرت صلعم نے فرمایا: کہ یہی نائلہ ہے۔

الغرض کچھ بڑے بڑے بت بلندی پر نصب تھے۔ جہاں ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا، ان میں سب سے بڑا ہُبل تھا۔ جسے میدانِ اُحد میں بھی یاد کیا جا رہا تھا۔ حضرت علیؑ نے سرورِ کائنات سے عرض کی، کہ آپ میرے کاندھوں پر سوار ہو کر انہیں توڑ ڈالیں۔ فرمایا اے علیؑ تم بارِ نبوت نہ اٹھا سکو گے۔ ہاں تم میرے کاندھوں پر سوار ہو کر بت توڑ ڈالو۔ بمقتضائے "الامر فوق الادب" علی مرتضیٰ نے دوشِ نبی پر قدم رکھے۔ اور ان بتوں کو اکھاڑ پھینکا۔ علی مرتضیٰ بتوں کو گرا رہے تھے۔ اور سرورِ عالم ان سے یہ سوال کر رہے تھے، کیوں علیؑ اس وقت اپنے آپ کو کس طرح پاتے ہو۔ عرض کیا، اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ پردے سامنے سے ہٹا دیے گئے ہیں اور میرا سر ساقِ عرش سے ٹکرا رہا ہے۔ اور میں اپنا ہاتھ جس طرف بڑھا دوں۔ وہ میرے ہاتھ میں آ جائے۔ آپ نے فرمایا: اے علیؑ تم کس قدر خوش نصیب ہو، کہ کارِ حق کر رہے ہو، اور میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ بارِ حق اٹھا رہا ہوں۔ بتوں کو پارہ پارہ کرنے کے بعد جب علیؑ مرتضیٰ تیزی کیساتھ دوشِ نبی سے اترے، تو مسکرا رہے تھے۔ فرمایا: کیوں علیؑ کیوں مسکرا رہے ہو۔ عرض کیا: اسلئے کہ اسقدر بلند مقام سے اترا ہوں اور چوٹ نہیں آئی۔ فرمایا: تمھیں کیونکر چوٹ آ سکتی تھی؟ جبکہ اٹھانیوالا محمدؐ تھا اور اتارنے والا جبرئیل امین۔

اس کے بعد کلیدِ خانہ کعبہ طلب فرمائی۔ دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوئے۔ اور دیر تک دعا و تضرع و زاری میں مصروف رہے پھر پانی طلب فرمایا، اور انبیاء و ملائکہ کی جو تصویریں دیواروں پر بنی ہوئی تھیں۔ انھیں صاف کرایا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کی تصویریں جو قمار کے تیروں کے ساتھ بنی ہوئی تھیں۔ خود محو فرمائیں، اور فرمایا: کہ انبیاء و مرسلین قمار بازی نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر باآواز بلند فرمایا: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ المرجندہ۔ بیت اللہ سے برآمد ہوئے۔ تو دیکھا راستہ میں کانٹے بچھانے والے سب و شتم کرنے والے شاعر و مجنون کہنے والے گلے میں رسی ڈالکر کھینچنے والے پتھروں سے آپ کا بدن لہولہان کرنیوالے اعیانِ قریش اور بزرگانِ قوم سر جھکائے کھڑے ہیں۔ دیکھ کر فرمایا: بولو! تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ جواب دیا: ہم خیر کہتے ہیں اور خیر ہی کی امید رکھتے ہیں۔ آپ ہمارے کریم بھائی اور کریم بھتیجے ہیں خدا نے آپ کو سب قدرت بخشی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے کہا تھا: لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اذھبوا فانتم الطلقاء۔ (جاؤ تمہیں معاف کیا)۔

فتح مکہ کے بہترین نتائج:- اس کے بعد آپ نے ایک یادگار خطبہ بیان فرمایا۔ جس میں بالخصوص قریش کی مذہبی و اخلاقی کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی۔ جاہلیت کے رسوم و عادات کی اصلاح، قصاص و دیت کے احکام فخر و مباہات کے سقم بیان کر کے اعلان فرمایا:- یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیھم خبیرہ۔ (اے انسانوں ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری شاخیں اور قبیلہ اس لئے بنائے ہیں کہ تمہاری پہچان ہو سکے۔ یقیناً خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اس کے بعد اُم ہانی بنت ابی طالب خواہر امیر المومنین علی مرتضیٰ کے گھر میں تشریف لے گئے غسل کر کے نماز ادا فرمائی۔ پھر شعب ابی طالب اور خیف بنی کنانہ کو بغور ملاحظہ فرما کر دورِ ماضی کو یاد فرمایا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ بلال کو اذان کا حکم دیا۔ بلال نے سقفِ خانہ کعبہ پر جا کر اذان دی۔ پھر نماز جماعت ادا فرمائی۔ قریش کے بعض اوباشوں نے اذان کا مذاق اُڑایا جس کی خبر نام بنام بذریعۂ وحی آنحضرتؐ کو پہنچ گئی۔ آپ نے اُن سب کو بلا کر جس جس نے جو کچھ کہا تھا، بیان فرما دیا۔ جس سے وہ انکار نہ کر سکے، یہ دیکھ کر کئی آدمی مسلمان ہو گئے اور کئی شرمندہ اور پشیمان ہو کر اُٹھے، ایک شخص نے کہا، کہ اگر ہم کوئی بات کریں گے، تو یہ سنگریزے بھی رسولؐ کو خبر دیدینگے۔

اس کے بعد آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ اور کعبہ کی طرف رُخ کر کے دُعا کی، اور اسی جگہ بیٹھ گئے ہزاروں مرد و زن صف بصف کھڑے تھے، ایک ایک مرد آتا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا تھا۔ اسکے بعد ایک ایک عورت آتی اور بیعت کرتی رہی۔ عورتوں کی بیعت صرف زبان سے تھی جو آدمی آپ سے خوفزدہ نظر آتا۔ اُس سے فرماتے تھے۔ کہ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کا دودھ پی کر پلا ہوں۔ جو سورج سے گوشت بھون کر کھاتے تھے۔ اس طاقت اور قدرت کے باوجود آپ کے اخلاق نے آپ کے قدیمی دشمنوں کو بھی مسخر کر لیا۔ اور نہ صرف شہر مکہ بلکہ اُس علاقہ پر مسلمانوں کا پورا پورا تصرف و تسلط ہو گیا۔ دوسرے دن پھر ایک فصیح خطبہ میں احترام مکّہ کے احکام بیان فرمائے۔ فتح مکّہ کے بعد قریش کی طاقت ٹوٹ گئی عرب میں لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ سارے ملک میں امن قائم ہو گیا۔ لوگوں کو غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ مختلف ملکوں اور قوموں کے وفود مدینہ پہنچ کر تحقیق احوال کرنے اور اسلام قبول کرنے لگے۔ اسلام کے مبلغ اور معلم ہر طرف روانہ ہونے لگے جس میں یمن، حضرموت، بحرین، عمان، حدودِ ایران، حدودِ شام و روم وغیرہ شامل ہیں۔ امن قائم ہونے کے بعد تقریباً دو سال کے اندر عرب کا بیشتر حصہ مسلمان ہو گیا، اور شہر شہر، بستی بستی میں نعرہائے اللہ اکبر کی صدائیں گونجنے لگیں۔

تبلیغ سورۂ برائت:- ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔ مگر ابھی تک مکہ اور اس کے اطراف میں کم و بیش کفار و مشرکین موجود تھے۔ اُن سے عہد لیا گیا تھا، کہ وہ قتل و غارت یا فتنہ و فساد برپا نہ کرینگے۔ اور معین مدت تک مذہب کے متعلق غور و فکر کر کے جلد مذہب حق قبول کر لیں گے مسلمانوں کی طرف سے اُن کو مہلت دی گئی تھی، کہ وہ جہاں چاہیں آ جا سکتے ہیں ان پر عرصہ حیات تنگ نہیں کیا جائیگا۔ اور جب چاہیں خانہ کعبہ کا طواف کریں یا حج میں شامل ہوں مختلف قبیلوں کو معاہدہ کے طور پر مختلف مدتیں دیدی گئی تھیں۔ اور بعض سے کوئی مدت مقرر نہ تھی، چنانچہ مشرکین برابر طواف کرتے اور حج میں شامل ہوا کرتے تھے۔
مشرکین نے ان معاہدوں کی پرواہ نہ کر کے پھر شرارت شروع کر دی۔ مسلمانوں کی مہلت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے اور

اپنے رسم کے مطابق طوافِ کعبہ کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ کچھ عورتیں برہنہ طواف کرتے ہوئے بھی پائی گئیں۔ اور جب موقع مِل جاتا، تو مسلمانوں پر ہاتھ صاف کر دیتے، اور قسم ہا قسم کے نقصان پہنچاتے تھے۔ اِس لئے ۹ھ میں خداوندِ عالم نے سورۃ برأت نازل فرمایا جس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے یعنی رحمت سے نہیں بلکہ برأت سے ہے (یعنی بیزاری ہے) اور سورۃ رحمت کی بجائے غضب سے شروع ہوتا ہے، اِس میں اعلان کیا گیا ہے کہ جب تم کسی عہد پر قائم نہیں ہو تو مسلمان بھی کسی عہد کے پابند نہیں ہیں، بلکہ عہد توڑنے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اب اسکے بعد کسی مشرک کو حرم میں داخل ہونے یا برہنہ طواف کرنیکا حق نہ ہو گا۔ البتہ چار ماہ تک یعنی دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک مہلت دی جاتی ہے۔ اگر اس مہلت میں وہ دینِ حق قبول کر لیں تو بہتر ہے، ورنہ اسکے بعد وہ جہاں بھی ملیں گے قتل کئے جائینگے۔ چاہے حِل میں ہوں چاہے حرم میں۔

مقصد یہ تھا، کہ اس برأت کا عین حج کے موسم میں ان اہم مقامات پر اعلان کر دیا جائے جہاں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسان جمع ہوتے ہیں، جیسے عرفات مشعرِ حرام، جمرات منیٰ وغیرہ۔ تاکہ یہ خبر بیک وقت تمام دُنیائے عرب میں مشتہر ہو جائے۔

جب یہ سورۃ نازل ہوا تو سرورِ کائنات نے حضرت ابو بکر کے حوالے کیا، کہ وہ مکہ معظمہ جا کر خاص خاص مقامات اور عام اجتماعات میں اعلان کر دیں، وہ اسے لیکر روانہ بھی ہو گئے، ابھی وہ راہ میں تھے کہ خداوندِ عالم کا یہ فرمان بذریعہ وحی پہنچا کہ اے رسُولؐ لا الاّ انت او رجلٌ منک (اس سورۃ کو اور کوئی نہیں پہنچا سکتا بس یا تم پہنچاؤ یا وُہ مردِ خدا جو تمہارا جزو ہو) یہ حکم سُنکر حضرت علی مرتضیٰ کو بلایا۔ اور حکم دیا میرے ناقہ قصویٰ پر سوار ہو جاؤ، اور ابو بکر کو واپس بھیجدو۔ تم ان سے یہ سورۃ لیکر مکہ کے ہر عظیم مرکز پر اعلان کر دو۔ علی مرتضےٰ علیہ السلام سمعاً و طاعۃً کہہ کر روانہ ہو گئے، اور اس قدر تیزی سے راہ طے کی کہ ذوالحلیفہ میں حضرت ابو بکر سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت علی مرتضےٰ کو یکایک آتے دیکھ کر گھبرا گئے اور پوچھنے لگے، ھل نزل فیّ شیٔ (کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ فرمایا: نہیں بلکہ یہ حکم آیا ہے، کہ اس سورۃ کو رسول پہنچائے، یا وہ مرد جو اُنکا جزو ہو۔ اب یہ فریضہ میرے سپرد ہوا ہے۔ حضرت ابو بکر نے یہ سورۃ برأت آپ کے حوالے کر دیا۔ اور مدینہ واپس آ کر پھر آنحضرتؐ سے یہی دریافت کیا، کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی تھی۔ آپ نے سارا ماجرا مفصل بیان کر دیا۔

بہر حال حضرت علی مرتضےٰ سورۃ برأت لیکر بروقت مکہ پہنچ گئے۔ اور ۹ ذوالحجہ کو عرفات میں رات کو مشعرِ حرام میں دس کو جمرہ پر اور مقامِ نحر یعنی منیٰ میں سورۃ برأت پڑھ کر سُناتے رہے۔ اور آوازِ بلند یہ اعلان کرتے رہے کہ آئندہ مسلمانوں کے سوا حرم میں داخل ہونے کا کسی کو حق نہیں ہے برہنہ طواف کی اجازت نہیں ہے جن قبیلوں سے معاہدے ہیں، انھیں اس مدت تک اور باقی کو چار ماہ تک مہلت ہے، اسکے بعد انہیں بالکل مہلت نہیں دی جائیگی۔ یہ اعلان سنکر عمرو بن عبدود کا بھائی جھنجھلا کر بولا، تم ہو ہم کو چار ماہ کی مہلت دینے والے۔ ہم تم سے اور تمہارے چچازاد بھائی سے بیزار ہیں۔ تمہارا علاج نیزہ ہے یا تلوار اور وہ ہمارے پاس موجود ہے، کہو تو ابھی علاج کر دیں۔ فرمایا: اگر جرأت ہو تو آ جاؤ۔ اور پھر ہماری تلوار کے جوہر دیکھ لو۔ یہ سُنکر وہ خاموش ہو گیا۔ چونکہ یہ کام نہایت اہم بھی تھا اور خطرناک بھی اس لئے آنحضرت اور آپ کے اصحاب کو حضرت علی کے بخیریت واپس آنے کا بے حد انتظار تھا۔ جب آپ کی واپسی میں دیر ہوئی تو آپ بہت غمگین ہوئے۔ اتفاق سے حضرت ابو ذر غفاری بیرونِ مدینہ گذر رہے تھے کہ دُور سے حضرت علی مرتضےٰ کو آتا دیکھ لیا۔ تو دوڑ کر لپٹ گئے۔ بوسے لئے اور عرض کی پیغمبرِ اسلام کو آپ کا بیحد انتظار ہے

آپ ذرا آہستہ چلیں کہ میں پہلے انھیں خوشخبری سنا دوں۔ خبر سننا تھا کہ آنحضرتؐ خوش دولت سرائے سے باہر نکل آئے اور استقبال کیلئے روانہ ہو گئے۔ سرورِ کائنات کو آتا دیکھ کر علی مرتضےٰ سواری سے اُتر پڑے۔ رسولِ خدا نے گلے سے لگایا۔ ہدیہ مبارک پیش کیا۔ اور اس عزت و احترام سے اپنے ساتھ لائے، جیسے کسی فاتح کا احترام کیا جاتا ہے۔

غزوۂ حنین اور شجاعتِ حضرت علیؑ

۸ھ میں فتح مکہ نے نہ صرف صلح حدیبیہ کے اس بدنما داغ کو دھو ڈالا جس کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے دل میں رسالت کی طرف سے شک پیدا ہو گیا تھا، اور احساس ندامت ہونے پر بقول الفاروق کے مصنف مولانا شبلی کے انھوں نے اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے نفلیں پڑھیں خیرات دی، بلکہ مکہ کے دروازے مسلمانوں کیلئے ہمیشہ کے لئے کھل گئے اور اسلام کی ایسی دھاک بیٹھی کہ مشرکین مکہ اور بعض قبائل جو اب تک مخالفت پر کمربستہ تھے، یا تو قرآن کی اس پیش گوئی: اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کے مطابق جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے، یا پھر صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے لیکن ہوازن و ثقیف کے قبیلوں کو اسلام دشمنی جن کا ہمیشہ سے شعار رہا تھا اور جو شروع ہی سے اسلام کی روز افزوں ترقی کو رقابت و حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مکہ پر مسلمانوں کا تسلط اور حرم کعبہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تصرف آنا بیحد شاق تھا، اور دراصل انہیں اسلامی حملے کا اس وقت سے اندیشہ لاحق ہو گیا تھا جبکہ لشکر اسلام نے مکہ کا رخ کیا، اور اُسوقت سے وہ مسلمانوں سے ٹکر لینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ان قبائل نے بنی نضیر، بنی خشعم اور بنی سعد اور بنی ہلال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ بنی سعد وہ قبیلہ تھا جس میں حضرت ختمی مرتبت کا زمانہ طفولیت گذرا تھا۔ اور جس سے آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ تعلق رکھتی تھیں۔ بنی ثقیف طائف کے رہنے والے تھے۔ جہاں سے آپ کو پتھروں سے مار کر نکالا گیا تھا۔

مشرکین کے اس ملے جلے لشکر کا سردار مالک بن عوف نضیری تھا۔ جو فنونِ سپاہ گری میں حد درجہ ماہر اور شجاعت میں یکتا تھا۔ بنی ثقیف کا سردار قارب بن الاسود یا بروایتے کنانہ بن عبد التماعیل تھا۔ علم لشکر ابو جرول کے ہاتھ میں تھا۔ یہ لشکر جو چار ہزار یا بقولے بیس ہزار کی جمعیت پر مشتمل تھا۔ اپنے بچوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں سمیت جنھیں بنی خشعم کے ایک سو ساٹھ سالہ جہاندیدہ اور تجربہ کار پیشر لشکر درید بن الصمہ کے منع کرنے کے باوجود اسلئے ساتھ لیا گیا تھا کہ ان کی موجودگی میں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ لڑ سکیں اور بھاگنے کا خیال پیدا نہ ہو پیش قدمی کر کے حنین اور اوطاس کے مقامات پر آ کر رکا۔ فوجی کارروائیوں کیلئے ان مقامات کا انتخاب جو مکے اور طائف کے درمیان واقع ہیں، اس لئے کیا گیا، کہ مالک اسلامی فوج کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنے کے بجائے چھپ کر دفعتاً حملہ آور ہونا چاہتا تھا، تاکہ گھیرے میں لیکر مسلمانوں کا با آسانی اور کامیابی کے ساتھ خاتمہ کیا جا سکے۔ اور یہ غرض ان مقامات کے محل وقوع بالخصوص حنین کی وادی کے دشوار گذار اور پیچدار راستوں اور عمیق گھاٹیوں کو دیکھتے ہوئے جو مکہ اور حنین کے درمیان مغرب کی طرف پھیلے ہوئے ہزار میل لمبے سلسلہ کوہ کا ایک حصہ ہے بدرجہ کمال پوری ہو سکتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ مشرکین کا لشکر اوطاس تک چڑھ آیا ہے اور آمادہ پیکار ہے تو آپ نے عبداللہ بن ابی عذر کو دریافت حال کے لئے بھیجا اور خود مسلمانوں کی بارہ ہزار یا سولہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ جو ابھی

مکہ کے دو ہزار تازہ ہدایت یافتگان اور مؤلفۃ القلوب بھی شامل تھے۔ مقابلے کے لئے تیار ہو گئے علامہ ابن حسن جارچوی اپنی
تذکرہ محمد و آل محمد میں لکھتے ہیں کہ ۶ شوال ۸ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دلدل پر سوار ہو کر مکے سے نکلے وادی
حنین میں دشمن پہلے ہی سے پہاڑ کے دروں میں چھپے بیٹھے تھے لشکر اسلام جیسے وہاں پہنچا تو ایک تو راستہ کی تنگی کی وجہ سے
مسلمانوں کو متفرق ہو کر آگے بڑھنا پڑا۔ دوسرے کثرت تعداد کے خیال نے انہیں امکانی خطرات سے بے پرواہ کر دیا۔ انہیں اپنی فوج
قوت پر اتنا بھروسہ تھا، کہ شکست کا گمان تک نہ تھا۔ علامہ موصوف بحوالہ تاریخ الخمیس لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا: آج
لشکر کی کمی کی وجہ سے شکست نہ پا سکیں گے۔ مشرکین نے جو پہلے سے گھات میں بیٹھے ہوئے تھے موقع پا کر لشکرِ اسلام پر
یکبارگی حملہ کر دیا۔ اور تیروں کی ایسی بارش شروع کی کہ مسلمانوں کیلئے قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ بالآخر مشرکین کے پے در پے حملوں
نے انھیں اسقدر بدحواس کیا، کہ مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ سید اولاد حیدر بلگرامی معراج المبین
میں بسند روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۳۶ تاریخ الانبیاء جلد دوم میں ص ۳۸۸ اور علامہ ابن حسن جارچوی تذکرہ محمد و آلِ محمد میں بحوالہ
حبیب السیر اور روضۃ الاحباب نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلا رسالہ جو لشکرِ اسلام سے جدا ہوا۔ خالد بن ولید کا تھا۔ اسکے بعد بنی سلیم
انکے بعد تازہ مسلمانوں نے گھر قریب ہونے کی وجہ سے شہر کا راستہ لیا۔ آخر نوبت اینجا رسید کہ تمام اہل اسلام مہاجر و انصار بہ
استثنائے چند راسخ الایمان مسلمانوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دشمنوں کے نرغے میں تنہا چھوڑ کر چل دیے
مولانا شبلی الفاروق حصہ اوّل میں لکھتے ہیں:۔ "حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملے میں ہوازن کو
بھگا دیا لیکن جب مالِ غنیمت کو لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اسقدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑ گئی
اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس منظر کا نقشہ مورخ ابو الفدا نے ان الفاظ میں کھینچا
ہے۔ جب دونوں جانب فوجیں باہم ملاقی اور مصروفِ جنگ ہوئیں تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ایسے بدحواس ہو کر
بھاگے۔ کہ کوئی کسی کی طرف ملتفت نہ ہوتا تھا۔" صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ابو قتادہ سے مروی ہے کہ بروز حنین مسلمان بے
ہو کر بھاگے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ مفرورین میں حضرت عمر بن الخطاب بھی ہیں میں نے ان سے عرض
کیا کہ کیا حال ہے ہم مسلمانوں کا کہ بھاگ کھڑے ہوئے، انھوں نے فرمایا: کہ خدا کی مشیت، بعد ازاں ہم سب رسولِ پاکؐ کے
پاس واپس آئے۔" اس حدیث کو علامہ ابن حسن جارچوی نے بھی تذکرہ محمد و آلِ محمد میں نقل کیا ہے۔

میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کا عجب حال تھا۔ جانِ عزیز کو بچانیکی کوشش میں انھیں اللہ کے رسولؐ کا مطلق کوئی خیال
نہ رہا تھا، ادھر نبی کریمؐ انھیں آوازیں دے رہے تھے، ادھر مشرکین و منافقین لشکرِ اسلام کی اس شرمناک ہزیمت پر شاداں نظر آ رہے تھے
بقول مصنف تذکرہ محمد و آل محمدؐ صفوان بن امیہ کا بھائی کلدہ کہہ رہا تھا: "اب محمدؐ کا جادو جاتا رہا۔" تاریخ ابو الفدا میں مذکور ہے
کہ جب مسلمانوں نے فرار اختیار کیا، تو اہلِ مکہ کے دلوں میں جو کینہ اور حسد مخفی تھا ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھاگتے دیکھ کر ابوسفیان
کہنے لگے، کہ لوگ جب تک سمندر کے کنارے نہ پہنچ جائیں تم نہ رکینگے۔ مورخ ابن الوردی کا قول ہے کہ جب بروز حنین صحابہ نے
راہ فرار اختیار کی تو رسولِ مقبولؐ نے حضرت عباس سے فرمایا، کہ ان کو پکارو۔ عباس بولے کہ یا رسول اللہ میری آواز ان کے کانوں
تک کیونکر پہنچے گی۔ آنحضرت نے فرمایا، کہ ندا کرنا تمہارا کام ہے اور اس ندا کو مفرورین کے کانوں تک پہنچا دینا خدا کا کام۔

برہان الدین حلبی شافعی نے سیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے کہ "اس وقت ابوسفیان بن الحارث پیغمبر صاحب کی رکاب تھامے ہوئے تھے اور آنحضرت لوگوں کو گریز کرتے ہوئے دیکھ کر فرما رہے تھے کہ تم کہاں بھاگے جاتے ہو، مگر وہ کسی طرح التفات نہ کرتے تھے آپ نے حضرت عباس سے فرمایا: کہ ان کو آواز دو، کہ اے گروہ انصار! اے اصحاب سمرہ یعنی زیر درخت سمرہ بیعت رضوان میں شامل ہونے والو (کہاں بھاگے جا رہے ہو)"۔ بیعت رضوان اس بیعت کو کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن رسول اللہ نے مسلمانوں سے لی۔ اس کی ضرورت بقول مصنف مرقع الاسلام در حالاتِ خیر الانام، اس لئے پڑی کہ جن لوگوں کی رائے صلح کے خلاف تھی۔ اور شکوک پیدا ہو گئے تھے، وہ نادم ہوئے اور حضرت سے معذرتیں کی گئیں۔ اور آئندہ کے واسطے مستحکم وعدے اتباع کے کئے۔ تو حضرت نے پھر ایک درخت کے نیچے سب سے دوبارہ بیعت لی، کہ اب کبھی حضرت کے کاموں میں انکار یا شبہ نہ کریں گے اور فرمانِ حضرت کی مخالفت نہ کریں گے"۔ اس بیعت پر جہاں مومنین سے خوشنودی خدا کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا: لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔ وہاں سب مسلمانوں کو اس فرمانِ الٰہی سے بھی متنبہ کر دیا گیا:۔ فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجراً عظیماً۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بعض کا قول ہے کہ قبل صلح حدیبیہ جو حضرت نے بیعت لی تھی اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں جس میں عثمان کے ہاتھ کی جگہ اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھا تھا۔ مگر یہ صحیح نہیں"۔ سید اولاد حیدر بلگرامی نے سراج المبین میں مفرورین کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ "آنحضرت نے جیسا کہ محقق دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ذیل کے لفظوں میں ان کو خود پکارا: الی این عباد اللہ ایھا الناس ان النبی لا کذب انا عبد المطلب یا انصار اللہ یا انصار رسول اللہ۔ "یہ کیا؟ اے خدا کے بندو! یہ کیا ہے! اے لوگو! تمہارا نبی جھوٹا نہیں ہے۔ میں وہی محمد بن عبد المطلب ہوں اے خدا و رسول کی نصرت کرنے والو!۔ اس پر بھی وہ ضعیف الایمان ایسے ہی تھے کہ فوج اسلام سے بھاگے جاتے تھے۔ حضرت پکارتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی منہ پھیر کر آواز دینے والے کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ آنحضرت نے پھر حضرت عباس سے بخیال اس کے کہ ان کی آواز بڑی ہے، کہا کہ ان کو اصحاب السمرہ کہہ کر پکارو۔ بہر حال حضرت عباس کے پکارنے سے کچھ ان کو حمیت اور ندامت ایسی ہو گئی، کہ وہ کسی نہ کسی طرح آنحضرت کی طرف لوٹے"۔

حنین کے معرکے میں معدودے چند ایسے تھے۔ جنھوں نے پامردی ثابت قدمی اور استقامت کا ثبوت دیا بعضوں کے قول کے مطابق بارہ ہزار کے لشکر میں سے صرف چار سو آدمی آنحضرت صلعم کے پاس رہ گئے تھے باقی میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ دس آدمی رسول کے ساتھ رہ گئے تھے۔ علامہ حلبی سیرۃ حلبیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب بروز حنین لوگوں نے رسول اللہ کے پاس سے فرار کیا آنحضرت کے ساتھ صرف چار شخص باقی رہ گئے تھے تین بنی ہاشم یعنی علی ابن ابیطالب، عباس اور ابوسفیان بن الحارث اور ایک غیر بنی ہاشم عبداللہ ابن مسعود۔ یہی روایت تاریخ الخمیس کے حوالہ سے علامہ ابن حسن جارچوی نے تذکرہ محمدؐ و آل محمدؐ میں قلمبند کی ہے کنز العمال میں مذکور ہے کہ ابن عساکر نے حسین بن علی سے روایت کی ہے، کہ بروز حنین جو لوگ رسول اللہ کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں سے عباس اور علی بن ابی طالب اور ابوسفیان بن الحارث اور عقیل بن ابی طالب اور عبداللہ بن زبیر اور زبیر بن العوام اور اسامہ بن زید ہیں"۔ اولاد حیدر بلگرامی سراج المبین میں لکھتے ہیں تھوڑی ہی

دیر میں حنین کا میدان مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ رسولؐ کے ہمراہ چار بروایتے دس وفادار اور پکے اگر وہ چار ہی آدمی تھے تو وہ یہ تھے، حضرت عباس بن عبد المطلب، عبد اللہ ابن مسعود۔ ابوسفیان ابن الحارث ابن عبد المطلب اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور اگر دس آدمیوں والی پر وثوق کیا جائے، تو وہ بزرگوار یہ تھے، حضرت ابن عباس ابن عبد المطلب، عبد اللہ بن مسعود، حارث بن ربیعہ ابن ابوسفیان ابن عبد المطلب، قثم ابن عباس، فضل ابن عباس، اسامہ ابن زید عقیل ابن ابی طالب اور علی ابن ابی طالب اور ابوسفیان ابن الحارث ابن عبد المطلب۔ اس قلیل جماعت میں سوائے بنی ہاشم کے کسی قوم یا کسی قبیلہ یا کسی خاندان کے دوسرے لوگ نہیں پائے جاتے، اور سوائے عبد اللہ ابن مسعود اور اسامہ ابن زید ان میں بھی اسامہ ابن زید کو خاندانِ رسالت کیساتھ جو شرف حاصل تھا وہ قریب قریب یگانگت کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا میں حضرت علیؑ کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "در غزوۂ حنین چوں ہزیمت بر مسلمین رو داد وے (علی رضی اللہ عنہ) از جماعت ثابتان بود"۔ جب بروز حنین مسلمان پسپا ہو کر بھاگے، تو حضرت علی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے، بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو معرکہ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ اس موقع پر حضرت علی کی سرفروشی اور جانفشانی کا صحیح اندازہ اولاد حیدر بلگرامی کے ان الفاظ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ "ایسے تنگ قیامت خیز اور مصیبت انگیز موقع میں باوجود اسکے کہ تمام اہل شہر منتشر ہو گئے مشرکین کی فوج بادل کی طرح پہاڑوں سے اُمنڈ آئی اور تیروں کا مینہ برسانے لگی، مگر جناب علی مرتضےٰ کے استقلال، ثابت قدمی اور ہمت میں ذرا فرق نہ آیا۔ آپ رسول اللہ کی حمایت اور رفاقت کے خیالوں میں اس طرح مستقل اور ثابت قدم رہے جس طرح اور معرکوں میں رسول اللہ کے آگے آگے مشرکین کی کثیر جماعت میں ان کے ہتھیاروں کو اپنے سینہ پر روکتے اور ان پر حملہ کرتے جاتے تھے اور رسول اللہ کے سامنے سے ان کو ہٹاتے جاتے تھے اس وقت ان خالص الایمان مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت نے آنحضرت کی خدمتوں کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا حضرت عباس آپ کے داہنے بازو پر تھے، عبد اللہ ابن مسعود بائیں طرف، ابوسفیان ابن الحارث ابن عبد المطلب دُلدُل کی لگام پکڑے تھے اور جناب علی مرتضےٰ مشرکین کے حملے سے آنحضرتؐ کو بچانے کے لئے آگے آگے جاتے تھے جناب علی مرتضیٰ ہی ایک ایسے تھے جو میدان کارزار میں شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہوتے اور اس نورِ خدا کو مشرکین کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کیلئے دشمنوں کی صفوں کو چیرتے درہم برہم کرتے نظر آتے تھے، خدا کا یہ خیر جو رسول اللہ کی جان بچانے کیلئے شبِ ہجرت اپنی جان پر کھیل کر بستر رسولؐ پر سویا تھا۔ جو بدر و اُحد میں نصرت دین اور حمایت رسولؐ میں سر دھڑ کی بازی لگا کر اسلام کو سربلند کر چکا تھا، جس نے خندق و خیبر کے معرکوں میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا کر دین کی عظمت کو چار چاند لگائے تھے، جس نے مکہ کے مشرکوں کو کاری ضربوں سے نیست و نابود اور حرم کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا تھا، آج بھی حنین کے میدان میں خدا کے دین کی حمایت اور اس کے رسولؐ کی نصرت میں سرفروشانہ شان کے ساتھ دشمنوں کے شر کو دور کرنے اور ذوالفقار کی ضربیں لگانے میں سرگرم عمل تھا۔ غزوۂ حنین کا ہیرو ہر اعتبار سے علی کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا در حقیقت اس لڑائی میں فتح کا سہرا انھیں کے سر ہے۔

حضرت عباس کے پکارنے پر جب بعض مسلمان لوٹ کر میدانِ جنگ میں آئے تو مارے ندامت کے رسول اللہ کو منہ نہ دکھا سکے اور علی مرتضیٰ کے جھنڈے تلے آکر جمع ہونے لگے۔ عین اس وقت ابو جرول جو شجاعانِ عرب کا سرخیل تھا۔ دشمن کی صفوں سے نکل کر فوج اسلام سے مبارز طلب ہوا، اس کے مقابلے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، مگر جناب علی مرتضےٰ نے میدان میں آکر تلوار کے ایک تُلے ہوئے ہاتھ کے ساتھ اس کا

کام تمام کر دیا۔ ابو جرول کا یہ حشر دیکھ کر مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر اس طرح بھاگے جس طرح مسلمان شروع میں بھاگے تھے۔ اس لڑائی میں ستر کافر کھیت رہے جن میں چالیس آدمی حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے اس کے بعد مشرکین کی کثیر جماعت منتشر ہو کر مختلف اطراف میں پناہ کیلئے بھاگی۔ ایک گروہ مالک بن عوف کے ساتھ طائف کی طرف چل دیا۔ دوسرا اوطاس کی جانب بھاگا تیسرے نے وطن جخفہ کی راہ لی۔ اس جنگ میں بروایتے دو ہزار اونٹ، چار ہزار بردہ، چالیس ہزار اوقیہ نقرہ اور اسی قدر تعداد میں بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور بہت سے مشرکین مسلمان ہو گئے۔ بقول علامہ ابن حسن جارچوی حنین اور اوطاس کی جنگ میں چھ ہزار اسیر اور چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی حضرت نے عبادہ بن بشر انصاری کو حکم دیا کہ مقام جعرانہ پر یہ مال جمع کر کے اس کی حفاظت کرے۔

حنین کی جنگ اور احد کی لڑائی میں بڑی مشابہت ہے اتنے فرق کے ساتھ کہ اگرچہ دونوں جنگوں میں اہل اسلام کو بھاری مشکلات کا سامنا تھا لیکن احد میں فوجِ اسلام کو شروع میں فتح کا منہ دیکھ کر پسپا ہونا پڑا تھا جن میں ہزیمت کا رنگ جھلکتا تھا۔ جس طرح احد میں دعوے ایمان کرنیوالوں کی کڑی آزمائش تھی اسی طرح حنین کے میدان میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہو رہی تھی، جس طرح احد کے دن مصاحبت و جاں نثاری کا دم بھرنے والوں نے رسول کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگنے میں عافیت سمجھی اسی طرح حنین کے دن انھوں نے ثابت کر دکھایا کہ وہ ابھی تک النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم کے دل سے قائل نہیں ہوئے بلکہ اپنے نفسوں کو رسول کے نفس پر ترجیح دیتے ہیں احد انکے عمل و ایمان کی ابتدا تھی، اور حنین اس کی انتہا تھی۔ غزوہ حنین کے واقعات سے صاف عیاں ہے کہ مسلمانوں کا ایمان کس قدر کمزور تھا۔ اور انکی طاقت پر رسول کسی وقت بھی بھروسہ نہ کر سکتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کے دامن عافیت میں پناہ لینے والا کثیر گروہ اسلئے رسول عربی کا کلمہ پڑھنے پر مجبور تھا کہ اسلام کے امڈتے ہوئے سیلاب کے آگے اس کے قدم جم نہ سکتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ ہدایت و انوار سے قلوب منور ہو گئے تھے۔ طاقت و کثرت پر ناز کرنے والے نہ احد میں کچھ کام آسکے اور نہ حنین کے موقع پر رسول اللہ کی کوئی مدد کر سکے، خدا و رسول پر بھروسہ کرنیوالوں اور نصرت الٰہی کے امیدواروں ہی کو سرخروئی نصیب ہوئی، اور انھیں کے ہاتھ بالآخر میدان رہا۔

حنین کی شکست اگر شکست ہی رہتی، تو تاریخ کا مطالعہ کرنیوالے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام اور بانی اسلام کیلئے اسکے نتائج کس قدر تباہ کن اور مہلک ثابت ہوتے۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اس شکست کے بعد فتح مکہ کی تمام کامرانیاں ناکامیوں سے بدل جاتیں اسلام کی ایسی بیخکنی ہوتی کہ صفحۂ ہستی پر اس کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ مالک بن عوف کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہو رہتا جو ابو سفیان اپنی تمامتر کوششوں کے باوجود احد کے دن انجام نہ دے سکا تھا۔ اس خوفناک انجام سے بچانے میں عام مسلمانوں اور مہاجرو انصار کا کوئی ہاتھ نہ تھا حنین کی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے میں کوئی معجزنما ہاتھ کام کر رہا تھا، تو وہ شیرِ خدا اسلام کے مجاہد اعظم علی مرتضےٰ کا ہاتھ تھا جس کے ساتھ کثرت کا غلبہ نہ تھا۔ بلکہ خدا کی رحمت و نصرت شامل تھی، زبان وحی ترجمان نے بالاعلان کہدیا کہ آج بھی خدا کی مدد نہ آتی، جیسے پہلے موقعوں پر آتی رہی ہے تو مسلمانوں کو فتح کا دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین ... الخ اس جنگ کے نتائج نے مشرکین پر ثابت کر دیا کہ وہ خدا کے نور کو بجھانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

حضرت علیؑ کی سخاوت اور سورہ ھل اتی کا نزول

آیئے اب میں آپ کو علیؑ اور اولادِ علی کی سخاوت کا ابدالآباد تک باقی رہنے والا کارنامہ سناؤں جس کو دنیا کے کروڑوں مسلمان

ہر صبح و شام بلکہ جغرافیائی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہر لمحہ و ہر ساعت اُن کی سخاوت کا ذکر اپنے مصلوں، مسجدوں، گھروں، صحراؤں، دریاؤں، جنگلوں، بیابانوں، جیلخانوں، بنگلوں میں کرتے رہتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ وہ صرف ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ اُس ذکر کو عبادت اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں، اور حدیث پیغمبر کی عملی حیثیت سے تصدیق کرتے ہیں (ذکر علی عبادۃ) علی کا ذکر کرنا عبادت ہے۔ دُنیا کا وہ کون سا مُسلمان ہے، جو قرآن کی تلاوت کو عبادت و ثواب نہیں سمجھتا۔ ف جس وقت بھی کوئی قاری قرآن سورہ ھل اتی تلاوت کرنے بیٹھتا ہے اور اس آیت پر آتا ہے کہ (یوفون بالنذر ویخافون یومًا کان شرہ مستطیرا ویطعمون الخ) تو اس کے دل و دماغ خود بخود قہری طور پر متوجہ ہو جاتے ہیں کہ یہ کون ابرار و نیکوکار لوگ ہیں، جو بیک وقت اپنی نذروں کو پورا کرتے ہوئے باوجود اپنی محتاجی کے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور اس خلوص سے کھلاتے ہیں کہ خدائے علیم و خبیر ان کے حسنِ نیت و اخلاص کو ان الفاظ و فقرات سے تعارف کرا رہا ہے اور خود ہی رطب اللسان ہے، کہ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا۔ ہم تو بس یہ کھانا خدا کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں۔ نہ تو ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں، اور نہ شکریہ۔ مسلمانوں کی تمام تفسیریں، اور کتب سیر و تواریخ اُن کو بتلاتی ہے کہ یہ یادگار سخاوتِ حضرتِ علیؑ و اولادِ علیؑ کی تھی جس کا ذکر کرنا ہر قاری قرآن کے لئے عبادت و ثواب قرار دیا گیا ہے۔

واقعہ یوں درج ہے کہ رسُولِ خدا کے نواسے حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السلام بیمار ہوئے حضرت رسُولِ خدا نے اپنے صحابہ کے ہمراہ اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا اور حضرت علیؑ کے گھر تشریف لا کر نذر کی ہدایت فرمائی۔ حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی کنیز خاص فضہ نے تین تین روزوں کی نذر کر لی۔ خدا نے بچوں کو صحت بخشی۔ جب ایفاء نذر کا وقت پورا ہونے پر نذر ادا کرنے فکر ہوئی، تو گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ حضرت علیؑ نے ایک یہودی سے اُون کاتنے کی مزدوری کے عوض تین صاع جو حاصل کیا، جو ساڑھے نو سیر کے قریب ہوتا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت علی نے ایک نخلستان کی سیرابی رات بھر کر کے یہ جو حاصل کئے تھے۔ الغرض تین دن روزے رکھے اور ہر روز جو کی پانچ روٹیاں افطار کے لئے پکوائی گئیں، پہلے دن جب بعد نماز مغرب افطار کرنے بیٹھے تو ایک مسکین نے سوال کیا حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ، فضہ اور حسنین علیہم السلام نے سب روٹیاں اُس مسکین کو دیدیں۔ ولم یذوقوا الا الماء انفرادا۔ صرف پانی سے روزہ افطار کر کے رہ گئے۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا، اور حسب معمول جب افطار کے لئے بیٹھے، تو آج ایک یتیم نے سوال کیا۔ آج بھی سب کی سب روٹیاں اس یتیم کو دیدی گئیں، اور صرف پانی سے روزہ افطار کر لیا گیا۔ جب تیسرے دن روزہ رکھا گیا، اور حسب معمول بوقت افطار روٹیاں سامنے رکھی گئیں۔ تو آج ایک کافر قیدی نے سوال کیا۔ آج بھی تمام روٹیاں سب بزرگواروں نے اُس کافر قیدی کو دے کر صرف پانی سے روزہ افطار کر لیا اور بھوکے سو رہے۔ جب چوتھا دن ہوا۔ تو حضرت علیؑ اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسنؑ امام حسین علیہم السلام کو اپنے ہمراہ لے کر جناب رسُولِ مقبول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر دو شہزادے بوجہ ضعف و کمزوری کے اس طرح کانپ رہے تھے۔ جیسے کبوتر کے بچے کانپتے ہوں۔ جس وقت جناب رسُولِ خدا نے نواسوں کی یہ حالت دیکھی، تو رو پڑے اور بروائتے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا، کہ ایمو توتن آل محمد جوعًا۔ خدایا کیا تیرے محمد کی آل بھوکی مر جائے۔ اتنے میں جبریل نازل ہوئے اور سخاوتِ علی و اولادِ علی کا قصیدہ پڑھتے ہوئے۔ سورہ ھل اتی پیغمبرِ خدا کی خدمت میں پیش کیا۔

سورۂ ھل اتٰی کی مکمل تفسیر کرنے کا یہ مقالہ گنجائش نہیں رکھتا۔ اس لئے اُسکے بعض خصوصیات کا ذکر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اوّلاً یہ کہ صرف اصل واقعہ ہی کو بیان کرنے پر خُدا نے اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے اس واقعہ کے سلسلے میں پُورا ایک سُورہ تیس آیتوں کا نازل کر کے انسان کی پیدائش، اُس کے سمیع و بصیر ہونے کے باوجود اُسکی ہدایت کا انتظام انا ھدیناہ السبیل کے ذریعہ کر کے اُس کو فاعل مختار بنایا اور اما شاکراً واما کفوراً سے اُس کی تائید کی اور پھر اپنے عدل کا مظاہرہ اس طرح کیا ہے۔ کہ کفرانِ نعمت کرنے والوں کو سزا اور نیکو کاروں کو جزا و صلہ دینے کی تہدید و تحریص بھی فرمادی۔ تاکہ لوگ اپنے اپنے اعمال و افعال کا خود جائزہ لے لیں۔ انا اعتدنا للکافرین سلاسل و اغلالا الخ سے تہدید اور ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافوراً سے ترغیب و بشارت فرمادی ہے۔

ثانیاً اس تمہیدی بیان کے بعد اب علی اور اولادِ علی کی سخاوت اور حسنِ عمل کو شروع کرتا ہے یوفون بالنذر الخ وہ علی اور گھر والے چھوٹے اور بڑے کنیز اور آقا سب نذر کو پُورا کرتے ہیں۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا وہ لوگ مسکین اور یتیم اور قیدی کو پے در پے باوجود اپنی احتیاج و ضرورت کے کھانا کھلاتے ہیں۔ تین دن متواتر عسرت اور تنگدستی کی حالت میں خود بھوکے رہ کر سخاوت کرنا اور سائل کو سب کچھ دیدینا یہ وہ سخاوت ہے کہ حاتم طائی ہو یا دُنیا کے اور سخی ہوں، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ثالثاً ہر عمل کی روح حسنِ نیت و اخلاص ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، کہ کس ارادہ سے یہ عمل ہُوا ہے لیکن وہ عالم بالضمائر اہلبیت کے اخلاص کو اس آیت میں اس طرح ظاہر فرماتا ہے، کہ وہ خود کچھ نہ کہنے پائیں بلکہ خُدا ہی اُن کی نیتوں کو آیت بنا کر تصدیق کی ہے کہ انا نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء و لا شکورا۔ ہم تو یہ کھانا صرف خُدا کے لئے کھلاتے ہیں۔ نہ تم کو ممنونِ احسان کرنا مقصود ہے۔ اور نہ تم سے بدلہ اور عوض چاہتے ہیں۔ علی کا یہی وہ حسنِ عمل تھا۔ کہ جس کو خُدا نے اپنے سابقہ تمہیدی بیان کو مدِنظر رکھ کر ایفاءِ وعدہ کرتا ہے اور اُنکے عمل کو قبول فرماتے ہوئے اُس کی جزا بارہ آیتوں میں بیان کرتا ہے کہ و جزاھم بما صبروا جنۃ و حریرا، سے شروع کر کے وسقٰھم ربھم شرابا طھورا تک جزا کی طولانی فہرست بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ ان ھذا کان لکم جزاءً یہ تمہارے عمل کا بدلہ ہے و کان سعیکم مشکورا۔ اور ہم تمہاری اس کارکردگی کے شکر گذار ہیں۔

اللہ اللہ! علی اور علی کے گھر والوں کی یہ عظیم الشان پُر خلوص سخاوت ہے جن کے عمل پر خُدا شکر گزار ہو۔ ایسے عمل کی کوئی نظیر قرآن میں نہیں ملتی۔

رابعاً: ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔ یہ وہ تذکرہ ہے کہ جسکے ذریعہ جو چاہے خُدا تک راستہ حاصل کر سکتا ہے فرما کر بندوں کو متوجہ کیا ہے کہ اگر تم بھی اہلبیت کے اسوۂ عمل پر گامزن رہو گے تو یقیناً خُدا تک پہنچنے کا تم کو راستہ مل جائیگا۔

خامساً: وما تشاءون الا ان یشاء اللہ اور تم لوگ کچھ چاہتے ہی نہیں۔ مگر وہی جو خُدا چاہتا ہے کے ذریعہ اُمتِ محمدیہ کو ہدایت فرمادی ہے کہ اہلبیت کا ہر عمل منشاءِ الٰہی کے موافق ہوتا ہے جسے اہل بیت کی عصمت ظاہر کر کے اُس نے وابستہ رہنے کی تاکید کر دی۔ اور مزید ترغیب و تحریص کے ساتھ تہدید آخر سورہ میں فرمادی ہے یدخل من یشاء فی رحمتہ والظالمین اعد لھم عذابا الیما۔ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور جو اس اہلبیت سے کنارہ کش ہوں، تو اُس نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

علیؑ کی سخاوت کا وہ مشہور واقعہ جس کو عام و خاص نے نقل کیا ہے۔ ابو سعید خدری اور ابو ھریرہ راوی ہیں کہ ایک روز علیؑ

نے بھوک کی حالت میں خاتونِ جنت سے کھانا طلب کیا۔ تو سیدہ نے عرض کیا۔ اے ابوالحسن آج دوسرا دن ہے کہ میں بچوں سمیت بھوکی ہوں۔ علی نے فرمایا مجھے کیوں اطلاع نہ دی، کہ تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتا۔ سیدہ نے عرض کیا کہ مجھے اپنے خدا سے شرم و حیا معلوم ہوئی، کہ آپ کو کیونکر تکلیف ایسی چیز کی دوں جو آپ کے امکان میں نہ ہو۔ حضرت علی یہ سنکر گھر سے نکلے۔ اور حضرت رسولِ خدا سے ایک دینار (اشرفی) قرض لیکر باہر آئے کہ کوئی چیز کھانے کی خریدیں۔ اتنے میں کیا دیکھا کہ سامنے سے حضرت مقداد نکلے اور کچھ حضرت علیؑ سے عرض کیا۔ حضرت علی نے وہ دینار مقداد کے حوالہ کر دیا۔ اور مسجد میں آکر سو رہے۔ جب رسولِ خدا مسجد میں آئے تو دیکھا کہ علی سو رہے ہیں۔ تعجب سے جگا کر حالت دریافت کی، تو علی نے سبب قصہ بیان کر دیا۔ اسکے بعد علی اٹھے اور رسولِ خدا کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعد فراغت نماز رسولِ خدا نے فرمایا: کہ اے علی! آج شام کا کھانا تمہارے ساتھ کھانا چاہتا ہوں، حضرت علیؑ شرم و حیا سے خاموش ہو گئے، کہ گھر کا حال معلوم تھا۔ کہ کچھ نہیں اور ادھر خدا نے رسولؐ کو حکم دیا تھا، کہ وہ شام کا کھانا علیؑ کے پاس کھائیں۔ الغرض دونوں بزرگوار مسجد سے نکلے، اور جنابِ فاطمہ کے پاس پہنچے، آپ اپنے مصلے پر تشریف فرما تھیں، اور قریب ایک بڑے پیالے میں کوئی چیز جوش کھا رہی تھی۔ اور اس سے بھاپ نکل رہی تھی، حضرت خاتونِ جنت مصلی سے اٹھیں اور وہ جام دونوں بزرگواروں کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: کہ انی لک ھذا۔ اے فاطمہ! یہ کہاں سے آیا ہے۔ خاتونِ جنت نے عرض کیا کہ: من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ خدا نے بھیجا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ: اے علی! یہ تمہاری اس دینار (اشرفی) کا بدلہ ہے، جو تم نے مقداد کو بخشا تھا۔ اور یہ فرما کر پیغمبرؐ نے گریہ فرمایا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک کہ میری بیٹی فاطمہ کی وہی شان نہ دکھلا دی، جو ذکریا کو خدا نے حضرت مریم کے بارے میں دکھلایا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ویوثرون علے انفسھم ولو کان بھم خصاصہ ان کی شان میں نازل ہوا۔

حضرت علی کی سخاوت کا ایک اور واقعہ جس میں سخاوت پانے والوں نے اپنے برے اخلاق و عادات سے توبہ کر لی۔ ابوبکر شیرازی نے اپنی کتاب میں مقاتل مجاہد ابنِ عباس راویانِ حدیث سے سورۂ نور کی اس آیت رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے علیؑ کو تین سو اشرفی مرحمت فرمائی، علیؑ نے فرمایا: کہ میں آج ان اشرفیوں سے ایسا صدقہ کرونگا کہ خدا اس کو قبول فرمائے چنانچہ علی نمازِ عشاء رسولؐ کے ساتھ پڑھ کر باہر نکلے، تو ایک عورت نے سوال کیا۔ علی نے ایک سو دینار اس کو دیدیا۔ جب صبح ہوئی، تو لوگ کہنے لگے، علی نے ایک فاجرہ و بدکار عورت کو سو اشرفی دیدی ہے۔ علی کو بہت صدمہ ہوا۔ جب دوسرے روز نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر نکلے، تو ایک شخص ملا علی نے ایک سو دینار خیرات کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ کہنے لگے کہ علیؑ نے ایک چور کو خیرات دی ہے علی کو آج پھر صدمہ ہوا۔ جب تیسرا دن ہوا تو علیؑ پیغمبرؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے، تو ایک شخص ملا، علیؑ نے ایک سو دینار اس کو دیدیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ پھر کہنے لگے، کہ علیؑ نے ایک غنی اور تونگر شخص کو بخشش دی ہے۔ علی کو بیحد صدمہ ہوا اور رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ واقعہ گذرا ہے۔ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: کہ اے علی! دیکھو یہ جبرئیل حاضر ہیں اور تم سے کہتے ہیں کہ خدا نے تمہاری خیرات کو قبول فرما لیا ہے اور جس بدکار عورت کو تم نے بخشش دی تھی

اس نے اپنی بدکاری سے توبہ کر لی ہے اور تمہاری بخشش کو اُس نے اپنا مہر مایہ قرار دے کر اب شوہر کی تلاش میں ہے، اور دُوسرے دن جس چور کو تم نے مرحمت کیا تھا۔ وُہ چور بھی اپنی چوری سے توبہ کر چکا ہے اور تمہارے عطیہ سے وُہ اب کاروبار تجارت کرنا چاہتا ہے۔ اور تیسرے دِن جس غنی اور تونگر کو دیا تھا۔ وہ گھر جا کر بہت شرمندہ اور پشیمان ہُوا۔ اِس لیے کہ اُس نے کئی سال سے زکوٰۃ نہیں دی تھی، اور اُس نے اپنے نفس کو بہُت ملامت کیا، کہ یہ علی ابن ابی طالب باوجودیکہ غریب و فقیر ہیں، اور مال نہیں رکھتے لیکن انہوں نے سو اشرفیاں خیرات میں دیدیں اور مجھ کو خُدا نے مالِ کثیر دیا ہے۔ اور بہت سالوں سے باوجُود زکوٰۃ واجب ہونے کے مَیں نے زکوٰۃ نہیں دی ہے۔ اے علی! اُس نے اپنے مال کا حساب کر کے اُسکی زکوٰۃ دیدی، اور مال کو پاک کر لیا۔ اور تمہاری شان میں خُدا نے یہ آیت نازل فرمائی: رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله واقام الصلوٰة الخ۔

سخاوت علی کا ایک اور واقعہ: ایک سائل نے رسُولؐ کے پاس آ کر اپنی بھُوک کی شکایت کی، رسُولؐ نے اپنی ازواج کے پاس بھیجا، لیکن کچھ نہ ملا۔ آپ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ کون ہے جو اِس بھُوکے کو کھانا کھلائے۔ حضرت علی نے کہا مَیں حاضر ہوں اور اُس بھُوکے سائل کو ہمراہ لیکر جناب فاطمہ کے گھر آئے اور دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہے جناب سیدہ نے عرض کیا کہ بس صرف بچوں کی خوراک ہے لیکن ہم مہمان کو کھلائینگے۔ حضرت علی نے کہا کہ بچوں کو سُلادو اور چراغ گل کر دو۔ جناب سیدہ نے حکم کی تعمیل کی، اور حضرت علی اُس مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مشغول ہو گئے جب کھانے سے فارغ ہو گئے، تو جناب سیدہ چراغ لیکر حاضر ہوئیں، تو دیکھا کہ سب کھانا اُسی طرح باقی ہے۔ جب صُبح ہوئی اور علی مسجد میں نماز کیلئے حاضر ہوئے، تو بعد نماز کے رسُول اللہ نے حضرت علیؑ کو دیکھ کر بہت ہی گریہ فرمایا۔ اور کہا کہ اے علی تمہارے اِس عمل سے خُدا کو بہت خوش ہے اور اُس نے یہ آیت تمہاری شان میں نازل کی: "ویوثرون ...... الخ"۔

تاریخ بلاذری میں ہے کہ علی کا سالانہ غلّہ چالیس ہزار اشرفی ہوتا تھا۔ لیکن سب خدا کی راہ میں فقرا اور مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے، اور ایک روز اپنی تلوار نمازِ عشاء کے وقت بیچدی اور فرمایا کہ اگر شام کا کھانا میرے پاس ہوتا تو یہ تلوار فروخت نہ کرتا۔

اکثر مفسرین اور راویوں نے لکھا ہے کہ علی کے پاس چار درہم چاندی کے تھے۔ ایک رات خیرات میں دیدیا۔ اور ایک دن میں ایک پوشیدہ طور سے اور ایک ظاہر بظاہر خُدا نے یہ آیت آپکی شان میں نازل فرمائی: الذين ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانية۔ ایک اعرابی خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہُوئے تین روز تک دعا کرتا رہا حضرت سنتے رہے۔ جب تیسرے دن اُس نے اپنا مدعا بیان کیا کہ خداوندا مجھے چار ہزار درہم عطا کر، تو حضرت علیؑ نے اُسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ جو کچھ تو نے خدا سے طلب کیا ہے۔ مَیں نے سُنا، یہ تو بتا کہ کیا کرے گا۔ اُس نے کہا: ایک ہزار اپنا قرضہ ادا کرونگا، دُوسرے ہزار سے اپنی عورت کا مہر ادا کرونگا، اور تیسرے سے مکان بناؤنگا، اور چوتھے ہزار سے اپنے لئے ذریعہ معاش پیدا کرونگا۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، تم مدینہ آجاؤ تو تمہاری حاجت روائی کر دونگا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو حضرت علی نے حضرت امام حسینؑ سے فرمایا کہ سلمانؓ کو بلاؤ، تاکہ وہ مدینہ کے تاجروں کو جمع کریں۔ جب سب تاجر جمع ہو گئے، تو آپ نے فرمایا: کہ جو باغ رسُول نے ہمارے لئے لگایا ہے اُس کو خریدلو۔ لوگوں نے بارہ ہزار درہم پر خرید لیا۔ چار ہزار سے اُس سائل کے سوال کو پُورا کیا۔ اور ساٹھ روپیہ آمد و رفت کا کرایہ دیا۔ اور باقی سب سامنے رکھ کر تقسیم کرنا شروع کر دیا اور سب تقسیم کر کے ختم کر دیا۔ جب فاطمہ کو خبر ہوئی تو بطور گلہ فرمایا: کہ مَیں اور

دونوں بچے بھوکے ہیں اُن کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ وحی کے ذریعہ رسولؐ آئے۔ اور سات درہم دیکر فرمایا کہ اُس کے بچوں کے
کھانے کا انتظام کرو۔ علی خوش ہو کر باہر نکلے، تو ایک سائل پھر مِل گیا۔ آپ نے وہ سات درہم اُس کو دیدیئے اور کسی اور سے
قرض لینے چلے، اتنے میں کیا دیکھا کہ ایک اونٹ والا ہے جو اپنا اونٹ بیچ رہا ہے۔ حضرت علی سے کہا کہ میں تمہیں اُدھار ایک سو
درہم پر دے دونگا۔ خرید لو۔ حضرت علی نے خرید لیا۔ آگے بڑھے تو دوسرے خریدار نے ایک سو پچاس درہم میں خرید لیا۔ آپ نے
امام حسن سے فرمایا، کہ اُونٹ والے کو جس سے آپ نے خریدا تھا تلاش کر کے لاؤ تا کہ قیمت دیدی جائے۔ جونہی امام حسنؑ و امام حسینؑ
باہر نکلے تھے، کہ دروازہ پر رسولؐ مِل گئے اور تبسّم فرما کر ارشاد کیا کہ اے علی فروخت کرنیوالا جبرائیل اور خریدنے والا میکائیل تھا
اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔"

دلائل ولائیت قرآن و حدیث کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "اوّل ما خلق اللہ روحی اوّل ما خلق اللہ نوری"۔ یعنی اوّل مخلوق
میرا نور اور میری رُوح ہے"۔ جب جوہرِ اوّل رُوح و نورِ محمدؐ ہے، تو پہلے اس سے کہ محمدؐ اس جہاں میں تشریف لائے نبی تھے۔
کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔ اور اب جبکہ اس جہان سے تشریف لے گئے ہیں نبی ہیں لا نبیّ بعدی، لہٰذا کوئی آخر
النبیین نہیں۔ مگر محمدؐ اور کوئی آخر النبیین نہیں مگر محمدؐ۔ اول بھی آپ ہیں اور آخر بھی آپ ہی۔ جوہرِ اوّل (محمد مصطفیٰؐ) دو کام
کرتا ہے۔ خدا سے لیتا ہے اور مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ لیتے وقت ولایت ہے اور پہنچاتے وقت نبوت۔ پس ولایت
باطنِ نبوت ہے اور نبوتِ ظاہرِ ولایت اور ہر دو صفتِ محمدیہ ہیں۔ انسان کامل نبی ہے یا ولی۔ اور نبوت یا مطلقہ ہے
یا مقیدہ۔ اسی طرح ولایت بھی یا مطلقہ ہے یا مقیدہ۔ نبوتِ مطلقہ وہ نبوت ہے۔ جو ازل میں حاصل ہو، اور ابد تک باقی
رہے وہ بناء ذاتی و تعلیم حقیقی ازلی ہے۔ وہ ربوبیتِ عظیمہ اور سلطنتِ کبریٰ ہے۔ نبی مطلق خلیفۂ اعظم اور قطب الاقطاب
ہے اور انسان کبیر اور آدمِ حقیقی ہے، اسی کا نام قلمِ اعلیٰ عقلِ اوّل اور رُوحِ اعظم ہے۔

جو کمالات نبیِ مطلق کو بحسبِ ظاہر حاصل ہیں۔ وہی کمالات بحسبِ باطن ولی مطلق کو حاصل ہیں، اسی کی طرف اشارہ ہے
انا و علی من نور واحد و خلق اللہ روحی و روح علی ابن ابی طالب قبل ان یخلق الخلق ... محمدؐ و علیؑ ایک نُور سے ہیں
خدا نے محمدؐ و علیؑ کی رُوحوں کو جمیعِ خلائق کی رُوحوں سے پہلے پیدا کیا: "ان اللہ بعث علیا مع کل نبی سرا و معی جہرا۔" بتحقیق
خدا نے مبعوث فرمایا ہے۔ علی کو ہر نبی کے ساتھ باطن میں اور محمدؐ کے ساتھ ظاہر میں۔ اور علیؑ اس وقت بھی ولی تھے، جبکہ
آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے، چنانچہ خود فرماتے ہیں: "کنت ولیا و آدم بین الماء والطین۔"

وجود یا ظاہر ہے یا باطن۔ ظاہر کو اوّل سے اور باطن کو آخر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اوّل نزول ہے۔ بارگاہِ احدیت
طرف سے کثرتِ خلقیت کی طرف اور آخر عروج ہے۔ کثرتِ خلقیت کی طرف سے حضرتِ احدیت کی طرف۔ بمقتضائے اسم ظاہر و باطن انسان
میں کبیر و صغیر ہے۔ کبیر وجود ہے اور صغیر ایجاد۔ وجود عقل ہے اور ایجاد نفس۔ عقل علم ہے اور نفس کمال۔ علم روح
ہے۔ اور کمال قلب۔ رُوح کشف ہے اور قلب حال۔

عقل حقیقتِ نبی مطلق ہے۔ کہ خاتم الانبیاء والرسل ہے اور نفسِ حقیقت ولی مطلق ہے۔ کہ خاتم الاولیاء ہے۔
کنت نبیا وآدم بین الماء والطین وکنت ولیا وآدم بین الماء والطین نبی مطلق و ولی مطلق نے یہ کلمات دوسرے انبیاء و اولیاء پر افتخار و شرف کی راہ سے فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ محمدؐ و علیؑ اس وقت بھی نبی و ولی تھے، جبکہ ابھی آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ اگر وہ اس وقت نبی و ولی بالفعل نہ ہوتے بلکہ دوسرے انبیاء و اولیاء کی طرح نبی و ولی بالقوہ ہوتے تو مقامِ شرف و افتخار میں ان کا اس طرح فرمانا کچھ معنی نہ رکھتا۔ کیونکہ نبوت و ولایت دنیا میں آنے یا دنیا میں مبعوث ہونے سے پہلے تو ہر نبی و ولی کو بالقوت حاصل تھی چنانچہ قرآن مجید میں قول حضرت عیسےٰؑ ہے انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (پ ۱۶ ع ۵) میں بندہ خدا ہوں مجھے خدا نے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے یعنی نبوت مجھ میں بالقوہ موجود ہے۔ جو اپنے وقت پر فعل میں آئے گی۔

محمدؐ و علیؑ اس وقت عقول و نفوس، روحانیات، ملائکہ وغیرہم کو معرفتِ خدا و موجودات مخلوقاتِ خدا کی خبر دیا کرتے تھے اور انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ ہر نبی نے آپ ہی کے وسیلہ سے فیض الٰہی سے مستفیض ہو کر اپنی قوم و امت کو افاضہ فرمایا ہے اور دعوتِ حق دی ہے۔ اور اسی طرح ولی مطلق ارواح و نفوس کو معارف و حقائق کا افاضہ فرماتے تھے، جو خدا چاہتا تھا۔

علیؑ کو محمدؐ یعنی ولی قدیم کو نبی خاتم کے ساتھ وہی نسبت ہے، جو نفس کلیہ کو عقل کے ساتھ ہے نفس نے جو کچھ فائدہ حاصل کیا ہے عقل سے کیا ہے اور افادہ و استفادہ دونوں خدا کے امر و اشارہ سے ہیں۔ اور عالم حس میں دونوں شمس و قمر۔ استفاضہ قمر و شمس سے ہے۔ اور افاضہ شمس و قمر کے لئے نور ہے۔ اور اسی طرح تمام کواکب و نجوم نے اپنی اپنی قابلیت استعداد کے موافق نورِ شمس سے فیض حاصل کیا ہے، کواکب مانندِ خلائق ہیں۔ لھٰذا تمام خلائق نے صورتِ معنی نبی و ولی محمدؐ و علیؑ کے وسیلے سے فیض حاصل کیا ہے۔ اسی واسطے حضور فرماتے ہیں:۔ انا کالشمس و علی کالقمر و اصحابی کالنجوم۔

پس خاتم الانبیاء جمیع انبیاء و رسلؑ کے مرجع ہیں، عالم ارواح میں بھی اور عالم اجسام میں بھی، اگرچہ صورتِ جسمانی میں تمام انبیاء و رسلؑ کے بعد دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ انا اول الانبیا خلقا و اخرھم بعثا۔ اور یہی حال خاتم اولیاء کا ہے۔ نورِ ولایت نورِ نبوت سے اور ولی نبی سے منفک و جدا نہیں ہو سکتے دونوں میں فصل محال اور بلا فصل واجب ہے ورنہ لازم آئیگا کہ نفس و عقل کے درمیان کوئی تیسری چیز بھی ہے۔ اور نورِ نفس نورِ عقل سے نہیں ہے۔ حالانکہ نورِ نفس نورِ عقل سے ثابت و متحقق ہے۔ محمدؐ و علیؑ کا عالم میں تصرف ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ عقل و نفس کا تصرف ہے۔ کل نفوس میں۔

ولایت اطلاع ہے۔ معارف و حقائق پر کشفاً و شہوداً خدا کی طرف سے خالصتہً بغیر کسی واسطہ فرشتہ یا بشر کے ولایت فلکِ اقصیٰ ہے، جو محیط بالکل ہے جبکہ نہ عزم تھا، نہ رسالت نہ نبوت۔ اور جو کچھ تھا ولایت ہی کے ساتھ تھا۔ اور اسی کے سبب سے تمام انبیاء و رسلؑ میں نبوت و رسالت جاری ہوئی۔ جبکہ کسی ممکن اور صفاتِ ممکن کا نہ کوئی اثر تھا نہ تاثیر۔ حق و صفات، حق و احکام حق سب ولایت ہی کے ذریعہ ظاہر ہوئے۔ پس ولایت اعظم ہے نبوت سے اور نبی اعظم ہے ولی سے۔ کیونکہ جوہر عقل اول سے حقائق معلومات و معقولات قبول کرنے کا نام نبوت ہے۔ اور ان حقائق کو مستعد کی طرف تبلیغ کرنے کا نام رسالت ہے۔ اور جبکہ نفسِ کلی تبلیغ کرے نفسِ جزئی کی طرف حسبِ استعدادِ صفاتِ جزئی تو وہ ولایت ہے۔ اور جبکہ ولایت و نبوت و رسالت کسی ایک ہی شخص میں جمع ہوں تو اسکی ولایت اقدام ہے اسکی نبوت سے۔ اور اسکی نبوت اقدام ہے اس کی رسالت سے کیونکہ نبوت بغیر ولایت کے اور رسالت بغیر

نبوت کے ممتنع ہے۔ اس لئے ہر ایک رسول نبی ہے۔ اور ہر ایک نبی ولی ہے۔ مگر ہر ایک ولی نبی نہیں۔ اور نہ ہر ایک نبی رسول ہے۔ نبی کے لئے مرتبۂ نبوت ہے۔ اور ولی کے لئے مرتبۂ نبوت نہیں۔ ولی ہمیشہ تابع نبی ہے اور نبی تابع رسول: وھٰذہٖ قاعدۃ مطردۃ لاریب فیھا۔ مرتبۂ ولایت مطلقہ اصل و اشرف و اعلیٰ ہے۔ مرتبۂ نبوت سے۔ اولاً اس لئے کہ ولایت مبدء نبوت ہے کیونکہ نبی نبی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ولی نہ ہو۔ اور جب وہ مبدء نبوت ہے تو نبوت سے سابق اور اس کی علتِ حصول ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ مبدء ولایت وحدتِ مطلقہ ہے۔ کہ جہاں نہ ملک مقرب کو رسائی ہے۔ اور نہ نبی مرسل کو۔ اور کمالِ نبوت کثرتِ حاصلہ کی وجہ سے ہے۔ خاتم الانبیاء فرماتے ہیں: انی اباھی بکم الامم' اور قرآن کہہ رہا ہے: انا اعطینٰک الکوثر۔ اور مقام وحدت اصل و اشرف و اعلیٰ ہے بمقامِ کثرت سے۔ پھر قوتِ نبوت حسب قوتِ ولایت ہے۔ ثالثاً دائرۂ ولایت محیط ہے دائرہ نبوت کو۔ محلِ ولایت وسیع ہے محلِ نبوت سے۔ حقیقتِ ولایت بسیط ہے حقیقتِ نبوت پر۔ ولایت مانندِ جنس ہے۔ نبوت ولایت خاصہ ہے۔ داخل ہے تحتِ مطلق ولایت میں۔ ولایت عام ہے۔ نبوت خاص ہے۔ ولایت کی بساطتِ حقیقت میں وحدۃ عدمِ ترکیب ہے بخلافِ نبوت۔

صاحبِ بحر المعارف نے نقل کیا ہے کہ سید حیدر علی آملی کی کتاب جامع الاسرار میں ہے، کہ شیعہ متفق ہیں اس پر کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام بعد از محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جمیع انبیاء و اولیاء سے اعظم اور اسی طرح آپ کی اولادِ معصومین بھی اس کے بعد صاحبِ بحر المعارف تحریر فرماتے ہیں کہ عند التحقیق مرتبہ بارہ امام علیہم السلام کا من حیث الولایت اعظم ہے مرتبہ جمیع انبیاء و رسل و اولیاء سے سوائے محمد مصطفےٰ کے۔ ورنہ نبوت و رسالت اعظم ہے۔ اس سے کہ کوئی مرتبہ دنیا و آخرت، نبوت و رسالت سے بالا ہو۔ اور اس لئے اوصیائے اولیاء ہمیشہ انبیاء و رسل کے قوانین شرعیہ و احکامِ الٰہیہ میں محتاج رہے۔ چنانچہ جناب سر اولیاء امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: تعلمت من رسول اللہ الف باب من العلم ففتح لی بکل باب الف باب و غیرہ، ذالک من الاخبار۔

کتاب مقصدِ اقصیٰ میں سعد الدین حموی سے منقول ہے کہ جوہر اوّل کے ہر دو طرف اس جہان میں دو مظہر ہیں۔ اس طرف کا مظہر نبوت ہے، کہ اس کا نام خاتم الانبیاء ہے۔ اور اُس طرف کا مظہر ولایت ہے کہ اُس کا نام صاحب الزمان ہے۔ صاحب الزمان کے بہت سے نام ہیں۔ جیسا کہ جوہرِ اوّل کے بہت سے نام ہیں۔ صاحب الزمان، علم بکمال، و قدرت بکمال رکھتے ہیں۔ علم و قدرت اُنکے ہمراہ کئے گئے ہیں۔ جب ظہور فرمائینگے، تو زمین کو جور و ستم سے پاک کر کے عدل و انصاف سے معمور کر دینگے۔

جب معلوم ہو گیا، کہ ولایت باطنِ نبوت ہے اور ولایت و نبوت دونو صفتِ محمدؐ ہیں، تو اب آسان ہو گیا اتنا سمجھنا کہ صفت محمدؐ ظاہر تھی، اور وضع صورت کر رہی تھی، اور محمدؐ وضعِ صورت کو آشکارا کر رہے تھے جس قدر پیغمبر آئے ہیں، وضع صورت کرتے رہے جس کو محمدؐ نے تمام کیا۔ جب وضع صورت تمام ہوئی۔ نبوت تمام ہو گئی۔ اب نوبت ولایت ہے کہ آشکارا ہو۔ اور حقائق کو آشکارا کرے جب صاحب الزمان ظہور کرینگے، ولایت ظاہر ہو جائیگی۔ اور حقائق آشکارا ہونگے، اور صورت پوشیدہ ہو جائیگی، ابھی تک تو لوگ علمِ ظاہر میں مشغولِ بحث تھے۔ کیونکہ وقتِ نبوت تھا، اور نبوت وضع صورت کر رہی تھی۔ اور جب وضعِ صورت تمام ہوئی نبوت بھی تمام ہوگی۔ تو اب وقتِ ظہورِ ولایت ہے۔ جب ولایت ظاہر ہوگی حقائق آشکارا ہونگے۔ تو اب حقیقتِ اسلام، حقیقت ایمان، حقیقت نماز، حقیقت روزہ اور حقیقت حج سے بحث کرینگے۔ اور حقیقت بہشت، حقیقتِ دوزخ، حقیقتِ ثواب، حقیقتِ عتاب اور حقیقتِ صراط پیدا کرینگے۔ شیخ سعد الدین کہتے ہیں، کہ مہدی ہرگز خروج نہ فرمائینگے جب تک کہ شرک فعل سے اسرار توحید نہ سن لینگے۔

جب حقائق آشکارا ہونگے۔ قیامت ہو جائیگی: یوم تبلی السرائر۔ جس دن جانچی جائینگی چھپی باتیں۔

منزلتِ ولایت مطلقہ مندرجہ ذیل آیۂ وافی ہدایہ سے آشکارا ہو رہی ہے: ۱۷/۶۹ افتتخذونه وذریته اولیاء من دونی وهم لکم عدو بئس للظالمین بدلا ما اشهدتهم خلق السموات والارض ولا خلق انفسهم وما کنت متخذ المضلین عضدا یعنے کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو ولی قرار دیتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالمین کے لئے بہت بُرا عوض اور بدل ہے ان شیاطین کو میں نے نہ آسمان و زمین کی خلقت کے وقت حاضر کیا، اور نہ اُن کے نفوس کے خلقت کے وقت! وہ میں گمراہ کنندگان کو اپنا مددگار نہیں بنایا کرتا۔" اس آیت کے معانی میں تدبر کرنے سے پہلے ایک قاعدۂ عقلیہ نگاہ میں رکھ لیجئے، وہ یہ کہ اگر آپ کسی شخص سے کسی مرتبہ کی نفی کرتے ہوئے ان چیزوں کو دلیل میں پیش کریں، جو اس میں موجود نہیں ہیں۔ تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان چیزوں کا وجود اُس مرتبہ کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ مثلاً ایک معتمد عالم نے زید کے متعلق اعلان کیا کہ وہ پیش نماز نہیں، اور یہ دلیل بیان کی کہ وہ عادل نہیں، اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ پیش نمازی کیلئے عادل ہونا شرط ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ بکر پٹواری نہیں بن سکتا، کیونکہ وہ مڈل پاس نہیں، تو لامحالہ سمجھ میں آ گیا کہ پٹواری بننے کے لئے مڈل پاس ہونا شرط ہے۔ کلیۂ بالا کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ ملاحظہ کیجئے کہ خداوندِ عالم نے ولایت شیطان کی نفی فرمائی ہے اور اسکی دلیلیں جو ارشاد فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) "وہ تمہارا دشمن ہے" جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ولی وہ ہو سکتا ہے، جو دشمن نہ ہو۔ کسی کا دشمن نہ ہو۔ دشمن کا بھی دشمن نہ ہو۔ دشمن قتل کی نیت سے آئے۔ اور ولی شربت پلائے۔ گویا اس کا وجود سرتاپا رحمت ہی رحمت ہو۔ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔ اس کی شان ہو۔ (۲) "میں نے شیطان اور اس کی ذریت کو زمین اور آسمان کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا" اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ولی وہ ہو سکتا ہے جسے خدا نے زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا ہو۔ اور وہ اس وقت موجود رہ کر اس خلقت کے حالات سے خبردار ہو۔ (۳) "میں نے ان میں سے بعض کو بعض کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا۔ (وما خلق انفسهم) اس سے معلوم ہوا، کہ ولی وہ ہیں۔ جو ایک دوسرے کی خلقت کے وقت موجود رہے ہوں۔ اور اس کا علم حضوری رکھتے ہوں۔ (۴) "میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا" اس سے معلوم ہوا، کہ ولی وہ ہے، جو یدِ عمالۂ خداوندی (ید اللہ) ہو۔ اور اس کی شان ہدایت ہی ہدایت ہو۔

تدبرِ عقلی سے واضح ہو گیا، کہ خداوندِ عالم نے نفی ولایت شیطان و ذریت شیطان کرتے ہوئے، جن اُمور کا عدم ان میں ثابت فرمایا ہے۔ انہی اُمور کا وجود منزلتِ ولایت کے لئے حسبِ قانونِ عقلی لازمی و لابدی ہے۔ اور اس سے ولی برحق کے فضائل و مناقب آشکارا ہوتے ہیں۔ صاحبِ تفسیر صافی اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں:- ان اللہ تبارک وتعالی لم یزل متفردا بوحدانیته ثم خلق محمدا وعلیا وفاطمة فمکثوا الف دهر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشهدهم خلقها واجری طاعتهم علیها وفوض امرها الیهم الحدیث۔ کافی میں حضرت جواد علیہ السلام سے منقول ہے، کہ خداوندِ عالم اپنی وحدانیت میں متفرد تھا۔ پھر اُس نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کو خلق کیا۔ یہ بزرگوار ہزار زمانے تک اسی حالت پر رہے پھر اُس نے تمام اشیاء کو خلق کیا اور ان بزرگواروں کو ان چیزوں کی خلقت پر حاضر کیا۔ انکی اطاعت ان اشیاء پر جاری کی اور ان اشیاء کا امر انہیں تفویض کر دیا۔ الی آخر الحدیث واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

واقعہ مباہلہ بنی نجران اور حضرت علی علیہ السلام

ارشاد باری عز اسمہ ہے: فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین۔ "اے ہمارے حبیب ان نصاریٰ نجران سے کہہ دو، کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنی بیٹیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفوس کو بلائیں تم اپنے نفوس کو بلاؤ۔ پھر آپس میں مباہلہ کریں، اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں"۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ واقعہ مباہلہ بنی نجران کو اسلامی دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے! اور جو خصوصیات تامہ دامن مباہلہ میں پنہاں ہیں، وہ ارباب نظر پر مخفی نہیں۔ غرض وغایت محل وتورع، نبوت پرور نتائج۔ آیت کے مصادیق یہ وہ چیزیں ہیں، کہ جن سے تمام اسلامی کتب مملو ہیں۔ لہٰذا روایتی حیثیت سے اس واقعہ کو نذر قرطاس کرنا تاریخ کی ورق گردانی کا مترادف ہے۔

نص مباہلہ:۔ مباہلہ لفظی طور پر ایک لمحہ فکریہ کا طالب ہے۔ کیونکہ مباہلہ کا متضاد پہلو مجادلہ ومقاتلہ ہے اور ظاہر ہے کہ کسی بات کو بزور شمشیر منوانا مجادلہ اور بزور صداقت منوانا مباہلہ کہلاتا ہے۔ اس نظریہ کے ماتحت مباہلہ اظہار عبدیت کی حقیقی منزل اور بنا برعرف دعا کا مصداق ہے۔

دعا کرنے کی وجہ:۔ چونکہ کائناتِ عالم کی تخلیقی نسبت اللہ کی طرف ہے الا لہ الخلق والامر۔ خلق اور امر اللہ کے لئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مخلوق بغیر خالق کتم عدم سے منصہ شہود پر نہیں آسکتی، بنا برین باعتبار وجود ہر ایک شے اپنے وجود میں اللہ کی محتاج ہے اور اللہ کی طرف نسبت رکھتی ہے لہٰذا ذرہ ذرہ اطاعت فطری پر مامور ہے، اور انسان کو چونکہ منزلِ اطاعت میں مختار بنا کر خلق فرمایا ہے، لہٰذا منزل اطاعت میں لازمی ہوا کہ بصورت دعا عبد ومعبود کے رشتہ کو باقی رکھا جائے۔ اسی لئے دعا کا حکم دیا گیا ہے اور مباہلہ بھی اسی لئے طلب کیا گیا تھا۔

عالم امر کی شان:۔ چونکہ خلق اور امر دونوں کی نسبت اللہ کی طرف ہے! اور ظاہر ہے کہ عالم امر میں سبب باطل ہے۔ جیسا کہ قرآن شاہد ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ پس امر خدا یہ ہی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا پس وہ شے ہو جاتی ہے یعنی امر اور شے کے وجود پذیر ہونے میں کوئی فصل نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ عالم امر میں سبب کو دخل نہیں۔ لہٰذا عالم امر بلا واسطہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا عالم امر میں دعا عین استجابت کی دلیل ہے

عالم خلق اور دعا کا مقام منتہیٰ:۔ لیکن عالم خلق میں سبب کو دخل ہے! اور سبب ہی احتیاج کا نام ہے، ذات واجب الوجود مستغنی عن الاشیاء ہے۔ لہٰذا اس کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے عالم خلق میں تدریجی شان کو دخل ہے لہٰذا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ عالم خلق کو اللہ سے بالواسطہ نسبت ہے۔ لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ وہ واسطہ کونسا ہے کہ جس کی طرف عالم خلق بلا واسطہ منسوب ہو۔ اور اسی واسطہ حقیقی کے اعتبار سے اللہ کی طرف نسبت ہو۔ تو ہماری رہبری کیلئے سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قولِ مبارک موجود ہے: نحن مثل الاعلیٰ اور قرآن بھی اس پر شاہد ہے۔ وللہ المثل الاعلیٰ۔ اور اللہ کیلئے ایک مثل اعلیٰ ہے۔ اور علمائے تحقیق کا اتفاق ہے کہ مثل اسے کہتے ہیں، جو شریک افعال ہو

اس مقام پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے افعال میں شرکت کیسی، حالانکہ وُہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، نہ ذات میں شریک، نہ صفات میں شریک نہ خطاب میں شریک پھر مثل اعلیٰ بایں معنی کہ شریک فعل ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ مثلیت باعتبار فعلیت نہیں، بلکہ باعتبار نسبت ہے کیونکہ افعالِ مثلِ اعلیٰ امر الٰہیہ پر موقوف ہیں۔ اور نور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حقیقی منزل امر الٰہیہ ہے۔ خالق اور اس نور نبوی کے درمیان چونکہ کوئی اور شے واسطہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا جب مشیت الٰہیہ سے نزول امر الٰہیہ ہوتا ہے تو براہ راست امر الٰہی کی حامل یہ ہی ذات نورِ نبوی ہوتی ہے جسے اوّل مخلوق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لہٰذا یہی مخلوق اوّل مخلوق امری ہوئی۔ جب یہ مخلوق، مخلوق امری اور ولی الامر ہے لہٰذا اس کے افعال امر الٰہی پر منحصر ہوئے۔ اور جب افعال امر الٰہیہ ہوئے۔ تو یہی مخلوق مثل اعلیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ نور نبوی مع اجزا نورِ مثل اعلیٰ ہے۔ اور چونکہ مخلوقِ امری ہے۔ لہٰذا یہ ہی محل استجابت دعا ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے اگر چونکہ ذریت طیبہ شریکِ نور ہے، لہٰذا میدان مباہلہ میں تنہا رسول نہیں گئے۔ بلکہ اپنے ہمراہ اپنی ذریت طیبہؑ کو لے گئے جس طرح ذاتِ نبی محل قبولیت دعا ہے۔ اسی طرح ذریت نبوی ہے۔ چونکہ تمام افعالِ قدرت اس نورِ نبوی سے ظاہر ہوتے ہیں، اور اسی اظہار فعلیت کو قرآن میں خود قدرت نے واضح فرما دیا ہے:۔ ”ما رمیت اذ رمیت و لکن اللّٰہ رمیٰ“ اے میرے حبیب تم نے کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ وہ ہم نے پھینکی تھیں۔ ”ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ“۔ تم نہیں کلام کرتے ہم کلام کرتے ہیں۔ ”ید اللّٰہ فوق ایدیھم“۔ اے ہمارے نبی ان لوگوں کی بیعت تمہارے ہاتھ پر نہیں وہ تو اللہ کے ہاتھ پر ہے۔ ”ما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ“ تم کچھ نہیں چاہتے۔ وہی چاہتے ہو جو ہم چاہتے ہیں“۔ یہ ہے شرکت فعلی کی شان گویا تمام افعالِ قدرت نور نبوی صلعم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہی مثل اعلیٰ ہے۔ لہٰذا امرِ تدبیری جو عالم خلق کے لئے لازمی وضروری ہے، کہ جس پر نظام کائنات کا انحصار ہے۔ اس مثلِ اعلیٰ یعنے نور نبوی سے متعلق ہے، لہٰذا باعتبار مثل اعلےٰ یہ ہی محل استجابت دعا ہیں۔ اور عالم خلق میں باعتبار فعلِ ربوبیت ان سے رزق طلب کریں یا قدرت سے۔ ان سے طلب رحمت کریں یا قدرت سے، ان سے طلب علم کریں یا قدرت سے۔ ان سے مدد چاہیں، یا قدرت سے۔ بات ایک ہی ہے۔ تقضاء حاجت ان سے متعلق ہو، یا قدرت سے۔ معلوم ہوا، کہ دعا کا مقام منتہیٰ نور محمدؐ وآلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

حقیقتِ مخلوق اوّل:۔ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے، کہ خالقِ زمان ومکان سے مبرّا ومنزّا ہے۔ اگر مکان وزمان کی قید لازمی ہوتی، تو پھر وقت اور جگہ میں محدود ہو کر رہ جائیگا۔ اور حادث ہو جاتا۔ لہٰذا اس کیلئے زمان ومکان لازمی نہیں ہے مگر مخلوق کے لئے زمان ومکان لازمی ہیں۔ مخلوق کا لفظ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زمان ومکان سے محدود ہے۔ اب اگر نورِ نبوی سے پیشتر زمان ومکان تسلیم کر لیا جائے تو مکان، زمان اوّل اور نورِ نبوی موخر، اور اگر زمان ومکان تسلیم نہ کیا جائے، تو ذہنی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب پیدا کیا اور کہاں پیدا کیا، اور کب وکہاں ایسی چیز کا نام زمانیت ومکانیت ہے۔

لہٰذا عقلِ سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے، کہ اوّل مخلوق ہی مخلوق ہونے کی حیثیت سے وہ تھی کہ جو خالقِ زمان ومکان تھی، ورنہ یہ نور تو تجردی شان رکھتا ہے معلوم ہوا، کہ زمان ومکان اسی نور کے دم سے ہے۔ لہٰذا یہ چیز اس امر کی دلیل ہے، کہ علم اور امر تدبیری اس مخلوقِ اوّل کی صفت فطری ہے۔ تو پھر اس صورت میں یہ ہی مثلِ اعلیٰ ہے یہ ہی مدبرات الامر ہے۔ اور یہ نور دعا کا مقام حقیقت ہے اور یہ ہی

قبولیت دعا کا حکم جاری کرنے والے ہیں۔ مشیت الٰہیہ مقام حتمیت دعا نہیں، کیونکہ دعا متعلق ہے، عام خلق سے اور عالم خلق میں امر تدبیری کے ماتحت تغیرات و تبدلات لازمی ہیں۔ مشیتِ الٰہیہ تغیرات سے بری ہے۔ مشیت الٰہیہ میں تبدیلی ممکن نہیں کیونکہ مشیت مرتب ہوتی ہے۔ علم پر اور علم عین ذات قدرت ہے۔ اب اگر مشیت میں گذر چکا ہے کہ جس امر کے متعلق دعا کی جائے وہ قبولیت پر فائز ہو، تو مثل اعلےٰ سے کہ جو حقیقت میں مدبّر الامر ہے۔ امر تدبیری جاری ہوتا ہے اور عالم مشاہدہ میں قبولیت دعا کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہی مظہر افعال قدرت ہیں۔

رفع شبہ:۔ اس مقام پر یہ شبہ ہوتا ہے، کہ جب امر تدبیری متعلق بہ عالم اسباب ہے، تو پھر دعا کا کرنا کیا معنی؟ دوسرے پھر خیر و شر کیا چیزیں ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ کائنات عالم کو اطاعت فطری پر پیدا کیا ہے لیکن چونکہ عالم مادی میں ہر ایک شے کے لئے تغیر لازمی ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا، کہ اعتدال حقیقی باقی رکھا جائے، لہٰذا قدرت نے اس غرض و غایت کے ماتحت انبیاء مبعوث کئے، تاکہ اطاعت فطری حدِ اعتدال پر باقی رہے۔ اطاعتِ فطری کا حدِ اعتدال پر باقی رہنا خیر اور باقی نہ رہنا شر ہے۔ لہٰذا قدرت نے نبی کو بواسطہ وحی اور مخلوق کو بواسطہ نبی اعتدال پر باقی رکھا۔ تاکہ شر نہ ہونے پائے۔ اگر قدرت نبی کو واسطہ قرار نہ دیتی تو شر اللہ کی طرف منسوب ہو جاتا۔ نبی کو واسطہ بنا کر یہ بتا دیا، کہ قدرت کی طرف خیر ہی خیر ہے: بیدک الخیر اور خیر ہی وہ چیز ہے کہ جسے اصطلاحی طور پر خالق کی منزل میں عدل۔ نبوت کی منزل میں عصمت اور مخلوق مکلفہ کی منزل میں اتقا کہتے ہیں۔ عدل قدرت موثر حقیقی ہے۔ بنابریں تمام افعال قدرت مبنی بر عدل ہیں، وہ رحیم ہے تو عدل کے ساتھ، رازق ہے تو عدل کے ساتھ، ستار و غفار ہے تو عدل کے ساتھ۔ تو عدل موثر حقیقی اور عصمت چونکہ موثر بالعدل ہے لہٰذا نبی کے تمام افعال گویا قدرت کے افعال ہیں۔ اسی جہت سے قدرت نے نور نبی کو مدبر الامر قرار دیا ہے، کیونکہ ہر ایک امر موثر بالعدل ہے اور مخلوق مکلفہ کی منزل میں عصمت موثر اور اتقاء موثر۔ لہٰذا متقین کے اعمال اس قابل ہو جاتے ہیں، کہ بارگاہ قدرت میں قبولیت کا شرف حاصل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عبد صالح کی دعا یقیناً مستجاب ہو کر رہتی ہے، جب عبدیت صالحہ میں اتنا جذب پیدا ہو سکتا ہے کہ بارگاہ ایزدی حاصل کر سکے، تو عصمت چونکہ براہ راست موثر بالعدل ہے، وہ کیونکر امر قبولیت دعا جاری کرنیوالی نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ معصوم کی دعا ارادہ قدرت بن جاتی ہے۔ ارادہ قدرت عین امر ہوتا ہے۔ لہٰذا امر معصوم حقیقت شے ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت امام حسینؑ نے ایک راہب کو سات فرزند عطا کر دیئے۔ معلوم ہوا، کہ عصمت ہی موثر بالعدل ہے، لہٰذا ذریت نبوی جو کہ شریک عصمت ہے بعنوان عصمت امر قبولیت دعا جاری کرنے والی ہے۔ لہٰذا ذریت کی ہر ایک فرد سے امر تدبیری اور استجابت دعا متعلق ہے۔

واقعہ مباہلہ:۔ چونکہ ذریّت طیبہ سے امر تدبیری اور استجابت دعا متعلق ہے۔ لہٰذا رسالتمآب صلعم میدان مباہلہ میں تن تنہا تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ علیؑ ابن ابی طالب و حسنین علیہم السلام اور سیدہ معصومہ کو اپنے ہمراہ لے گئے، ارباب تفاسیر جانتے ہیں، کہ مباہلہ بنی نجران اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان ۱۰ھ میں منعقد ہوا تھا، اور ما بہ النزاع یہ امر تھا، کہ نصاریٰ اس بات پر مصر تھے، کہ عیسیٰ ابنِ اللہ ہیں، اور رسالت مآب یہ نظریہ قرآنی پیش فرما رہے تھے، کہ عیسےٰ عبد خدا ہیں۔ خدا لم یلد ولم یولد ہے۔ اس کے نبی و رسول ہیں۔ سب سے زیادہ قاطع دلیل یہ تھی کہ جسے خلاقِ عالم نے قرآن میں فرمایا ہے: ان مثل

عیسٰی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثمہ قال لہ کن فیکون بے شک اللہ کے نزدیک عیسٰیؑ اور آدمؑ کی مثال ایک سی ہے۔ اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔ لہٰذا عیسٰے بھی اس کی ایک مخلوق امری ہیں۔ جب وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے، اور اپنے عقیدۂ باطلہ پر مصر رہے اور سرورِ کائنات کی کسی دلیل قوی کو نہ مانا، تو بحکم خدا مباہلہ منعقد کیا گیا۔

اے ہمارے رسولؐ اگر یہ لوگ حجت کرتے ہیں اور عیسٰے کی عبدیت سے انکاری ہیں تو ان سے کہہ دو، کہ وہ اپنے بیٹوں کو اپنے نفوس کو اور اپنی عورتوں کو بلائیں، ہم بھی اپنے بیٹوں کو عورتوں کو اور نفوس کو بلاتے ہیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔ مباہلہ میں لازمی ہے کہ بالمقابل ہو کر دعا کی جائے، تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ مباہلہ کی تاریخ ۲۴ ذی الحجۃ المبارک ۹ھ ہجری مقرر ہوئی۔ اور ایک طرف نصارٰی نجران مع اپنے منتخب شدہ افراد کے میدانِ مباہلہ میں پہنچے، ان کے ارباب مباہلہ عاقب، عبد المسیح، ابو حارثہ تھے۔ جو کہ امیر و صاحب نجران تھے۔ اور دوسری طرف رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیہ مباہلہ کی تفسیر بن کر میدانِ مباہلہ میں تشریف لائے اس شان سے کہ آگے آگے رسولؐ بہ نفسِ نفیس اور عقب میں سیدۂ عالم فاطمۃ الزہرا صلوٰت اللہ علیہا اور ان کے عقب میں علی مرتضٰے علیہ السّلام امام حسن مجتبٰی علیہ السّلام سردارِ کائنات کے ہمراہ اور حسین علیہ السّلام خامس آل عبا آغوشِ رسولؐ میں اس شان سے یہ پنجتن پاک میدانِ مباہلہ میں پہنچے۔ اور ایک کھجور کے درخت پر چادر ڈال کر سایہ کر دیا گیا، گویا ایک بیت بنایا گیا۔ کیا کہنا واللہ اس بیت رسالت کا کہ جہاں عصمت سمٹ کر جمع ہو گئی تھی، والشمس کی روشنی تھی، والقمر کی نورانیت تھی۔ والطین کا سبزہ تھا۔

اب رسولِ خدا معہ اپنے اجزائے نبوت کے موجود ہیں۔ نصارٰی نجران کی نگاہیں پڑیں، دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جو رسولؐ کے ہمراہ آئے ہیں۔ بتایا گیا، رسولؐ کی اکلوتی بیٹی فاطمۃ الزہرا صلوٰت اللہ علیہا۔ رسولؐ کے داماد علی مرتضٰی علیہ السّلام اور رسولؐ کے نواسے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ جواب بمصداق آیہ مباہلہ فرزندانِ رسالت ہیں۔ بس یہی ذخیرہ نبوت ہیں۔ اجزائے رسالت ہیں اور حجت اللہ فی الارض ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے۔ کہ ہم ان سے مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم ان کے چہروں سے آثار حق و صداقت دیکھ رہے ہیں، اگر یہ پہاڑ کو اشارہ کریں، پہاڑ اپنے مقام سے ہٹ جائے، چنانچہ بنی نجران مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوئے اسلام کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی، اور علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ مصادیق آیہ مباہلہ قرار پائے۔

نتیجہ :۔ ظاہر ہے، کہ آیہ مباہلہ میں لفظ: ابناءنا۔ نساءنا، انفسنا ہیں۔ یعنی، ہر سہ مقام پر ضمیر ذاتِ رسولؐ کی طرف راجع ہو رہی ہے اور مباہلہ محمدؐ ابن عبد اللہ سے نہ تھا، بلکہ محمدؐ رسول اللہ سے تھا۔ لہٰذا اب ذاتِ رسولؐ کی طرف راجعیت ضمیر اس امر کی دلیل ہے، کہ نہ صرف حسنؑ و حسینؑ فرزندانِ ذات محمد بلکہ شریک رسالت ہیں۔ سیدہ معصومہ نہ صرف بیٹی بلکہ شریک رسالت ہیں۔ علی ابن ابی طالب نہ صرف نفس رسولؐ بلکہ شریک رسالت ہیں، اور یہ ہی ذریتِ عصمت و صداقت ہیں۔ اور چونکہ عصمت ہی موثر بالعدل ہے اور عدل الٰہیہ عین مشیت ہے۔ لہٰذا محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی محلِ مشیت الٰہیہ ہیں۔ پس ان سے دعا کرنا قدرت سے دعا کرنا ہے۔ ان سے طلب حاجت قدرت سے طلب حاجت ہے۔ ان کو مدد کے لئے پکارنا قدرت کو مدد کے لئے پکارنا ہے اسی لئے ہم ہر مشکل میں یا علی مدد کہتے ہیں۔ "یا علی مدد"

واقعہ غدیر و ولایت حضرت علیؑ کا اعلان

جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے بغرض حج روانہ ہوئے۔ یہ حج حضور
آخری حج تھا۔ اسی لئے اس کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں۔ چونکہ آپ کو خداوند عزوجل نے مطلع کر دیا تھا کہ یہ تمہارا آخری حج
اس لئے آپ نے جملہ مسلمانوں تک خبر پہنچا دی تھی کہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس میں شرکت کریں، چنانچہ اطراف عالم سے
جوق در جوق مسلمانوں کے قافلے آنے شروع ہوئے یہاں تک کہ ایک لاکھ چالیس ہزار تک مجمع پہنچ گیا۔

جناب امیر علیہ السلام جو ان دنوں یمن میں تھے۔ انہیں ایک قاصد کے ذریعہ اطلاع دی گئی، اور وہ مکہ معظمہ میں حضور
کے پاس پہنچ گئے۔ مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد اہل اسلام کا یہ عظیم الشان لشکر جناب رسالتمآب کے ساتھ مدینہ کی
طرف روانہ ہوا۔ جب یہ قافلہ غدیر خم کے مقام پر جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جحفہ کے قریب واقع ہے پہنچا تو حضرت
جبرئیل امینؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے:۔ "یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت
رسالتہ واللہ یعصمک من الناس" (سورہ مائدہ ع) "اے رسول پہنچا دو۔ جو تم پر تمہارے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہ پہنچایا۔ اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے بچائیگا۔"

اس حکم کے نازل ہوتے ہی حضورؐ نے قافلے والوں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جو آگے چلے گئے تھے ان کو واپس بلا لیا اور
پیچھے رہ گئے تھے، ان کا انتظار کیا گیا۔ حی علی خیر العمل کی آوازوں سے خم غدیر کا میدان گونج اٹھا۔

حضورؐ کے حکم سے چشم زدن میں میدان کو خس و خاشاک سے صاف کر دیا گیا، پالان شتر کا ممبر تیار ہو گیا۔ سورج نصف
النہار پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ باد سموم چل رہی تھی۔ ریگستان عرب کا ہر ذرہ اخگر بنا ہوا تھا۔ سائے کا دور دور
تک نام و نشان نہ تھا۔ کیونکہ یہ مقام کوئی خاص منزل نہ تھی، مگر حکم الٰہی سے مجبور ہو کر حضورؐ اسی وقت ممبر پر تشریف لے گئے
ایک خطبہ بلند آواز ارشاد فرمانے کے بعد عوام کو مخاطب کر کے سوال کیا: الست اولی بالمؤمنین من انفسھم۔ کیا میں
مومنین کے نفسوں سے اولیٰ ہوں۔ قالوا نعم۔ سب نے کہا: جی ہاں! آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا یہاں تک
آپ کی بغل کی سفیدی نظر آ گئی اور فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا: جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علی مولا ہے
اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔ خداوندا جو اس کو دوست رکھے
تو اس کو دوست رکھ۔ جو اس کو دشمن رکھے، تو اس کو دشمن رکھ۔ جو اس کی مدد کرے، تو بھی اس کی مدد کر۔ جو اس کو ذلیل کرے
تو بھی اس کو ذلیل کر۔ یہ کلمات فرما کر آپ منبر سے اتر آئے اور ادھر جبرئیل امینؑ یہ مژدہ لے کر آئے: الیوم اکملت لکم
دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (سورہ مائدہ ع)۔ آج کے دن میں نے تمہارے دین
کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اصحاب رسولؐ میں ایک شور تہنیت بلند ہوا۔ سب سے پہلے حضرت عمر جناب امیر کے قریب آئے اور ان الفاظ میں مبارکباد
پیش کی: بخ بخ یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولیٰ کل مومن ومومنۃ۔ مبارک ہو تم کو اے ابن ابی طالب

کہ آپ ہو گئے مولا کل مومن و مومنہ کے۔ جب سب لوگ مبارکباد دے چکے تو ازواج رسولؐ نے مبارکباد پیش کی۔ اس تقریب سعید کے اختتام پر جملہ قبائل عرب اپنی اپنی منزل کی طرف منتشر ہو گئے کیونکہ خم غدیر وہ مقام ہے جہاں سے ہر چہار طرف راستے الگ ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا ہر دو آیات کا غدیر خم کے مقام پر نازل ہونا اور حضورؐ کا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد علیؑ کے مولا ہونے کا اعلان کرنا۔ اسقدر کثیر کتب احادیث و تفاسیر میں درج ہے، کہ اگر ان تمام کو یک جا کیا جائے تو ضخیم جلدیں بھی ناکافی ہوں۔

بقول حافظ ذہبی: ھذا حدیث اتفق علی ماذکرنا جمھور اھل السنۃ والجماعۃ۔ جمہور اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حدیث غدیر صحیح ہے، مگر اختلاف ہے تو صرف اس بات پر کہ آیا اس اعلان سے استخلاف علی ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں: "ولیکن در دلالت وی بر استخلاف علی رضی اللہ عنہ و نصب او بامامت نزد اہلسنت و جماعت سخن است و شیعہ تمسک کردہ اند در ادعائے نص قطعی بامامت بلا فصل الخ"۔ تعجب ہے کہ جمہور اہل سنت نے حدیث غدیر کو صحیح تو مان لیا، مگر استخلاف کے سوال پر تاویلات کا سہارا لینے پر اتر آئے اور لفظ مولا پر بحث شروع کر دی۔ مگر میں عام اور دیرینہ استدلال سے ہٹ کر نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ غدیر کے ایک دو پہلوؤں پر بحث کرنی چاہتا ہوں، جو میرے نزدیک واقعہ کی اصل حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اول میں ضروری سمجھتا ہوں، کہ زیر بحث آیات کے متعلق علمائے اہل سنت و جماعت کے اقوال درج کروں:۔

(۱) عن عبداللہ بن مسعود قال کنا نقرء علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس اخرجہ الواقدی فی تفسیرہ والرازی فی تفسیر الکبیر و نظام الاعرج فی تفسیر النیشاپوری والحافظ ابن کثیر وابو نعیم فی الحلیۃ وابن مردویۃ وعینی فی شرح البخاری والسیوطی فی در المنثور) حضرت عبداللہ مسعود سے روایت ہے کہ ہم جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد فرخ عہد میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے:۔ اے رسول پہنچا دے اس چیز کو کہ تیری طرف تیرے رب سے اتاری گئی ہے، یہ کہ علی مومنوں کا مولا ہے، اور اگر تو نے نہ کیا، تو تو نے اس کی رسالت کو نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچا رکھے گا۔

(۲) عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعی الناس فی غدیر خم وامر بما تحت الشجرۃ من شوک فقم کان ذلک یوم الخمیس فدعا علیا فاخذ بضبعتیہ فرفعھا حتی نظر الناس بیاض ابطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ ثم لم تتفرقو حتی نزلت ھذہ الایۃ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ ورضاء الرب برسالتی وبالولایۃ لعلی ابن ابی طالب)۔ (اخرجہ ابو نعیم وابو بکر بن مردویہ عنہ وعن ابوھریرۃ والسیوطی فی الدر المنثور والابلی وابو نعیم فی ما نزل من القرآن فی علی)۔ ترجمہ:۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق غدیر خم کے روز جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو

بلا کر درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے علی کے دونوں بازو پکڑ کر علیؑ کو اوپر اٹھایا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرت
بغل کی سفیدی کو ملاحظہ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علی مولا ہے۔ پھر ابھی لوگ متفرق نہ ہونے پائے
کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ آج کے روز میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور میں نے اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا۔ پس جناب
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر دین کے کامل ہو جانے اور نعمت کے پورا ہونے اور میری رسالت
اور علی کی ولایت پر خدا کے راضی ہونے پر۔"

علمائے اہل سنت کی اس شہادت کے بعد کہ دونوں آیات بروز غدیر نازل ہوئیں، یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ جناب
رسالت مآب پر حضرت باری عز اسمہ کی جانب سے کوئی حکم نازل ہوا تھا جس کے پہنچانے میں آپ تاخیر فرما رہے تھے۔ اسی لئے
قدرت نے اس موقعہ کو اس حکم کے پہنچانے کے لئے بہترین سمجھا، کیونکہ قبائل عرب اس وقت مجموعی حیثیت سے موجود تھے اور اس
مقام سے منتشر ہونے والے تھے ان کے منتشر ہونے سے قبل قدرت کا حکم ہوا کہ اے رسول جو حکم تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے
پہنچا دے ورنہ بصورت عدم تکمیل تو نے گویا میری رسالت پہنچائی ہی نہیں۔ واللہ یعصمک من الناس کے الفاظ میں عدہ
حفاظت ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کسی مخالفت کے پیش نظر اس اہم حکم (جس کی تکمیل پر رسالت کا دارو مدار تھا) کو پہنچانے
میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب قدرت نے حفاظت کا ذمہ لیا، تو اسی وقت اہتمام فرما کر اعلان کر دیا: من کنت مولاہ
فھذا علی مولا۔ اور اس کے فوراً بعد آیہ اکملت لکم دینکم نازل ہو گئی۔ اس واقعہ سے معمولی عقل کا آدمی بھی یہ نتیجہ
اخذ کر سکتا ہے کہ بقول علماء اہل سنت اگر محض علیؑ کی دوستی کا ہی اعلان کرنا تھا، تو اس کے لئے قدرت کو اس قدر تہدیدی
حکم نازل کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ لفظ مولا سے دوست کے معنے مراد لیں تو اس عظیم اہتمام کے بعد اعلان اور اعلان کے بعد جملہ صحابہ کا
مبارکباد پیش کرنا اور شعراء کا قصائد پڑھنا، اور حضور کا اشعار سن کر مسرور ہونا یہ سب بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ مبارکباد اسی منصب
پر فائز ہونے کے بعد دی جاتی ہے، جو پہلے حاصل نہ ہو۔ ماننا پڑے گا کہ علیؑ مقام غدیر پر کسی ایسے منصب پر فائز ہوئے جس پر
قبل ازیں فائز نہ تھے۔ چنانچہ اسی عہدہ کی طرف حسان بن ثابت نے اپنے اس شعر میں ذکر کیا ہے۔ ؎

فقال له قم یا علی فاننی　　رضیتک من بعدی اماما و ھادیا

"رسول خدا نے علیؑ سے فرمایا کہ: اٹھ بالتحقیق میں ان پر بعد تمہارے امام اور ہادی ہونے پر راضی ہوا۔"

نیز آیہ اکملت لکم دینکم سے صاف واضح ہوتا ہے، کہ دین کامل ہونے کے لئے شرط ہی یہ تھی، کہ ولایت علی کا اعلان کر دیا
جائے۔ یا یوں کہئے، کہ دین کامل نہ ہو سکا جب تک علی کے مولا ہونے کا اعلان نہ کر دیا گیا۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
کا اقرار کر چکے تھے مگر خدا کے نزدیک دین کامل اس وقت ہوا، جب علی کے ولی ہونے کا اعلان ہو گیا۔ جس علی کی ولایت
اعلان کے بغیر دین کامل نہ ہو سکا اس کا اقرار کئے بغیر ایمان کیسے مکمل ہو سکتا ہے۔ فاعتبروا۔ اگر فقط ولایت پر کسی کو اعتراض
ہو، تو ابوبکر بن مردویہ کا یہ قول پڑھ کر تسلی کر لے: "وقال ابوبکر انھا نزلت فی بیان الولایۃ لعلی اخرجہ
ابی حاتم و ابو نعیم فی کتاب ما نزل من القرآن فی علیؑ۔ اور ابوبکر ابن مردویہ کہتے ہیں، کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کی
کے بیان میں نازل ہوئی ہے۔ (ارجح المطالب ص۶۶)۔

آخر میں میں ایک واقعہ اور درج کرنا چاہتا ہوں جس سے اعلانِ غدیر کی اہمیت کا بخوبی علم ہو جائیگا۔ امام ابو اسحق الثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، کہ کسی نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: سئل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لھم دافع من اللہ ذی المعارج۔ (ایک مانگنے والے نے کافروں کے لیے ہو کر آنے والے عذاب کو مانگا جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا جو درجے والے اللہ کی طرف سے تھا)، کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وُہ سائل سے کہنے لگے، تو نے مجھ سے ایسا مسئلہ پوچھا ہے، کہ تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھا۔

امام جعفر محمد باقر علیہ و علی آبائہ السلام اپنے آبائے کرام سے روایت کرتے ہیں، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غدیر خم پر لوگوں کو جمع کر کے: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ کی حدیث کو ارشاد فرمایا اور یہ حدیث سب میں پہنچ گئی۔ حارث بن نعمان فہری آنحضرت صلعم کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا۔ اور اپنی اونٹنی کو بٹھا کر حضور سے عرض کرنے لگا کہ: یا محمدؐ! آپ نے ہمیں لا الٰہ الا اللہ پر گواہی دینے کے لئے حکم دیا۔ ہم نے اس بات کو بھی مان لیا۔ پھر آپ نے ہمیں پانچ نمازوں کا حکم دیا، وہ بھی ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے ہمیں زکوٰۃ دینے کے لئے کہا۔ ہم نے وہ بھی آپ کا کہنا قبول کر لیا۔ اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے اور آپ نے اپنے ابن عم کے بازو پکڑ کر اٹھایا اور انکو ہم پر فضیلت دے دی۔ اور من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ فرمایا۔ آیا یہ حکم آپ کی طرف سے ہے، یا خدا نے حکم دیا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا: "قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں، یہ خدا کا حکم ہے"۔ حارث بن نعمان یہ کہتا ہوا اپنی اونٹنی کی طرف لوٹ آیا، "اے خدایا اگر جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا ہمیں دردناک عذاب پہنچا، خدا تعالیٰ نے اس پر ایک آسمانی پتھر پھینکا جو اس کے سر پہ لگا اور تحت سے نکل گیا۔ بخوف طوالت میں نے ترجمہ پر اکتفا کی۔ جو مولا کے معنی دوست کے کرتے ہیں، ان کے لئے یہ واقعہ حارث غور طلب ہے۔ کیونکہ حارث کے الفاظ:۔ تفضلتہ علینا نقلت من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے صاف ظاہر ہے، کہ ان سے مولا کے معنی افضل و حاکم کے ہی ہیں اور چونکہ علیؑ کی حاکمیت اُسے بوجوہ منظور نہ تھی۔ اس لئے اس نے اس اعلان کو حضورؐ کی اقربا نوازی (معاذ اللہ) پر محمول سمجھا۔ جبھی تو یہ سوال کیا، کہ یہ اعلان آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی جانب سے ہے۔ چنانچہ اللہ نے شہادت میں پتھر بھیجدیا تاکہ سند رہے۔ بہرنوع غدیر کے مقام پر خدا کے حکم سے علی مولائے کل بنا دیئے گئے۔ اب جو جس نظریئے سے علی کو دیکھے گا۔ علی بھی اس کو اسی نظریے سے دیکھیں گے۔ بروزِ قیامت گلہ نہ کرنا۔

حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے رسولِ کریم کی وفات کو پوشیدہ رکھنا چاہا، اور تلوار لئے ہوئے لوگوں سے کہتے رہے کہ آنحضرت کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ آسمان پر تشریف لے گئے اور واپس آجائیں گے۔ جو کوئی کہے گا کہ رسول اللہ کا انتقال ہو گیا ہے میں اُسے قتل کر دونگا۔ اس میں کیا مصلحت تھی۔ اس کو ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر حکم خدا اور قرآن سے ناواقف نہ تھے بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ انصار یا اُن کے علاوہ کوئی اور

خلافت پر قبضہ نہ کرے، اسلام ابھی ضعیف ہے، لوگ مرتد نہ ہو جائیں۔ اور کفار اپنے مقتولین کا بدلہ اصحاب سے لینے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس طرح حضرت عمر نے اسلام اور دولتِ اسلام کی حفاظت کی۔ اگرچہ حضرت ابو بکر نے آتے ہی لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی راز کو فاش کر دیا اور کہہ دیا کہ آنحضرت وفات پا چکے ہیں مگر حضرت ابو بکر کے آجانے سے حضرت عمر کا دل قوی ہو گیا اور مذکورہ خطرات دور ہو گئے۔ اس لئے عمر چپ ہو گئے۔ اس کے بعد ہی انصار و مہاجرین سقیفہ بنی ساعدہ جو ایک مکان ہے جہاں عرب امور یا طلہ کے مشورے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے (غیاث اللغات) میں جمع ہوئے۔ ابو بکر، عمر و ابو عبیدہ بھی وہاں پہنچ گئے، مگر علی اور بنی ہاشم اور دیگر اصحابِ رسول، تجہیز و تکفین رسول میں مصروف رہے اور سقیفہ میں نہ گئے۔ سقیفہ میں ثابت بن قیس نے فضائل انصار بیان کر کے خلافت کو انصار کا حق ثابت کیا۔ بروایت طبری وغیرہ ثابت بن قیس کے چپ ہوتے ہی عمر فرماتے ہیں کہ میں بولنے کے لئے تیار ہوا۔ ابو بکر نے مجھے روک دیا اور بروایت طبری عمر نے کہا کہ میں ایک دن میں دو دفعہ خلیفہ رسول کی نافرمانی نہیں کرونگا۔ کہہ کر چپ ہو رہے۔ ابو بکر کو نہ تو بذریعہ نص خلافت ملی نہ ابھی اجماع ہوا ہے عمر کا ابو بکر کو پہلے ہی خلیفہ رسول فرمانا انکے دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ طے شدہ سکیم کا راز فاش کر رہا ہے، کارروائی سقیفہ صرف ایک نمائشی کارروائی تھی۔ اور مخالفین کی زبان بندی کا تسلی بخش طلسم تھا، ورنہ خلافت کا گٹھ جوڑ سقیفہ پہنچنے سے پہلے ہی عمر طے کر چکے تھے۔ غرضکہ ابو بکر نے عمر کو خاموش کر دینے کے بعد خود تقریر شروع کی اور انصار کے فضائلِ و مناقب تسلیم کرنے کے بعد قریش کا فضل و شرف بیان فرمایا اور کہا کہ عرب سوائے قریش کے کسی کی اطاعت قبول نہیں کرینگے، ہم مہاجر ہیں، رسول اللہ کے قوم و قبیلہ میں سے ہیں۔ ہم آنحضرت کے قرابتدار ہیں۔ ہم اہلِ نبوت و خلافت ہیں، مناسب یہ ہے کہ امارت ہم میں ہو اور وزارت تم میں۔ ہم کوئی کام تمہارے مشورہ کے بغیر نہیں کرینگے خدا سے ڈرو اور ایسا نہ کرو کہ اسلام میں اختلاف ہو اور شرع شریف کی دیوار میں رخنہ پڑے اس پر انصار نے کہا کہ اچھا ہم مہاجروں میں سے ایک مرد کو خلیفہ منتخب کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے بعد خلیفہ انصار میں سے ہو اور اس کے بعد پھر مہاجرین میں سے ہو اور اسکے بعد پھر انصار میں سے ہو، اسی طرح باری باری دونوں گروہوں میں سے خلیفہ منتخب ہوتے رہیں۔ مگر عمر نے اس کو تسلیم نہ کیا۔ اس پر حباب انصاری بگڑ گئے اور انصار کو مشورہ دیا کہ خلافت ہمارا حق ہے۔ اگر یہ مہاجر اس بات کو نہ مانیں تو انکو جلاوطن کر دو۔ اور تم جسے چاہو والی بنالو، واللہ اگر چاہو تو میں اس جگہ کو جوانوں سے بھر دونگا، اور جو کوئی میری بات کو رد کریگا اسکی ناک تلوار سے اڑا دونگا۔ عمر نے کہا: واللہ دوئی خلافت میں جائز نہیں۔ عرب تمہاری امارت پر راضی نہیں ہونگے پیغمبر خدا تمہارے قبیلے سے نہ تھے۔

غرضکہ حباب اور عمر کے درمیان بہت جھگڑا و بدل ہوئی۔ حتی کہ کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ اور قیس بن سعد نے عمر کی داڑھی پکڑ لی۔ عمر نے کہا: اگر میری داڑھی کا ایک بال بھی اکھڑ گیا تو تجھے زندہ نہ چھوڑونگا۔ ابو بکر نے کہا: عمر نرمی کرو۔ نرمی کا موقع ہے پس عمر ہٹ گئے غرضکہ ابو بکر نے کسی تدبیر سے مجمع کو ٹھنڈا کیا اور الائمۃ من قریش والی حدیث پیش کر کے عمر اور ابو عبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں ان میں سے ہر ایک کو خلافت کے لائق سمجھتا ہوں۔ اس پر ابو عبیدہ و عمر نے کہا کہ حاشا و کلا آپ یارِ غار اور صاحب اسرار رسول اللہ ہیں اور رسول اللہ آپکو ہم سے زیادہ چاہتے تھے اور آپ فضیلت و سبقت اسلام میں ہم سے بہتر ہیں آپ کے ہوتے ہوئے ہم اس امر جسیم کو کیونکر اختیار کر سکتے ہیں اسکے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا۔ ہاتھ بڑھاؤ میں تم سے بیعت کروں۔ ابو بکر نے کہا نہیں تم ہاتھ پھیلاؤ میں تم سے بیعت کروں۔ چند مرتبہ یہی رد و بدل ہوتی رہی۔ آخر کار عمر نے ابو بکر کا ہاتھ کھولکر انکی بیعت کر لی۔ اور پھر دوسرے اُن کے ہم خیال لوگوں نے بھی ابو بکر کی بیعت کر لی۔

غرض: اس تمام کارروائی سے چند باتیں یقینی طور پر واضح ہوتی ہیں:۔ (۱) رسول کریم نے اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ، جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ (۲) خلیفہ کا تقرر بقاء اسلام کیلئے تغسیل وتکفین، تجہیز وتدفین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بہت زیادہ ضروری تھا۔ (۳) خلافت کا حقدار رسول اکرم سے قرابت قریبہ رکھنے والا مہاجر قریشی صاحب فضیلت وشرافت ہی تھا۔ (۴) خلافت ابوبکر کا منصوبہ سقیفہ پہنچنے سے پہلے ہی عمر وابو عبیدہ وابوبکر باہم طے کر چکے تھے، باقی تمام کارروائی صرف رسمی تھی۔

اب اگر پہلی اور دوسری صورت ہیں کہ رسول اللہ نے کسی کو اپنی حیات میں خلیفہ نامزد نہیں فرمایا حالانکہ وہ بقاء اسلام کیلئے بہت سے اہم ایمانی فرائض سے بھی زیادہ ضروری تھا، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کیلئے مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:۔

اول:۔ قول خداوندی کی تکذیب لازم آتی ہے جو موجب کفر ہے، کیونکہ حیات رسول میں تقرر خلیفہ رسول جیسے اہم فریضہ کی فروگذاشت تکمیل دین کے لئے منافی ہے اور آیہ الیوم اکملت لکم دینکم کا اعلان اکمال دین کیلئے یقینی اور لابدی امر ہے پس اگر تصدیق کلام الٰہی اور ایمان بر اکمال دین عین حیات رسول رکھا جائے تو ماننا پڑیگا کہ تقرر خلیفہ رسول حیات رسول ہی میں ہو چکا، اور رسول کریم نے اس کا اعلان مختلف مواقع پر کر دیا تھا، جیسا کہ دعوت عشیرہ کے موقع پر جبکہ آپ نے متعدد مرتبہ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور میرا معین ومددگار ہو میں اس کو اپنا بھائی وصی اور وزیر وخلیفہ قرار دوں۔ (دیکھو طبری جلد ۲ صـ۲۱۷، ابو الفدا جلد ۱ صـ۱۰۹، حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صـ۱۶، تفسیر لباب التاویل جلد ۳ صـ۳۷۱، تفسیر معالم التنزیل وثعلبی وغیرہ)۔

پس اس سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل واضح طور پر اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو اپنا وزیر وخلیفہ اور وصی نامزد کر دیا تھا، اس کے علاوہ کبھی شب ہجرت اپنے بستر پر سلا کر اور مقام غدیر میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرما کر مختلف مقامات پر مختلف عناوین سے رسول کریم نے حضرت علی کی خلافت کا اعلان فرمایا جو کتب اہل سنت میں بطرق کثیر مروی ہے اور اگر رسول کریم کے ان ناقابل انکار اعلانات خلافت علی سے قطع نظر کر کے صرف اسی عقیدہ پر اکتفا کی جائے کہ رسول اللہ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تو آیہ اکملت لکم کا صریح انکار ہے جو موجب کفر ہے، اور بوجہ تکذیب خدا ورسول باعث خروج از اسلام اور چونکہ اکمال دین جملہ امور دینی کی تکمیل کا مظہر ہے۔ اور مسئلہ خلافت بھی ایک دینی مسئلہ ہے اور جزو اسلام ہے اس لئے اکمال دین سے پیشتر مسئلہ خلافت کا حیات رسول ہی میں طے ہو جانا لازمی اور لابدی امر ہے اور جو کچھ سقیفہ بنی ساعدہ میں کارروائی عمل میں آئی اس کا دین سے کوئی لگاؤ نہیں۔ علاوہ ازیں وفات رسولؐ کے وقت دو گروہ اسلام میں ظاہر ہوئے ایک وہ جو مسئلہ تقرر خلیفہ سے بے نیاز ہو کر تجہیز وتکفین رسولؐ میں مصروف رہا اور دوسرا وہ جو تجہیز وتکفین رسولؐ کو چھوڑ کر مسئلہ تقرر خلیفہ میں منہمک ہوا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ ایک وہ گروہ مسلمین ہے جو اعلان خداوندی اکمال دین تکمیل آیہ بلغ پر ایمان رکھتے ہوئے تجہیز وتکفین رسولؐ میں مصروف ہے اور سمجھتا ہے کہ ہمیں کسی کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، خلیفہ بنانا ایک دینی امر تھا وہ اکمال دین کے اعلان سے پہلے ہی حیات رسولؐ میں بن چکا، اب ہم کو اطمینان سے رسول کی تجہیز وتکفین کرنی چاہیئے۔ گویا اس گروہ نے کسی کو خلیفہ نہ بنا کر آیہ الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق۔ اور دوسرے گروہ نے دین کو ناقص جانتے ہوئے اس کی کمی پورا کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجماع کیا اور جنازہ رسول خدا صلعم کو چھوڑ کر خلیفہ منتخب کیا۔ اور اپنے خیال میں سقیفائی کارروائی کر کے دین کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ حیات رسول میں نہ کوئی

شیعہ تھا نہ کوئی سُنی۔ وفاتِ رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی جو علی علیہ السلام کو خلیفہ برحق جانتے اور کفن و دفن رسولؐ میں علی کے برابر معین و مددگار رہے وہ شیعہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مسئلہ خلافت و امامت

امامت ظلِ رسالت ہے ۔ قرآن حکیم سے انبیاء علیہم السلام کے تین واجب الاطاعت منصب ثابت ہوتے ہیں:۔

اوّلاً خلافت: اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ) (اے حبیب محمد مصطفیٰؐ) یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا "میں زمین خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ اس سے مراد حضرت آدم خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔ (کمافی البیضاوی ص۵۹ پ۱)۔

دوم امامت: اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (پ بقرہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں تجھے لوگوں کا امام کرنے والا ہوں"۔ الامام اسم لمن یؤتم بہ (بیضاوی ص۱۰۲) کہ امام بروزن فعال اسم آلہ کے صیغوں سے ہے، اس شخص کا نام ہے جس کی اقتدا کی جائے۔

سوم رسالت و نبوت: ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں لیکن وہ اللہ کا رسولؐ اور نبیوں کا خاتم ہے۔

نبوت ختم ہو چکی ہے: امامت و خلافت انبیاء باقی ہیں۔ امامت اور خلافت کا علیٰ منہاج النبوۃ ہونا ضروری ہے اس کو علمائے کرام نے مختلف عنوان سے تعبیر فرمایا ہے بمثلاً توارثِ صفات، تشبہ بالنبوت، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں:۔ "خلیفہ خاص کو وحی و رسالت کے سوا آنحضرت صلعم کے ساتھ کامل تشبہ حاصل ہونا ضروری ہے۔ پھر تشبہ سے مراد یہ ہے کہ جمیع لوازم خلافت میں تشبہ حاصل ہو اور بعض لوازم میں تشبہ حاصل ہونا کافی نہیں۔ (ازالۃ الخفاء ص۵ حصہ دوم)۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی مصنف تقویۃ الایمان اپنی مشہور کتاب منصب امامت ص۲ میں فرماتے ہیں:۔ "واضح ہو کہ امام رسول کا نائب ہوتا ہے اور امامت ظلِ رسالت ہے نائب کے احکام کو منیب کے احکام سے پہچانا جاتا ہے، اور ظل کی حقیقت کو اصل سے جاننا چاہیئے"۔

معیارِ امامت:۔ اب امامت کا پہچاننا آسان ہو گیا ہے کیونکہ امامت ظلِ رسالت ہے جو شخص اصل کو پہچان لیگا وہ ظل کو بھی جان لیگا۔ چنانچہ صاحب شرح مواقف نے اثباتِ رسالت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علمائے کلام کے چار مسلک نقل کئے ہیں۔

مسلک اوّل: دعوت، نبوت اور ظہور معجزہ بردستِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (شرح مواقف ص۶۷۷) اس مسلک کی بناء پر اللہ امامت حقہ کے لئے دعویٰ امامت اور ظہور معجزہ شرط ہے چنانچہ ہمارے مولائے کائنات جناب امیر علیہ السلام کا دعویٰ امامت اور خلافت و صدیقیت کتب اہل سنت سے باحسن وجوہ ثابت ہے۔

دعویٰ ولایت و وراثت از جناب امیر علیہ السلام

عن ابن عباس ان علیاً کان یقول فی حیاۃ رسول اللہ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم واللہ لا ننقلب علی اعقابنا بعد اذ ھدانا اللہ واللہ لئن مات او قتل لاقاتل علیہ حتی اموت انی لاخوہ وولیہ وابن عمہ ووارثہ فمن احق بہ منی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد۱۔ ص۴۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ حیاتِ سرکارِ رسالتؐ میں فرمایا کرتے تھے، کہ اللہ کی قسم ہم ہدایت کے

اُلٹے پاؤں ضلالت کی طرف نہیں لوٹینگے، خُدا کی قسم اگر میرے آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ فوت یا شہید ہو جائیں تو میں حضورؐ کے دین کے احیا میں تا موت کفار سے جہاد کرتا رہوں گا۔ اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ کا ولی ہوں اور ابن عم ہوں اور آپ کا میں ہی وارث ہوں، پس مجھ سے زیادہ آپ کے ورثہ کا کون زیادہ حقدار ہو سکتا ہے۔

دعوئے صدیقیت از جناب امیرؑ:۔ عن عباد بن عبد اللہ قال قال علی انا عبد اللہ و اخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب صلیت قبل الناس بسبع سنین۔ (ابن ماجہ صہ۱۲) عباد بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور محمدؐ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں۔ میں نے سب لوگوں سے پہلے سات برس سے نمازیں پڑھی ہیں۔

دعوئی وصیت:۔ ولایت، حکومت و سبقت از جناب امیرؑ محمد النبی اخی وصہری ؛ و حمزہ سید الشہداء عمی۔ محمد رسول اللہ میرے بھائی اور سسر ہیں۔ اور حمزہ سید الشہداء میرے چچا ہیں۔ وجعفر الذی یمسی ویضحی ؛ یطیر مع الملائکۃ ابن امی۔ اور جعفر طیار جو صبح و شام ملائیکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہے میری ماں کا بیٹا ہے۔ وبنت محمد سکنی وعرسی ؛ مسوط لحمہا بدمی ولحمی۔ اور محمد مصطفےٰ کی بیٹی میرے دل کا سکون اور میری زوجہ ہے اور اس کا گوشت میرے خون اور گوشت میں ملا ہوا ہے۔ وسبطا احمد ولدای منہا۔ فایکم لہ سہم کسہمی اور احمد کے نواسے میرے دونوں بیٹے ہیں۔ پس تم میں سے کون ہے کہ جس کا حصہ میرے حصہ کے برابر ہو۔ سبقتکم الی الاسلام طراً ؛ صغیراً ما بلغت اوان حلمی۔ میں تم سب سے اسلام لانے میں سبقت لے گیا۔ حالانکہ میں ابھی بچہ تھا اور حالت بلوغت کو نہیں پہنچا تھا۔ فاوصانی النبی لدی اختیارہ ؛ رضی منہ لامتہ حکما۔ وقت اختیار محمد مصطفےٰ نے مجھے وصی بنایا۔ اور اپنی امت کے لئے میرا حاکم ہونا پسندیدہ سمجھا۔ واوجب فی الولاء معا علیکم خلیلی یوم دوح غدیر خم۔ تم سب پر میری ولاء کو واجب کیا۔ میرے محبوبؐ نے غدیر خم کے دن۔ فویل ثم ویل ثم ویل لمن یرد القیامۃ وھو خصمی ؛ پس میرے دشمنوں کے لئے روز قیامت ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ (تذکرہ) سبط ابن جوزی صہ۴۳ وصواعق محرقہ صہ۷۹)۔

دعوئی اعلمیت بالقرآن از امیر المومنین علیہ السلام:۔ واللہ ما من ایۃ نزلت برا او بحرا او سہلا او جبلا او سماء او ارضا ولیلا او نہارا الا فانا اعلم فی من انزلت اوفی ای شیٔ نزلت۔ خُدا کی قسم کوئی آیت نہیں جو خشکی تری اور جنگل یا پہاڑ۔ آسمان یا زمین، روز یا شب میں نازل ہوئی ہو اور میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی اور کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر اتقان جلد ۲ شرح مواقف صہ۲۴۳)۔

دعوئی اعلمیت بکتب اربعہ منزلہ من السماء:۔ یقول علیؑ لو کسرت لی الوسادہ ثم اُجلست علیہا لقضیت بین اہل التوراۃ بتوراتہم وبین اہل الانجیل بانجیلہم وبین اہل الزبور بزبورہم وبین اہل الفرقان بفرقانہم۔ (شرح مواقف صہ۲۴۳)۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے لئے مسند بچھادی جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو میں اہل تورات کے درمیان تورات سے فیصلہ کروں اور اہل انجیل کے درمیان انجیل سے اور اہل زبور کے درمیان

زبور سے اور اہلِ فرقان کے درمیان فرقان سے اور اس سے مراد کتب اربعہ پر جناب امیر علیہ السلام کا احاطہ علمی ہے۔
یہ ہے جناب امیرؑ کے دعویٰ کا اختصاری ثبوت۔ رہا ظہور معجزات کا ذکر سو یہ محتاجِ بیان نہیں (قلع باب خیبر حجۃ اللہ البالغہ) بوقت سواری ختم قرآن (شواہد النبوۃ جامی ص۱۶۰)۔ اخبارِ غیب بقبیل عوائج مشہور آفاق ہیں۔ فصاحت و بلاغت میں نہج البلاغہ کا کلام معجز نظام جناب امیر علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہے۔

مسلک ثانی فی اثبات نبوت:۔ جو غزالی اور جاحظ وغیرہ کا مختار ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ کے قبل نبوت اور وقتِ دعوت اور بعد اتمام حالات سے استدلال کیا جائے کہ حضور علیہ السلام نے مہمات دین و دنیا میں کبھی جھوٹ نہیں بولا نہ قبل نبوت نہ بعد نبوت اور غایت درجہ میں فصیح تھے، جیسا کہ آپ نے فرمایا: اوتیت جامع الکلم۔ اور آپ نے تبلیغ رسالت میں قسم قسم کی مشقتیں برداشت کیں اور آپ کے عزم بالجزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ دشمنوں پر غلبہ پانے اور مرتبہ رفیعہ کو پہنچنے اور اموال کے جمع ہونے پر بھی آپ کی حالت میں تبدل و تغیر نہ ہوا۔ اوّل عمر سے لے کر آخر عمر تک ہی طریقے پر رہے ہے اور آپ کی سخاوت اس درجہ پر تھی کہ آپ کو ولا تبسطها کل البسط سے تنبیہ فرمائی گئی۔ اور زینت ہائے دنیا کی طرف سے اس قدر عدم التفات تھے کہ قریش نے مال، عورتیں اور ریاست پیش کی، مگر آپ نے اپنا دعویٰ نہ چھوڑا اور فقراء اور مساکین کے ساتھ انتہائی تواضع سے پیش آتے تھے، اور اغنیاء اور ارباب ثروت کے نہایت رعب و داب سے ملتے تھے، اور آپ کے حکیمانہ احکام جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور آپ کا شجاعان عرب کے مقابلے میں اقدام سب نبوت کی دلیلیں ہیں کیونکہ آپ نے اعداء کے مقابلوں میں کبھی فرار نہیں فرمایا۔ ان اوصاف حسنہ کا مجموعہ ثبوت پر دال ہے۔ (تشبیہ جناب امیر علیہ السلام با صفات پیغمبر حسب مسلک ثانی ماخوذ از شرح مواقف ص۴۸۶)۔ اب اہل بصیرت کے لئے خلیفہ حقیقی کا شناخت کرنا آسان ہو گیا۔ کیونکہ حضور صلعم کے جملہ حالات کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام کے حالات کا تطابق کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ قبل نبوت و قبل امامت جناب امیر اور رسولِ خدا کا شرک سے مبرا و منزاہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ حتیٰ کہ تذکرہ سبط ابن جوزی میں یہاں تک منقول ہے کہ جناب امیر اپنی ماں کے بطنِ اقدس میں بتوں کو سجدہ کرنے سے روکتے تھے:۔ قال ابن عباس کانت امه اذا دخلت علیٰ هبل لتسجد له وهی حامل به علی علی بطنها فیتقوس لعینها من السجدة (تذکرہ سبط ابن جوزی ص۳)۔ کہ یہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جب جناب امیر کی والدہ ہبل بت کے پاس بحالت حمل گذرتیں، تو جناب امیر شکم مادر میں قوس کی طرح کھنچ کر ان کو سجدے سے روکتے۔ یہ روایت اہل سنت کی ہے، ورنہ مسلک اہلبیت میں فاطمہ بنت اسد قائل توحید ہیں۔ اور وہ اس امت مسلمہ سے تھیں جس کا ذکر دعائے ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام میں ہے اور جن میں سے سرکارِ رسالت نے مبعوث برسالت ہونا تھا۔ آپ کی سخاوت اور جہاد سے کتب تاریخ پر ہیں اگر جنابِ رسالت مآب کا جنگوں سے نہ بھاگنا دلیل ثبوت ہے۔ تو جناب امیر کا اعداء سے مقابلہ کرنا جس پر خندق، خیبر، احد، بدر وغیرہ شاہد ہیں۔ دلیل امامت کیوں نہیں۔

مسلک ثالث:۔ مسلک ثالث اثبات نبوت میں انبیاء و متقدمین کی خبریں ہیں جو تورات و انجیل میں آپ کی نسبت خبر دی گئی ہیں۔ اس مسلک کی بناء پر بھی جناب امیر علیہ السلام کی امامت ثابت ہے، کیونکہ آپ کی امامت کی نسبت قرآن اور احادیث

شاہد ہیں اور پیشینگوئیاں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ قدرت نے ابتدائے آفرینش میں آلِ محمد کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا جیسا کہ اہلِ سنت کی کتاب مروج الذہب جلد اول ص۲۲ مطبوعہ مصر میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں سرکارِ رسالت کو فرمایا:۔
انت المختار المنتخب و عندک مستودع نوری وکنوز ھدایتی وانصب اھل بیتک للھدایۃ واوتیھم من مکنون علمی مالا یشکل علیھم دقیق اجعلھم حجتی علی بریتی۔ تو مختار اور منتخب ہے اور تیرے پاس میرے نور کی ودیعت گاہ ہے اور میری ہدایت کے خزانے ہیں۔ ہدایت کے لئے اپنے اہلبیت کو مقرر فرما اور میرے علم مکنون کو انھیں عطا فرما کہ ان پر باریک سے باریک امر بھی مشکل نہ رہے۔ اور میری مخلوقات پر انھیں میری حجت قرار دے۔ عالم ارواح کے اس ارشاد کو پھر قرآن حکیم کے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا:۔ فَاذا فرغت فانصب و الیٰ ربک فارغب (الشراح)۔ پس جب تو فریضہ تبلیغ سے فارغ ہو جائے پس اپنے رب کی طرف رجوع کر۔

ہر ہادی جو اس عالم میں مبعوث ہوا وہ اپنی حیات میں اپنے بعد آنے والے نبی یا وصی یا خلیفہ کا اعلان کرتا رہا ہے۔ اس سُنّتِ انبیاء کے لحاظ سے خلیفہ کی خلافت سے اعلان خلیفہ مقدم ہے۔ اور مستخلف کی حیات میں خلیفہ کا تقرر ضروری اور مقدم ہے سنتِ انبیاء بدل نہیں سکتی۔ جب دوسرے انبیاء میں یہ سنّت جاری رہی تو خاتم الانبیاء کے لئے یہ اعلان اور بھی ضروری ہوا۔ چونکہ نبوت ختم ہو چکی اب دین کی نشر و اشاعت اور دین کا بقا خلفائے خاتم الانبیاء پر منحصر ہے۔ ایسی حالت میں سنّتِ انبیاء اور سنّتِ اللہ اپنے مقام پر قائم رہی اور جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا اعلان مختلف پیرایوں میں برابر ہوتا رہا۔

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اِنَّ علیاً مِنی و انا منہ و ولی ھو کل مومن من بعدی (مسند ابو داؤد الطیالسی الجزء الاول ص۳۳۱ حدیث ۸۲۹ مسند احمد حنبل الجزء الاول ص۳۳۰ اسد الغابہ) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔ اس حدیث میں من جنسیہ ہے، یا تبعیفیہ یا بدلیہ ہے اور ان ہر سہ صورتوں میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ثابت ہے، اگر جنسیہ ہے تو اس سے کامل طور پر تشبہ بالرسول ثابت ہے اور اگر تبعیفیہ ہے تو علی ابن ابی طالب کا اجزائے رسالت میں ہونا ظاہر و باہر ہے۔ اور بدلیہ ہے تو اس سے ثابت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام بعد ختم نبوت سرکار رسالت بہ حیثیت خلیفہ و امام بدل سرکار رسالت ہیں۔

(۲) سرکار رسالت نے فرمایا: علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ اِلّا انہ لا نبی بعدی (صحیح بخاری الجزء الثانی ص۲۶۳ باب مناقب علی) اے علی تیرا میرے نزدیک وہی مرتبہ ہے جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس سے ظاہر ہے کہ اے علی تم نبی تو نہیں ہو گے، باقی کل اُمور میں تم مثل ہارون ہو۔ اس منزلت سے انکار سرکار رسالت کے مثیل موسیٰ ہونے سے انکار ہے۔ انّا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ ورنہ یہ بتلانا پڑیگا کہ مثل ہارون کون ہے؟ اس میں کلام نہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب مثل حضرت ہارون شریک تبلیغ و ہدایتِ خلق، حضرت کے قوتِ بازو اور حضور صلعم کے دشمنوں کو زیر کرنیوالے اور آپ کے بھائی اور خلیفہ ہیں۔ آیہ مبارکہ فاذا فرغت فانصب و الیٰ ربک فارغب میں اس خلافت و امامت کا آخری اعلان مطلوب ہے۔ یہ اعلان اعلان ولیعہدی و خلافت و وصایت ہے اور اس کے ثبوت میں نفس الفاظ آیہ مبارکہ ہی کافی ہیں۔ اس ارشاد الٰہی کے بعد رسول اللہ تبلیغ سے فارغ ہو کر حجۃ الوداع کو تشریف لے گئے۔ حج سے فارغ ہوئے،

کارِ تعلیم اسلام ختم ہوئی۔ سرکارِ احدیت کا حکم پہنچا: یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (المائدہ) اے رسول حکم جو تم کو دیا گیا ہے اور تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچا دو پس تم نے اگر اس حکم کو ادا نہ کیا تم نے میری رسالت ہی ادا نہیں کی، اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائیگا۔ رسول اللہ کی شان یہ ہے کہ جو حکم انھیں دیا جائے اور وہ اعمال سے تعلق رکھتا ہو اس میں حضور سے تاخیر، تخلف اور تخطی ناممکن ہے، اس اصول کو سمجھنے کے بعد اب اس آیت پر ایک لمحہ فکریہ صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱) "بلغ ما انزل الیک من ربک" سے ظاہر ہے کہ کوئی اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا ہے جس کی تبلیغ کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ (۲) "فان لم تفعل" سے ظاہر ہے کہ تبلیغ فعلی ہے یعنی رسول اللہ کو یہ کام سرانجام دینا ہے! اور وہ اب تک سرانجام نہیں پایا۔ (۳) وہ کوئی ایسا امر ہے کہ رسول اللہ نے اُسے نہ کیا تو گویا کارِ رسالت ہی نہیں کیا۔ انجام کارِ رسالت اسکی تکمیل فعلی پر منحصر ہے نہ صرف تبلیغ قولی پر کیونکہ حکم "فان لم تبلغ" نہیں بلکہ "فان لم تفعل" ہے۔ (۴) وہ کوئی ایسا کام ہے جس میں خطرہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے: "تم فکر نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بچائیگا"۔ (۵) یہ ظاہر ہے کہ رسولِ اللہ حجۃ الوداع تک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس اور جہاد کے احکام بتلا چکے ہیں۔ بلکہ انھیں عملاً کرکے دکھا چکے ہیں۔ یہ خلافتؑ و صایتؑ و امامت علی کا اعلان ہے اور سرکارِ رسالت علی علیہ السّلام کو عملاً بلند کرکے دکھاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ اس اعلان ولیعہدی پر حضرت علی کی بیعت ہوئی۔ شعرائے دربار رسالت نے قصائد پڑھے۔ حسان ابن ثابت انصاری کے قصیدہ میں سے صرف ایک شعر ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

فقال لہ یا علی قم فاننی   رضیتک من بعدی اماماً وھادیا

فرمایا: اے علی اُٹھ۔ پس تحقیق میں اس پر راضی ہوگیا ہوں کہ تو میرے بعد امام و ہادی ہو۔ مولا کے لفظ امام کے معنوں میں حسان نے بیان کیا تو ختم قصیدہ کے بعد سرکارِ رسالت نے فرمایا: یا حسان لا تزال مؤیداً بروح القدس نصرتنا بلسانک۔ اے حسان تو ہمیشہ روح القدس سے اسی طرح مؤید رہے جب تک تو اپنی زبان سے ہماری نصرت کرتا ہے۔

ایسا ہی قصیدہ عمرو ابن عاص نے پڑھا جس کے شاہ بیت کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

وضربتہ کبیعتہ بخم   معاقد ھا من القوم الرقاب

حضرت علی کی میدان جنگ میں ضربت ایسی ہی ہے جیسی کہ خم غدیر کے موقعہ پر آپ کی بیعت جس نے قوم کی گردنوں کو خم کر دیا۔ اس اعلان کے بعد آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا۔ اپنی نعمت کا تم پر خاتمہ کر دیا۔

مسلکِ رابع: سرکارِ رسالت کے اثبات نبوت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں کوئی کتاب و حکمت نہ تھی۔ سرکارِ رسالت کا ایسے ملک میں کتاب و حکمت لانا آپ کے نبی ہونیکی دلیل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سرکار رسالت کتاب و حکمت کی تعلیم کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے، جیسا کہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے ظاہر ہے۔ حکمت ہی خیر کثیر ہے:۔

۱۔ ومن اوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اس کو خیر کثیر دے دی گئی۔ انبیاء علیھم السّلام کو کتاب و حکمت عطا ہوتی تھی ان کی شان میں فرماتا ہے: لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ (آل عمران) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلق

ارشاد ہوتا ہے: اِذ علمتک الکتاب والحکمۃ۔ حضرت لقمان کے متعلق ارشاد ہے: لقد اتیناہ الحکمۃ ہم نے ہی لقمان کو حکمت عطا کی۔ آنحضرتؐ کے لئے ارشاد ہوا ہے:۔ وَاتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔ اور ہم نے اس کو حکمت اور فصل الخطاب عطا کیا۔ وذالِکَ مِمّا یُوحی الیک ربک من الحکمۃ۔ یہ وہ حکمت ہے جس کی خدا تجھے وحی کرتا ہے۔ آلِ ابراہیم کے متعلق ارشاد ہے فقد آتینا آلِ ابراھیم الکتابَ الحکمۃ۔ ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی۔ اگر والحکمۃ کتاب پر عطف تفسیری ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب نہیں ہے مگر عین حکمت، اور یہ بالکل یقینی ہے کہ کلام حکیم مطلق قطعی ہونا چاہیئے۔ اگر کتاب و حکمت جناب رسالتمآب کیلئے دلیل نبوّت ہے تو علیٰ منہاج النبوۃ حضرت علی علیہ السّلام کا علم اور انکی حکمت انکے لئے دلیل امامت و خلافت ہے۔ ذرا حکمت کے لفظ پر غور فرمائیے:۔ فکل کلمۃ وعظمتک و زجرتک او دعتک الیٰ مکرمۃٍ او نتھک من قبیح فھی حکمۃ وحکم۔ (جمہرۃ اللغت جلد ۲ ص ۱۸۶) ہر ایک بات جو تجھے نصیحت کرے یا زجر و تنبیہ کرے یا نیکی کی طرف بلائے یا بُرائی سے منع کرے پس یہی حکمت ہے۔ (۲) الحکمۃ من العلم والحکیم العالم وصاحب الحکمۃ والحکیم المتقن لِلامور۔ حکمت علم اور حکیم عالم ہے اور کاموں کو خوبی سے کرنیوالے کو صاحب حکمت و حکم کہتے ہیں (صحاح اللغت جوہری جلد ۵ ص ۲۷) (۳) والحکمۃ عبارۃ من معرفۃ افضل الاشیا بافضل العلوم (لسان العرب جلد ۵ ص ۳) بہترین اشیاء کی بہترین علوم سے معرفت کو حکمت کہتے ہیں۔ (۴) والحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل فالحکمۃ من اللہ تعالیٰ معرفۃ الاشیاء و ایجادھا علیٰ غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفت الموجودات وفعل الخیرات (مفردات القرآن۔ الراغب اصفہانی) حکمت، علم و عقل سے حق تک پہنچنا پس اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو بکمال خوبی اشیاء کی معرفت اور ان کا ایجاد ہے۔ اور جب انسان کی طرف ہو تو موجودات کی معرفت اور اعمال نیک ہیں۔ (۵) مالک اور ابو رزین کا قول ہے: الحکمۃ الفقہ فی الدین والفھم الذی سجیۃ ونور من نور اللہ۔ (۶) مجاہد کا قول ہے: الحکمۃ فھم القرآن۔ حکمت قرآن کو سمجھنا ہے۔ (۷) تعابل کا قول ہے: العلم والعمل بہ لا یکون الرجل حکیماً حتیٰ یجمعھا۔ حکمت علم اور اس پر عمل کرنا ہے کوئی شخص اس وقت تک حکیم نہیں ہو سکتا جب تک دونوں کا جامع نہ ہو۔ (۸) وَقیل الحکم والقضاء۔ (۹) وقیل ما لا یعلم الا من جھۃ الفصول ۰ (۱۰) وقال ابوجعفر بن یعقوب:۔ کل صواب من القول ورثت فعلاً صحیحاً فھو حکمۃ۔ قولِ راست جس کے بعد صحیح فعل ہو حکمت ہے۔ (۱۱) وَقیل وضع الاشیاء مواضعھا۔ (۱۲) و قیل کل قول وجب فعلہ (تفسیر بحر المحیط لابن حیان اندلسی)۔ (۱۳) حکمت کی تعریف علماء نے یہ بھی کی ہے:۔ الحکمۃ علم باحوال اعیان الموجودات علیٰ ما ھی علیھا بقدر الطاقۃ البشریہ بقدر الطاقۃ البشریہ کی شرط ایسے بشر کے لئے ہے جس کا علم کسبی ہو۔ جب اللہ وھبی طور پر کسی کو علم دے تو اس کی شان ہی نرالی ہے۔

علی علیہ السّلام ہر لحاظ سے حکیم ہیں۔ اس کی تصریح پروردگار عالم یوں فرماتا ہے:۔ وانہٗ فی ام الکتاب لعلیٌّ حکیم۔ بیشک شان یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ام الکتاب میں علی حکیم ہے۔ حضرت صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پیغمبر کا کام تعلیم کتاب و حکمت ہے۔ اس لئے پیغمبر کا جانشین، خلیفہ اور امام وہ ہے جو وارث علم و حکمت ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا:۔ انا دار الحکمۃ وعلی بابھا۔ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ جریدۃ العمران مصر کے

مدیر شہیر عبد المسیح انطاکی (جو ایک عیسائی ادیب ہیں) جناب امیر علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں :۔ ان الحکمۃ ماثورۃ عن سیدنا امیر المومنین علی فھو بلا جدال سید الحکماء وعنہ تردی الحکمۃ فی مواطن السراء والضراء وقد وردت الحکمۃ علی لسانہ الشریف فی کثیرا من رسائلہ وخطبہ واقوالہ حتی قال انہ ینطق بالحکمۃ فی کل موطن اقام فیہ و مجلس جلس وموقف وقفہ بل کانت جمیع اقوالہ الشریفۃ واعمالہ المنیفہ الخ۔ تحقیق حکمت حضرت علی سے منقول ہیں۔ وہ بغیر بحث و اختلاف کے سید الحکماء ہیں۔ اطمینان اور ناگوار زندگی کے ہر دور کے متعلق ان سے حکمتیں مروی ہیں۔ آپ کے خطوط و اقوال اور خطبے حکمتوں سے اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت جہاں بیٹھ جاتے تھے حکمت کا خزانہ لٹاتے تھے۔ بلکہ اقوال و اعمال حکمت کے دریا تھے۔

بیروت کے عیسائی ادیب پروفیسر فواد فرام نے نہج البلاغہ کے ایک انتخاب میں لکھا ہے :۔ اننا نبدا الیوم بنشر منتخبات من نھج البلاغۃ لامام علی ابن ابیطالب اول مفکری الاسلام۔ (علی ابن ابی طالب لفواد فرام بستانی)۔ آج ہم نہج البلاغہ کی اشاعت سے اپنے کام کی ابتدا کرتے ہیں، یہ کام ہے امام علی ابن ابیطالب کا جو اول حکیم اسلام ہیں یہ غیر مسلموں کے مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حکمت کے متعلق تاثرات ہیں۔"

اس مقالہ میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ ہم جناب امیر علیہ السلام کے اپنے بیان پر جو ان کی علم الکتاب و الحکمۃ کا مظہر ہے اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں۔ امیر المومنین نے مہاجرین و انصار کے سامنے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :۔ لو وجدت لہ طالبا سلونی قبل ان تفقدونی ھذا اسفط العلم۔ ھذا لعاب رسول اللہ ھذا ما زقنی رسول اللہ زقا۔ فاسئلونی ان عندی علم الاولین والآخرین (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۶۵)۔ میرے سینہ میں جو علم ہے کاش میں اس کا طلبگار پاتا۔ میری موت سے پہلے جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہو پوچھو۔ یہ سینہ علم کا گنجینہ ہے۔ یہ لعاب رسول ہے، یہ وہ ہے جسے مجھے رسول اللہ نے بھرایا ہے۔ مجھ سے پوچھو میرے پاس اولین و آخرین کا علم ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

عہد خلفاء میں تلوار نہ اٹھانے کے اسباب

موضوع بالا کو سمجھنے کے لئے حسب ذیل دو باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے :۔ (۱) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقصد بعثت اور حضرت کا طریقہ کار کیا تھا۔ (۲) جناب سرور کائنات صلعم کے بعد آپ کی تعلیمات کا سب سے اعلیٰ اور افضل نمونہ کون تھا۔

یہ مسلم بین الفریقین ہے کہ حضرت صلعم کی بعثت احیاء اصول شاہی و سلطانی ملک گیری و جوع ارضی کے لئے نہ تھی، بلکہ افراد کو صحیح انسانیت کے سانچے میں ڈھالنا مقصود تھا یعنی کہ وہ انسانیت جو ظلم و جور قتل و غارت گری، چوری و ڈکیتی، بددیانتی و بے ایمانی فرقہ پرستی و گروہ بندی، خود نمائی، خود ستائی، خدا فراموشی و عنانیت، کذب بیانی و افترا پردازی میں گر رہی تھی، اس کو عدل و انصاف اخوت و محبت، کسب حلال، جائز ذریعہ معاش، دیانت و امانت، یکجہتی و یگانگت، خاکساری و انکساری، خلق و مروت، خداشناسی و خدا پرستی کے زیوروں سے آراستہ کرنا مقصود تھا یہی وہ تمام اخلاقی فضائل ہیں جن سے انسانیت متصف ہو کر پُر نور اور نور علیٰ نور ہوتی ہے جن کی تبلیغ و

اشاعت تلوار کے زور سے نہیں ہوا کرتی بلکہ علم و حکمت، ادب و اخلاق کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے اس لئے اللہ نے اپنے حبیب کی تعریف یوں فرمائی ہے: اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم بیشک اے رسول تم اخلاق کے تمام ہتھیاروں سے آراستہ ہو۔ اور حضور خود بھی فرمایا کرتے تھے، کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میں بہترین اخلاقیات کو درجہ کمال تک پہنچانے آیا ہوں۔

جس وقت حضور نے اعلانِ نبوّت فرمایا ہے وُہ آپ کا بھرپور شباب تھا۔ دستِ بازو قوی اور توانا تھے، اور گھر کے اندر بہادر ترین افرادِ عرب موجود تھے۔ جیسے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار وغیرہ اور کسی انسان کی جو قوت و طاقت گھر میں رہ کر ہو سکتی ہے وہ پردیس اور عالم مہاجرت میں نہیں ہو سکتی۔ لیکن آنحضرت نے بجائے اعلانِ جنگ اور تلوار کے مقابلہ کے خلق و اخلاق کی شمشیر آبدار سے لوگوں کو اپنا گرویدہ کیا۔ دنیا میں جب بھی کسی شخص کا مقصود حکومت رہا ہے اس نے اپنے زور سے کام لیا ہے لیکن پیغمبر اسلام نے بظاہر اپنی کمزوری دکھائی، اور بباطن اخلاق کا ایسا دباؤ ڈالا کہ دُنیا حیرت زدہ ہے کہ ایسے یتیم اور بے سر و سامان شخص نے اتنی جلدی عرب جیسے جہالت زار کی کایا پلٹ کر رکھ دی لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ حضور ملک گیری و حکمرانی کرنے تشریف نہیں لائے تھے۔ جو لاؤ لشکر اور تلوار کی ضرورت ہوتی بلکہ آپ کا مقصد انسانیت کو معراج کمال تک پہنچا کر دلگیری مقصد تھی۔ یہی تو وجہ تھی کہ لوگ پتھر مارتے تھے کوڑا ڈالتے تھے، بدکلامی کرتے تھے طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ مگر وہ خلق مجسم یہی کہتا تھا: اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔ خُدایا میری قوم مجھے پہچانتی نہیں ہے اس کو میری معرفت عطا کر۔ حد یہ ہے کہ لوگوں نے گھر گھیر لیا قتل کے درپے ہو گئے مگر حضور نے پھر بھی تلوار اٹھانے کے بجائے خاموشی سے دیس چھوڑ کر پردیس آباد کیا لیکن جب دشمنوں نے اس اخلاق کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مدینہ پر چڑھائی کی۔ تو وہی رسول جس نے کافی عرصہ تک تکلیفیں اٹھائیں اور اذیتیں برداشت کیں بالکل بے سر و سامانی کے عالم میں چند ساتھیوں کو ہمراہ لیکر مقابلہ میں آڈٹا۔ صرف اس لئے کہ خاموش رہنے اور چپ بیٹھنے کا محل نہیں۔ کیونکہ اب بزدلی اور پست ہمتی کا دھبہ لگنے کا شدید خطرہ تھا۔ جہاں تک سمجھانے بتلانے اور ادب و اخلاق کا تعلق تھا، وہ ہم نے مکمل طریقہ سے پورا کیا۔ پتھر کھائے مصیبتیں مشقتیں برداشت کیں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں۔ ایمان لانے والوں پر سخت ترین مظالم دیکھے سینے پر صبر کی سِل رکھی وطن عزیز کو چھوڑ کر بیوطنی اختیار کی مگر یہ انسان نما بھیڑیئے مدینے تک چڑھ آئے! اور انہوں نے ہمارے اخلاق کا غلط فائدہ اٹھایا تو اب رسولِ اکرم نے بھی کہا: اچھا تو آؤ اور ہم پردیسیوں کی نبرد آزمائی بھی دیکھ لو۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا، کہ تبلیغ اسلام رسول کا فرض العین تھا۔ جب اس راہ میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو پہلے اس کو ادب و اخلاق کی تلوار سے دفع کرنے کی کوشش کی۔ اور جب اخلاق کارگر نہ ہوئے بلکہ فریق مخالف نے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا، تو اب عین اخلاق یہی تھا کہ بزدلی اور پست ہمتی کے داغ کو شمشیر آبدار سے دھو کر اشاعت دین کا راستہ صاف کیا جائے۔ ورنہ ظلم و خونخواری کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ اسوۂ حسنۂ رسول یہ ہوا کہ پہلے تعلیم و تبلیغ اور اشاعتِ دین، اور ادب و اخلاق کے ذریعہ اور جب اس سے کام نہ چلے تو پھر بدرجہ مجبوری تلوار۔ تو اب صاحبان بصیرت خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ حضرت علی علیہ السّلام کے تلوار اٹھانے کا کونسا محل تھا جبکہ حضرت علی کا کام بعینہٖ کار رسول تھا، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے یہ بھی قریب قریب مسلم بین الفریقین ہے کہ آنحضرت کے بعد علم و حکمت، رشدہ ہدایت میں جو مرتبہ حضرت علی علیہ السّلام کا تھا، وہ کسی دوسرے کا نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو عن ابی ھریرۃ قال۔ قال رسول اللہ وھو فی محفل من اصحابہ ان تنظروا الی آدم فی علمہ ونوح فی فھمہ وابراھیم فی خلقہ وموسیٰ فی مناجاتہ وعیسیٰ فی سُنّتہ ومحمدٍ فی ھدیتہ وحلمہ فانظر الی ھذا

المقبل فتطلون الناس فاذا ھو علی بن ابی طالب۔ (اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ ۳۸ علمائے اہلسنت نے نقل کیا ہے۔ جن میں امام احمد بن حنبل، امام رازی، علامہ طبری، ابن صباغ اور امام مالک وغیرہ بھی ہیں) ترجمہ:- "ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلعم کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ فرمایا اگر آدمؑ کو اس کے کمال علم میں نوحؑ کو اس کے کمال فہم ابراہیمؑ کو اس کے کمال خلق میں موسیٰؑ کو ان کی صفت کلیم اللٰہی میں عیسیٰؑ کو ان کے طریق عبادت میں، محمدؐ کو ان کے کمال ھدایت وحلم میں دیکھنا چاہتے ہو تو اس آنے والے کو دیکھو۔ اصحاب نے جو گردن اٹھا کر دیکھا تو علی ابن ابیطالب چلے آرہے تھے۔ اس روایت سے کم ازکم یہ تو واضح طریقہ سے معلوم ہوگیا کہ حضرت علی میں انبیاء کے اوصاف تھے۔

آنحضرت صلعم کے بعد رشد و ہدایت کی ذمہ داری صرف حضرت علی پر آتی ہے کیونکہ حضورؐ نے خود ہی فرمایا ہے جو محمدؐ کو کمال ہدایت میں دیکھنا چاہے وہ علی کو دیکھے، علی کی ہدایت کا طریقہ بعینہٖ محمدؐ کے طریقہ پر ہوگا۔ اسی لئے محمدؐ کے بعد علی نے تبلیغ دین پہلے علم وحکمت اور خلق ومروت سے کی۔ دروازہ پر آگ و لکڑیاں جمع ہوگئیں، گلے میں رسّی بندھ گئی لیکن اشاعت و تبلیغ دین کی خاطر سب کچھ برداشت کرلیا۔ انہی تمام اخلاقی پہلوؤں کا اثر تھا کہ بڑے بڑے خلافت مآب اشاعتِ دین و مسائل شرعیہ اسلامیہ کے مواقع پر حضرت علی کے دروازہ پر کاسۂ گدائی لیکر آتے تھے۔ اگر حضرت علی تلوار اٹھا لیتے تو دشمن بظاہر ختم تو ہوجاتے لیکن یہ عمل عملِ رسولؐ کے مطابق نہ رہتا نیز یہ کہ حقیقی اسلام میں چنگیزی گھس آتی۔ اور چونکہ وہ بالکل ابتدا کا زمانہ تھا بہت سوں کو تو نبوتِ محمدیہ میں ہی شبہات پیدا ہوجاتے تھے آج برائے نام یہ کہا جاتا ہے کہ محمدؐ اپنے خاندان کی حکومت کرنا چاہتے تھے، علیؑ کی تلوار باہر آجانے سے تو یقین ہی ہوجاتا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ کی نگاہیں کتنی دور رس تھیں کہ خاموشی سے تبلیغ دین اور حفاظت نبوت محمدیہ کرتے رہے۔

(۲) قال رسول اللہ۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب۔ یہ حدیث اہلسنت کے ۱۴۶ مشہور راویوں سے مروی ہے جنمیں عبداللہ ابن مسعود اور حذیفہ یمانی، عمرو بن العاص۔ عبداللہ ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ جیسے صحابہ بھی شامل ہیں۔ صاحب کتاب نظم درر السمطین نے اس حدیث کو لکھ کر لکھا ہے کہ فضیلۃ اُخریٰ اعترف معا الاصحاب وانتھجوا دسلکوا طریق الوفاق وانتھجوا یعنی حضرت علی کی یہ ایسی فضیلت ہے کہ جس پر تمام اصحابِ رسولؐ کا اتفاق ہے۔ اور تمام اصحاب رسولؐ اس فضیلت کے حضرت علی کے لئے معترف تھے۔ یہ علمائے اہلسنت میں انہی ۱۴۶ علماء میں ہیں (امام احمد حنبل۔ علامہ طبری۔ علامہ ابن عبدالبر۔ علامہ ابن اثیر۔ حضرت نظام الدین اولیاء۔ علامہ طبری۔ ابن صباغ مالکی۔ ابنِ حجر عسقلانی۔ ابنِ حجر مکی۔ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ)۔

سیرۃ الاولیاء میں نظام الدین اولیاء نے یوں لکھا ہے: "اور حضرت علی، با اوصاف بذل و عطا۔ رزم و وغا، فقر و صفا میان صحابہ کرام ممتاز بود، با قوت و شوکت از حضرت عزت بخطاب اسد اللہ الغالب مخاطب گشت و بکثرت علم از جملہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بقول حضرت رسالت پناہ: انا مدینۃ العلم و علی بابھا مخصوص گشت"۔ شہاب الدین احمد توضیح الدلائل میں لکھتے ہیں: "و الصحابۃ کلھم تراجعونہ مھما اشکل علیھم ولا یسبقونہ ومن ھذا العز قال عمر لولا علی لھلک عمر" یعنی حضرت رسالتمآب کے بعد حضرت علی ایسے متبحر تھے کہ تمام صحابہ ہر مشکل میں علی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر اس فخر سے کہا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا"۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ سرکار رسالت کے بعد حضرت علیؑ از روئے حکمت و علم تمام اصحاب سے بہتر و افضل تھے، تو اب جو فضیلت و شرف حضرت علی کا ہوگا وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا کیونکہ علم اصل کمال ہے، جیسا کہ فخر الدین رازی

نے آیۂ عَلَّمَ ادم الاَسماءَ کے تحت لکھا ہے یہ آیت علم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آدم میں اپنی حکمت کا کمال محض علم سے ظاہر فرمایا ہے۔ اگر علم سے بہتر کسی اور شے کا وجود ممکن ہوتا، تو واجب تھا، کہ آدم کے فضل کا اظہار اسی شے سے کیا جاتا، نہ کہ علم سے (تحت علم ادم الاسماء، فخر رازی لکھ دیں۔

المسئلة السادسة هذه الاٰیته دالة علی فضل العلم فانه سبحانه ما اظهر کمال حکمته فی خلقة ادم علیه السلام الا بان اظهر علمه، فلو کان وجود شیٔ اشرف من العلم لکان من الواجب اظهار فضله بذالك الشیٔ لا بالعلم واعلم ان هذه الاٰیات تدل علی اشرف الانسان ومزیته العلم وفضله علی العبادة وانه شرط فی خلافت بل العمدة فیها ان ادم افضل من هؤلاء الملٰئکة لانه اعلم منهم والاعلم افضل لقوله هَل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (تفسیر بیضاوی جلد اوّل)۔ یہ آیات انسان کے شرف اور علم کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ پورے طریقہ سے ثابت ہوتا ہے کہ علم عبادت سے افضل ہے اور علم خلافت کیلئے ایک شرط ہے، بلکہ علم خلافت کا رکن ہے ظاہر ہوا کہ آدمؑ ملائکہ سے افضل تھے۔ کیونکہ ان سے زیادہ علم والے تھے، اور زیادہ علم رکھنے والا ہمیشہ افضل ہوا کرتا ہے، جیسا کہ خود خدا کہتا ہے، کہ جاہل اور کم علم لوگ عالم کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ حضرت علی تمام اصحاب سے علم و حکمت میں اعلیٰ افضل ہی نہیں بلکہ ایک طرح استاد صحابہ تھے۔ کیونکہ صحابہ اپنے تمام مشکل معاملات میں حضرت علیؑ کے محتاج ہوا کرتے تھے، جو شاگردوں اور ماتحتی کی روشن دلیل ہے۔ اور ترویج علم و حکمت کے لئے تلوار نہیں ہوا کرتی۔ (بشرطیکہ کوئی خود تلوار لے کر نہ نکل آئے، اور اشاعتِ دین میں رکاوٹ نہ پیدا کرے) بلکہ اہلیت و قابلیت کی ضرورت ہے جو حضرت علیؑ سے بہتر اور کسی میں تھی ہی نہیں تو پھر تلوار کیوں اُٹھائی جاتی۔ بیشک اگر ملک گیری مقصود ہوتی تو شاید تلوار اٹھتی لیکن یہاں دلگیری مقصود تھی اور اس میں جس حد تک حضرت علیؑ کامیاب ہوئے۔ دُوسرا یا سنگ بھی نہیں دلوں پر حکومت علم و حکمت سے کی جاتی ہے نہ کہ تلوار سے اور اس مملکت کا علیؑ ایسا تاجدار ہے کہ دشمن تک اسکی ثنا خوانی میں مصروف ہے۔ کَانَ مُعَاوِیَۃَ یَکْتُبُ فِیْمَا ینزل به لیسأل له علی علی ابن ابی طالب عن ذالك فلما قتل علیؑ قال ذهب الفقه والحکمة بموت ابن ابی طالب۔ (استیعاب ابن عبد البر) معاویہ امیر المومنین علیہ السلام سے لکھ لکھ کر مسائل پوچھا کرتا تھا جب حضرت علی کی شہادت ہوگئی، تو معاویہ نے کہا (آج) علی کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ فقہ اور حکمت ختم ہو گئے۔ اب غور کرنے کی بات ہے، کہ جب جناب سرورِ کائنات کا علم و فضل اور حکمت شہادت حضرت علی کے سوا دوسرے میں تھی ہی نہیں، تو پھر حضرت علی کس چیز کے لئے تلوار اٹھاتے۔ صرف چنگیزی اور ہٹلریت رہ جاتی تھی جس کا تعلق نہ رسول سے تھا نہ علی سے کیونکہ اگر آنحضرتؐ کے بعد کی خلافت سیرتِ رسول کے مطابق ہوتی تو سیرت شیخین الگ پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور حضرت علی کا سیرت شیخین کو قبول نہ کرنا دلیل بین ہے کہ حضرت علی اور رسول کا عمل متحد تھا۔ پھر یہ کہ جناب رسالت مآب نے متعدد بار کھلے لفظوں میں یہ بتلا دیا تھا کہ میرے بعد کس قسم کی حکومت قائم ہوگی اطمینانِ قلب کی خاطر یہ حدیث ملاحظہ فرمایئے:۔

ان بعدی ائمة ان اطعتموهم اکفروکم وان عصیتموهم قتلوکم ائمة الکفر ورؤس الضلالة۔ (کنز العمال جزء ششم

کتاب الفتن ۔۔۔ حدیث ۔۔۔) یعنی میرے بعد فوراً اس اُمت میں ایسے حاکم ہونگے، جن کی اگر تم اطاعت کرو گے تو وہ تم کو کفر کی طرف لے جائیں گے۔ اگر تم ان کی اطاعت سے انکار کرو گے تو وہ تم کو قتل کریں گے"۔ اب ہم اس حدیث کی زیادہ تشریح نہیں کرتے، قارئین کرام خود ہی فیصلہ کرلیں۔ اسی وجہ سے جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت ہی سمجھایا تھا کہ اے علی میرے بعد تم پر بڑی مصیبتیں آئینگی، مگر تم صبر کرنا۔

علیؑ نے اپنی ذات پر بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں اور آنحضرت صلعم کے قول کی بعد میں بھی تعمیل کر کے دکھادی۔ اگر حضرت علیؑ صبر و استقلال سے کام نہ لیتے تو سرکار رسالت کی نبوت ختم ہو جاتی کیونکہ علی کے تلوار اٹھانے سے دو گروہ بن جاتے ایک کھلم کھلا منکر نبوت محمدیہ ہو جاتا اور کچھ ایسے بھی ہوتے جو آنحضرتؐ کی نبوت کے قائل ہوتے، چونکہ یہ بہت بڑا رخنہ تھا۔ اس لئے حضرتؑ نے انتہائی قوت متحمل و برداشت کے مظاہرہ سے کام لے کر نبوت محمدیہ کو فوراً ٹکڑے ہونے سے بچا لیا اور جو آواز ۶۱ھ میں یزید کے منہ سے نکلی تھی کہ (بنی ہاشم نے ایک کھیل کھیلا تھا، ورنہ وحی وغیرہ کچھ نہیں آئی تھی) آج کسی کو اس کے کہنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اگر حضرت علی اس وقت عقل و خرد علم و حکمت سے کام نہ لیتے تو آج ہی یہ آواز پیدا ہو جاتی۔ یہ علی ہی کے صبر و استقلال اور دور اندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی دنیا کے چپہ چپہ پر لا الٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللّٰہ صحیح و سالم موجود ہے۔ ورنہ جس گروہ نے حضورِ نبیؐ کے باپ دادا ہی کو کافر نہیں بنایا بلکہ خود آنحضرتؐ کو نہایت دلیری سے کہہ دیا کہ آنحضرت (نقل کفر کفر نباشد) قبل اعلان نبوت معاذ اللّٰہ کافر تھے۔ دیکھو تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی جلد ششم تحت آیہ و وجدک ضالا فھدیٰ۔ اس کو نبوت محمدیہ سے ظاہر بظاہر انکار کرنے میں کیا شرم محسوس ہوتی اگر حضرت علی خاموشی سے بیٹھے بیٹھے اشاعت دینی و حفاظت نبوت محمدیہ نہ کرتے تو آج دنیا میں محمدؐ پیغمبری کے علمبردار نہ ہوتے بلکہ سلطان اور ملک گیری کے ہیرو شمار ہوتے۔

ذرا اس ماحول پر نظر ڈالیے جو حضرت رسول کے بعد فوراً پیدا کر دیا گیا تھا ایسی صورت میں حضرت علیؑ کو کیا کرنا چاہیے عقل سلیم اور نفس مطمئنہ یہی کہتا ہے بیشک اب تلوار اٹھانے کا محل نہیں تھا، بلکہ صبر و سکون کے ساتھ بیٹھ کر ایسے افراد پیدا کرنے کا وقت تھا کہ دیواروں میں چنے جائیں مگر در و دیوار سے محمد رسول اللّٰہ کی صدائیں بلند ہو جائیں سر کٹ جائیں لیکن محمد رسول اللّٰہ سر بلند ہو جائے خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر نبوت محمدیہ کے ٹکڑے نہ ہونے دیں، خون کا گارا بن جائے مگر چپہ چپہ پر محمد رسول اللّٰہ لکھ جائے شہر بدر ہو جائیں مگر ریگستان کا ذرہ ذرہ باآواز بلند کہے محمد رسول اللّٰہ قارئین شاہد ہیں کہ بغداد کی دیواریں و بندہ کاریگت کھجور کے درختوں کی سولیوں پر سونے والے کس کے شاگرد تھے اور کس جرم میں مارے گئے تھے یہ حضرت علی کی خاموشی کا ادنیٰ کرشمہ تھا کاش دنیا دیکھے، پڑھے، سمجھے اور عمل کرے۔ وما علینا الا البلاغ۔

بابِ مدینۃ العلم کا جمع قرآن

قرآن مسلمانوں کا بہترین سرمایہ ہے، آج دنیا تہی دست ہے۔ جبکہ اس کے پاس قرآن کی مثل کوئی کتاب نہیں لیکن مسلمان قرآن کی بدولت اس خزانہ عامرہ کے مالک ہیں جس کی نظیر صفحہ روزگار میں نہیں مل سکتی سابقہ اسلامی سلطنتیں فنا و برباد

جائیں ان کا جاہ و جلال ختم ہو جائے لیکن جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن جیسی کتاب موجود ہے۔ جس کے متعلق ارشاد قدرت ہے:۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ؕ الآیۃ۔ "کہدو اے رسول! اگر اس قرآن کی مثل لانے کے لئے جن و انس جمع ہو جائیں تو بھی اس قرآن کی مثل نہیں لاسکتے۔ اگرچہ بعض ان میں سے بعض کے مددگار ہو جائیں" (انتہی)۔ اس وقت تک مسلمان اقوام دنیا میں سربلندی کے مالک ہیں۔ حقانیت و صداقت کا علم ان کے سر پر لہرا رہا ہے۔ قرآن حکیم جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مشرکین عرب کے لئے معجزہ تھا! اسی طرح وہ اپنے حقائق و اسرار کی حیثیت سے بھی مستقل معجزہ ہے۔ اس کی آیتوں میں وہ بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں جو بڑے سے بڑے فلسفی کو اپنی حقانیت و صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس کا دعوٰے جس طرح وقت نزول تھا: ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (الآیۃ) "جو کچھ کہ ہم نے اپنے بندے محمدؐ پر نازل کیا ہے۔ اگر اس میں تم کو شک ہے۔ تو اس جیسا ایک سورۃ لے آؤ! اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو" (انتہی) اسی طرح آج بھی بانگ دہل اس کا یہ چیلنج موجود ہے۔ اس کی شان اعجاز اور بھی بلند ہو جاتی ہے۔ جبکہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جزء جزء ہو کر نازل ہوا، گویا کہ ان مشرکین عرب جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا، کہ وہ اپنے مقابلہ میں ساری دنیا کو عجم (گونگا) کہا کرتے تھے کو بار بار غور و فکر کی دعوت دے کر اپنی حقانیت و صداقت کو منوا رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کے مشہور شعراء کے سات قصائد خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے جن کے متعلق ان کا خیال تھا، کہ اس سے بہتر فصیح و بلیغ کلام پیش نہیں کیا جا سکتا تو قرآن کے اس چھوٹے سے سورہ نے (الکوثر) جو کہ چار آیات پر مشتمل ہے ان کے اس زعم کو باطل اور خیال کو فاسد کر کے منوا لیا کہ ما هٰذا کلام البشر۔ جس زمانہ میں قرآن نازل ہو رہا تھا نہ مطبع تھا نہ فراوانی کاغذ بلکہ اس کلام الٰہی کو کبھی کپڑے کے ٹکڑوں پر اور لیف خرما پر کبھی درخت کے پتوں پر اور کبھی کھال کے قطعات پر، غرضیکہ جو چیز میسر آئی اسی پر لکھ لیا جاتا۔ ایسی صورت میں سید رسل کی رسالت کے گواہ اور ان کی نبوت کے مشاہد اور امت مرحومہ کی ہدایت کے منبع کے ضائع ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ لہٰذا حکیم امت سرتاج انبیاء نے شاہ اولیاء سید الاوصیاء اور اپنی امانات کے مودی کو جہاں دوسری وصیتیں کیں ان کے ساتھ ہی قرآن کی حفاظت کا حکم بھی دیا جیسا کہ کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے منجملہ انکے یہ روایت ملاحظہ ہو۔

عن ابی رافع ان النبیؐ قال فی مرضہ الذی توفی لعلیؑ یا علی هٰذا کتاب اللہ خذہ الیک فجمعہ علی علیہ السلام فی ثوب فمضی الی منزلہ فلما قبض النبی فجلس علی علیہ السلام فالفہ کما انزلہ اللہ وکان بہ عالماً (مناقب شہر آشوب) "ابی رافع سے روایت ہے کہ نبی کریم نے مرض الموت میں علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ یہ کتاب خدا ہے اس کو اپنے پاس رکھو پس علی علیہ السلام قرآن کے اجزاء کو ایک کپڑے میں جمع کر کے گھر لے آئے جب نبی علیہ السلام کا انتقال ہوا تو علی علیہ السلام بیٹھ گئے۔ اور تنزیل کے مطابق قرآن کو جمع کیا، کیونکہ تنزیل کے عالم تھے"۔

چونکہ قرآن درخت کے پتوں پر پتھر کے ٹکڑوں پر اور لیف خرما پر لکھا گیا تھا، لہٰذا اس کو تنزیل کے مطابق جمع

کرنا صحابہ کے بس کی بات نہ تھی، کیونکہ کچھ تو تاجر پیشہ تھے جن کو بارگاہ رسالت میں فیضیاب ہونے کا موقع کم ملتا تھا۔ اکثر صحابہ ایسے تھے کہ قرآن کا کثیر حصہ نازل ہو چکا تھا، جب اسلام لائے، لہٰذا قرآن کا تنزیل کے مطابق جامع وہ شخص ہونا چاہیے جس نے رسول کی آغوش میں پرورش پائی ہو جو حامل علم نبی ہو جو ہمیشہ رسول کے ساتھ رہا ہو، جس کے متعلق رسالت مآب فرما چکے ہوں: "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا"۔ اور رسول کے اس فرمان کو سچ کرنے کے لئے اس نے دعوے کیا ہو:۔

ایھا الناس سلونی سلونی فواللہ لا تسئلونی عن ایۃ من کتاب اللہ وحدثتکم عنھا متی نزلتا بلیل او نھار فی مقام او مسیر فی سھل ام فی جبل وفی من نزلت فی مومن او منافق وما عنی اللہ بھا عن عام او خاص (ینابیع المودۃ باب لہابع عشرہ ۲۷۴) "اے لوگو! مجھ سے پوچھو! مجھ سے پوچھو! خدا کی قسم کتاب اللہ سے کسی آیت کے متعلق مجھ سے نہ پوچھو گے مگر میں تم کو اس کے متعلق بتاؤں گا کہ وہ آیت کب نازل ہوئی رات میں یا دن میں سفر میں یا حضر میں میدان میں یا پہاڑ میں کس کے بارے میں نازل ہوئی مومن کے بارے میں یا منافق کے متعلق اور خدا نے اس سے عام مراد لیا ہے یا خاص"۔ اور جس نے اعلان کیا ہو مجمع عام میں فرمایا ہو: سلونی قبل ان تفقدونی فانما بین الجوانح منی علم جم ھذا سفیط العلم وھذا لعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذا ما زقنی رسول اللہ زقا زقا فواللہ لو ثنیت لی وسادۃ فجلست علیھا وافتیت اھل التوراۃ بتوراتھم واھل الانجیل بانجیلھم حتی ینطق اللہ التوراۃ والانجیل فیقولان صدق علی قد افتاکم بما انزل فی وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔ (ینابیع المودت باب الرابع عشر ۲۷۴)۔ "مجھ سے پوچھو! قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ، تحقیق میرے ان پہلوؤں میں علم کثیر ہے، یہ علم کا ظرف ہے یہ لعاب رسول خدا ہے یہی علم ہے جو مجھے پیغمبر خدا نے بھر دیا ہے خدا کی قسم اگر میرے لئے وسادہ بچھایا جائے، اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کو ان کی تورات سے اور اہل انجیل کو انجیل سے اس طرح فتوی دوں کہ اگر تورات اور انجیل کو خدا نطق کی قوت دے تو وہ دونوں کہنے لگیں علی نے سچ کہا ہے ہماری تنزیل کے مطابق تم کو فتوے دیا ہے، اے اہل اسلام تم کتاب (قرآن) کی تلاوت کرتے ہو کیا عقل نہیں رکھتے"۔

بیشک علی کی ذات ایسی ہی تھی:۔ رسول اللہ کا انتقال ہو گیا اگرچہ رسالتمآب قبل از وفات بارہا اہل اسلام کو تاکید فرما چکے تھے:۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض "میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں، ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری عترت اہل بیت جب تک ان دونوں کے ساتھ متمسک رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں"۔

اس آشوب زمانہ اور نازک دور میں بعد تجہیز وتکفین رسول خدا سب سے اہم کام جس کی فکر حامی دین محافظ شریعت کو پیدا ہوئی وہ قرآن مجید کو کتابی صورت میں یکجا کرنے کا مسئلہ تھا، چنانچہ دین اسلام کی بہبودی اور رسول اسلام کی تئیس سالہ تبلیغ کو رائگاں ہونے سے بچانے کے لئے قسم کھائی کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کے اپنے دوش پر رداء نہ ڈالوں گا

جیسا کہ روایاتِ ذیل دلالت کرتی ہیں :۔ عن عبداللہ بن عبدالرحمٰن فی خبر تقیمن طلبہم امیر المؤمنین علیہ السلام لبیعتہ وفیہ فراسلہم علی علیہ السلام ان لیس لی خروجی حیلۃ الا فی جمع کتاب اللہ تعالیٰ الذی قد نبذ تموہ والھتکم الدنیا عنہ وقد حلفت ان لا اخرج من بیتی لا ادع ردائی علی عاتقی حتی اجمع القرآن الجزا۔ (احتجاج)۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے ایک روایت ہے جو صحابہ کے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو بیعت کے لئے طلب کرنے پر مشتمل ہے اور اس روایت میں ہے کہ علی علیہ السلام نے انکو پیغام بھیجا کہ میرے نکلنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ میں اللہ کی کتاب جمع کرنے میں مشغول ہوں جس کو تم نے بے پرواہی سے چھوڑ رکھا اور دنیا نے تم کو اس سے غافل کر دیا حقیقت یہ ہے کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ گھر سے نہیں نکلونگا اور اپنے دوش پر ردا نہیں اوڑھوں گا جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔

عن سلمان فی خبرِ طویل وفیہ فلما رأیٰ علیہ السلام غدرھم وقلۃ وفاءھم لزم بیتہ واقبل علی القرآن یولفہ و یجمعہ فلم یخرج حتی جمعہ کلہٗ فکتبہٗ علیٰ تنزیلہ والناسخ والمنسوخ فبعث الیہ ابوبکر ان اخرج وبایع فبعث الیہ انی مشغولٌ قد الیت بیمین ان لا ارتدی برداءٍ الا للصلوٰۃ حتی اؤلفِ القرآن واجمعہٗ فجمعہٗ فی ثوب و ختم ثم خرج الی الناس وھمُ مجتمعون مع ابی بکر فی مسجد النبیؐ فنادی علیہ السلام باعلی صوتہ ایھا الناس انی لم ازل منذ قبض رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مشغول بغسلہ ثم بالقرآن حتی جمعتہ کلہٗ فی ھٰذا الثوب فلم ینزل اللہِ تعالیٰ علیٰ نبیہ اٰیۃ من القرآن الّا وقد جمعتہا ولیست منہ اٰیتہ الا وقد اقرأنیہا رسول اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وعلمتی تاویلہا ثم دخل بیتہ (احتجاج)۔ سلمان سے ایک طویل روایت ہے جس میں مروی ہے کہ جب علی علیہ السلام نے اہل اسلام کی بیوفائی دیکھی تو گوشہ گیر ہو کر قرآن کریم کی جمع و تالیف میں مشغول ہو گئے اور جب تک قرآن جمع نہ کر لیا گھر سے باہر تشریف نہ لائے نیز قرآن مجید کو تنزیل اور ناسخ و منسوخ کے مطابق لکھا اسی اثنا میں ابوبکر نے انکی طرف پیغام بھیجا کہ آیئے اور بیعت کیجئے۔ تو امیر المومنین نے کہلا بھیجا کہ میں جمع قرآن میں مشغول ہوں کیونکہ میں نے قسم کھالی ہے کہ جمع قرآن تک بغیر نماز رداء نہیں اوڑھوں گا پس قرآن کو ایک کپڑے میں جمع کیا اور مہر لگائی پھر لوگوں کی طرف نکلے جب کہ لوگ مسجد نبوی میں ابوبکر کے پاس جمع تھے اور آپ نے باآواز بلند فرمایا: اے لوگو! جب سے جناب رسالتمآب کا انتقال ہوا ہے پہلے میں انکی تجہیز و تکفین میں مشغول رہا بعد ازاں قرآن کے جمع کرنے میں یہاں تک کہ میں نے سارا قرآن اس کپڑے میں جمع کیا ہے کوئی آیت خدا نے اپنے نبی پر نازل نہیں کی مگر میں نے اسکو جمع کیا اور کوئی ایسی آیت نہیں مگر رسول اکرم نے مجھے وہ پڑھا دی اور اسکی تاویل کی تعلیم دی پھر اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔" (انتہیٰ)

عن ابی نعیم فی الحلیۃ والخطیب فی الاربعین عن السدی عن عبد خیر عن علی علیہ السلام۔ قال لمّا قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقسمت او حلفت ان اضع ردائی علی ظھری حتی اجمع ما بین اللوحین فیوضعت ردائی حتی جمعت القرآن۔ "ابی نعیم نے حلیہ میں اور خطیب نے اربعین میں سدی سے اور اس نے عبد خیر سے اس نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا، جب جناب رسولِ خدا کا انتقال پُرملال ہوا تو میں نے قسم کھائی کہ میں اپنی پشت پر رداء نہ رکھونگا جتنے تک ما بین

الدفتین (قرآن) کو جمع نہ کر لوں پس میں نے اپنی چادر اتنے تک نہ رکھی جتنے تک قرآن کو جمع نہ کر لیا۔"

غرضیکہ اس قسم اور بھی بہت سی روائتیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت علی علیہ السلام نے بڑی محنت و کاوش کے ساتھ قرآن کو وصیت رسول پر عمل کرتے ہوئے ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا اور مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ لیکن لوگوں نے سیاسی مصالح کی بنا پر حضرت کے جمع کردہ قرآن کو قبول نہ کیا۔ بلکہ یہ جواب دیا کہ یا علی اردده فلاحاجۃ لنا فیہ (فصل الخطاب) "اے علی! اس کو واپس لے جاؤ! ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں"۔ اسی طرح سے بحار الانوار میں روایت ہے:۔ "جمع امیر المومنین علیہ السلام القرآن کلہ و وضعہ فی ازار واتی الیھم وھم فی المسجد فقال لھم ھذا کتاب اللہ سبحانہ امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ان اعرضہ علیکم لقیام الحجۃ علیکم یوم العرض بین یدی اللہ۔" امیر المومنین علی علیہ السلام نے پورا قرآن جمع کیا اس کو ایک چادر میں لے آئے جب کہ وہ لوگ مسجد میں تھے۔ پس ان سے فرمایا کہ یہ اللہ سبحانہ کی کتاب ہے مجھے پیغمبر علیہ السلام نے حکم دیا ہے، کہ میں اسے تم پر پیش کروں تاکہ قیامت کے دن خداوند کریم کے حضور میں تم پر حجت پیش کی جا سکے"۔ تو ان میں سے بعض حضرات نے جواب دیا: لسنا محتاجین الی قرآنک۔ ہم تیرے قرآن کے محتاج نہیں ہیں چنانچہ آپ نے اس قرآن کو اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کر دیا۔ اس قرآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ وہ قرآن مجید تنزل کے مطابق تھا، اگر وہ ہم تک پہنچ جاتا تو بہت فائدہ ہوتا۔ انتھی اتقان ص۵۷ و ۵۸، یہی تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزو چہارم ص۲ پر بھی پائی جاتی ہے اور ابن سیرین بھی اس کا اظہار تاسف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:۔ لو اصیب ذلک الکتاب لوجد فیہ علم کثیرا (تاریخ الخلفاء ص۱۸۴) اگر وہ قرآن لوگوں کے ہاتھ میں پڑ جاتا تو علم کثیر دستیاب ہوتا۔

یہ سب سے پہلا مصحف تھا جو کتابی صورت میں مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو منبع ہدائیت بناتے اور اپنا ہادی و راہنما سمجھتے مگر یہ سوچ کر کہ کہیں اس کے ذریعہ علی کی فضیلت پر روشنی نہ پڑ جائے کہیں ان کے کمالات کا ڈنکا نہ پٹ جائے جس کی وجہ سے دوسرے حضرات نظر اعتبار سے گر نہ جائیں، لہٰذا اس قرآن کو قبول نہ کیا۔ اور زید بن ثابت جو رسول اللہ کے آخری زمانہ کے صحابی تھے قرآن نازل ہو رہا تھا، اور زید بن ثابت مدینہ کی گلیوں میں بچوں سے کھیل رہے تھے۔ مگر پھر بھی انھوں نے بڑی جانفشانی اور محنت و مشقت سے لوگوں کے سینوں اور پتھر و چمڑے نیز کپڑے سے جمع کر کے مصحف کی صورت میں مرتب کیا، انھوں نے یقیناً اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور نہ ہی زیادتی کی، لیکن یہ ترتیب یقیناً نزول کے مطابق نہیں جس کی وجہ سے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ آیات کا امتیاز دشوار ہو گیا۔ مگر یہ چیزیں ایسی نہیں تھیں جن کی وجہ سے قرآن کی حقانیت اور معجزہ ہونے میں رخنہ یا خلل پڑتا جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی السلام نے اسلام کے محسن حقیقی ہونے کی وجہ سے نامناسب سمجھا کہ اپنے مرتب قرآن کے ظاہر کرنے سے مسلمانوں میں دو قرآن ہو جائیں، لہٰذا زید بن ثابت کے جمع شدہ قرآن کا امضاء کر دیا اگر موجودہ قرآن میں کوئی کمی و بیشی ہوتی تو حجت خدا پر واجب تھا کہ اس کا اظہار کرتے ٭

خلافت حضرت علی علیہ السلام

زَرَعُوا الْفُجُورَ- وَسَقَوْهُ الْغُرُورَ- وَحَصَدُوا الثُّبُورَ- لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ عَلَيْهِ وَآلِهِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَحَدٌ وَلَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ أَبَدًا هُمْ أَسَاسُ الدِّيْنِ وَعِمَادُ الْيَقِيْنِ إِلَيْهِمْ يَفِيءُ الْغَالِي وَبِهِمْ يُلْحَقُ التَّالِي وَلَهُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ وَفِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَالْوِرَاثَةُ- اَلْآنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰى اَهْلِهِ وَنُقِلَ اِلٰى مُنْتَقَلِهِ- (از نہج البلاغہ) ترجمہ:- انھوں نے فجور کی کھیتی بوئی اور اسے غرور سے سینچا- اس کھیتی کو کاٹ کر اپنے لئے ہلاکت فراہم کی- اس اُمّت میں سے کسی ایک کا بھی قیاس اور مقابلہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سے نہیں کیا جاسکتا- اور انکی برابری جن کو برابر نعمتیں دی گئیں- ان افراد سے نہیں کی جاسکتی جو نعمت دینے والے تھے اور ہمیشہ نعمتیں دیتے رہے- آل رسول دین کی نیو ہیں- یقین کے ستون ہیں- انہیں کی طرف حد سے تجاوز کرنیوالا پلٹتا ہے اور پیچھے رہ جانے والا انہیں سے مل کر نجات پاتا ہے انکے لئے حقوق ولایت کے خصوصیات اور وصیت و وراثت انہیں میں رہی- اب حق خلافت جو اس کا اہل تھا اسکی طرف پلٹایا گیا اور جو اسکی جگہ تھی وہاں پہنچایا گیا۔"

میں نے مولا کے قول سے اس تاریخ کا افتتاح کیا ہے جس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت علی اپنے کو حق خلافت کا اہل اور دوسروں کو نااہل تصور فرماتے رہے اور جب ظاہری خلافت ملی تو حق بحقدار رسید کا کلمہ زبانِ مبارک سے جاری فرمایا- مولانا نے ایام جاہلیت اور ختم خلافت ثالثہ کو ایک مقام پر لا کر رکھ دیا- اور اپنی خلافت ظاہری اور بعثت نبوی کو ہم شکل قرار دیا- دریا کو یوں کوزہ میں سمونے والے نے جو کچھ کہہ دیا- اب میں اس پر کیا اضافہ یا تبصرہ کروں- خلافت عثمان فتنہ و فساد کے ہاتھوں دم توڑ چکی تھی- ہر طرف بدامنی تھی- مدینہ میں بلوائیوں کا آشوب موجود تھا- جو اہل مدینہ سے تقرر خلیفہ کیلئے مصر تھے ایسے ضیق میں نہ کوئی اصولِ خلافت سازی یاد آسکتے تھے- نہ کوئی دوسرا شخص یاد آسکتا تھا سوائے اسکے کہ مشکل کشائے دو عالم سے اپنی مشکل حل کرنے کے لئے التماس کریں- حاجت روا کے در پر پہنچے عقدہ کشائی چاہی- اب نہ سیرت شیخین پر عمل کرنیکی شرط پیش ہوئی نہ شروط و قیود مقرر ہوئے، وہ جس نے پچیس سال تک مسلسل اپنے حق کو تلف ہوتے دیکھا اور اپنے حق کو زبانی جتاتے رہنے کے سوا کوئی مؤثر اقدام خلافت طلبی کے لئے نہ کیا- آج بادشاہ بنائے جانے کیلئے مجبور کیا جارہا ہے- لوگ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور وہ اپنا ہاتھ سمیٹ لیتا ہے، لوگ اسکی بیعت کرنے پر اصرار کرتے ہیں اور دنیا کو تین بار طلاق دینے والا معذرت کرتا ہے جس خلافت کو حاصل کرنے کیلئے نِت نئے جوڑ توڑ لگائے جاتے رہے- اسی بادشاہت کو یہ فقیر گوشہ نشین ٹھکراتا نظر آتا ہے آج اسی ہستی کا قول صادق آ رہا ہے کہ جو دنیا کی طرف دوڑتا ہے- دنیا اس سے بھاگتی ہے، مگر جو دنیا سے بھاگتا ہے، دنیا اسکی طرف لپکتی ہے- جب لوگوں کا اشتیاق و اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے فرمایا: اچھا تم سب لوگ خانہ خدا میں جمع ہو میں آتا ہوں- حق کو پہچاننے والے نے خانہ حق کو یہاں ہی پہنچایا اور بیعت کیلئے سقیفہ کی سی جگہیں نہ تلاش کیں، بلکہ مسجد رسول میں مجتمع ہونے کا حکم دیا- تاکہ خدا بھی یاد رہے اور رسول بھی یاد رہیں خود روائے رسالت پناہی اوڑھ کر امامت کی شان سے بر سرِ منبر رسالت متمکن ہوئے بیعتیں ہونے لگیں- ہاں طلحہ و زبیر نے بھی بیعت کی-

لیکن علی کی خلافت گویا مفسدین کو فتنہ و فساد برپا کرنیکا بہانہ ہوگئی- کوفہ و بصرہ کی امارت نہ ملنے کی وجہ سے طلحہ و زبیر بیعت سے پھر گئے- کوفہ، بصرہ و یمن میں سازشیں شروع ہوگئیں- عبداللہ بن عامر، عبداللہ مخزومی، سعید ابن العاص، مغیرہ ابن شعبہ اور مروان ابن

الحکم، دفعتاً خود مختار ہو گئے۔ ام المسلمین حضرت عائشہؓ جو خلیفہ ثالث کو بلوائیوں میں گھرا ہوا دیکھ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئیں تھیں، علیؑ کے خلیفہ مقرر ہونے کی خبر سُنکر ارادۂ حج ترک کر کے اثنائے راہ سے پلٹ آئیں۔ شام میں معاویہ نے بغاوتِ علم بلند کر دیا۔ حجاز میں عبداللہ الحضرمی نے مخالفت کی۔ یمن میں یعلی بن منیتہ نے اور الجزائر میں ضحاک بن قیس نے مخاصمت پر کمر باندھی۔ جنگ جمل کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جنگ صفین کے منصوبے بندھنے لگے۔ ایسے عالم میں اگر کوئی غیر معمولی انسان خلافتِ چہارم کا مالک نہ ہوتا تو حواس بجا نہ رہتے۔ مگر سیاستِ مرتضوی کی داد دینا چاہیئے کہ آپ نے مردانہ وار ہر فساد و فتنہ کا مقابلہ کیا۔ اور ایسا شخص غیر معمولی ہی ہو سکتا ہے۔ جو اسلام کیلئے عہدِ رسالت میں یوں تلوار استعمال کرے، کہ ہر جنگ کا سہرا علی کے سر رہے! اور بعد رحلت رسولؐ تلوار کو یوں نیام میں رکھے کہ پچیس سال تک باوجود غصب خلافت تحفظ اسلام کی خاطر استعمال نہ کرے، اور صبر کا مجسمہ بن جائے اور پھر تلوار اُٹھانے کی ضرورت دفاعاً پڑ جائے تو دوبارہ جنگِ بدر و اُحد و خیبر و خندق یاد دلائے۔

اس کی ضرورت نہیں کہ میں علی کے سے عدیم المثال شجاع کی شجاعت کے کارنامے بیان کروں! اگر لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ دستِ خیبر کشا کی طاقت اور قلب اسد اللہ کی ہمت و جرأت و شجاعت پچیس سالہ خموشی کی وجہ سے کم ہو گئی ہے، تو ان معرکوں نے انکی غلط فہمی کو ظاہر ثابت کر دیا اشارتاً عرض کروں کہ جب بنتِ خلیفہ اوّل شتر سوار بسر خیل افواج مخالف نظر آئیں تو انکو ان کی افواج کے بہترین سپاہی محمل کے گرد حلقہ کیے ہوئے اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھے، اور کینہ و بغض سے بھرے ہوئے دل خون کی پیاسی تلواروں کی اعانت سے بصرہ کے قریب خلافت حقہ سے نبرد آزما تھے اور علویوں کا خون پانی کی طرح بہانے کیلئے نیزے اور تیر تلوار لیکر اپنے بنائے ہوئے خلیفہ کے خلاف موجود تھے۔ دُوسری طرف خُدا کا برگزیدہ بندہ علی ابن ابی طالب گھوڑے سے اتر کر قبلہ کی جانب رُخ کر کے خاک پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ ابو تراب نماز سے فارغ ہو کر خاک پر رخسار رکھ کر بارگاہِ صمدیت میں یوں دعا فرماتے ہیں:۔ "پروردگارا! اے آسمان و زیرِ آسمان بسنے والی مخلوق کے مالک۔ رُوئے زمین و بالائے زمین رہنے والی چیزوں کے مالک۔ اے عرشِ عظیم کے مالک! دیکھ یہ بصرہ ہے تجھ سے میں اس کی خبر طلب کرتا ہوں، اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، بارالہا تو اس میں ہم خیریت کے ساتھ نازل کر تو بہترین نازل کرنے والا ہے۔ خُدایا تو گواہ رہنا، کہ اس فرقہ نے میری اطاعت چھوڑ دی ہے اور میرے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اور میری بیعت سے روگرداں ہوئے ہیں۔ خُدایا مُسلمانوں کے خُون کی حفاظت کر اور ان کی طرف کسی ایسے شخص کو بھیج جو ان لوگوں کو خُدا کا واسطہ دے کر خونریزی سے روکے۔" مگر گھمسان کی جنگ ہوئی عرب کی تلوار عرب پر چل رہی تھی۔ رسُولؐ کی بیوی ایک طرف اور رسُول کا ابن عم اور داماد دُوسری طرف ام المُسلمین کے فدائی ایک جانب اور امام اُمت کے شیدائی دُوسری جانب اصحاب جمل کی تعداد تیس ہزار تھی جن میں سے سولہ ہزار سات سو نفر مارے گئے یعنی انکے مقتولوں کی تعداد نصف سے زیادہ تھی۔ جناب امیر کے ساتھ بیس ہزار آدمی تھے۔ ان میں سے صرف ایک ہزار ستر مقتول ہوئے۔ باغیوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کو بحفاظت تمام ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ گھر بھجوا دیا ہمیشہ کا فاتح علی آج پھر فاتح رہا۔

جنگ جمل ختم ہوئی تو ابو سفیانی فطرت معرکہ آرا ہوئی اور ۳۷ھ کی یادگار جنگ صفین طالب خلافت معاویہ اور خلیفہ وقت حضرت علیؑ کے درمیان واقع ہوئی، معاویہ کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی اور حضرت علی کے ہمرکاب نوّے ہزار نفوس تھے اور انہیں میں عمار یاسر بھی تھے۔ جن کیلئے رسولؐ کا قول تھا کہ حق ادھر مڑ جاتا ہے جدھر عمار ہوتے ہیں لیکن اقوالِ رسولؐ خود

علیؑ ہی کے لئے کیا کم تھے بشرطیکہ کوئی انکو مانے۔ کیا خود علی کے لیے جناب رسالتمآب نے نہیں کہا تھا، کہ الحق مع العلی لیکن کون مانتا ہے۔ حق و ناحق میں جنگ ہوئی۔ معاویہ کی فوج کے پنتالیس ہزار سورما مارے گئے۔ اور حضرت علی کے پچیس ہزار بہادر شہید ہوئے علی اور معاویہ میں اس مقام پہ بہتر بار جنگ ہوئی۔ اسی معرکہ میں دو بار ذوالفقار خمیدہ ہوگئی۔ اور درمیان جنگ حضرت علی نے اپنے زانو پر رکھ کر اور تیروں کی بارش میں بے خوف وخطر تلوار کو سیدھا کیا اور پھر جنگ کی، قتیبہ لکھتا ہے کہ صفین کا جھگڑا بہت بڑھ گیا، تو حضرت علی نے معاویہ کو مبازرت کیلئے طلب کیا، تاکہ دونوں میں سے ایک کے قتل کی وجہ سے مسلمان آرام پا جائیں عمرو بن العاص نے کہا بھئی علی نے کیا خوب انصاف کیا ہے۔ مگر معاویہ نے جواب دیا: تو مجھے ابوالحسن کے ساتھ مبازرت کرنے کے لئے کہتا ہے، حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ بہادر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تو میرے بعد امیر شام ہونا چاہتا ہے ابن عباس سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابوالحسن ہی میدان صفین میں بذات خود لڑتے تھے۔ ابن عباس نے کہا: ہاں! میں نے انکے مانند کسی کو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں انکو دیکھتا تھا، کہ لڑائی میں ننگے سر نکلا کرتے تھے، ایک ہاتھ میں عمامہ رہتا اور ایک ہاتھ میں تلوار رہتی۔ سپہ سالار افواج خلافت حقہ یعنی مالک اشتر لڑتے ہوئے معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ قریب تھا، کہ معاویہ کو خود لڑنے کے لئے نکلنا پڑے اور خاتمہ ہو جائے، کہ اس نے حکم دے دیا کہ قرآن نیزوں پہ بلند کر کے امن کی درخواست کی جائے۔ یہ اموی سیاست کامیاب ہوگئی۔ اور جنگ رک گئی۔ طرفین سے حکم مقرر کئے جانے کا مطالبہ ہونے لگا، حضرت علی اپنے ساتھیوں کو سمجھاتے ہی رہ گئے، کہ اس مکر و فریب میں نہ پڑیں۔ جنگ سر ہوئی جاتی ہے، مگر کسی نے اپنے خلیفہ کی نہ سنی۔ افواج نے حکم مقرر کر دیئے۔ نگر حکمین کا فیصلہ بھی مذاق سا ہو کر رہ گیا۔

بعد از چندے خارجیوں کا فتنہ اٹھا۔ اور جنگ نہروان وجود میں آئی، چار ہزار خارجی لشکر امام پہ ٹوٹ پڑے، جناب امیر علیہ السلام نے اپنے لشکر کو صبر کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ وہ قریب سے حملہ آور ہی نہ ہو جائیں خارجی یہ چلاتے ہوئے کہ راحت و آرام جنت ہی میں ہے، حملہ آور ہوئے، جناب امیر کا لشکر دو حصوں میں منقسم ہو گیا، اور اس طرح چاروں طرف سے چار ہزار خارجیوں کو اپنے گھیرے میں لیکر پیس ڈالا۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ سب خارجی فی النار ہو گئے۔ محض سات زندہ بچے اور جناب امیر کے لشکر کے محض سات آدمی شہید ہوئے۔ بقیہ سب کے سب محفوظ رہے۔

آئیے ہم آپ کو بتائیں، کہ اس خلفشار میں پھنسے ہوئے خلیفہ وقت نے کیا امور جہانبانی لوگوں کو تعلیم دیئے، اصلاحات کیں، علوم وفنون کی دنیا بسا دی صحیح اسلام کی نشر و تبلیغ کی، سابقہ غلط رویہ کی ہر مقام پہ اصلاح کی، دنیا کو پھر سے بتا دیا کہ خلیفہ عوام الناس کا خادم ہوتا ہے، نہ کہ بادشاہ، اور وہ یہ خدمت بھی خلق خدا کیلئے نہیں بلکہ خوشنودی خدا کے لئے کرتا ہے، اسکی نظر میں امیر و غریب برابر ہیں، کلام ربانی ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم صرف وہی بزرگ ہے، جو سب سے زیادہ متقی ہے، زندگی بھر رسول خدا کی طرح بوریئے پہ بیٹھ کر خلافت کی۔ جو کی سوکھی روٹیاں کھا کر بسر کی، اور اگر کسی نے تحفہ میں فالودہ بھیجدیا تو خدا سے پناہ مانگنے لگے اور یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ میں اپنے نفس کو ایسی چیز کا خوگر نہیں بنانا چاہتا۔ کس سے ممکن ہے کہ خلافت یعنی بادشاہت زیر قدم ہو مگر اپنے ہاتھوں سے اپنے کفش سی لیں۔ موٹے کپڑے اور بسا اوقات پیوند دار کپڑے بدن پہ نظر آئیں۔ بیت المال میں اپنا برابر کا حصہ عام مسلمانوں کی طرح لگائیں، اور وہ بھی دوسروں کو دے دیں۔ اور خود خلیفہ ہوتے ہوئے اپنے قوت بازو سے کمائی ہوئی اکل حلال کو اپنے لئے کافی سمجھیں

ہو اُسے خلافت کیلئے عار نہ سمجھیں جن ہیں ممبر پر فصاحت کے دریا بہائیں، علم کی موشگافیاں کریں، مقدمات کے فیصلے کریں، ارشاد و ہدایت کے خزانے لٹائیں، تاہم تختِ سلطنت پر بیٹھ کر مزدوری کی شان و استغنا کو باقی رکھیں۔ کبھی باغبانی کرتے نظر آئیں۔ کبھی خرموں کے عوض چند ڈول پانی کھینچتے دکھائی دیں، اور شام آئے تو سائل کو اپنے دستر خوان کی روٹی دے دیں۔ اور شب کو اندھیرے میں اپنی پیٹھ پر غلہ لاد کر محتاجوں کی کفالت کرتے پھریں۔ بے شک دُنیا کو ایسا ہی خلیفہ درکار تھا، مگر بیشک دُنیا کو ایسا خلیفہ ناپسند ہو گا، اس لئے کہ یہ دُنیا امراء کی دُنیا ہے، غرباء کی نہیں ہے۔ حالانکہ غرباء کی تعداد کثیر ہے۔

آپ نے خلیفہ ہوتے ہی قدیم طریقۂ تقسیم بالمدارج کو ختم کر دیا، اور تقسیم علی السویہ کو جاری کیا۔ لوگ پچھلی خلافتوں میں حسب حیثیت بیت المال سے مال و دولت پایا کرتے تھے، حضرت علی نے اس اصول کو بدل دیا اور تمام مسلمانوں کو برابر برابر مال تقسیم کرنے لگے۔ نتیجہ ظاہر ہے، کہ وہ سب ترجیحی حیثیت سمجھنے والے افراد خلاف ہو گئے۔ مگر بعض مقام ایسے ہوتے ہیں جہاں اصول شکنی نہیں کی جا سکتی، وہاں مفاہمت نہیں ہو سکتی، خواہ کچھ نتیجہ ہو۔ حضرت علی کے نزدیک یہ وہی مقام تھا، جہاں اصولِ اسلام لچک نہیں سکتا تھا، لچکایا جاتا تو اصولِ اسلام ٹوٹ جاتا۔ اس اصول پہ علی نے سختی سے پابندی کی، یہاں تک کہ انکے بھائی عقیل کو بھی شکایت ہو گئی کہ علی نے کچھ خیال نہ کیا۔ بوجہ کثیر العیالی عقیل پریشان حال تھے، چاہا کہ ان کو کچھ دوسروں سے زیادہ مل جائے۔ علی نے آگ منگائی اور ایک لوہے کی سلاخ کو گرم کیا جب وہ سُرخ ہو گئی، تو آپ اُسے اپنے بھائی عقیل کے پاس لے گئے اور قریب تر کرتے گئے، یہاں تک کہ عقیل نے کہا: اے علی کیا تم مجھ کو جلا ہی دو گے۔ علی نے جواب دیا کہ کیا تم مجھ کو دوزخ کی آگ میں جلانا چاہتے ہو جو اس سلاخ سے کہیں زیادہ جلانے والی ہے۔ علی نے بھائی کی درخواست کو مساوات پر قربان کر دیا۔ جبکہ لوگ مساوات کو اعزا پروری کے بھینٹ چڑھا چکے تھے۔ وہ محتاط زندگی بسر کرنیوالا جو نجی گفتگو میں بیت المال کا چراغ گل کر دے۔ ایام خلافت میں رات کے اندھیرے میں گوشۂ مسجد میں کہتا ہوا سنائی دیتا ہے کہ اے دنیا او رے دنیا کے چاندی سونے کسی اور کو دھوکا دو۔ علی نے دُنیا کو تین بار طلاق دیا۔

ایسے خلیفہ کی ضروریات عین مابعد رسول تھی، مگر وہ پچیس برس بعد یاد کیا گیا۔ خلیفہ ہو کر علی نے نظامِ حکومت میں اصلاحات شروع کیں صیغۂ ارشاد و ہدایت اور توسیع علوم متفرقہ قائم کیا۔ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی علوم ہیئت و نجوم فلسفۂ الٰہی و منطق و ریاضی۔ نحو و ادب کے ناپیدا کنار دریا میں جاہل اور جنگجو عرب اور دیگر اقوام کے افراد کو شناوری سکھائی اور کمیل ابن زیاد نخعی ایسے ماہر مساحت و حساب۔ عمر ابن سلمہ ایسے مشہور زباندان۔ عبادۃ ابن صامت ایسے موجد علم عروض۔ ابوالاسود ایسے امام علم نحو۔ عبدالرحمٰن سلمی ایسے عالم علم قرأت، و عبداللہ ابن عباس ایسے نامور اہل علم پیدا کر دیئے، ملک اسلام میں بدامنی کو دبانے کے لئے مولائے کائنات نے جہاں بڑے بڑے سرکشوں کو زیر کیا، وہاں عام مسلمانوں کی فلاح و دلجوئی۔ اطمینان و خبر گیری و حفاظت حقوق و امن عامہ کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ لشکر و اہل دفتر۔ عمال قضا و دیگر عمالِ ملکی کے لئے برابر نرم و گرم ہدایتیں جاری کرتے رہے جو اپنے مقام پر خود ضابطہ و قانون قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اقربا پروری زیادہ ستانی، دل آزاری، غصب حق۔ ادائے حقوق رعایا و دیگر ایسے نصائح آمیز احکام جاری فرمائے۔ اہل حرفہ و تجارت کے طریقوں اور لین دین کے اصول منضبط کئے۔ محتاجوں اور مسکینوں کیساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائیں۔ عمال کے لئے اصول کار اس طرح مقرر فرمائے کہ تم اپنے خطوط کے جواب آپ لکھا کرو۔ ان کو اپنے دفتر کے لوگوں پر چھوڑا کیے۔ اہلِ احتیاج کی حاجتوں کو خود رفع کیا کرو۔ اپنے کسی خادم پر انحصار کیا کرو۔ جو کام جس دن کا ہو اسی دن انجام ہو کیونکہ شاید دوسرے

دن تم کو اس سے زیادہ بھاری کام درپیش ہو جائے۔ اعلیٰ حکام کو ہدایت فرمائی کہ تم اپنی رعایا سے اپنے کو پردے میں نہ رکھو۔ ایسی صحبت نہ رکھو کہ غریب رعایا تم تک نہ پہنچ سکے اور یوں چھپ کر انکے دلوں کو نہ توڑو وغیرہ۔ حاکمانِ ملک کو تقرری کے وقت ایک ہدایت نامہ ملتا، کہ اسے یوں سمجھو کہ میں نے تم کو ایک ملک کی امارت پر مقرر کیا ہے جہاں تم سے قبل بھی دوسروں کی حکومت ہو چکی ہے۔ ان حکومتوں میں انصاف بھی ہوا ہے اور ظلم بھی۔ اب یہاں کی رعایا خاص کر تمہارے حسن سلوک پر نظر ڈالیگی! اور موازنہ کریگی۔ کہ آیا تم پہلے کی طرح ہو تم کو لازم ہے کہ اپنی نیکیوں کے ذخیرہ کو سب ذخیروں سے زیادہ سمجھو اور نیک نامیوں کے ذخیرے میں بہترین ذخیرہ وہ ہے جو بندگانِ خدا کو راضی اور خوشنود رکھ کے جمع کیا جائے۔ اپنی خود غرضی کے تابع نہ ہو، اور ناجائز چیز کی طرف نظر نہ کرو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری ماتحتی رعایا دو قسم کی ہے ایک وہ ہیں، جو بہ اعتبار اسلام تمہارے دینی بھائی ہیں۔ دوسرے وہ ہیں، جو بہ اعتبار بشریت اور خلقت کے تمہارے مثل ہیں، مگر تمہارے دین میں شریک نہیں ہیں پس اگر ان لوگوں سے کوئی نادانستہ خطا سرزد ہو یا دانستہ تو تم کو چاہئے کہ ان امور سے خبردار ہو، تو اس کی پوری تحقیق کر لو۔ وہ صرف تم کو اپنا متلاشی پاکر اس خطا سے باز آئینگے اور پھر اس کے پاس نہ جائینگے اگر تم چاہتے ہو کہ حق سبحانہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے، تو تم اپنی رعایا کے قصوروں کو معاف کر دیا کرو۔ کیونکہ تم ان سے قوی ہو۔ اور خدا تعالیٰ ہم سے کہیں قوی ہے خدائے تبارک و تعالیٰ نے تم کو ان کے انجاج مطالب کیلئے اجازت دی ہے اور تم کو ان کے امور کا نگراں بنایا ہے۔

ملکی عمال سے ایسی ایسی باتوں کیلئے جواب طلب کیا جاتا جو آجکل بھی باوجود ممنوع ہونے کے فراوانی کے ساتھ ہیں۔ عثمان ابن حنیف عامل بصرہ نے بصرہ کے کسی متمول شخص کے یہاں دعوت قبول کرلی۔ فوراً گوشمالی کی گئی حکمنامہ جاری ہوا کہ "میں نے سنا ہے کہ جوانانِ بصرہ میں سے کسی نے تمہاری دعوت کی اور تم کو بلایا اور تم جلدی سے دوڑتے چلے گئے اور اس دعوت میں حاضر ہو گئے۔ وہاں تمہارے لئے اچھے اچھے اور لذیذ کھانے چنے گئے اور لذائذ سے بھرے ہوئے خوانوں پر خوان تمہارے پیشکش کئے گئے مجھ کو تمہاری طرف سے اس امر کا یقین ہرگز نہ تھا کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جو خاص کر اپنے شہر کے فقرا اور محتاجین کو بھوکا رکھیں اور اپنے شہر کے رؤسا کی دعوتیں کریں۔

مصقلہ ابن ہبیرہ الشیبانی خلیفہ عثمانؓ کے زمانہ سے علاقہ اردشیر کا حاکم تھا کہیں فوج کشی کی تھی اور کثیر مال غنیمت ملا تھا۔ اسی کی تقسیم کے سلسلہ میں ہوئی کو بدعنوانیوں کی اطلاع ملی، فوراً تاکیدی چشم نمائی کی گئی: "تیری طرف سے مجھ کو ایک خبر پہنچی ہے اور وہ ایسی ہے، کہ اگر تو نے حقیقت میں یہ کام کیا ہے تو اپنے خدا کو تو غضب میں لایا ہے اور اپنے امیر کو اپنا دشمن بنایا۔ وہ امر یہ ہے کہ تو نے مسلمانوں کے مال غنیمت کو جو انہوں نے لڑائی میں حاصل کیا ہے اور اپنی تلواروں اور نیزوں کے زور سے اپنے قبضہ میں کیا ہے اپنے گھوڑوں کو اس کی دستیابی میں تھکایا ہے۔ تم اس کو ایسے لوگوں میں تقسیم کرتے ہو جو خوشامد سے تم کو اپنا امیر اور رئیس کہتے ہیں۔ اور خاص کر وہ مال تم انہیں عربوں کو دیتے ہو جو تمہاری قوم اور قبیلہ سے ہوتے ہیں۔ اس خدا کی قسم جس کی قدرت سے دانہ شگافتہ ہوتا ہے۔ اور وہی انسان کی روح کو کتم عدم سے قالب وجود میں لاتا ہے، کہ اگر یہ باتیں میری تحقیقات میں سچ ثابت ہوئیں۔ تو تم میرے آگے ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو جاؤ گے"۔

خلافت علویہ کے زمانہ میں زکوٰۃ و صدقات کا صیغہ علیحدہ قائم تھا۔ یہ دونوں طرح کی رقمیں سالانہ ٹیکس کی طرح تھیں اور حیثیت کے لحاظ سے لی جاتیں۔ صدقات یا زکوٰۃ کی آمدنی فقرا و مساکین، عمالانِ صدقہ، مؤلفۃ القلوب، ادائیگی قرض، آزادی غلامان، مسافرین

وحجاج ومجاہدین پر صرف ہوتی تھی۔ انکے محصلین کیلئے قواعد وضوابط وہدایات جاری تھے، جن پر اگر عمل کیا جائے تو زکوٰۃ کی رقوم لوگ بطیب خاطر دینا پسند کریں، اور کوئی زبردست ستانی ممکن ہی نہ ہو۔ حکم ہوا کہ: "اب تم تقویٰ پر ثابت قدم ہو جاؤ۔ خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرو۔ کسی مسلمان کو خوف ودہشت میں نہ ڈالو۔ اور جس وقت وہ تمہارے آنے کو پسند نہ کریں تم انکے پاس نہ جاؤ۔ اور جس قدر کہ خدا کے حقوق ان پر واجب ہیں، ان سے زیادہ مت لو۔ اور کسی خلقت کو آزار نہ پہنچاؤ اور ان کے چشمہ کے پاس اترو تو ان کے جانوروں پر ستم نہ کرو۔ نہایت آہستگی اور عظمت سے انکے قریب جاؤ۔ تو پہلے ان کو سلام کرو اور واجبات تحیۃ بجالاؤ پھر کہو: اے خدا کے بندو! خدا کے ولی اور اس کے خلیفہ نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تم سے خدا کے ان مالوں کو جو تمہارے ذمہ ہوتے ہیں لوں، کیا تمہارے مالوں میں خدا کا کوئی حق نہیں ہے؟ اگر ہمارے اس سوال کے جواب میں کوئی تم سے کہے نہیں! اور دینے میں تامل کرے تو تم پھر اس کو ادائے زکوٰۃ کی تکلیف نہ دو۔ اور اگر تم سے کہے کہ ہاں ہے تو تم اس کے ساتھ رہو۔ اس کے دل کو تقاضہ اور غصہ کے ناخنوں سے نہ تراشو، نہ اس کو ڈراؤ۔ نہ کوئی آزار پہنچاؤ۔ سونے اور چاندی میں سے جتنا وہ تم کو دے دیں تم لے لو۔ اور جو چیز وہ تم کو دینے پر راضی نہ ہوں وہ تم نہ لو۔ اگر وہ اس کے عوض میں اونٹ اور چارپائے دیں تو تم بغیر اجازت ان کے گلوں میں نہ گھس پڑو اور صرف حق اللہ لینے کے لئے وہ محض قلیل ہے، ان کی جانوں پر بار نہ ہو۔ جب وہ تم کو اجازت دیدیں اور اپنے ساتھ تم کو اپنے گلہ میں لے جائیں تو تم ان کے پورے گلے پر قبضہ نہ کر لو۔ اور ان پر سختی نہ کرو۔ ان سے نفرت نہ کرو۔ ان پر درستی روا نہ رکھو۔ ان کے جانوروں کو پریشان نہ کرو۔ ان کے ساتھ اس طرح پیش آؤ کہ وہ تم سے ملول نہ ہوں۔ پہلے ان کے مال کو دو حصوں پر برابر تقسیم کرو۔ اس تقسیم میں وہ جس حصہ کو پسند کریں ان کو دے دو۔ پھر اس بچے ہوئے حصہ کو تقسیم کرو۔ اس میں بھی وہ جس حصہ کو پسند کریں دے دو۔ یہاں تک کہ اس تقسیم کے بعد جتنا کہ حق اللہ ادا ہوتا ہے باقی رہ جائے۔ اسی قدر حقوق کے لئے کافی ہے...... وغیرہ"

اسلامی بادشاہت کے احکام کا مکمل خاکہ سابقہ تحریر میں درج ہوا۔ اسی طرح رقوم جزیہ کے وصول کرنے کے متعلق بھی ہدایات تھیں، یہ رقوم ان غیر مسلم اقوام سے لی جاتی تھیں جنکی حفاظت اور حمایت مسلمانوں پر لازم تھی۔ یہ اقوام سالانہ رقوم اپنے نفوس کی تعداد کے حساب سے دیتیں۔ رقم زکوٰۃ کی طرح جائداد اور افراد کی قیمت سے کوئی اسکو تعلق نہ تھا۔ فقراء ومساکین ضعفا وکم مستطیع حضرات ادائے رقم جزیہ سے بری رہتے۔ خصوصاً زائد از پچاس سال عمر کا مرد اور بیس برس سے کم عمر کا لڑکا۔ تمام عورتیں۔ ہر عمر کے مفلوج العضو ومعطل العضو، مجنون، نابینا، مفلس جس کے پاس سو درم سے کم ہو عام طور سے قطعاً مستثنےٰ تھے۔ رقوم جزیہ بھی چار قسم میں تقسیم تھیں عامۃ الناس سے بارہ درم اور تجار ومتوسط الحال سے ۲۴ درم اور امراء سے ۴۸ درم سالانہ لی جاتیں۔ یہ محاصل ان کی حمایت و حفاظت کیلئے لشکر کی آراستگی ودرستگی، راستہ اور پل کی تعمیر، تعمیر قلعہ وحفاظت سرحد وغیرہ میں صرف ہوتیں۔

حضرت علیؑ کا سا ماہر فنون جنگ لشکر وفوج کی طرف بھی توجہ رکھنے پر مجبور ہوا۔ تو عام لشکر کی یوں تقسیم کی کہ ان میں رکبان[1] (شتر سوار جو سب سے آگے رہتے)، خرسان[2] (اسپ سوار جو شتر سوار کے پیچھے رہتے)، راجل[3] (پیادے)، رماۃ[4] (تیر انداز بطور ریزرو ڈیوٹی)، طلیعہ[5] (حفاظت فوج وغنیم کی سراغرسانی کیلئے مقدمہ لشکر کے آگے رہتے)۔ رائد[6] (ذمہ داران رسد) کے گروہ مقرر کئے اور ہدایت نامے جاری کئے افسران فوج کو جہاں اور ہدایت کی یہ بھی تحریر کیا کہ "خدا سے ہر حالت میں ڈرو۔ کہ بغیر اسکے تم کو کوئی چارہ نہیں ہے کسی کو قتل نہ کرو جب

تک وہ تمہارے قتل کا پورا ارادہ نہ کرے۔ آخری جملہ محض حجت اللہ ہی کے دل و دماغ سے نکل سکتا تھا۔ یہ وہی لکھ سکتا تھا جنکے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا کہ کبھی جنگ میں ابتدا نہیں کرتے تھے، جو دشمن کو زیر کرکے اس کے لعاب دہن پھینک کر بے ادبی کرنے کی وجہ سے سینۂ دشمن سے الگ اتر آتے تھے، تاکہ جہاد میں نفس نہ شامل ہو سکے۔ ایک دوسری تحریر میں پھر یونہی لکھا "اما بعد جب تک کہ تم پر وہ قتل کے ہاتھ نہ اٹھائیں تم انکے قتل کا ارادہ نہ کرو۔ وہ جبتک تم کو نہ ماریں تم دست بقبضہ نہ ہو۔ جس وقت تمہارا حریف تم سے شکست پا جائے اور اس کی جمعیت منہزم ہو جائے اور وہ بھاگنے لگیں تو انکے بھاگنے والوں کو قتل نہ کرو۔ جو ان میں زخمی ہو گئے ہوں ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ انکی عورتوں کے ساتھ کوئی اعتراض نہ کرو۔ انکو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ ہر چند کہ وہ تمہیں گالیاں بھی دیں اور برا بھلا بھی کہیں، تم انکو کچھ نہ کہو۔ جناب رسول خدا کے زمانہ میں عورتوں کو باوجود ان کے کافرہ و مشرکہ ہونے کے تکلیف دینے کا حکم نہ تھا۔ اور ان کی ایذا رسانیوں سے سخت منع کئے گئے تھے۔ دیکھو زمانہ جاہلیت میں بھی اگر کوئی مرد کسی عورت کو پتھر سے بھی مار دیتا تھا تو وہ ہمیشہ ان کے لئے شرم کی بات ہو جاتی، اور قوم کے لوگ اس کو اور اس کی اولاد کو برابر نفرت سے دیکھتے اور برا کہتے"۔

العظمۃ للہ! اسلام کے صحیح اصول جنگ کی تبلیغ ہو رہی ہے، جنگ میں اسقدر محتاط ہستی جب تقسیم اموال بیت المال کی طرف اصلاحی توجہ کرتی ہے، تو خلفائے سابقہ کی بالمدارج تقسیم کو جس سے ذی حیثیت امرا غربا سے صد چند و ہزار زیادہ حصہ پاتے، یک قلم موقوف کر دیتا ہے اور غریب و امیر کو برابر برابر حصہ دینے لگتا ہے۔ پھر چاہے عقیل ابن ابیطالب یعنی اپنا حقیقی بھائی ہی بچوں کی بھوک اور فاقہ کی بنیاد پر اور انکے ستے ہوئے سونلائے چہرے دکھا کر ایک پیمانہ گندم ہی کیوں نہ طلب کرے، انکے ساتھ بھی رعایت نہ ہوگی یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی تقسیم کے وقت موجود نہ رہا ہو۔ تو اپنا حصہ اس کو دے دیں اور خود فاقہ کر لیں، اور ایسا کیا گیا ہے اور بارہا کیا ہے۔ اگر خازن بیت المال سے ام کلثوم کی سی چہیتی بیٹی علی کی لاعلمی میں عید کے دن حقیر موتیوں کا ہار عاریتاً چند ساعت کیلئے لیکر پہن لے تو ابو رافع خازنِ بیت المال اور ام کلثوم دونوں کو زجر و توبیخ کی جائے اور یہ فرمایا جائے، کہ اگر بطور مستعار یہ ہار نہ لیا گیا ہوتا تو زنانِ ہاشمیہ میں میری بیٹی پہلی عورت ہوتی جس کا ہاتھ قلم کرا دیتا۔ ہر شب کے آنے سے پہلے بیت المال سے سب کے حقوق پہنچا کر خدا کا شکر ادا کرنے مسجد پہنچتے اور کہتے رہتے یا بیضاء و یا صفراء غری غیری لے زر سرخ و سفید مجھ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو فریب دینا۔ جب خلافت ثانیہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ سامنے آیا کہ خلیفہ کو کیا دیا جائے، تو تمام اسلامی جماعت میں غور و فکر پیدا ہوئی حضرت علی ادھر جا نکلے، حضرت عمر نے ان کی طرف دیکھا۔ آپ نے مشورہ دیا، کہ صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس (الطبری و الفاروق)۔ ظاہر ہے کہ یہ رائے نہیں مانی گئی، مگر امام نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

رفاہ عام کے سلسلہ میں سڑکیں اور پل تیار کرائے ۳۹ھ میں معاویہ نے حجاج پر تاخت کر دی اور ضحاک کی فوج نے حاجیوں کو لوٹ لیا۔ تو فوراً حجر ابن عدی کو علی نے تعاقب کیلئے بھیجا۔ پھر معاویہ نے عین موسم حج میں بسر ابن ارطاۃ کے ذریعہ مکہ پر تاخت کی آپ نے قثم ابن عباس کے ذریعہ انسداد کیا۔ خلافت کی طرف سے مکہ اور مدینہ کے عاملوں کے پاس خرموں کی گٹھلیاں بھیجکر نخلستان تیار کرائے۔ جو اوقاف علی علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت سے درخت خود لگائے اور تیار کئے۔ اسی طرح خیبر اور وادی القریٰ وغیرہ میں ایسے نخلستان اوقاف کی شکل میں آپ کے زمانہ خلافت کی یادگار موجود ہیں۔ مقام ینبع میں ایک سو چشمے لگائے اور حاجیوں کے لئے وقف کر دیئے، مدینہ میں جناب حمزہ کے مزار کے قریب کوہ احد کے دامن میں متعدد کنوئیں تیار کرا کے مسافروں اور زائروں کیلئے

وقف فرمایا۔ ایسے ہی کنویں مکہ کے راستہ میں مسجد فتح کے قریب کھدائے۔ میقات، کوفہ، بصرہ، ہر مقام پر اسی طرح آب رسانی کا انتظام کیا باوجود بے اطمینانی کے مساجد تعمیر کرائیں۔ تبلیغ دین مبین کو اپنا فرضِ اولین سمجھا۔ آپکی فصاحت و بلاغت تقریر و تحریر۔ وحدانیت و رسالت کے سلسلہ میں ارشادات اسلام کیلئے مایہ ناز سرمایہ ہیں۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے وفود پر وفود پیچیدہ علمی و مذہبی مسائل لے کر آتے رہے اور اطمینان کامل حاصل کر کے مشرف بہ اسلام ہوتے رہے۔ تخلیق آسمان و زمین۔ ابر و باد۔ علم الکائنات۔ علم العباد۔ و الاجرام۔ علم الاوزان والاجسام پر گرانبہا تقریروں میں نکات بیان فرمائے۔ علم القرآن، علم التفسیر، علم القرات، علم الفقہ، علم النحو پر ماہرانہ موشگافیاں فرمائیں۔ غرض کوئی گوشہ نہیں جہاں تنویر علوم کی روشنی نہ پہنچائی ہو۔ یہ علی ہی سے ہوا کہ خلیفہ ہو کر فقر و فاقہ کا خوگر ہے۔ پیوند دار کپڑے استعمال کئے۔ رات کے پردے میں بلا امتیاز مذہب و ملت غرباء کیلئے اپنی پیٹھ پر غلہ لاد کر اُنکی پرورش کی تین خلافتوں کے بعد علی کی خلافت دفعتاً انقلاب لائی کہ جب ان کا خلیفہ بروز عید نماز پڑھانے کیلئے مسجد میں داخل ہونے لگا، تو خلیفہ کے منتظر مسلمانوں نے علی کو فقیر سمجھ کر اندر نہ آنے دیا۔ آنے دیا تو کب جب علی کی نحیف آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی کہ ہاں میں ہی تمہارا خلیفہ ہوں میں تم کو خطبہ سنانے آیا ہوں۔ مجھے اندر آنے دو۔ پردۂ شب میں بارگاہ رب العزت میں الفقر فخری کا شاگرد یوں مناجات کرتا ہوا ملیگا۔ (میں ان اشعار کا ترجمہ پیش کر دوں) :- "پروردگار آج تجھے وہ ضعیف الجسم جس کا دل گناہوں سے دردمند ہو رہا ہے۔ تجھ کو رو رو کر پکار رہا ہے۔ شب بیداریوں نے اس کے جسم کو ضرر پہنچایا ہے۔ اور اس کے جسم کو سوکھی ہوئی شاخ کا سا بنا دیا ہے۔ خوفِ شدید نے اسکے رنگ کو متغیر کر دیا اور وہ اپنی طول مصیبت سے نہیں دیکھ سکتا۔ میری لغزشوں کو کم کر دے۔ اور میرے عیوب کو چھپا دے وہ نہایت عجز و زاری سے تجھ سے دعا کرتا ہے اے پروردگار! . . ."

یہی نحیف جسم والا جس کا علیہ لکھنے والے بتاتے ہیں کہ میانہ قد تھا اور ٹانگیں پتلی تھیں۔ جب میدان شجاعت میں اترتا ہے تو ہمیشہ ہر جنگ میں کامیاب ہوتا ہے سخت سے سخت معرکہ و محاربہ کو تنہا سر کرتا ہے۔ قوی سے قوی دشمن کو زیر کرتا ہے۔ خیبر کے دروازہ کو دو انگلیوں سے اکھیڑ لیتا ہے جس طرح توڑے کوئی پتہ درخت سے۔ قدیم عرب کے اصولوں کو علی نے توڑ دیا۔ اور مقتول کے اسباب جنگ و اسلحہ دراعلہ ملے لینے سے اس عالی ہمت نے ہمیشہ گریز کیا۔ یہی وہ بات تھی جس نے عمرو بن عبدود کی بہن کو گریہ کرتے کرتے بھائی کے قاتل کی تعریف کرنے پر آمادہ کر دیا۔ کہنے لگی اے بھائی مجھے مسرت ہے، کہ تیرا قاتل کوئی شریف النفس تھا، کہ تیرے اسلحے اور زرہ کی طرف نظر نہ کی، علی کا سا بہادر دنیا میں کہاں کہ گھمسان کی لڑائی میں جب سب دو دو زرہیں پہنتے، وہ بے زرہ لڑتے۔ سعید بن قیس ہمدانی یہ حالت دیکھ کر عش عش کر گئے۔ کہا اے مولی یہ کیا کہ آپ محض معمولی لباس پر اکتفا کئے ہیں۔ ارشاد فرمایا: میں موت سے کہاں بھاگ سکتا ہوں، اس دن جس دن موت آنیوالی ہے اور اس دن جس دن نہیں آنیوالی ہے۔ کسی شخص نے جناب امیر المومنین سے دریافت کیا کہ آپ گھوڑے پر کم اور خچر پر زیادہ سوار ہوتے ہیں۔ کیا سبب ہے؟ فرمایا: گھوڑا بھاگنے اور دوڑانے کے لئے ہوتا ہے۔ تو میں کبھی دشمن کے آگے سے فرار نہیں کرتا اور نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کرتا ہوں۔ اسلئے خچر میرے لئے کافی ہے۔

آپ نے خلافت کا نظریہ بدل دیا۔ بادشاہت کو خدمت میں تبدیل کر دیا۔ فقر و فاقہ میں گذر کی اور فرمایا: من احبنا اهل البيت فليستعد للفقر جلبابا۔ (ترجمہ: جو ہم اہل بیت سے محبت کرے فقر کو اپنی چادر بنالے)۔ علی کو موٹے کپڑے پسند تھے اگر کبھی اچھا کپڑا لیا۔ تو اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے غلام قنبر کے لئے خریدا۔ مسندِ خلافت کا بیٹھنے والا میثم تمار کی دوکان پر بھی بیٹھ کر اپنا وقت

صرف کرتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اپنا ہر کام کرتا حتیٰ کہ کفش دوزی بھی کر لیتا۔ مسکینوں اور غریبوں کے پاس بیٹھنے میں فخر محسوس کرتا۔ مسکینا جالس مسکینا ایک مسکین ہے جو مسکین کے پاس بیٹھتا ہے۔ یہی وہ خلیفۂ اسلام تنہا فرد منفرد تھا جسکے دل میں سب کا درد تھا جب ۱۸ رمضان سنہ ۴۰ھ میں ابن ملجم نے اس سراج منیر کو گل کرنے کیلئے فرق اقدس پر زہر آلودہ تلوار چلائی۔ تو سارے کوفہ میں کہرام تھا۔ در و دیوار سے صدائے واویلا بلند تھی مسلمان، یہودی، نصرانی سب بے چین تھے۔ ابن ملجم گرفتار لایا گیا۔ تو اسے رسن بستہ دیکھ کر زخمی علی نے حسنؑ کو حکم دیا کہ بیٹا اس کی مشکیں کھول دو مجھ کو اذیت ہوتی ہے مشکیں کھل گئیں۔ پوچھا اے شخص کیا میں تیرا برا امام تھا۔ گناہگار کیا کہتا! اتنے میں بیٹی کاسہ میں شیر لے آئی۔ علیؑ نے قاتل کے چہرہ کو دیکھا اور دودھ قاتل کو بڑھا دیا اے شخص تو پیاسا معلوم ہوتا ہے اس سے اپنی پیاس بجھالے۔ حسنؑ کی طرف متوجہ ہوئے کہ اے بیٹا اگر میں مرجاؤں تو اس نے مجھے ایک ہی ضربت لگائی ہے ایک سے زیادہ ضربت نہ لگانا اور معاف کر دینا تو اور بھی بہتر ہوگا۔ آخر ۲۱ رمضان آئی تو اس ہستی کو ہم سے چھین لیا گیا۔ قربان ہوں ہماری جانیں ایسے آقا اور مولا پر جو کعبہ کے بیت خانہ خدا میں پیدا ہوا اور خانہ خدا ہی میں جان دیدی اور ساری زندگی راہ خدا میں صرف کردی۔ پروفیسر ریناالڈ مصنف روحانیت اسلام اس عظیم المرتبت ہستی کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:۔

"جو عزت دنیا میں علیؑ کو حاصل ہے وہ آج تک کسی فرد کو بھی حاصل نہیں ہوئی حضرت علی نے روحانیت سے دنیا پر حکومت کی اور دنیا والوں کو امن و سلامتی کے ساتھ حکومت کرنیکا طریقہ تعلیم کیا۔ ان کی شہادت کے روز جہاں اہل کوفہ روئے وہاں سب سے زیادہ عیسائیوں نے گریہ کیا۔ کیا علی کی شہادت پر ہزاروں یہودی اور عیسائی عورتیں اور بچے جو انکے دست کرم سے فیضیاب ہوتے تھے ایک وارثی کے عالم میں بھوکے پیاسے مارے مارے پھرتے تھے، اور انکے فیض سے تھے جب بیت المقدس میں شہادت علی کی خبر پہنچی تو وہ دن تک اس مقدس شہر کے گلی کوچوں میں حسرت و افسوس کے آثار چھائے رہے اور بطریق اعظم کی آنکھوں سے یہ واقعہ سنکر آنسو نہ تھمتے تھے۔"

ریورنڈ ہال نے واقعہ شہادت علی کے سلسلے میں ۱۹۱۰ء کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "حضرت علی کی شہادت سے دنیا روحانیت حکومت سے خالی ہوگئی۔ حضرت علی تمام عالم کیلئے مشعل ہدایت تھے۔ ان کا وجود دوسری قوموں کیلئے بھی امن و امان سلامتی و رحمت کا باعث تھا۔ افسوس ہے کہ ایک باغی تلوار نے عالم کے امن و سلامتی کو قبر میں سلا دیا ہی حضرت علی سے بڑھ کر کبھی دوسرے کو ہردلعزیزی حاصل نہیں ہوئی۔ اگرچہ ان کا جنازہ شب کو اٹھا، مگر اس وقت بھی کوفہ کے تمام گلی کوچے عیسائی، یہودی اور آتش پرست سوگواروں سے بھرے تھے۔ اور وہ ہمیشہ یوں روتے رہے جس طرح کوئی اپنے باپ پر گریہ کرتا ہے۔"

حضرت علی علیہ السّلام کا اعلان استحقاق خلافت

خود شئی تو با پیمبر شاہد حق است و بس   اے باستحقاق بعد از مصطفےٰ غیر از تو کس

تا نہادہ پائے تمکیں بر مکانِ مصطفےٰ   (محسن کاشیؒ)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر مطمئن تھے۔ اور ان خلفا کے زمانہ میں انھوں نے اپنے استحقاق خلافت کا اعلان نہیں فرمایا۔ اس قسم کا پراپیگنڈا حقائق پر پردہ ڈالنے کی سعی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکار ولایت علی المرتضےٰ ارواحنالہ الفداء اپنے آپ کو سرکار رسالت محمد مصطفےٰ (فداہ امی وابی) کا خلیفۂ بلا فصل سمجھتے تھے۔ وہ ہمیشہ اس کا اعلان فرماتے رہے

اور جب بھی حضور کو موقعہ ملا اپنے استحقاق خلافت کا اظہار فرمایا۔ اگر سرکارِ ولایت کے خطبات، احتجاجات اور تقاریر کو جمع کر لیا جائے تو وہ ایک مستقل کتاب ہو جائیگی، ہم اس مقالہ میں اجمال و اختصار کے ساتھ اس موضوع کو قلمبند کرتے ہیں۔

جب سقیفہ بنی ساعدہ کی مہم سر ہو چکی تو جناب امیرؑ سے مطالبہ بیعت کیا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔ انا عبداللہ و اخو رسولہٖ فقیل لہٗ بایع ابوبکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیھم بالقرابۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وتاخذونہ منا اھل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم لما کان محمد منکم فاعطوکم القیادۃ وسلموا الیکم الامارۃ وانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم بہ علی الانصار نحن اولی برسول اللہ فانصفونا ان کنتم تومنون والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ الدینوری ص۱۱)۔

"میں خدا کا بندہ ہوں اور رسول کا بھائی ہوں"۔ سرکارِ ولایت نے جوامع الکلم محمد مصطفےٰ کے جانشین کی حیثیت سے کمال ایجاز سے اس مختصر جملہ میں اپنے دعوئ خلافت کو بیان کر دیا ہے الاشارۃ ابلغ من التصریح، مگر ان اشارات کو وہی سمجھے جس کی اصطلاحات قرآنیہ پر نظر ہو جمہوری خلیفہ اور ان کے مشیر اسے سمجھ نہیں سکے۔ ہم جناب امیرؑ کے اس جملہ کی شرح بالاختصار یہاں لکھتے ہیں:

عبد کے معنی بندہ ہے۔ مگر یہ معنی لغت کے لحاظ سے ہیں۔ اصطلاح قرآنی میں عبد کے معنی معصوم ہیں۔ چنانچہ جب شیطان راندۂ درگاہ رب العزت ہو چکا، تو اس نے بنی آدم کے متعلق یہ دعویٰ کیا: لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین "اے معبود میں ان سب بنی آدم کو ضرور بہکاؤنگا۔ مگر تیرے مخلص بندوں کو نہیں بہکاؤنگا۔ اس پر ارشاد رب العزت ہوا: ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ "تحقیق جو میرے بندے ہیں ان پر غلبہ نہیں ہے"۔ اسی آیہ وافی ہدایہ کی رو سے عبداللہ وہ ہے جس پر شیطان غلبہ نہ پا سکے۔ اور اسے ہی معصوم کہتے ہیں۔ اسی لئے اقرار عبدیت سرکارِ رسالت کلمۂ شہادتین میں شامل کیا گیا ہے۔ اور اقرار عبدیت کو اقرار رسالتؐ سے مقدم رکھا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ پہلے سرکارِ رسالت کی عصمت کا اقرار کرو۔ پھر اقرار رسالت کیونکہ اقرار عصمت کے بغیر اقرار رسالت بے معنی ہے۔

اس عبد کی توضیح کے بعد دیکھئے سرکارِ ولایت علی مرتضےٰ دربار خلافت جمہوریہ میں فرما رہے ہیں کہ میں صاحب عصمت ہوں ایک معصوم سے غیر معصوم کی بیعت کس طرح طلب کی جا سکتی ہے یہ مفضول کو افضل پر ترجیح ہے جو ظلم صریح ہے پھر فرمایا: "میں سرکار رسالت کا بھائی ہوں"۔ اگر منصب خلافت ذاتی نکریت پر مبنی ہے تو میں عبداللہ یعنی معصوم ہوں اور اگر اس عہدۂ جلیلہ کے لئے اضافی فضیلت درکار ہے تو میں رسول اللہ کا بھائی ہوں، بہر صورت میں خلافت کا مستحق ہوں مجھ سے یہ مطالبہ بیعت کیوں ؟۔ اللہ اللہ کس شان ایجاز سے اپنے استحقاقِ خلافت کو پیش کر دیا یہ ہے خلیفہ منصوص من اللہ کی شان۔ اب ذرا جمہوری خلیفہ کی زبان سے اپنی عدم عصمت کا بیان سنیئے:۔

حضرت ابوبکر نے خلافت اجماعیہ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد جو خطبہ بیان فرمایا: اس کے بعض جملے یہ ہیں: فاطیعونی ما اطعت اللہ فاذا عصیت اللہ فلا طاعۃ لی علیکم۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۶)۔ "میری اطاعت کرو جب میں اللہ کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تمہارے لئے ضروری نہیں۔

یہی خطبہ سراج التواریخ فارسی ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی میں بدیں الفاظ مرقوم ہے:۔ "من بہ مثل شما یا ایہا الناس ..."

کہ از شمایان بہتر نیستم شمایانِ ہم بہمراہ من مراعات کنید و اگر دیدید کہ با مر خدائے تعالیٰ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استقامت نمودم مرا متابعت کنید و اگر دیدید کہ کج گردیدیم مرا راست گردانید و آگاہ باشید کہ ہمراہ من شیطانی است کہ ہمیشہ با من ستیزہ دارد چوں دیدید کہ در غضب آمدم از من اجتناب کنید۔" (سراج التواریخ ص۸ مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور) "میں بھی تمہاری مانند ایک بشر ہوں۔ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تم میرے ساتھ مراعات کرو، اگر تم دیکھو کہ میں امر خدا اور سنتِ رسول پر قائم ہوں تو میری اطاعت کرو، اور اگر تم دیکھو کہ میں ٹیڑھا ہو گیا ہوں، تو مجھے سیدھا کر دو۔ اور آگاہ رہو کہ میرے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے جو ہمیشہ مجھ سے برسرِ پیکار رہتا ہے پس جب تم دیکھو کہ میں غصہ کی حالت میں ہوں، تو مجھ سے پرہیز کرو۔"

ہم اربابِ فکر کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں کہ وہ خلیفۂ جمہوری کے خطبہ کے ان الفاظ کو آیۂ مبارکہ "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" کی روشنی میں پڑھیں اور پھر جنابِ امیر کے استحقاق خلافت کے اس جملہ "انی عبد اللہ واخو رسولہ" سے موازنہ کریں۔ اس استدلال کے بعد جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے کہا گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرو۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "میں سب سے زیادہ امر خلافت کا مستحق ہوں۔ تم لوگوں کو چاہیئے کہ تم میری بیعت کرو۔ دیکھو تم نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار پر یہ کہہ کے احتجاج کیا کہ تم قرابت دارِ سرکارِ رسالت ہو۔ تم خود ہی بتلاؤ کہ کیا تم مجھ سے زیادہ قرابت دار ہو؟ اور کیا تم اس حق کو ہم اہل بیت سے غصب نہیں کر رہے ہو؟ کیا تم نے انصار سے یہ استدلال نہیں کیا کہ چونکہ رسول اللہ تم میں سے تھے لہٰذا تم کو خلافت ملنی چاہیئے اور انصار نے تمہارے اس استدلال کو تسلیم کیا۔ اور تمہاری بیعت کی اور جس طرح اور جن دلائل سے تم نے انصار پر حجت تمام کی انہی دلائل کی رُو سے میں سب سے زیادہ مستحق خلافت ہوں۔ ہم سے بڑھ کر رسول اللہ کا اور کون قرابت دار نظر آتا ہے اور ہمارے ہوتے ہوئے یہ حق کدھر منتقل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا انصاف سے کام لو۔ ورنہ ظلم کرنے والوں کا انجام جو ہوتا ہے وہ تمہیں معلوم ہے" (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۱)۔

جناب امیر علیہ السلام نے اپنے استدلال میں جمہوری خلیفہ اور اُس کی پارٹی کے استدلال کی رُو سے جو اُنہوں نے انصار کے مقابلے میں پیش کیا تھا اپنا استحقاق خلافت بدرجہ اولیٰ و اتم ثابت فرما دیا ہے جو قرابت جناب علی مرتضیٰ کو رسول اللہ سے تھی، وہ کسی اور کو کس طرح ہو سکتی ہے۔ جمہوری خلیفہ بنی تمیم سے اور ان کے مشیر بنی عدی سے تھے۔ اور جنابِ امیر بنی ہاشم رسول اللہ کے ابنِ عم تھے۔ اور آپ کے اس چچا کے بیٹے تھے جنہیں رسول اللہ کے والد حضرت عبد اللہ سے ہم بطن ہونے کا بھی فخر حاصل تھا، اور جنابِ رسالتمآبؐ کے جنابِ امیر سے ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود سرکارِ رسالت نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے فرمایا: "یا علی انت منی وانا منک۔" اے علی تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں بھلا اس استدلال کا جواب کیا ہو سکتا تھا۔ مگر حضرت عمر نے استدلال سے لاجواب ہو کر اقتدار کے بل بوتے پر کہہ دیا: انک لست متروکاً حتی تبایع۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۱) "اے علی بیعت کرو بغیر بیعت کے چھٹکارا نہیں"۔ اس پر امیر علیہ السلام نے فرمایا: "احلب حلباً لک شطرہ واشدد لہ الیوم امرہ یردہ علیک غداً واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۱) اے عمر! اس نے تمہارے خلافت کے اگلے تھن سے دُودھ دوہا ہے۔ جو دُودھ دوہنے کا حق ہے اسلئے آج تم اسکے لئے امرِ خلافت کو مضبوط کرو، کل وہ تمہارے لئے مضبوط کر جائینگے۔ خُدا کی قسم اے عمر نہ میں تمہارے قول کو قبول کرونگا نہ بیعت کرونگا۔"

حضرت ابوبکر نے جناب امیر علیہ السلام اور حضرت عمر کی یہ گفتگو سنکر کہا:۔ فان لم تبایع فلا اکرھک۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ[11]) ۔ یا علی اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرتا۔ اس پر پارٹی کے تیسرے رکن حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اس طرح گویا ہوئے:۔ یا ابن عم! انک حدیث السن وھؤلاء مشیخۃ قومک لیس لک مثل تجربتھم ومعرفتھم بالامور ولا اری ابوبکر الا اقوی علی ھذا الامر منک واشد احتمالاً واضطلاعاً فسلم لابی بکر ھذا الامر فان ان تعش ویطال بک بقاء فانت لھذا الامر خلیق وبہ حقیق فی فضلک ودینک وعلمک وفھمک وسابقتک ونسبک وصھرک (کتاب الامامۃ والسیاسۃ[11]) "اے علی! تم ابھی کم سن ہو، ابوبکر سن دراز اور تجربہ کار ہیں تمہیں ویسا تجربہ یا عتبار سن نہیں پس اب ابوبکر کی بیعت کرلو۔ انشاء اللہ اگر آپ زندہ رہے تو آگے چل کر آپ کی بیعت ہوجائیگی، کیونکہ آپ اس کے مستحق اور اس کے لائق ہیں اور آپ کا فضل دین، علم، فہم، سبقت اسلامی، خاندانی وجاہت اور رسول اللہ سے دامادی کا رشتہ ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کے حق کی مؤید ہیں۔" کیا کہنا ابوعبیدہ صاحب کی اس سیاسی تقریر کا، حقوق کا اعتراف بھی کر گئے اور سیاسی زبان میں ایسی بات کہی جو حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

بہرکیف جناب امیر علیہ السلام سے بیعت لینے کی جب یہ کوشش ناکامی پر ختم ہوگئی تو آخر میں جناب امیر علیہ السلام نے اپنے استحقاقِ خلافت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:۔ اللہ یا معاشر المھاجرین لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب عن دارہ وعقر بیتہ الی دورکم وقعوا بیوتکم ولا تدفعوا اھلہ عن مقامہ فی الناس وحقہ فواللہ یا معاشر المھاجرین نحن احق الناس بہ لانا اھل البیت ونحن احق بھذا الامر منکم ما کان فینا القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ العالم بسنن رسول اللہ المضطلع بامر الرعیۃ والمدافع عنھم الامور السیئۃ القاسم بینھم بالسویۃ واللہ انہ لفینا فلا تتبعوا الھویٰ فتضلوا عن سبیل اللہ فتزدادوا من الحق بعداً (کتاب الامامۃ والسیاسۃ[12]) ۔ "اللہ اللہ اے گروہ مہاجرین رسول اللہ کی سلطنت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھر میں نہ لے جاؤ۔ اور رسول اللہ کے اہل بیت سے ان کے حقوق نہ چھینو، نہ ان کو ان کی جگہ سے ہٹاؤ کیونکہ خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین ہم اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم اہل بیت ہیں۔ اور ہمیں میں کتاب خدا کا قاری دین الٰہی کا فقیہ سنن رسول کا عالم رعیت کے حالات سے باخبر ان سے برائیوں کا دور کرنے والا اور ان سے مساوات کا برتاؤ کرنے والا خدا کی قسم ہمارے سوا ایسا شخص کہیں بھی نہیں ملیگا۔"

اللہ اللہ کیا کلام فصاحت نظام ہے فصاحت و بلاغت اور معقولات کے جواہر ریزے ہیں۔ ابوعبیدہ کی سیاسی تقریر کے جواب میں آپ نے اپنے کلام کو حرف استعجاب اللہ اللہ سے شروع فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس پر آپ کو تعجب اور حیرت ہے حضور نے اپنے استدلال میں لفظ اہل البیت کو استحقاق خلافت میں بار بار بیان کیا ہے۔ اشارہ آیہ تطہیر کی طرف ہے جس میں آپ کی عصمت لفظ اہل البیت سے بیان ہوئی ہے یعنی آپ پھر فرما رہے ہیں معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم کی بیعت کا مطالبہ العجب ثم العجب، خاندانی رفعت کے بعد اپنی قابلیتوں کا تذکرہ ہے۔

حاضرین میں سے جناب امیر علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی جواب نہ دے سکا بشیر الانصاری الخزرجی نے اس تقریر کا اثر لیکر اس تقریر کے استدلال کو تسلیم کیا اور کہا:۔ لو کان ھذا الکلام سمعتہ الانصار یا علی قبل بیعتھا لابی بکر ما اختلف

علیک اثنان۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۲) "اے علی! اگر یہ کلام انصار ابوبکر کی بیعت سے پہلے سنتے تو آپ کے سوا کسی دوسرے کی بیعت نہ ہوتی"۔ اس پر جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: "تو کیا میں رسول اللہ کو بے گور و کفن چھوڑ دیتا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جاکر خلافت کیلئے تم سے نزاع کرتا۔ یہ تو مجھ سے کبھی بھی گوارا نہ ہوتا اور نہ مجھے زیبا تھا"۔ یہ فرماکر آپ وہاں سے چلے آئے۔

اما میکہ روزِ وفاتِ پیمبر　　　خلافت گزارد بماتم نشیند

ہم نے اس اعلانِ استحقاقِ خلافت کو صرف سُنی مؤرخ محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری کی کتاب الامامۃ والسیاسۃ سے نقل کیا ہے۔ اس کتاب کا وہ نسخہ ہمارے پیشِ نظر ہے جو مصر میں مصطفیٰ البابی الحلبی کے مطبع میں ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں طبع ہوئی ہے۔ ورنہ اور بھی مؤرخین و محدثین نے اسے لکھا ہے۔

(۱) ابن حجر مکی لکھتے ہیں:۔ دار قطنی نے اپنے استاد سے اخراج کیا ہے، کہ حضرت علی نے یوم شوریٰ ان آدمیوں کے سامنے جن کو حضرت عمر نے خلافت کے فیصلہ کا اختیار دیا تھا ایک طویل کلام کیا اس میں کا ایک فقرہ یہ تھا "میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دلاکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میرے سوا کوئی اور ہے جس کو رسول اللہ نے فرمایا ہو کہ اے علی! تم جنت و دوزخ کی تقسیم کرنے والے ہو۔ سب نے کہا بخدا نہیں، ہم میں آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں۔ (الصواعق المحرقہ لابن حجر مکی الباب التاسع فصل الثانی صفحہ ۷۵)۔ (۲) ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں:۔ دار قطنی نے اپنے استاد سے روایت کیا ہے کہ شوریٰ والے دن حضرت علی نے اہل شوریٰ پر حجت ختم کرنے کیلئے گفتگو کی اور فرمایا: تم کو اللہ کی قسم دلاکر پوچھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرے سوا کوئی دوسرا ہے جو جناب رسالتمآب سے رشتہ میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اور جس کو رسول اللہ نے اپنا نفس فرمایا ہو اور جس کی اولاد کو آنحضرتؐ نے اپنی اولاد کہا ہو اور جس کی عورتوں کو اپنی عورتیں کہا ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں۔ (الصواعق المحرقہ لابن حجر مکی صفحہ ۹۳)۔

(۳) علامہ اخطب خوارزم، جناب امیر علیہ السلام کے احتجاج کا ذکر اپنی کتاب المناقب میں اس طرح فرماتے ہیں: حارث بن محمد روایت کرتا ہے ابی طفیل عامر بن واثلہ سے عامر بن واثلہ کہتا ہے کہ میں بروز شوریٰ اس مکان کے دروازہ پر تھا پس اندر لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے حضرت علی کو کہتے ہوئے سُنا آپ فرما رہے تھے، کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی در آنحالیکہ قسم بخدا میں ابوبکر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار تھا مگر میں خاموش رہا اس ڈر سے کہ لوگ مرتد نہ ہوجائیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ پھر ابوبکر نے عمر کی بیعت کرائی اور قسم بخدا اس عمر کی نسبت میں خلافت کا زیادہ حقدار اور اہل تھا لیکن پھر بھی اس ڈر سے خاموش رہا کہ لوگ پھر کافر ہوجائیں۔ اب تم عثمان کی بیعت کرانے کا ارادہ رکھتے ہو اب میں تم کو حق کی باتیں سُناؤں گا، عمرؓ نے اس خدمت کو پانچ آدمیوں میں ڈال دیا ہے اور میں ان کا چھٹا ہوں، نہ عمر نے میرے شرف و بزرگی کو سمجھا اور نہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اور قسم بخدا اگر میں اپنی فضیلتیں بیان کرنی شروع کردوں، تو ان میں سے ایک بھی خواہ عربی ہو یا عجمی۔ دشمن ہو یا کافر تردید نہیں کرسکتا۔ پھر فرمایا: "اے پانچ لوگوں کی جماعت میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے میرے سوا کوئی رسول اللہ کا بھائی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں! پھر اسی طرح آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کی نسبت دریافت کرنے لگے۔ حمزہ، جعفر، فاطمہ، حسنین اور وہ سب جواب دیتے گئے کہ ہم

میں کوئی آپ کے سوا ایسا نہیں جس کے رشتہ دار قریبی ایسے ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے مشرکین کو قتل کیا ہو یا مجھ سے پہلے اسلام لایا ہو۔ یا میری طرح دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو۔ سب نے جواب دیا کہ ہم میں سے آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے میرے سوا کوئی اور ہے جس کی محبت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کی ہو، یا جس نے رسول اللہ کو غسل دیا ہو۔ سب نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے میری طرح رسول اللہ کو ہر ایک جنگ اور شدت میں بچایا ہو اور ان کی حفاظت کی ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا: کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے میری طرح اپنی جان رسول اللہ پر قربان کی ہو اور ان کے فرش خواب پر سویا ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا: کہ کیا تم میں سے کوئی میرے اور میری زوجہ فاطمہ کے سوا ایسا ہے کہ جس کو خمس ملا ہو۔ سب نے کہا کہ نہیں! پھر فرمایا: کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کو میرے سوا خاص اور عام دونوں میں حصہ ملا ہو۔ سب نے کہا کہ نہیں! پھر فرمایا: کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جس کی طہارت مطلق قرآن شریف سے ثابت ہو سب نے جواب دیا کہ ہم میں سے کوئی آپ کے سوا ایسا نہیں۔ پھر سد ابواب کا ذکر فرمایا اور کہا کہ تمہاری شکایت پر رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کیے اور علی کا دروازہ کھلا رکھا۔ سب نے تصدیق کی۔ پھر آپ نے آیہ ذوالقربیٰ اور جناب رسالتمآب کی رازداری اور راز گوئی کا ذکر کیا اور سب نے تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو رسول اللہ کے ساتھ سب سے آخر تک رہا ہو اور ان کو قبر میں اتارا ہو۔ سب نے کہا کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے۔

محمد بن یوسف الکنجی نے بھی اپنی کتاب کفایۃ المطالب میں جناب امیر کے احتجاج کو جو بروز شوریٰ فرمایا لکھا ہے اور یہ ابن مغازلی کی مناقب کی کتاب اور تاریخ حبیب السیر میں بھی موجود ہے۔

جب ان احتجاجات کے بعد بھی حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت عثمانؓ کے حق میں خلافت کا فیصلہ دیدیا اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا:۔ لیس ھٰذا اول یوم تظاھرتم فیہ علینا فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون ما ولیت عثمان الا لیرد الامر الیک۔ (طبری جلد ۵ ص۳۷ مطبوعہ مصر) یہ پہلا دن نہیں کہ تم نے ہمیشہ غلبہ حاصل کیا ہے اور ہماری حق تلفی کی ہو۔ صبرِ جمیل کے سوا چارہ کار کیا ہے، خدا ہمارا مددگار ہے۔ ان باتوں پر کہ جو تم کرتے ہو اے عبدالرحمٰن تم نے عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا، مگر اسلئے کہ خلافت تمہیں پلٹا دی جائے۔ اس احتجاج پر علامہ شبلی المامون ص۹ پر لکھتے ہیں: جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علی نے صبرِ جمیل کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے۔ (صبرِ جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جو شدید ظلم پر مظلوم اختیار کرتا ہے۔

جناب امیر علیہ السلام اپنا استحقاق خلافت خطبہ شقشقیہ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"دیکھو! خدا کی قسم فلاں شخص نے خلافت کو قمیص بنا کر پہن لیا، اور وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں خلافت کیلئے اتنا ضروری ہوں جتنا کہ چکی کی گردش کیلئے وہ میخ ضروری ہوتی ہے جس پر چکی کی گردش کا دارومدار ہے۔ میری رفعت و برتری یہ ہے کہ سیل مجھ سے اُتر تی ہے اور میری بلندیوں تک کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ آخر میں نے اس معاملہ خلافت سے چشم پوشی کی۔ اور اس سے منہ پھیر لیا اور میں سوچ رہا تھا کہ آخر مجھے کیا کرنا چاہیئے کیا ان کٹے ہوئے ہاتھوں سے بے دست و پا بے معین و مددگار لڑوں یا اس گھٹا ٹوپ اندھیاری پر صبر کروں

ایسی طویل کہ جس میں بڈھا بالکل پھونس ہو جائے اور بچہ بوڑھا ہو جائے ایمان والا اس میں کوشش بلیغ کرے اور مر جائے مگر میں نے دیکھا کہ صبر کرنا رنے سے بہتر ہے اور عقل سے قریب ہے۔ لہٰذا میں نے صبر کیا درآنحالیکہ آنکھ میں کھٹک تھی اور گلے میں تکلیف کی ہڈی اٹکی ہوئی تھی میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث لٹ رہی ہے، یہاں تک کہ پہلا اپنی راہ لگا اور فلاں کو خلافت سپرد کر گیا۔ پھر آپ نے اعشی کا یہ شعر پڑھا۔ ان دونوں دنوں میں (یعنی تکلیف اور راحت کے دنوں میں) بڑا فرق ہے، وہ دن اور ہے جب میں اپنے ناقہ کی پشت پر ہوں اور وہ دن اور ہے جبکہ میں عیاں (نام) کے پاس فارغبالی سے بسر کروں بڑا فرق ہے۔ یا تو وہ پہلا اپنی زندگی ہی میں اپنی لغزشوں سے سنبھلنے کیلئے دوسروں کی مدد چاہتا تھا۔ اب یہ ہوا کہ وہ خلافت کو اپنی موت کے بعد مضبوط کر گیا کس طرح اپنے اپنے حصّہ میں خلافت کے تھن یکے بعد دیگرے ان دونوں نے نچوڑ لئے۔ خلافت کو دوسرے کے سپرد کر کے ایک ایسے صعب و سخت مقام میں ڈال دیا ہے جہاں اسکے زخم گہرے ہوتے ہیں اور ہاتھ لگایا نہیں جا سکتا۔ آئندہ بہت سخت اور بہت زیادہ لغزشیں اس میں تھیں اور ہونگی۔ اور اسکے بارے میں بہت سے عذر کئے گئے اور کئے جائینگے، خلافت کی لگام ہاتھ میں لینے والا اس سوار کی طرح ہے جو ایک سرکش بے زام کی ہوئی اونٹنی کی پیٹھ پر ہو۔ اور اس کی نکیل اگر کھینچ جائے تو اسکی ناک کٹ جائے۔ اگر ڈھیل دی جائے تو بھاگ کر اپنے کو ہلاکوں میں ڈالدے۔ خدا کی قسم لوگ گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے، اور راہ سے بھٹک گئے اور بدل گئے۔ میں نے اس طویل مدت پر اور شدید تکالیف پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ یہ دوسرا بھی اپنے راستے چلا گیا۔ اور خلافت کے مسئلہ کو ایک دوسرے گروہ کے سپرد کر دیا جس کی ایک فرد اپنے گمان میں مجھے بھی جانتا تھا۔ یا اللہ (رے بھلا) مجھے شوریٰ سے واسطہ اور اس سے غرض پہلے کے مقابلہ میں بھلا کب شک پیدا ہوا تھا۔ جو میں ان لوگوں کے ساتھ شریک کیا جاتا ہوں مگر جب وہ اونچے اڑے تو میں ساتھ ساتھ بلند ہوا جب وہ زمین پر منڈلانے لگے تو میں بھی ساتھ ساتھ جھکا۔ اپنا حق ان چھوٹوں میں بھی طلب کیا۔ جیسا ان کے بڑوں میں بھی طلب کیا تھا۔ ان میں ایک گروہ میں سے آدمی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے مجھ سے پھر گیا۔ اور دوسرا بہنوئی ہونے کی وجہ سے اور دوسرے اغراض ناگفتہ بہ کی وجہ سے مجھ سے پلٹ گیا۔ غرضیکہ قوم کا تیسرا آدمی تبختر سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باپ کی اولاد (بنی امیہ) کھڑی ہو گئی۔ اور خدا کا مال خوب چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہے۔ ایک دوسرے خطبے میں جناب امیر اپنی مشکلات کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

فان اقل یقولوا حرص على الملك وان اسكت یقولوا جزع من الموت هیهات بعد اللتیا والتی والله لابن ابی طالب انس بالموت من الطفل بثدی امه بل اندمجت علی مکنون علم لو بحت به لاضطربتم اضطراب الارشیة فی الطوی البعیدة (نہج البلاغہ جلد ۱ خطبہ ۵ ص ۴۶ مطبوعہ مصر)۔ اس وقت اگر میں خلافت کے بارے میں کچھ کہتا ہوں تو لوگ یہی کہینگے کہ دیکھئے علی کو ملک اور دولت کی طمع ہوئی۔ اور اگر چپ رہتا ہوں تو یہی کہینگے کہ دیکھئے اپنا حق لینے میں موت سے ڈر گئے۔ (افسوس) مجھ سے خوفِ موت بہت ہی دور ہے کیونکہ ہر چھوٹی بڑی سختی کو جھیل چکا ہوں، جیسا کہ زمانہ آگاہ ہے۔ خدا کی قسم ابی طالب کا بیٹا موت سے بہت مانوس ہے اور اس سے کہیں زیادہ جتنا کہ دودھ پیتا بچہ اپنی ماں کے سینے سے (یہ بات نہیں) بلکہ ایسے مخفی راز اور پوشیدہ علم کا میں رازدار ہوں اور وہ راز جانتا ہوں کہ اگر کہیں ظاہر کروں تو تم یوں کانپ اٹھو جیسے گہرے کنوئیں میں رسیاں کانپتی اور لرزتی ہیں۔

اسی سلسلہ میں دیوان جناب امیر کے چند اشعار جو اعلان استحقاق خلافت پر مشتمل ہیں یہاں نقل کرنے ضروری ہیں۔ دیوان جناب امیر کو علمائے اہل سنت کلامِ جنابِ امیر تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر اس مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس موضوع کو لکھا جائے۔

۱۔ تعلم ابا بکر و لا تک جاھلاً　　بان علیاً خیر حاف و ناعل

معلوم کرائے ابوبکر اور تو انجان نہ بن　　کہ علی ہر پابرہنہ اور ہر کفش پوش سے بہتر ہے

۲۔ وان رسول اللہ اوصی بحقہ　　ولکم فیہ قولہ فی الفضائل

بہ تحقیق رسول اللہ نے علی کے حق میں امت کو وصیت کی اور اس کے فضائل بیان کئے

۳۔ ولا تبخس حقہ وارددہ الوریٰ　　الیہ فان اللہ بصدق قائل

اسکے حق میں بخیلی نہ کر اور دنیا کے لوگوں کو اسکی طرف پھیر دے۔ بہ تحقیق خدائے عزوجل سب سے زیادہ حق کو ظاہر کرنے والا ہے

۱۔ لقد علم الاناس بان سہمی۔ من الاسلام یفضل کل سہم۔ ۲: وانی قائد للناس طرا۔ من الاسلام من عرب وعجم

بہ تحقیق لوگوں کو معلوم ہے کہ میرا حصہ اسلام میں سب کے حصوں سے زیادہ ہے۔ بہ تحقیق کہ میں عرب و عجم کو اسلام کی طرف کھینچ کر لے جانے والا ہوں

۳۔ وقاتل کل صندید رئیس۔ وجبار من الکفار ضخم۔ ۴: وفی القرآن الزمھم ولائی۔ واوجب طاعتی فرضاً بعزم

اور میں کفار کے بڑے بڑے سرداروں اور رئیسوں کا قتل کرنے والا ہوں۔ } اللہ تعالیٰ نے میری محبت مسلمانوں پر واجب کر دی ہے۔ اور ارادہ کے ساتھ میری اطاعت کرنا ان پر واجب ہے۔

۵۔ کما ھارون من موسیٰ اخوہ　　کذاک انا اخوہ وذاک اسمی

جس طرح موسےٰ سے انکے بھائی ہارون کی نسبت تھی اسی طرح میں محمد مصطفےٰ کا بھائی ہوں اور ان سے وہی نسبت رکھتا ہوں۔

۶۔ لذالک انا منی لھم اماماً　　واخبرھم بہ بغدیر خم

اسی وجہ سے جناب رسول خدا نے مجھے اپنی امت کا امام مقرر کیا۔ اور اس کی خبر ان کو بروز غدیر خم دی۔

مولائے کائنات! آپنے جس قدر اپنے استحقاق خلافت کے اعلانات فرمائے وہ ارباب اقتدار کے سنسر نے ہم تک پہنچنے نہیں دیئے۔ مگر پھر بھی:۔ قلیل فیک یکفینی ولکن۔ قلیلُ الایقال لہ قلیل۔ جو آپ کے احتجاجات میں سے تھوڑا سا حصہ ہم تک پہنچا ہے یہ بھی ہمارے لئے کافی ہے۔ چونکہ آپ کا یہ تھوڑا بھی ایسا ہے جسے تھوڑا نہیں کہہ سکتے۔

جنگ جمل

حضرت عثمان کے قتل کے بعد مسلمانوں نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو مجبور کیا، کہ آپ زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اس وقت چونکہ اسلام اور مسلمان دونوں کی حالت پراگندہ ہو چکی تھی، اور ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی اس لئے باوجود مسلمانوں کے اصرار کے آپ حکومت کی ذمہ داری اٹھانے پر تیار نہ ہوتے تھے لیکن بقول علامہ طبری جب مسلمانوں نے بہت مجبور کیا۔ اور مسجد نبوی میں ایک مجمع کثیر نے گڑگڑا کر کہا کہ "یا علی! اس منصب کا آپ کے سوا اور کوئی حقدار نہیں آپ اسے قبول فرمائیے"۔ تو مجبوراً آپ رضامند ہو گئے۔ مگر ساتھ ہی اپنی پالیسی کا اعلان بھی ان الفاظ میں کر دیا:۔ "میں خدا اور رسول کے احکام سے پوری طرح واقف ہوں جو کچھ مناسب سمجھونگا کرونگا تمہارے اختیار میں نہیں رہونگا"۔ اس اعلان نے بہت سے خود غرضوں کو چونکا دیا۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ علیؑ کی حکومت میں انہیں کھل کھیلنے کا موقع میسر نہیں

ہو سکے گا۔ ادھر بقول علامہ طبری ام المومنین جناب عائشہ کا دل بھی حضرت علی مرتضےٰ کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اسلئے جیسے ہی انہیں قتل عثمان اور خلافت علی کی اطلاع موصول ہوئی انہوں نے خون عثمان کی آڑ میں جناب امیر سے جنگ کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان محصور تھے۔ جناب عائشہ مکہ معظمہ چلی گئیں۔ عبید بن ابی سلمہ انہیں ملا۔ جس نے جناب عائشہ کو بتایا کہ عثمان قتل ہو گئے ہیں اور لوگوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کی بیعت پر اجماع کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ مکہ معظمہ کی جانب لوٹ گئیں اور کہتی جاتی تھیں کہ "واللہ میں عثمان کے خون کا بدلہ لونگی"۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس پر عبید نے کہا کہ پہلے تو آپ ہی لوگوں کو عثمان کے قتل پر اکساتی تھیں، اب آپ کیا فرماتی ہیں؟ جناب عائشہ نے کہا ٹھیک ہے: "اقتلو نعثلاً" صرف میرا ہی نہیں بلکہ دوسروں کا قول بھی تھا لیکن جو بات میں اب کہہ رہی ہوں یہ قول اول سے بہتر ہے۔ اگرچہ طلحہ اور زبیر بظاہر حضرت علی کی بیعت کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ اور جناب عثمان کی جان بچانے کیلئے انہوں نے ذرا بھی کوشش نہ کی تھی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ علی کی حکومت الٰہیہ میں انہیں کوئی مخصوص مراعات حاصل نہیں ہو سکیں گی، تو یہ دونوں حضرات بھی عائشہ کے پاس مکہ معظمہ چلے گئے اور انکے ساتھ ملکر حضرت علی کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

حضرت ام سلمہ: محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے، کہ قیام مکہ کے دوران ایک دن حضرت عائشہ ام المومنین حضرت ام سلمہ سے ملنے گئیں، جو حج کے لئے مکہ معظمہ میں آئی ہوئی تھیں۔ اور ان سے کہا کہ اس مہم میں آپ بھی میرا ساتھ دیں، کیونکہ آپ امہات المومنین میں اپنے فضائل کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہیں۔ اس پر حضرت ام سلمہ نے کہا، کہ کل تک تو آپ عثمان کی مخالف تھیں، اور انکے قتل کی تحریک کرتی پھرتی تھیں، اور آج انکو مظلوم ظاہر کر کے اس جماعت کا ساتھ دے رہی ہیں۔ جس نے خلیفہ رسولؐ جناب علیؑ ابن ابی طالبؑ کے بلا وجہ خروج کیا ہے۔ اے عائشہ! سخت افسوس ہے کہ تم اس گروہ سے موافقت کرتی ہو، جس نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب پر لشکر کشی کی ہے، حالانکہ علی رسول مقبول کے بھائی، داماد اور فاطمۃ الزہرا کے شوہر ہیں۔ محدث جمال الدین کا بیان ہے، کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے جناب عائشہ کو رسول اکرم کی ایک پیشینگوئی یاد دلائی، کہ "عنقریب میری ایک بی بی پر چشمہ حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ شریک اہل بغاوت و فساد ہوگی"۔ اور کہا کہ اے عائشہ کیا یہ بات آنحضرت صلعم نے تیرے ہی متعلق ارشاد نہیں فرمائی تھی۔ روضۃ الاحباب کے بیان کے مطابق جناب عائشہ نے حضرت ام سلمہ کے اس قول کی تصدیق کی جس پر آپ نے انھیں طلحہ اور زبیر کے فریب سے بچنے کی تلقین کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر ایک لشکر جرار فراہم کر کے مکہ معظمہ سے بصرہ کی طرف چل پڑے۔

چشمہ حواب: تاریخ مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ جب حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کا قافلہ مکہ سے روانہ ہو کر شب کو چشمہ حواب پر پہنچا، تو وہاں کچھ لوگ بنی کلاب کے جمع تھے۔ ان کے کتے سواروں کو دیکھ کر بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے؟ شتربان نے کہا کہ حواب۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ کی زبان سے کلمہ "انا للہ و انا الیہ راجعون" نکل گیا اور وہ کہنے لگیں کہ مجھے یہاں سے حرم رسول کی جانب واپس لے چلو مجھ کو اس سفر سے کچھ کام نہیں ہے۔ عبداللہ ابن زبیر نے حضرت عائشہ کا اضطراب دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم یہ حواب نہیں ہے۔ اس کے بعد طلحہ بھی آ گئے جو پیچھے تھے اور انہوں نے بھی قسم کھا کر کہا کہ یہ حواب نہیں ہے۔ نیز طلحہ اور زبیر کی موافقت میں انکے پچاس ہمراہیوں نے گواہی دی کہ اس مقام کا نام حواب نہیں ہے اور یہ

پہلی شہادت زور یعنی جھلی گواہی تھی جو اسلام میں قائم کی گئی"۔ حوأب کا واقعہ تاریخ ابوالفدا، مستدرک حاکم، تاریخ کامل، تاریخ اعثم کوفی وغیرہ میں بھی بالتفصیل درج ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی مشہور پیشینگوئیوں میں سے ہے۔

جناب عائشہ نے حوأب کے مقام سے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن حضرات طلحہ و زبیر اور عبداللہ ابن زبیر کی کوششوں سے انھوں نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور خونِ عثمان کی آڑ لے کر امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف جنگ آزما ہونے والا یہ گروہ بصرہ پہنچ گیا۔ بصرہ کے لوگ فساد پر تیار نہ تھے لیکن طلحہ نے کسی نہ کسی طرح ہنگامہ کرا ہی دیا عثمان ابن حنیف عاملِ بصرہ نے شورش پسندوں کا مقابلہ کیا اور طلحہ و زبیر کی فوجیں بھی فسادیوں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ دو دن تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ دوسرے دن عثمان بن حنیف کی فوجیں غلبہ پانے ہی والی تھیں، کہ جناب عائشہ نے مصالحت کا پیغام بھیجا اور معاہدہ ہو گیا، کہ حضرت علی کے پہنچنے تک جنگ بند رہے۔ عثمان بن حنیف اپنے عہد پر قائم رہے لیکن حضرت طلحہ عہد شکنی کر کے ایک دن شام کے وقت اپنی فوجیں لیکر مسجد میں گھس گئے۔ چالیس مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ پھر دارالامارہ پر حملہ کر کے چار سو مسلمانوں کو شہید کر دیا اور عثمان بن حنیف کو گرفتار کر کے انکی ڈاڑھی مونچھوں کا ایک ایک بال اکھاڑ کر بصرے سے نکال دیا۔ اس طرح بصرے پر طلحہ و زبیر کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت علی بھی اس فتنے کا سدِ باب کرنیکے کیلئے مدینہ سے چل پڑے تھے۔ راستے میں جب عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو ان سے یہ حالات سن کر جناب امیر کو سخت رنج ہوا۔ آپ بڑی تیزی سے بصرے تشریف لائے۔ اور شہر کے باہر قیام فرمایا۔ آپ کسی صورت میں بھی مسلمانوں سے خانہ جنگی کے روادار نہ تھے۔ اس لئے آپ نے انتہائی کوشش کی، کہ جنگ نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں آپ نے حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کو نصیحت آموز خطوط بھی لکھے اور صلح کا پیغام دیا۔ روضۃ الاحباب میں ہے، کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب عائشہ کو اس مضمون کا خط لکھا:۔ "بعد حمدِ خدا و نعتِ محمد مصطفےٰ عائشہ کو معلوم ہو، کہ تم خلافِ حکم خدا و رسول گھر سے نکلی ہو اور جس بات کی تم کو تکلیف نہیں دی گئی اور تمہارے مناسب حال نہیں ہے۔ اس کو تم نے اختیار کیا ہے۔ تمہارا گمان ہے کہ تم مسلمانوں میں اصلاح پیدا کرتی ہو۔ حالانکہ جو کچھ تم کر رہی ہو یہ بالکل فساد اور افساد ہے۔ ذرا بتاؤ تو کہ عورتوں کو فوج و لشکر سے کیا کام ہے۔ جنھیں خدا نے خانہ نشینی کا حکم دیا ہے؟ اے عائشہ! خدا سے ڈرو۔ اپنے گھر واپس جاؤ۔ اور وہاں قرار پکڑو"۔

حضرت علی کا خطبہ:۔ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ان مصالحانہ کوششوں کا مخالف جماعت نے کوئی اثر نہ لیا اور جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں تو جیسا کہ مروج الذہب میں ہے حضرت علی نے کھڑے ہو کر اپنی فوج سے ارشاد فرمایا: "ایہا الناس! اگر تم فوجِ مخالف کو شکست دو تو زخمیوں اور قیدیوں کو نہ مارو۔ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرو۔ کسی شخص کو برہنہ اور کسی مقتول کو مثلہ نہ کرو اور ان کے اموال کے قریب نہ جاؤ۔ سوا اس مال و متاع کے جو لشکر میں از قسم اسلحہ وغیرہ پڑا ہوا پاؤ"۔ تاریخ طبری۔ اعثم کوفی۔ ابوالفدا اور روضۃ الصفا وغیرہ میں مرقوم ہے۔ "کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک دفعہ پھر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جناب عائشہ اور طلحہ و زبیر کو پیغام صلح دیا۔ اور وعظ و نصیحت کی بلکہ زبیر بن عوام سے یہاں تک فرمایا کہ کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا کہ اے زبیر جب تو علی پر لشکر کشی کریگا تو ظالم ہو گا۔ اس معاملہ میں خدا سے ڈرنا"۔ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ حضرت علی نے زبیر سے یہ بھی کہا کہ "تم مجھ سے خونِ عثمان کے طالب ہو حالانکہ خود تم نے انکو قتل کیا"۔ نیز طلحہ سے کہا کہ "اے طلحہ تم رسول اللہ کی بی بی کو میدان جنگ میں لڑنے کیلئے لائے ہو اور اپنی بی بی کو تم نے گھر میں پردہ نشین بنا رکھا ہے"۔

اس کے بعد حضرت علی علیہ السّلام نے اتمامِ حجت کے طور پر ایک شخص مسلم بن عبداللہ کو پھر پیغامِ صلح دے کر جناب عائشہ کے پاس بھیجا اور کہا، کہ یہ قرآن لے کر جاؤ۔ اور انھیں امر و نواہی کی طرف بلاؤ۔ تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ مسلم بن عبداللہ قرآن شریف لے کر مخالفوں کے پاس پہنچا، اور کہا اے لوگو! جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ نے جو حضرت رسُولِ خُدا کا چچازاد بھائی اور وصی ہے یہ قرآن شریف میرے ہاتھ تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اور کہا ہے، کہ میں تمہارے ساتھ اس کلامِ الٰہی کے مطابق عمل کرونگا۔ تم میری مخالفت نہ کرو اور جنگ سے پیش نہ آؤ۔ خُدا سے ڈرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاک نہ کرو لیکن حضرت عائشہ کے خدمت گاروں میں سے ایک آدمی نے آتے ہی اس پر تلوار کا وار کیا، اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے اس جوان نے قرآن شریف کو سینے اور بازوؤں سے روکا لیکن دُشمن نے دُوسری تلوار سینے پر ماری اور اُسے قتل کر دیا۔ علامہ مسعود ذہبی لکھتے ہیں" کہ جناب عائشہ کے لشکر نے مسلم کے بعد حضرت علی علیہ السّلام کے چند اور ہمراہیوں کو بھی شہید کیا، مگر اس طرف سے کوئی جوابی حملہ نہ ہوا۔ کیونکہ علی کی دلی خواہش یہی تھی، کہ مصالحت ہو جائے۔ اور خونریزی نہ ہو۔ جب کئی صحابیوں کی لاشیں آپ کے سامنے لائی گئیں تو آپ نے بادلِ ناخواستہ اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر فرمایا:۔

"الٰہی گواہ رہنا۔ میں مجبور ہو کر جنگ کی اجازت دے رہا ہوں"۔

معرکہ کارزار گرم ہُوا۔ اور ایسی خونریز لڑائی ہوئی کہ دشتِ کارزار خون کا دریا معلوم ہوتا تھا۔ اثنائے جنگ میں زبیر کو جانے کیا خیال آیا کہ میدان چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ طلحہ کو مروان بن حکم نے ایک زہر آلود تیر سے ہلاک کر دیا۔ حالانکہ طلحہ اور مروان ایک ہی لشکر میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے۔ مسعود ذہبی نے لکھا ہے: کہ مرتے وقت طلحہ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:۔ "میری حال پر تف ہے میں نے مجرموں کا ساتھ دیا"۔

سرداران لشکر میں سے ایک کے فرار اور دُوسرے کی موت نے فوجوں کا دل توڑ دیا۔ سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور انکے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ شکست ہونے ہی والی تھی، کہ بہت سے مسلمان حضرت عائشہ کے محمل کے گرد جمع ہو گئے اور ایک دفعہ پھر خونریز معرکہ شروع ہو گیا۔ آخر جنابِ عائشہ کے اونٹ کو پے کر دیا گیا۔ مگر اس طرح کہ انہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا۔ محمل کا گرنا تھا۔ کہ ساری فوج تتربتر ہو گئی۔ اور حضرت عائشہ کو ان کے بھائی محمد بن ابی بکر نے جناب علی ابن ابی طالب کے ارشادِ گرامی کے مطابق انتہائی عزت و احترام سے عبداللہ بن خلف کے گھر پہنچا دیا۔

حُسنِ سلوک:۔ فتح کے بعد حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے مغلوب دشمن کے ساتھ جو شریفانہ برتاؤ کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جناب امیر نے اپنے اور غنیم کے مقتولوں کو دفن کرا دیا۔ سب کا سامان انکے وارثوں کو پہنچایا، اور جتنے لوگ قید کر کے لائے گئے تھے، ان سب کو وعظ و نصیحت کے بعد چھوڑ دیا۔ تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ حضرت عائشہ نے جب اپنے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے ذریعے حضرت علی سے عبداللہ ابن زبیر کے لئے امان طلب کی تو آپ نے فرمایا" ایک عبداللہ کیا میں نے سب کو امان دے دی"۔ اس کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے عبداللہ بن جعفر کے ہاتھ بارہ ہزار درہم سامانِ سفر کے لئے جناب عائشہ کے پاس بھیجے۔ اور محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیں۔ تاریخ اعثم کوفی میں ہے، کہ جب حضرت عائشہ نے بصرہ سے سفرِ مدینہ اختیار کیا تو جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے بصرہ کی کچھ عورتوں کو

مردانہ لباس پہنا کر اور سر پر عمامے بندھوا کر حکم دیا، کہ وہ حضرت عائشہ کے ہمراہ جائیں۔ بصرہ سے کچھ دُور نکل کر جناب عائشہ نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شکایت کی، اور کہا کہ مجھے غیر مردوں کے ہمراہ بھیجا ہے، یہ سُن کر ان عورتوں میں سے ایک نے اپنا اونٹ نزدیک لا کر نقاب اُلٹ دیا۔ اور کہا کہ ہم سب کی سب عورتیں ہیں، اور مردانہ لباس میں آپ کی حفاظت کے لئے ساتھ ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ بہت خوش ہوئیں، اور اپنے کیے پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے جناب امیر کا احسان مانا۔ تاریخ اعثم کوفی کے بیان کے مطابق اس کے بعد جب کبھی جنگ جمل کا واقعہ یاد آجاتا تھا۔ تو اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے چادر تر ہو جاتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ "اے کاش میں بصرہ جانے سے بیس برس پہلے مر چکی ہوتی، تو مجھ سے یہ حرکت سرزد نہ ہونے پاتی"۔ جنگِ جمل میں فریقین کے مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔

سرسری جائزہ: مسلمانوں کی مستند کتب تواریخ سے جنگ جمل کے جو واقعات مندرجہ بالا سطور میں اجمالاً سپردِ قلم کئے گئے ہیں ان سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قصاصِ خونِ عثمان محض ایک سیاسی بہانہ تھا۔ ورنہ اصحابِ جمل کا اصلی مقصد حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ الامم والملوک شمس التواریخ، نہایہ ابن اثیر۔ تاریخ خمیس اور صواعق محرقہ کی تحقیق کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ حضرت عثمان اپنے گھر میں چالیس دن تک محصور رہے لیکن اوروں تو اور بنی امیہ تک نے انکی کوئی امداد نہ کی۔

۲۔ امیر معاویہ نے باوجود موقع و قدرت مدد نہ کی طلحہ قاتلانِ عثمان کی جماعت میں سے تھے اور حضرت عثمان سے انھوں نے دوبدو مخالفت کی گفتگو کی۔ عمرو بن العاص کی بھی یہی حالت تھی۔

۳۔ چونکہ یہ موسم حج تھا، اور مکہ معظمہ میں اجتماع مسلمین تھا۔ اس لئے حضرت عثمان نے اپنی امداد کے سلسلے میں ایک طویل مراسلہ وہاں بھیجا۔ جو سب کے سامنے پڑھا گیا۔ علاوہ ازیں شام، کوفہ اور بصرہ وغیرہ میں بھی اپنی امداد و حمایت کیلئے قاصد روانہ کئے۔

۴۔ معاویہ کو اپنا ہمدرد سمجھ کر خاص طور پر مدد کیلئے طلب کیا لیکن انھوں نے مطلق پرواہ نہ کی۔

۵۔ حضرت عائشہ جب جناب عثمان سے ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلی گئیں، تو انکے متعلق ناخوشگوار کلمات کہتی تھیں اور قتل کی تحریک کرتی تھیں۔ (۶) عمرو بن العاص اکثر کہا کرتا تھا "بتحقیق میں عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارتا تھا، یہاں تک کہ اس چرواہے کو بھی جو پہاڑ پر اپنی بھیڑوں کے گلے چراتا ہے۔"

یہ ہے قتلِ عثمان کا پس منظر۔ لیکن کس قدر افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا، اور انہیں بچانے کی ذرا بھی کوشش نہ کی بلکہ انکے محاصرے کے دوران میں انکی مخالفت کرتے رہے۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد وہی لوگ قصاص کے مدعی بن کر اپنے اپنے کونوں سے نکل آئے۔ اور اس علیؑ سے طالبِ قصاص ہوئے جو بقولِ مروان الحکم "سب سے زیادہ عثمان کے دشمنوں کو دفع کرنیوالا تھا" (النصائح الکافیہ) اور جس نے اپنے دونوں شہزادوں حسنؑ اور حسینؑ کو عثمان کی حفاظت کیلئے بھیجا تھا۔ اور انھیں کے ذریعے جناب عثمان تک پانی بھی پہنچایا تھا۔ (اعثم کوفی وغیرہ)۔

کتاب عقد الفرید میں ہے کہ جب تک حضرت علیؑ کی بیعت منعقد نہ ہوئی تھی، ان پر خونِ عثمان کا اتہام نہ لگایا گیا تھا مگر بیعت کے بعد ہی لوگوں نے انکو متہم کرنا شروع کر دیا۔ جہاں تک قصاص کا تعلق ہے، صواعق محرقہ، شمس التواریخ اور تاریخ خمیس وغیرہ

کے بیان کے مطابق حضرت علی نے عام اعلان کر دیا تھا۔ کہ مجھے قاتلانِ عثمان بتاؤ۔ میں انھیں سزا دونگا۔ بلکہ تحقیق شروع کر بھی دی تھی۔ جس میں زوجہ عثمان جناب نائلہ نے اپنے بیانات میں کہا تھا کہ صرف دو اشخاص میرے شوہر کے قاتل ہیں جن کے نام مجھے معلوم نہیں۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ قتل کے وقت تو جناب نائلہ کے سوا وہاں کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اور جب وہی قاتلانِ عثمان کا نام و پتہ نہ بتا سکیں تو اور کون بتاتا؟

سردارانِ لشکر میں سے زبیر کی جنگ سے دستکشی طلحہ کا مرتے وقت بصد حسرت و یاس بار بار یہ کہنا کہ "میری ماں پر تف ہے۔ میں نے مجرموں کا ساتھ دیا" ۔ اور جناب عائشہ کا اظہار تاسف یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، کہ حق پر کون تھا۔ لیکن اس کے باوجود بعض کوتاہ نظر اور متعصب مورخین اور ہوا خواہانِ بنی امیہ جنگ جمل کو امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام کی سیاسی کمزوری ظاہر کر کے حقائق پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اس قسم کی تاریخی بددیانتیوں کو بھی اسلامی ثقافت قرار دیا جاتا ہے۔

جنگِ صفین!

تمہید:۔ جو ہستیاں مامور من اللہ ہوں اور جن کی نیابت و خلافت مطابق نصوص محکم اور منجانب خداوند عالم ہو ان پر یہ واجب و لازم ہے، کہ وہ اعلانِ توحید اور اعلائے کلمۃ الحق میں ہر ممکن قدم اٹھائیں، اور پہلے زبان سے تلقین کریں، اور اگر یہ کارگر اور موثر ثابت نہ ہو، اور کفار و مشرکین اپنی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئیں تو پھر تلوار کے جوہر دکھائیں۔ یہ دو طرح جہاد یعنی جہاد باللسان اور جہاد بالسیف خدا کے مامور و فرستادہ بندوں کا ہمیشہ معمول رہا۔

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحیدِ خدا کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ان دونوں جہادوں کے محیر العقول اور عدیم النظیر مناظر پیش کئے جو قدم اٹھایا وہ موقع و محل کے مطابق اور تحت وحی ہوا تھا، خداوند عالم کا ارشاد کہ اے ہمارے نبی! کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر ہر طرح کی سختی روا رکھو۔ رسولِ خدا کے ہمیشہ پیشِ نظر رہا، آپ نے کفار و مشرکین سے متعدد لڑائیاں لڑیں، اور انکو ہر مقام پر شکست دی لیکن یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آپ نے منافقین سے کبھی لڑائی نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان کی تالیف قلوب کرتے رہے، حالانکہ منافقین سے جہاد کرنا از روئے قرآن مجید رسولِ خدا پر واجب تھا، آپ نے کفار سے ہی جہاد فرمایا تھا۔ اور منافقین سے جہاد کرنا باقی تھا۔ چونکہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مامور من اللہ وصی خلیفہ و جانشین تھے۔ خلیفہ کا فعل یقیناً مستخلف کا فعل متصور ہوتا ہے۔ لہٰذا جناب امیر علیہ السّلام نے جو اپنے ظاہری ایام خلافت میں منافقین سے متواتر مسلسل جہاد کئے اور جمل و صفین و نہروان میں اپنی خدا داد شجاعت و بہادری کے عظیم الشان جوہر دکھائے، یہ سب مطابق حکم خدا و رسول تھا۔ اس لئے کہ نبی و امام کا ہر قول و فعل امر الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہٰذا بنابریں جناب علی مرتضیٰ علیہ السّلام کا یہ جہاد عین رسولِ خدا کا جہاد تھا۔ چنانچہ سعید بن جنادہ جناب امیر علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے تین گروہ یعنی ناکثین اور قاسطین اور مارقین کیساتھ جنگ کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ پس ناکثین اہل جمل اور قاسطین اہل شام اور مارقین اہلِ نہروان ہیں۔

پسِ منظر: جناب امیر علیہ السلام کا دورِ حکومت ایک انقلابی دور تھا۔ خلیفہ ثالث کے عہدِ حکومت میں جو نظم و نسق میں بے تدبیریاں اور بدعنوانیاں معرضِ ظہور میں آئی تھیں اور خویش پروری، اقربا پروری اور بیجا مراعات کے جو مسلسل اور پیہم واقعات ہوتے رہتے تھے وہ اب حکومت کا طرۂ امتیاز بن چکے تھے۔ مسلمان تعیش و امارت پسند ہو چکے تھے۔ بنی اُمیہ کا اقتدار مستحکم ہو رہا تھا جس سیاسی غلطی کا ارتکاب خلیفہ ثانی کر چکے تھے یعنی بنی اُمیہ کو برسرِ اقتدار لانے کیلئے یزید بن ابوسفیان اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بھائی معاویہ کو گورنری کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا اور اس پر مستزاد یہ کہ اموی خاندان کے نمایاں فرد عثمان بن عفان کو اپنے انتقال کے بعد امیرِ خلافت طے کرنے کیلئے مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ اس سیاسی غلطی نے وہ طوفان مچایا کہ الامان والحفیظ۔ اسلام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اس کے اصلی خدوخال مسخ ہونے شروع ہو گئے۔ اسلامی تہذیب و تمدن پر اقتدارِ سلطنت یا اموی و شہنشاہت کا لباس پہنایا جانے لگا تھا، اور پیغمبر اسلام کی سادہ تعلیمات کو محو کر کے کسرویت و قیصریت کے سانچوں میں ڈھالا جانا شروع ہو گیا تھا۔ ان روح فرسا اور انقلابی حالات میں جناب امیر علیہ السلام کو زمامِ سلطنت و خلافت سنبھالنا پڑا۔ اس زمانہ کے مسلمان خویش پروری اور بیجا مراعات کے حصول کے عادی ہو چکے تھے، امارت کا نشہ بھوت کی طرح سر پر سوار ہو چکا تھا، خلیفہ ثالث کے قتل کو ایسا سیاسی رنگ دیا جا رہا تھا جو سراسر حضرت علیؑ علیہ السلام کے خلاف تھا۔ ایک طرف اُمّ المومنین جو حضرت عثمان کے واقعۂ قتل سے پہلے نعثل کا خطاب دے کر اس کو موت کے گھاٹ اُتارنے پر فتویٰ دے چکی تھیں۔ خونِ عثمان کے قصاص پر اس طرح آمادہ اور تیار ہوئیں کہ جناب امیر علیہ السلام کے خلاف ایک زبردست محاذِ جنگ قائم کر لیا جو معرکہ جمل میں ہزاروں مسلمانوں کی خونریزی پر منتج ہوا۔ دوسری طرف حضرت علی علیہ السلام کے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہوئے بنی اُمیہ کے قافلے، دشمنانِ اہلبیتِ رسولؐ کے جتھے اور منافقوں کے گروہ جوق در جوق مدینہ سے شام روانہ ہونے لگے، جہاں کہ معاویہ بن ابوسفیان برسرِ اقتدار تھا۔ عبیداللہ بن عمر اور نعمان بن بشیر (نائلہ زوجہ عثمان) کی کٹی ہوئی انگلیاں عثمان کا خون آلود کرتا لیکر شام پہنچے۔ عوام کو مشتعل کیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو خونِ عثمان کا قصاص لینے پر بھڑکایا۔ اور معاویہ نے یہ انگلیاں ممبر پر رکھوا دیں، اور یہ خون بھرا کرتا محراب مسجد میں آویزاں کر دیا۔ حضرت علی پر خونِ عثمان کا اتہام لگا کر ان کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مظلومیتِ عثمان کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ اور حضرت علیؑ کی برائیاں گلی گلی اور کوچہ کوچہ ہونے لگیں۔ اور لوگ آپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ نظر آنے لگے۔ شام کی بغاوتوں نے آپ کو مجبور کیا کہ وہ بجائے مدینہ کے کوفہ کو اپنا دارالسلطنت بنائیں۔ آپ نے جریر، اصبغ، ابوالاسود اور طرماح کو معاویہ کے پاس پے در پے سمجھانے کی غرض سے بھیجا۔ ان لوگوں نے بہت سمجھایا حضرت علی نے خود بھی اسے متعدد خط لکھے لیکن وہ اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آیا۔ اور اپنے وزیرِ اعظم عمرو بن العاص کے صلاح مشورہ سے حضرت علی کے خلاف فتنوں کو اُبھارتا رہا۔ جو بالآخر جنگ صفین کی صورت میں نمودار ہوا۔

آغازِ جنگ: جیسا کہ مطالب السئول میں ہے جنگ صفین میں جناب امیر علیہ السلام کو ایسے تکلیف دہ اور ہولناک واقعات پیش آئے۔ کہ جن کے سننے سے بہادر سے بہادر آدمی کا دل لرز اُٹھتا ہے اور بچّہ بوڑھا ہو جاتا ہے حضرت علی نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مسلمانوں کا خون نہ بہے۔ مگر جب یہ خبر ملی کہ معاویہ ایک لاکھ فوج لے کر شام سے نکل چکا ہے۔ تو آپ نے بھی لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ جب جمعیت اسی ہزار کا مجمع ہو گیا تو عقبہ بن عمر کو حاکم کوفہ بنا کر اپنے لشکر کو کئی حصّوں پر منقسم کر کے بارہ ہزار فوج آگے روانہ کی، بوقتِ روانگی لشکر کو ہدایت کی۔ کہ ظلم سے نفرت کرنا۔ خدا سے ڈرتے رہنا۔ ماتحتوں کی خبر گیری کرنا۔ ہوشیار و چوکس رہنا۔ شبخون کا خیال رکھنا۔

بھاگ جانے کی ذلّت نہ اختیار کرنا۔ رات کو بقدرِ ضرورت سونا۔ سویرے اُٹھ کر خدا کو یاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

میدانِ صفین:۔ حضرت علی نے لشکر پر مالک اشتر کو امیر بنایا۔ اور شام کی طرف روانہ ہوئے۔ بابل کے میدان میں ابو الاعور السلمی پچیس ہزار فوج لے کر ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ مالک اشتر بھی پہنچ گئے۔ مقابلہ میں خیمے برپا کئے۔ صبح ہوتے ہی ابو الاعور نے جنگ کا بگل بجوا دیا۔ دشمن نے سبقت کی تو مالک اشتر فوج لیکر بڑھے، دونوں فوجیں برسرِ پیکار ہوگئیں۔ دن بھر تلوار چلتی رہی آخر ابو الاعور بھاگا۔ فوج تتر بتر ہوگئی۔ ابو الاعور قیع کے مقام پر معاویہ سے جا ملا۔ جب معاویہ نے سُنا کہ مالک اشتر فوجِ شام کو پسپا کرتا ہوا ادھر آرہا ہے تو قیع سے ہٹ کر میدانِ صفین میں پڑاؤ ڈالدیا۔ اور فرات کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔ مالک اشتر نے پہنچکر دریا سے ذرا دور پڑاؤ ڈالا۔

بندشِ آب:۔ جب تیسرے روز حضرت علی تشریف لائے تو آپ نے دریا سے ہٹ کر پڑاؤ ڈالنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ معلوم ہوا کہ گھاٹ پر معاویہ کا قبضہ ہے اور گھاٹ کی راہ بند کر رکھی ہے، تاکہ حضرت علی کا لشکر پانی نہ لے جانے پائے۔ عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا، کہ علی کے لشکر کو بھی پانی پینے کے لئے گھاٹ پر آنے دینا چاہئیے۔ معاویہ نے جواب دیا: واللہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جس طرح حضرت عثمان پیاسے قتل ہوئے اسی طرح سے یہ لوگ بھی پیاسے مرجائیں تو بہتر ہے۔

اس پر جنابِ امیر علیہ السّلام نے اشعث کو حکم دیا کہ چار ہزار سوار لے کر معاویہ کے لشکر میں گھس جاؤ، اور اس کو منتشر کر کے اپنے آدمیوں کو پانی پلاؤ۔ اشعث وہاں سے روانہ ہوئے اور جنابِ امیر انکے پیچھے ہو لئے۔ اور معاویہ کی فوج میں گھس گئے اور ابو الاعور (جو معاویہ کے مقدمۃ الجیش کا افسر تھا) کی فوج کو گھاٹ کے راستے سے ہٹا دیا اور جس مقام پر کہ معاویہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں جا کر پڑاؤ ڈالدیا۔ گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔ اور سیر ہو کر پانی پیا۔ معاویہ کی فوج کو اندیشہ ہوا کہ چونکہ ہم نے پانی نہیں دیا تھا یہ بھی نہ دینگے۔ چنانچہ معاویہ کی فوج کے کچھ آدمی پانی مانگنے آئے۔ حضرت علی علیہ السّلام سے یہ کب ممکن تھا، کہ وہ کوئی خلافِ انسانیت کام کریں آپنے فرمایا خدا کا دریا ہے بے کھٹکے جتنا جی چاہے پانی پیو اور بھر کر لے جاؤ۔ پانی بند کرنا تمہارا کام تھا اور پانی کی عام اجازت دینا یہ میرا کام ہے۔

انفرادی حملے:۔ جنابِ امیر علیہ السّلام اپنے لشکر میں سے ایک ایک فرد قوم کو میدان میں جنگ کے لئے بھیجنے لگے اور مقابلہ میں معاویہ بھی اپنے دستوں کو بھیجتا رہا۔ اور انفرادی حملے ہوتے رہے۔ ذی الحجہ کے تمام دنوں میں اسی طرح جنگ ہوتی رہی۔ اور جب محرم کا چاند نمودار ہوا۔ اور سن ۳۷ ہجری شروع ہوا، تو قاعدۂ عرب کے مطابق جنگ ملتوی کردی گئی اور طرفین میں صلح کی اُمید پر قاصدوں کی آمدورفت شروع ہوگئی لیکن صلح صفائی کی کوئی بات طے نہ پائی۔

جنابِ امیر کا صلح کن رویہ:۔ اس عرصہ کے دوران میں حضرت علیؑ نے معاویہ کو سمجھانے اور اسے راہِ راست پر لانے کی ہرچند کوشش کی لیکن وہ ضد پر قائم رہا۔ شام کی طرف سے بھی ایک وفد آیا جس میں جنابِ رسُولِ خُدا کے صحابی حضرت ابو دردا اور ابو امامہ بھی تھے انہوں نے کہا کہ قاتلانِ عثمان کو دے دیجئیے اور ملکِ شام معاویہ کے حوالے کر دیجیے۔ اس کے بعد فتنہ خود بخود رفع ہو جائیگا۔ حضرت علیؑ نے جواباً فرمایا: کہ پہلے وارثانِ عثمان کو پیش کرو۔ اور قاتلانِ عثمان کے نام بتاؤ۔ اور ثبوت بہم پہنچاؤ میں قاتلوں کو سزا دونگا۔ باقی رہا شام تو وُہ اسلامی سلطنت کا حصّہ ہے فسق و فجور کے لئے کیسے چھوڑ دوں۔ اگر معاویہ کو دعوےٰ ہے تو وہ میرے مقابل آجائے۔ میں اور وُہ خود نپٹ لیں گے۔ جو جیتے گا مالکِ سلطنت ہو جائیگا۔ اور اس طرح مُسلمانوں کا خون نہ بہے گا۔ اور پیکار و کیں کی یہ آتش فرو ہو جائیگی۔ وفد لاجواب ہو کر واپس چلا گیا۔ اس نے معاویہ کو سمجھایا، کہ علیؑ سے دشمنی مول لینا گویا جہنم خریدنا ہے۔ لیکن وہ

اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ اس لئے کہ اس کے خیال میں حضرت علیؓ سے لڑائی میں ہی اسکی سلطنت و امارت کا استحکام تھا۔

باقاعدہ جنگ: یکم صفر کو پھر فوجیں مقابل ہوئیں۔ معاویہ کی طرف سے ابو الاعور ایک ہزار سوار لے کر آگے بڑھا۔ پہلے عوف میدان میں آیا۔ علقمہ نے حضرت علیؓ سے اجازت لی۔ نیزہ سے عوف کا خاتمہ کر دیا۔ پھر اجیر غلام عثمان مقابلہ پر آیا۔ حضرت علی کے غلام کیسان سے مقابلہ ہوا۔ اجیر نے کیسان کو شہید کر ڈالا وہ مغرور ہو کر حضرت علی کو دعوتِ مبارزت دینے لگا۔ امیر المومنین نے اسکی یہ بے ادبی دیکھ کر اپنا گھوڑا بڑھایا اور اجیر کے گریبان میں ہاتھ ڈالکر اسے جھٹکا دیکر اس طرح زمین پر پٹخ دیا کہ فنا ہو گیا۔ معاویہ کا ایک غلام تھا جس کو حریب کہتے تھے۔ یہ شخص بہادری میں شہرہ آفاق تھا۔ معاویہ نے اُسے میدان میں بھیجا جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ معاویہ کا مشہور غلام میدان میں آیا ہے، تو آپ آگے بڑھے اور فرمایا کیا موت گھیر لائی ہے۔ آپ نے نیزہ مارا وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔ آخر ذو الکلاع ایک ہزار فوج سے حملہ آور ہوا۔ بنی ہمدان نے مقابلہ کیا۔ طرفین کے اکثر نامور مارے گئے۔ شام ہو گئی اور فوجیں اپنے اپنے مقام پر واپس ہو گئیں۔ غرضیکہ اس طرح ہر روز لڑائی ہوتی رہی۔

دو شرمناک منظر: (۱) ایک روز جبکہ دونوں لشکر بالمقابل کھڑے ہوئے تھے۔ جناب امیر حسب معمول دونوں لشکروں کے درمیان ٹہل رہے تھے، عمرو بن عاص فوج سے باہر نکلا۔ چونکہ جناب امیر نے اپنا بھیس بدلا ہوا تھا تاکہ کہیں معاویہ سے آمنا سامنا ہو جائے اور یہ ناحق خونریزی مٹ جائے۔ ابن عاص جناب امیر کو پہچان نہ سکا اور میدان میں کل کر یہ رجز پڑھنے لگا: "اے کوفہ کے سردارو! اور فتنہ پرورو میں تمہیں ماروں گا اور ابو الحسن (حضرت علی) کا لحاظ نہ کروں گا" جناب امیر نے اس پر حملہ کیا۔ اس نے حضرت کو پہچان لیا اور میدان سے پشت پھیر کر بھاگا۔ حضرت نے اُسے نیزہ مارا جو اسکی زرہ کے حلقہ میں پیوست ہو گیا۔ اور وہ جھٹکا کھا کر زمین پر گرا۔ اُسے یہ خوف لاحق ہوا کہ حضرت علی اُسے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس نے اپنی شرمگاہ کو برہنہ کر دیا۔ حضرت علیؑ کی جونہی نظر پڑی آپ نے لاحول پڑھ کر منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا جا دفع ہو۔ تیری بے شرمی نے تجھے بچا لیا۔ عمرو عاص گرد جھاڑ کر لشکر میں واپس چلا گیا۔ جب وہ معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ عمرو عاص شرمندہ ہوا۔

(۲) اس کے بعد معاویہ کے لشکر کے شہسواروں میں سے بسر ابن ارطاۃ جو شجاعت میں مشہور تھا جناب امیر کے مقابل لڑنے کیلئے میدان میں نکلا۔ جناب امیر نے اس پر نیزہ سے حملہ کیا جس کی وجہ سے وہ زمین پر چت گر پڑا۔ اور اپنی شرمگاہ کو کھول دیا جناب امیر نے اس سے منہ پھیر لیا۔ بسر کود کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سر سے مغفر گر پڑی۔ حضرت علی کے آدمیوں نے اسے پہچان کر جناب امیر سے عرض کیا۔ یا امیر المومنین یہ تو بسر ابن ارطاۃ ہے آپ سے زندہ نہ جانے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگرچہ یہ بسر ابن ارطاۃ ہے تو بھی اس کی شکل گم ہونے دو۔ اس نے انتہائی بے شرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ بسر گھوڑے پر سوار ہو کر معاویہ کے پاس چلا گیا۔ معاویہ ہنس کر کہنے لگا۔ کہ کوئی شرم کی بات نہیں۔ عمرو بن عاص کو بھی یہی معاملہ پیش آیا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام سے شامی نہایت خوفزدہ ہو گئے تھے۔ اور کسی کو حضرت علی کے مقابل آنے کی جسارت نہ رہی تھی۔

شہادت حضرت عمار یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اس لڑائی کا دردناک واقعہ جناب رسول خدا کے مقبول و معتمد صحابی حضرت عمار یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے، دو ماہ میں اٹھارہ لڑائیاں ہوئیں۔ آخر ربیع الاول ۳۷ھ بروز جمعہ فوجیں مقابل ہوئیں تو حضرت عمار یاسر نے اپنے ساتھیوں سے کہا میں نے بنی امیہ سے تین بار رسول اکرم کی معیت میں تنزیل قرآن

پر جہاد کیا ہے۔ اور آج حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تاویل القرآن پر جہاد کرونگا۔ آپ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور میدان میں جنگ کیلئے پہنچ گئے۔ باوجودیکہ کبیر السن تھے لیکن حرارت ایمان نے جوان کر رکھا تھا۔ آپ نے تلوار کے جوہر دکھائے، اہلِ شام کو دباتے معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ معاویہ بھاگ کر قلب لشکر میں آگیا۔ اس کے محافظ دستہ نے حضرت عمار یاسرؓ کو گھیرے میں لے لیا۔ ابن جویر سکونی نے عقب سے نیزہ مارا۔ زخم کاری لگا۔ اگرچہ زخم کی تکلیف نے نڈھال کر رکھا تھا لیکن پھر بھی جرأت و دلیری سے صف اعداء کو روندتے ہوئے اپنی صف میں آگئے۔ پانی طلب کیا۔ رشید غلام نے دودھ میں شہد ملا کر پیش کیا۔ پیالہ ہاتھ میں لے کر لب پر شہادتین جاری کئے۔ اور دودھ نوش کیا جو سب کا سب زخم کے راستہ سے باہر نکل گیا۔ ضعف بدرجہ کمال ہوگیا۔ دوستوں نے گھوڑے سے اُتارنا چاہا۔ اُترتے اُترتے ہاتھوں پر ڈھل گیا۔ ہاتھوں پر روح نے مفارقت کی۔ جب حضرت علیؑ نے سُنا، لاش پر تشریف لائے۔ صدمہ سے غمگین تھے۔ دریا کے کنارے لاش کو دفن کر دیا۔

اہل صفین باغیوں کا گروہ تھا: شہادت حضرت عمار یاسرؓ کے بارہ میں مستند و موثق احادیث وارد ہوئی ہیں جو متفق اللفظ ہو کر اعلان کر رہی ہیں، کہ حضرت عمار یاسرؓ باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ چنانچہ صحیح مسلم، ترمذی و نسائی میں ہے۔ کہ ام المومنین ام سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسُول خُدا نے حضرت عمار یاسرؓ سے فرمایا ہے کہ تجھے باغیوں کا گروہ قتل کریگا۔ ان تمام احادیث سے واضح ہے۔ کہ معاویہ اور اس کے معاونین وغیرہ باغی تھے۔

واقعہ لیلۃ الحریر: اس تمام لڑائی میں جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ لیلۃ الحریر کا واقعہ نہایت عجیب و غریب اور حیرتناک ہے۔ اس رات لگاتار لڑائی ہوتی رہی۔ تلوار کی مسلسل ضربوں سے میدان گونج رہا تھا۔ نیزوں سے نیزے ٹکرا رہے تھے۔ اس رات حضرت علیؑ جس وقت کسی آدمی کو قتل کرتے تھے تو باآواز بلند تکبیر پڑھتے تھے۔ جب شمار کیا گیا تو آپ نے پانچسو تیس تکبیریں بلند کی ہیں یعنی آپ نے تن تنہا پانچسو تیس شامیوں کو قتل کیا ہے۔ مالک اشتر بھی بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملے پر حملہ کر رہے تھے، جب صبح نمودار ہوئی تو مقتولوں کی تعداد تیس ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ جمعہ کے دن کی رات تھی۔

معاویہ کی چال: صبح کو جناب امیر اور آپ کا سارا لشکر میدان کارزار میں فیصلہ کُن جنگ میں مصروفِ کشت و خون تھا۔ آپ قلب میں رونق افروز تھے میمنہ پر مالک اشتر اور میسرہ پر حضرت عبداللہ بن عباس سرگرم جلال و قتال تھے۔ حضرت علی کی فوج پر فتح و نصرت کے آثار نمایاں تھے۔ شام کی فوج پسپا ہونے لگی۔ اس پر معاویہ بوکھلا گیا۔ عمرو بن عاص سے طالب امداد ہوا۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کا شاطر، چال باز اور ڈپلومیٹ تھا۔ اس نے اپنی فوج والوں کو حکم دیا کہ قرآن نشانوں پر لٹکا دیئے جائیں۔ چنانچہ قرآن نیزوں پر لٹکا دیئے گئے اور شور مچا دیا کہ اے اہلِ عراق خدا کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ لڑائی موقوف کرو۔ جب لوگوں نے قرآن کو نیزوں سے بندھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم کو خُدا کی کتاب کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ جناب امیر نے فرمایا: اے لوگو! اپنے حقوق کو تلف نہ کرو۔ میں معاویہ اور ابن عاص وغیرہ کو خُوب جانتا ہوں، یہ لوگ ہرگز قرآن والے نہیں۔ بخدا مکر و فریب سے انھوں نے قرآن کو نیزوں پر بلند کیا ہے۔ اب یہ لوگ جنگ میں سُست ہو چکے ہیں اور بھاگنے پر آمادہ ہیں۔ یہ تو سراسر مکاری اور عمر عاص کا حیلہ ہے۔ انکے فریب میں نہ آؤ۔ لیکن ان لوگوں نے حضرت علی کا کہنا نہ مانا اور لڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ مجبور ہو کر لڑائی سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی لڑائی موقوف کر دی۔ لیکن مالک اشتر بدستور لڑتے رہے۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کو کہا، کہ آپ مالک اشتر کو

واپس بلالیں۔ تاکہ وہ بھی لڑائی سے دستکش ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے یزید بن ہانی کو بھیجا کر وہ مالک اشتر کو بلا لائے۔ الغرض مالک اشتر جناب امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ جس وقت شامیوں نے نیزوں پر قرآن اٹھائے تھے۔ مجھے معاً خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ہمارے آدمیوں میں ضرور پھوٹ پڑ جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غرضیکہ بنی بنائی بات ساتھ کے رشوت خواروں (اشعث اور اس کے ساتھی) نے خراب کر دی۔ جو ظاہراً تو حضرت علی کے ساتھ تھے لیکن باطناً معاویہ کے ہوا خواہ اور جاسوس تھے۔

تقرر حکمین: اشعث و حصین جو ظاہر بظاہر تو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے لیکن اندرونی طور پر معاویہ کے لئے جاسوسی کر رہے تھے۔ ان کے پراپیگنڈا سے ہی حضرت علی کی فوج میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اور عمرو ابن عاص کی چال کامیاب ہو گئی۔ چنانچہ یہ دونو اپنے حسن خدمات کا صلہ لینے کے لئے معاویہ کے پاس پہنچے اور یہ طے پایا کہ طرفین سے دو حکم مقرر کئے جائیں اشعث وغیرہ نے معاویہ کی رائے سے ابو موسیٰ اشعری کو حضرت علی کی طرف سے اور عمرو بن عاص کو معاویہ کی جانب سے مقرر کر دیا۔ اس تجویز سے حضرت علی کو مطلع کیا گیا۔ آپ ابو موسیٰ اشعری کو جانتے تھے، جو عقل سے خالی اور حضرت علی کے طرف داروں میں سے بھی نہیں تھا لیکن سیاسی فضا بالکل خراب ہو چکی تھی۔ معاویہ کی چال چل گئی تھی، لوگوں کے دل بدلے ہوئے تھے۔ اگرچہ حضرت علی، عبداللہ ابن عباس یا مالک اشتر کے حق میں تھے۔ لیکن حالات کی نامساعدت نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ خاموشی اختیار کریں۔ چنانچہ شرائط صلح تحریر کئے گئے کہ عمر عاص اور ابو موسیٰ اشعری حکم مقرر ہوں اور کہ دومۃ الجندل کی مسجد جامع میں دونو حکم اپنا اپنا فیصلہ مطابق قرآن مجید ماہ رمضان المبارک میں سنائیں۔

تصفیہ حکمین: حکمین نے متفقہ طور پر یہ رائے طے کر لی تھی، کہ حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کو خلافت سے علیحدہ کر دیا جائے اور از سر نو خلیفہ کا انتخاب ہو، تاکہ امن و امان پیدا ہو جائے۔ اور باہمی افتراق و تشتت کا خاتمہ ہو جائے۔ ابو موسیٰ اشعری بجد سادہ لوح اور عقل سے معرّا تھا۔ وہ عمر عاص کی اس شاطرانہ چال کو نہ سمجھ سکا کہ اس تجویز کی تہ میں کیا راز پوشیدہ ہے رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ دونو حکمین دومۃ الجندل کی مسجد جامع میں آئے۔ فیصلہ کے وقت ابو موسیٰ اشعری نے عمرو عاص سے کہا کہ تجویز پیش کرو۔ مگر عمر عاص بڑا کایاں تھا۔ اس نے کہا بھلا میری کیا مجال کہ میں آپ سے بزرگ پر سبقت کروں۔ اس پر ابو موسیٰ فخر میں آ گئے۔ اور عواقب سے بے خبر ممبر پر گئے اور کہا کہ اے لوگو! ہم دونوں نے امت محمدیہ کو پراگندگی سے بچانے کیلئے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ علی و معاویہ دونوں کو خلافت سے علیحدہ اور انتخاب خلیفہ امت کے سپرد کر دیا جائے۔ لہٰذا میں علی کو خلافت سے اس طرح علیحدہ کرتا ہوں جس طرح اپنی انگوٹھی انگلی سے اُتار لی، یہ کہہ کر اپنی انگوٹھی اُتار لی۔ اور ممبر سے نیچے اُتر آئے۔ اسکے بعد عمر عاص ممبر پر گیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے دوست ابو موسیٰ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں علی کو خلافت سے علیحدہ کرتا ہوں اور معاویہ کو خلافت پر اس طرح مقرر کرتا ہوں کہ جس طرح انگوٹھی پہن لی۔ معاویہ کے طرفداروں نے جوش مسرت و خوشی میں نعرے بلند کئے۔ خلاف بیانی پر ابو موسیٰ اور عمر عاص میں جھگڑا ہونے لگا۔ مار پیٹ تک نوبت پہنچی۔ تحکیم کے بعد لوگوں نے ابو موسیٰ اشعری کو تلاش کیا۔ لیکن معلوم ہوا، کہ وہ سوار ہو کر مکہ کو چل دیا ہے۔ غرضیکہ حکمین کا یہ تصفیہ ہڑبازی میں بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا۔

علامہ مسعودی مروج الذہب میں تحریر کرتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کو صفین میں ایک سو دس روز تک ٹھہرنا پڑا آپ کے لشکر میں جو لوگ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے ان میں سے پندرہ اہل بدر تھے اور حضرت عمار یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی میں سے تھے جن کی عمر اس وقت ۹۳ برس کی تھی حضرت علی کو صفین میں ستر لڑائیاں پیش آئیں ؎

سیاستِ علویہ

حضرت علی علیہ السلام کا ایک مشہور فرمان :- یہ وہ عہد ہے جس کو پورا کرنے کا بندہ خدا علیؑ امیر المومنین نے مالک بن حارث اشتر کو مصر کا والی بناتے وقت حکم دیا (فرائض ان کے یہ تھے) کہ وہ اس ملک کا خراج وصول کریں، اسکے دشمنوں سے جہاد کریں، وہاں کے باشندوں کی اصلاح کریں اور اس کے شہروں کو آباد کریں۔

(۱) میں ان کو حکم دیتا ہوں کہ خدا سے ڈریں، اور اس کی اطاعت کو مقدم رکھیں اور ان واجب اور سنت احکام کا اتباع کریں جن کا حکم اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اسکے اتباع کے (معراج) سعادت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا انکار کرنے اور اس کو ضائع کرنے ہی سے شقی ہوتا ہے اور یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے اللہ کی نصرت کریں بس جو اس کی نصرت کرے اس کی نصرت کا اور جو اس کی عزت ملحوظ رکھے اس کے اعزاز کا وہ متکفل ہوتا ہے۔

(۲) میں حکم دیتا ہوں کہ شہوات کی طرف مائل ہوتے وقت اپنے نفس کی قوتوں کو توڑ دیں اور سرکشی کرتے وقت اس کو (منازعت و مخالفت) سے باز رکھیں، کیونکہ نفس ہمیشہ برائی کا حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ جب خدا اپنا رحم و کرم فرمائے۔

(۳) اے مالک! یہ سمجھ لو کہ میں تم کو ان شہروں کی طرف بھیج رہا ہوں جہاں تم سے پہلے صاحب عدل اور صاحب جور حکومت گزر چکی ہیں (یاد رکھو) کہ لوگ تمہارے امور کو بھی اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم اپنے پیش رو والیانِ ملک کے امور کو دیکھتے رہے ہو۔ اور تمہاری بابت بھی وہی باتیں کہیں گے جو تم (گذشتہ حکام) کی بابت کہتے رہے ہو۔ اور صالحین (کی صلاحیت) پر اسی (ذکر جمیل) سے استدلال کیا جاتا ہے جو اللہ زبانِ خلق پر جاری کر دیتا ہے پس چاہیئے کہ عمل صالح کا ذخیرہ تمہارے نزدیک محبوب ترین ذخیرہ ہو۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی پر قابو رکھو اور ان چیزوں سے جو تمہارے لئے حلال نہ ہوں اپنے نفس کو باز رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس جن امور کو پسند کرتا ہو اور جن سے اس کو نفرت ہو۔ ان کی نسبت اس کو انصاف پر مائل کرو اور اپنے دل میں رعیت پر لطف و محبت اور مہربانی کرنے کا جذب و احساس پیدا کرو اور ان کے ساتھ ضرر رساں درندہ کا سا سلوک نہ کرو۔ جو ان کو کھا لینا ہی غنیمت سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا تو تمہارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چہرے مہرے، ہاتھ، پاؤں اور جسم) کی بناوٹ کے لحاظ سے تم ہی جیسے انسان ہیں (تمہاری طرح) ان سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں، ان کو بھی (خطا و نسیان اور سہو و عصیان) کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ اور ان سے عمداً و سہواً برائیاں سرزد ہو جاتی ہیں پس تم ان کو اسی طرح معاف کر دیا کرو اور در گزر کرتے رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو معاف کرے اور تمہاری برائیوں کو در گزر کرے۔ (اس دنیا میں ایک کے اوپر دوسرا نگران موجود ہے) تم لوگوں پر حاکم ہو۔ تمہارا امیر تم پر (نگران) ہے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ہے جس نے تم کو والی بنایا ہے انکے امور کا متکفل کیا ہے اور انکے ذریعہ سے تمہاری آزمائش کرنی چاہی ہے۔ اور (قوانینِ فطرت) خدا سے جنگ مول لے کر اپنے نفس کو تعب میں نہ ڈالو کیونکہ تمہارے اندر نہ اس کے عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے، نہ اس کے عفو و رحمت سے مستغنی ہونے کی قوت (کسی کو معاف کر کے) نادم و شرمندہ نہ ہو (کسی کو سزا دے کر خوش نہ ہو) اور (غصہ میں) کوئی ایسی بات یا کام کرنے میں جلدی نہ کرو جس کے ترک کی گنجائش ہو اور یہ نہ کہتے پھرو کہ میں امیر ہوں، حاکم

ہوں، میری اطاعت لازم ہے، کیونکہ اس سے قلب فاسد اور دین کمزور ہوتا ہے، اور تغیرات دنیا قریب آجاتے ہیں اور جب کبھی ریاست و امارت تمہارے دل میں تکبر اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمہارے اوپر اللہ کی حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمہارے نفس کی ان باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہیں رکھتے۔ اس سے تمہارا جوشِ نخوت کم اور حدتِ سطوت تک جائیگی۔ اور گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی۔

(۴) دیکھنا! عظمت و اقتدار میں خدا کے مقابل اور سطوت و جبروت میں اس سے مشابہ بننے سے بچتے رہنا کیونکہ وہ ہر جبار کو ذلیل اور ہر متکبر کو خوار کر دیتا ہے۔ (۵) اپنے نفس، اپنے خاص اعزا و اقارب اور ان افراد رعیت کے مقابلے میں جن کی طرف تم کو خاص میلانِ طبع ہو خدا اور عامۃ الناس کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو۔[1]

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظالم ٹھہرو گے۔ اور جو شخص بندوں پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے بندوں کی طرف سے اس کا مخالف بن جاتا ہے اور جس سے وہ مخالفت و مخاصمت کرے اسکی حجت کو وہ باطل کر دیتا ہے اور جب تک وہ اپنے ظلم سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے وہ اس سے برسر جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اس کی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب کرنے والی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے۔

جمہور کی رضامندی:- (۶) اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہیئے جو بلحاظ حق سب سے زیادہ وسط میں واقع ہو، بلحاظ عدل سب سے زیادہ عمومیت رکھتا ہو، اور رعایا کی رضامندی کا سب سے زیادہ جامع ہو، کیونکہ عامۃ الناس کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر و بے سود بنا دیتی ہے اور عامۃ الناس کی رضامندی کے ساتھ خواص کی ناراضگی ناقابل التفات ہو جاتی ہے۔ تمام رعایا میں طبقہ خواص سے زیادہ (حسب ذیل برائیاں) رکھنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔

(۱) خوشحالی کے وقت والی کیلئے سب سے زیادہ بار خاطر۔ (۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا۔ (۳) انصاف و عدل سے نفرت کرنے والا۔ (۴) سوال کرتے میں بیحد اصرار کرنے والا۔ (۵) اگر عطیات ملیں تو سب سے کم شکر گزار۔ (۶) نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست۔ (۷) حوادثِ زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا۔

(طبقہ خاص کا تو یہ حال ہے، برخلاف اس کے) عامۃ الناس ستونِ دین اور نظامِ مسلمین ہوتے ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں تیار فوج کا کام دیتے ہیں، پس تمہارا رجحان خاطر اور میلانِ طبع انہی کی طرف ہونا چاہیئے۔[2]

چغل خور سے بچو:- (۷) تم کو چاہیئے کہ رعیت کا جو آدمی لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ مشغول رہتا ہو، اس کو اپنے پاس سے بہت دور رکھو۔ کیونکہ لوگوں میں عیوب تو ضرور ہوتے ہیں، اور والی سے زیادہ ان عیوب کی پردہ پوشی کا حق کس کو ہو سکتا ہے پس جو عیوب تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں، ان کی تلاش نہ کرو۔ کیونکہ تم پر تو انھیں عیوب کا ازالہ کرنا فرض ہے جو ظاہر ہوں، اور جو تمہاری نظر سے پوشیدہ ہوں، ان کا فیصلہ خداوند کرے گا۔ پس حتی الامکان لوگوں کے عیوب پر پردہ

[1] مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں اور منظور افراد رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بحرِ دنیا میں یہی تین چٹانیں ہیں جن سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں + [2] مطلب یہ ہے کہ تمہارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے، تاکہ وہ تم کو محبوب سمجھنے لگیں، کہ اصل میں حکومت کی بقا عامۃ الناس ہی کی خوشنودی پر مبنی ہے +

ڈالو، تاکہ خدا بھی تمہارے وہ عیوب چھپائے جن کو تم رعیت سے مخفی رکھنا چاہتے ہو۔

(۸) لوگوں کے دلوں سے ہر قسم کے حسد اور کینہ کی گرہ کھولتے اور ہر طرح کی عداوت کے سبب کو دفع کرتے رہو اور جو امور تمہارے لئے مناسب نہیں ان کو نظر انداز ہی کرتے رہو۔ اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ ناصح (مشفق) ہی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

مشیر کیسا ہونا چاہیئے: (۹) اپنے مشورہ میں اس بخیل کو ہرگز داخل نہ کرو جو تم کو (رعایا پر) تفضل کرنے سے روکے اور فقیر ہو جانے کا خوف دلائے اور نہ اس بزدل کو (شریک کرو) جو تم کو انصرام امور میں کمزور بنائے، اور نہ اس حریص کو (شریک کرو) جو حرص و طمع کو تمہاری نگاہ میں زینت دے۔ بات یہ ہے کہ بخل، جبن اور حرص ہیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع (اور قدر مشترک) اللہ کی طرف سے سوءِ ظن[1] ہے۔

انتخابِ وزراء: (۱۰) تمہارا سب سے برا وزیر وہ شخص ہوگا جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر اور معاصی میں ان کا شریک رہ چکا ہو پس لازم ہے کہ وہ تمہارے خواص میں داخل نہ ہونے پائے، کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے بھائی ہوتے ہیں، تم کو ان کے اخلاف میں وہ لوگ مل سکتے ہیں جو انہی کی طرح صاحب رائے اور صاحب نفوذ و اثر ہوں اور ان کی طرح گناہوں کا بار بھی اپنی گردن پر نہ رکھتے ہوں۔ (یہ ایسے لوگ ہونگے) کہ انھوں نے کسی ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی گنہگار کی تائید اس کے گناہ میں نہ کی ہوگی۔ وہ لوگ تمہارے لئے نہایت سبک بار، اچھے مددگار اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہونگے، ان کو تمہارے اغیار سے بہت کم الفت ہوگی پس تم انہیں لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہمنشین بناؤ اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمہاری مساعدت سب سے کم کرنیوالا ہو، جن کو خداوند عالم اپنے دوستوں کے لئے پسند نہیں کرتا خواہ وہ تمہاری خواہش دل کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہو۔

خوشامد پسند نہ بنو: (۱۱) اہل ورع اور صدق سے ملو اور ان کو اس کا عادی بنالو کہ تمہاری زیادہ تعریف نہ کیا کریں اور کسی ایسے کام کو جو تم نے کیا نہ ہو جھوٹ موٹ تمہاری طرف منسوب کر کے تمہارا دل خوش نہ کریں کیونکہ مدح و ثناء کی کثرت عجب و نخوت پیدا کرتی ہے اور کبر و غرور سے قریب کر دیتی ہے۔

اچھے اور برے کا فرق: (۱۲) نیک عمل اور بدکار دونوں تمہارے نزدیک برابر نہ ہوں، اس لئے کہ ایسا کرنا نیکوں کو اچھے کام سے روگردان اور بدکاروں کو برے کام کا خوگر بنا دیتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اسی[2] (چیز) کا مستحق قرار دو جس کو اس نے اپنے نفس کے لئے لازم کر لیا ہے۔

حسن ظن کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟: (۱۳) یہ جان لو کہ اس سے زیادہ کوئی شے حاکم کے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کرنے والی نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کی بار کو ہلکا کرتا رہے۔ اور ایسے امور پر ان کو مجبور کرنا چھوڑ دے جو انکے بس کے نہیں ہیں پس تم سے وہی بات ظاہر ہو جو تمہارے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کر سکے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے فضل و کرم اور اسکی قدرت کاملہ کا یقین نہیں رکھتا وہی ان بری عادتوں کا شکار ہوتا ہے۔ [2] مطلب یہ ہے کہ اچھے عمل والے کو انعام و اکرام کا مستحق ٹھیراؤ کہ دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب ہو اور بداعمال کو سزا دو کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ عبرت حاصل کریں۔

یہ حسن ظن تمہارے بہت سے تعب کو دور کر دیگا۔ اور درحقیقت وہی شخص تمہارے حسن ظن کا زیادہ حقدار ہے جس کے ساتھ تم نے نیک سلوک کیا ہے اور سوء ظن کا حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے بُرا سلوک کیا ہے [1]

قدامت پسندی اور تجدد: (۱۴) اور تم اس اچھی سنت (طریقہ و قاعدہ) کو نہ توڑو جس پر اس اُمت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں۔ جس سے اُمت کے درمیان رشتہ الفت قائم ہے، اور جس پر رعیت کی صلح و صفائی کا مدار ہے اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو ان اچھی سنن قدیمہ میں سے کسی کو نقصان پہنچائے کیونکہ اجر تو اس کو ملیگا جس نے یہ سنت جاری کی تھی اور اس کو توڑ دینے کا سارا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

(۱۵) اور ان امور کے ثابت و قائم رکھنے کیلئے جن کی وجہ سے تم سے پہلے اس ملک کے شہروں کے معاملات روبہ اصلاح رہے اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشحالی قائم رہی علماء و حکماء سے بکثرت صلاح و مشورے کرتے رہا کرو۔

طبقات رعایا: (۱۶) واضح ہو کہ رعیت کے کئی طبقے ہوتے ہیں ان کے درمیان رشتہ اتحاد و سلسلہ احتیاج اس طریقہ پر قائم ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی صلاح حال نہیں ہو سکتی اور نہ ایک دوسرے سے کبھی مستغنی ہو سکتا ہے اب ان طبقات کی تفصیل سنئے (۱) فوج اور پولیس، (۲) عام کاتب (General Secretaries) (۳) خاص کاتب[2] (Private Secretaries) (۴) قاضی (Jadges) (۵) محکمہ عدل کے دوسرے عمال (Jadicial officers) (۶) ذمی اور ہمارے حلقہ اطاعت میں آئے ہوئے لوگ جو جزیہ اور خراج ادا کرتے ہیں (۷) تجار۔ (۸) اہل صنعت و حرفت۔ (۹) سوسائٹی کا پست ترین طبقہ یعنی محتاج و مساکین۔ خداوند عالم نے ان میں سے ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ حق (Right) اور فریضہ (Obligation) اپنی کتاب اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت میں مقرر فرمایا ہے اور یہ بطور اس کے عہد محفوظ کے ہمارے پاس موجود ہے۔

لشکر: (۱۷) فوج اور پولیس اللہ کے حکم سے رعیت کیلئے قلعہ اور جائے محفوظ والی کی زینت اور دین کیلئے باعث عزت اور سبیل امن و امان ہوتی ہے۔ رعیت کی اجتماعی اور تمدنی حالت) بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی اور یہ فوجیں بغیر اس خراج کے قائم نہیں رہ سکتیں جو خدا نے ان کے لئے معین کیا ہے اس سے وہ دشمن سے لڑنے میں قوت پاتی ہیں، اور اس کے وسیلہ سے اپنے مصالح و لوازم کو مہیا کرتی ہیں، اور یہ انکی تمام حاجتوں کو پورا کرتا ہے پھر یہ دونوں (طبقے یعنی رعایا اور فوج) بغیر تیسرے طبقہ یعنی قضاۃ، عمال اور کاتب لوگوں کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتے، کیونکہ (اول الذکر) انکے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں (ثانی الذکر) ان کے لئے ہر طرح کے منافع جمع کرتے ہیں اور (ثالث الذکر) ان کے جملہ امور خاص و عام کے امین ہوتے ہیں (قضاۃ، عمال و کتاب) سب کے سب بغیر تجار اور اہل صنعت و حرفت کے قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ تاجر اپنے منافع کیلئے مجتمع ہوتے ہیں۔ اور بازار قائم کر سکتے ہیں اہل صنعت اپنے ہاتھوں کی کاریگری سے سوسائٹی کی ایسی مدد کرتے ہیں کہ دوسروں کا اکتساب اور کاریگری اسکی حد تک نہیں پہنچ سکتی رہا سب سے پست طبقہ محتاج و مساکین کا تو ان کی اعانت و دستگیری کرنا فرض ہے۔ اللہ نے ہر ایک کو وسعت عطا کی ہے اور بقدر اپنی صلاحیت کے ہر ایک کا والی پر حق ہے اور والی بغیر اس کے کہ اہتمام بلیغ کرے اور خدا سے مدد چاہے اور اپنے نفس کو حق

---

[1] مطلب یہ ہے کہ تم ہمدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے ہو جس سے تم نے نیک سلوک کیا ہو جس کے ساتھ بُرائی کی ہے اس سے سوائے بُرائی کے تم کو اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ [2] اس زمانہ میں کاتب سیکرٹری کو کہتے تھے۔

پر قائم رکھے اور ہر ایک سبک وگراں امر پر صبر وشکر کی قوت پیدا کرے، ان تمام فرائض کو جو خدا نے اس پر لازم کئے ہیں پورا پورا ادا کرکے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو تمہارے خیال میں اللہ اس کے رسول اور تمہارے امام سے بہ نسبت دوسروں کے اخلاص رکھتا ہو، سب سے زیادہ صاف باطن ہو اور بلحاظ حلم وعقل سب سے افضل ہو، اس کو دیر میں غصہ آتا ہو، اور عذر قبول کر لیتا ہو، ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو قساوت کی وجہ سے تندمزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو (فوج میں اچھے سپاہیوں کی بھرتی اور افسروں کے انتخاب وتقرر کے لئے ضروری ہے کہ) ان لوگوں سے اختلاط وارتباط رکھو جو صاحبان حسب ونسب شریف خاندان اور خوبیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہوں (یا جن کی سابقہ خدمات کا ریکارڈ عمدہ ہو) اور ان لوگوں سے بھی ربط ضبط رکھو جو اہل شجاعت وسخاوت ہوں کہ یہی لوگ مجمع مکارم اور فروع حسنات ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے امور کی ایسی دیکھ بھال رکھو جیسے والدین اپنی اولاد کی (نگہداشت) کرتے ہیں۔ اور (تم اپنے دل میں کسی ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے انکو قوت پہنچائی ہے بڑا نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہیں)۔ اور کسی مہربانی کو جو تم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو اگرچہ (واقعی) وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی ان کے دل میں تمہاری طرف سے خلوص وحسن ظن پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اور ان کے چھوٹے چھوٹے امور کی خبر گیری کرنا اس بھروسہ پر نہ چھوڑ دو کہ تم نے انکے بڑے امور کی دیکھ بھال کر لی ہے کیونکہ تمہاری تھوڑی مہربانی بھی برمحل ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع ہوتے ہیں، اور بڑی عنایت بھی باموقع ہوتی ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے اور فوج کے افسروں میں سے اسی کو تمہارے حضور میں ترجیح ہونی چاہیئے جو (فوجیوں) کی غمخواری کرتا ہو اور اپنے مال ودولت سے انکو اتنا فیض پہنچاتا ہو کہ ان کیلئے اور ان کے اہل وعیال کے لئے جن کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں کافی ہو سکے یہانتک کہ انکو ایک ہی فکر باقی رہ جائے یعنی دشمن سے جہاد اور بس، انکے حال پر تمہاری یہ توجہ ان کے قلوب کو تمہاری طرف مائل کریگی۔

اور والیان ریاست کے لئے بہترین خنکی چشم (اور مسرت قلب) کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل وانصاف قائم ہو، اور رعیت کی محبت ومودت ظاہر ہونے لگے اور جب تک انکے دل سالم اور صاف نہ ہوں انکی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی، اور ان کا اخلاص اس وقت تک درست (و قابل اعتبار) نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں، اسکے عہد دولت کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی مدت حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی، پس تم انکی امیدوں کو پورا کرنے میں وسعت سے کام لو اور برابر ان کی مدح وثنا کرتے رہو اور ان کے بہادروں نے جو بڑے بڑے کام انجام دیئے ہوں ان کا ایک ایک کرکے شمار واظہار کرتے رہو، کیونکہ اچھے کاموں کا کثرت سے ذکر کرنا شجاع کو حرکت میں لائیگا اور پست ہمت کو جرأت دلائیگا۔ انشاء اللہ۔ پھر یہ واقفیت حاصل کرتے رہو کہ کس نے کونسا بڑا کام انجام دیا ہے اور ایک کے کارنامہ کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو، اور اس کارنامے کی وجہ سے وہ جس انعام واکرام کا مستحق ہو اس میں کمی نہ کرو۔ (اور دیکھنا ایسا نہ ہو کہ) کسی آدمی کی وجاہت وشرافت تم کو اس طرف مائل کر دے کہ تم اس کے چھوٹے کاموں کو بڑا سمجھنے لگو اور کسی کی کم حیثیتی اس بات کی ترغیب دلائے کہ تم اسکے بڑے کاموں کو بھی حقیر جاننے لگو۔ اور جو ناگہانی مشکلات تم کو پیش آئیں اور جن امور میں تم کو شک وشبہ لاحق ہو ان کو خدا اور اس کے رسول کی طرف رد کر دیا کرو، کیونکہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی بابت جن کو وہ راہ ہدایت

دکھانا چاہتا ہے فرمایا ہے: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اور جو تم میں سے صاحب امر ہوں، ان کی اطاعت کرو، پس اگر کسی چیز پر تم میں تنازعہ ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف اس کو رد کر دو۔" خدا کی طرف رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محکم کتاب سے احکام لئے جائیں اور رسول کی طرف رد کرنے سے یہ مقصد ہے، کہ ان کی ایسی سنت پر عمل کیا جائے جو متفق علیہ ہے نہ کہ ایسی سنت جس میں اختلاف ہے۔

محکمۂ قضاء: (۱۸) لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایسے اشخاص کو منتخب کرو جو تمہارے خیال میں تمہاری ساری رعیت میں افضل ہو، معاملات کی پیچیدگی، اس کو تنگی میں نہ ڈالتی ہو، جھگڑا کرنے والوں کی (ردو قدح) اس کو غضبناک نہ کرتی ہو۔ اور وہ خطا پر (اس کے ظاہر ہونے کے بعد) قائم نہ رہتا ہو اور حق پر مطلع ہو جانے کے بعد اس کی طرف بازگشت کر لینے سے تنگ نہ ہوتا ہو، اور اپنے نفس کو طمع (کے غار) میں نہ گرا دیتا ہو۔ اور معاملات میں انتہائے فہم سے کام لینے کے بجائے (سرسری نظر اور) معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا ہو، مواقع شبہات میں جہاں کوئی نص صریح نہ مل سکے (عجلت میں) حکم صادر کرنے والا نہ ہو، بلکہ (سب سے زیادہ توقف و تامل کرنے والا ہو اور اپنے (فیصلوں میں) دلائل (شرعیہ) و براہین (قطعیہ) سے تمسک کرنے والا ہو، مقدمہ لڑنے والے کی جوابدہی سے بہت کم تنگ دل اور حقائق امور کو منکشف کر لینے کی (زحمت) پر صبر کرنے والا، اور حکم صحیح کے ظاہر ہو جانے کے بعد (نزاع و خصومت) کو قطع کرنے والا ہو، وہ ان لوگوں میں سے ہو جو دوسروں کی مدح و ثنا اور خوشامد کرنے سے پھول نہ جاتے ہوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نہ ہو جاتے ہوں (دنیا میں) ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، پھر تم (اس کی طرف سے غافل نہ رہو بلکہ) اس کے فیصلوں کی اکثر دیکھ بھال کرتے رہو، اور اس کے ساتھ بذل و عطا میں اتنی فرصت دو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور اس کو لوگوں کی احتیاج باقی نہ رہے (اور طبیعت رشوت ستانی پر مائل نہ ہو)۔ اپنے نزدیک اس کو وہ قرب و منزلت عطا کرو کہ جس کی تمہارے خواص میں سے کوئی دوسرا طمع نہ کر سکتا ہو، تاکہ وہ تمہارے ہاں لوگوں کی بدگوئی سے محفوظ رہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خوب غور و فکر کرو کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، سوائے نفس کے حکم کے مطابق اس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور اس کو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

عمال سلطنت: (۱۹) اب اپنے عاملوں کے امور پر غور کرو (دیکھنا) ان کا تقرر جانچنے پرکھنے کے بعد کرنا، (ایسا نہ ہو کہ) اپنے استبداد اور خودداری سے محض بطور پرورش و اعانت کسی کو حاکم مقرر کر دو، کیونکہ کسی خصوصیت کی بنا پر یا بطور پرورش اپنی رائے سے حاکم مقرر کر دینا، طرح طرح کی خیانت اور ظلم و جور کو جمع کر دیتا ہے (ان عہدوں کے لئے) ایسے لوگوں کو تلاش کرو جو شریف خاندان اور سابق الاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار اور حیادار بھی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ سب سے زیادہ خوش اخلاق آبرودار، مواقع طمع کی طرف بہت کم نگاہ ڈالنے والے اور عواقب نتائج امور پر گہری نظر ڈالنے والے ہوتے ہیں، تم ان کو پورا پورا رزق عطا کرو۔ کیونکہ اس کی بدولت انہیں اپنے نفس کے لئے طلب اصلاح کی قوت اور اپنے قبضہ میں رہنے والے اموال پر تصرف کرنے سے استغنا حاصل ہو جائے اور (اس کے باوجود) اگر وہ تمہارے حکم کی مخالفت کریں اور تمہاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو ان پر ایک حجت ہاتھ آ جائیگی، اور (دیہ نہ ہو کہ تم ان کا تقرر کر کے بالکل غافل ہو جاؤ) بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تجسس و تفتیش بھی کرتے رہو اور ایسے جاسوس اور نگران ان پر مقرر کر دو، جو صاحب صدق و وفا ہوں، ان کے امور (کی جانچ) کے لئے

خفیہ پولیس کا مقرر کر دینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارا کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا پس ان میں سے اگر کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے پاس تمہارے جاسوس کی متفقہ رپورٹ پہنچ جائے تو اس کو کافی شہادت تصور کر کے خائن کو جسمانی سزا دو۔ اور جو کچھ اس نے ناجائز تصرف کیا ہے وہ اس سے وصول کرو، پھر اس کو ذلت و خواری کے مقام پر کھڑا کر کے خیانت کا داغ لگا دو اور ننگ و عار کا طوق اس کے گلے میں ڈال دو۔

صیغۂ مال گزاری: (۲۰) پھر معاملات خراج کی چھان بین اس طریقہ سے کرو، جو اہل خراج کی بہبودی کا باعث ہو سکے۔ کیونکہ خراج اور اہلِ خراج ہی کی بہبودی کے ساتھ دوسروں کی بہبودی وابستہ ہے اور انہی کے ذریعہ سے دوسروں کی بہبودی وابستہ ہے اور انہی کے ذریعہ سے دوسروں کی حالت درست ہو سکتی ہے کیونکہ کل آدمیوں کی معیشت اور گذر بسر کا دارو مدار خراج اور اہلِ خراج پر ہے اور (دیکھنا) خراج وصول کرنے سے زیادہ تمہاری نظر زمین کی آبادی (یعنی کاشت وغیرہ) پر ہونی چاہیئے، اس لئے کہ خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل ہو سکتا اور جس نے زمین کو آباد کئے بغیر خراج طلب کیا اس نے ملک کو خراب اور بندگانِ خدا کو برباد کیا۔ اور اس کی حکومت چند دن سے زیادہ نہ چل سکے گی، اگر (کاشتکار) مقدار خراج کے بھاری ہونے یا کسی آفت ناگہانی اور زراعتی بیماری (یعنی ٹڈی دل کا گذرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ) یا آبپاشی کے بند ہو جانے، بارش نہ ہونے، زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے سے بوئے ہوئے بیج کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو (انکے خراج) سے اتنی مقدار جس سے ان کی اصلاح حال کی توقع ہو کم کر دو۔ یہ تخفیف تم پر گراں نہ گذرے کیونکہ یہ ایک ذخیرہ (investment) ہے جس کو وہ تمہارے ملک کی آبادی اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کر دینگے، اسکے ساتھ ہی ساتھ تم کو انکی مدح و ثنا بھی حاصل ہوگی، اور ان میں عدل و انصاف جاری کرنے سے تم کو مسرت و شادمانی بھی نصیب ہوگی۔ ان کو راحت پہنچا کر جو کچھ تم نے ان کے پاس ذخیرہ کیا ہے وہ خوش حالی اور فراوانی کے (زمانہ میں) انکی بچی ہوئی روزی سے وصول کر کے (عند الضرورت) سہارا بنا سکو گے ان کے ساتھ نرمی کر کے اور ان کو اپنے عدل و انصاف کا عادی بنا کر ان کا اعتماد بھی حاصل کر لو گے۔ اس کے بعد اگر ناگہانی امور پیش آئیں گے اور تم ان سے مدد طلب کرو گے تو وہ بخوشی اس کا بار اٹھا سکینگے، کیونکہ (ملک کی آبادی) و خوشحالی ہر بار اٹھا سکتی ہے، اور زمین والوں کا افلاس ہی زمین کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور افلاس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کے نفوس (مال و دولت) جمع کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں، ان کو اپنے (عہدوں پر) باقی رہنے کا اطمینان نہیں رہتا، اور زمانے کے (عبرتناک واقعات) سے وہ بہت کم نفع حاصل کرتے ہیں۔

(۲۱) پھر تم اپنے کاتبوں (دبیروں، سکریٹریوں) کے حالات پر نظر کرو۔ ان میں سے بہتر شخص کو اپنے (خاص) امور پر معین کرو، اور ان خطوط و رسائل کو جن میں اپنی پوشیدہ تدابیر و اسرار درج کرتے ہو اسی کے ساتھ مخصوص رکھو جو صاحب اخلاق حسنہ ہو اور عزت و کرامت اس کو اتنا مغرور نہ کر دے کہ مجمع عام میں تمہاری مخالفت کر بیٹھے اور غفلت کی وجہ سے تمہارے عمال کے عریضے پیش کرنے اور تمہاری طرف سے جو کچھ لین دین کرتا ہو اس کے متعلق تمہاری طرف سے مناسب جوابات صادر کرنے میں کوتاہی نہ کرتا ہو، اور تمہارے لئے کسی سے کمزور معاملہ نہ کرتا ہو اور نہ کسی ایسے معاملے کے فسخ کر دینے سے عاجز ہو جو تمہارے لئے مضر ہو اور اس حقیقت سے بے خبر نہ ہو کہ (نظم و نسق) امور میں میرے نفس کی رسائی کس حد تک ہے، کیونکہ جو اپنے نفس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے وہ دوسرے

کی قدر سے کیا واقف ہوگا (تم کو چاہیئے کہ) محض اپنی عقل و فراست، اعتماد اور حسنِ ظن کی بنا پر ان کا انتخاب نہ کرو کیونکہ (اکثر اوقات) محض تصنع اور حسنِ خدمت (چاپلوسی) ہی کو حکام کی نظر فراست میں تعارف اور روشناسی کا ذریعہ بناتے ہیں، حالانکہ باطن میں اخلاص و دیانت کا پتہ بھی نہیں ہوتا پس ان کا انتخاب ان خدمات کی بنا پر کرو جو انھوں نے تم سے پہلے گزرے ہوئے صالح (حکام) کیلئے انجام دی ہیں اس شخص کو (مقرر) کرنے کا قصد کرو۔ جو عامۃ الناس میں سب سے زیادہ با اثر اور امانتداری میں مشہور ہو، تمہارا یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہوگا کہ تم خُداوند عالم اور اس (امام) کے مخلص ہو جس نے تم کو والی مقرر کیا ہے اور اپنے (سکریٹریٹ) کے ہر صیغے کا افسر ایسے آدمی کو بناؤ جو بڑے کاموں سے مغلوب اور ان کی کثرت کے سبب انکے منضبط و محفوظ رکھنے سے عاجز نہ ہو پس جب تمہارے کاتبوں میں نقص ہوگا اور تم اس سے تغافل کروگے تو اس کا الزام تمہارے ذمہ عائد ہوگا۔

تجار و صناع: (۲۲) پھر تم سوداگروں کی بابت عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں یا مال لیکر شہروں میں پھرتے والے ہوں نیز اہل صنعت و حرفت کی بابت (جو اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر روزی کماتے ہیں) سفارش قبول کرو اور اپنے (عمال) کو انکے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرو، کیونکہ (تجار و صناع) یہی لوگ منافع کے مواد اور فوائد کے اسباب ہیں ان کو وہ دور دست مقامات، بحر و بر، دشت و کوہ سے کھینچ کر لاتے ہیں، جہاں دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے اور جانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ وہ لوگ ایسے امن دوست اور صلح پسند ہوتے ہیں کہ ان سے کسی آفت کا خطرہ اور شر فساد کا خوف نہیں ہو سکتا، لھٰذا تم ان کے امور کی تفتیش و نگرانی اپنے سامنے اور اطراف بلاد میں کرتے رہو، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی تنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے۔ نفع کمانے کیلئے احتکار[1] کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں) یہ امر عامۃ الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام کے لئے عیب ہے پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ رسُولِ خُدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور چاہیئے کہ خرید و فروخت سہل اور موازین عدل[2] کے مطابق ہو اور ایسے نرخ پر ہو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ میں نہ رکھے۔ جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہو اس کو تعزیر اور سزا دو، مگر دیکھنا اس میں بھی ظلم اور زیادتی نہ ہو۔

سماج کا سب سے پست طبقہ: (۲۳) پھر خُدا سے اس طبقہ ادنیٰ کی بابت ڈرو جو بیچارہ لوگوں، مسکینوں، فقیروں، بیماروں اور اپاہجوں پر مشتمل ہے۔ کہ اس طبقہ میں (دونوں ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں، قناعت پیشہ بھی، اور مانگنے والے بھی، ان کیلئے اللہ کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی حفاظت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے (ان کی امداد دو مدوں سے کرو) ایک تو بیت المال سے اور ایک ہر خطہ کی ان زمینوں کے غلوں سے جو غنیمت میں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں دور رہنے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے، جیسا قریب رہنے والوں کا، اور تم ہر ایک کے حق کے نگران و محافظ بنائے گئے ہو، پس (نعمت اور دولت کا) غرور تم کو غافل نہ کرے کیونکہ صرف اس وجہ سے کہ تم اہم امور کو محکم طور پر سر انجام دے چکے ہو قلیل حقیر امور کو ضائع کر دینے پر معذور نہیں سمجھے جا سکتے پس تم ان کی جانب سے اپنی توجہ کو نہ ہٹاؤ، اور اپنا چہرہ ان کی طرف سے نہ موڑو اور ان میں سے جو تم تک نہ پہنچ سکتے ہوں جن کو آنکھیں دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں، اور لوگ ان کو حقیر جانتے ہوں، ان کے امور کا تجسس کرو اور ان کی خبر گیری کے لئے اپنے

[1] احتکار: مال کو اس امید میں روکے رکھنا کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کرینگے۔ [2] یعنی ترازو ٹھیک ہو اور باٹ پورے ہوں۔

معتمد لوگوں میں سے (ایسے اشخاص) کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کر دو جو خُدا کا خوف اور تواضع کی عادت رکھتے ہوں کہ وہ خبریں تم تک پہنچائیں، پھر تم ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جس دن تم خُدا کے (دربار میں) شرفِ باریابی حاصل کرو تو اس کے سامنے (عذر و معذرت پیش کر سکو — تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں لہٰذا ہر ایک کا حق اس کو ادا کر کے خُدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے عذر مہیا کر لو، اور ان یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو جو نہ خود (اپنی معاش کے لئے) کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دستِ سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ امر (عام طور پر) والیوں کیلئے گراں ہوتا ہے۔ مگر اللہ نے ان قوموں کیلئے آسان کر دیا ہے جو آخرت کی طالب ہو کر اپنے نفوس کو (جفاکشی) پر صابر بناتی ہیں، اور جو وعدے اللہ نے انکے ساتھ کئے ان پر بھروسہ رکھتی ہیں۔

دربارِ عام: (۲۴) اور (اپنے اوقات کا) ایک حصہ اہلِ حاجت کے لئے مخصوص کر دو جس میں تم اپنی ذات کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کر لو، ایک مجلس عام میں آ بیٹھو اور اس خُدا کی خوشنودی کیلئے جس نے تم کو خلق کیا ہے، اس مجلس عام میں متواضع اور منکسر المزاج رہو۔ اپنی فوج، پولیس اور چوکیداروں کو اہلِ حاجت کے ساتھ تعرض کرنے سے باز رکھو تاکہ بولنے والے بے خوف و دہشت تم سے کلام کر سکیں۔ میں نے بہت سے مواقع پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "وہ امت جس میں بے خوف و خطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا خدا کی تقدیس نہیں کرتی"۔ ان کی سخت کلامی و بے زبانی کو برداشت کرو اور تنگ دلی اور استکبار کو ان کی طرف سے دُور کرو۔ ایسا کرنے سے خُداوند عالم اپنی رحمت کے اطراف کو تم پر وسیع کرے گا، اور تم کو ثواب اطاعت کا مستحق قرار دے گا۔ ان کو جو کچھ دو خوشگوار طریقہ سے دو۔ اور جو کچھ روکو اور بند کرو تو خوبصورتی اور عذر و معذرت کے ساتھ روکو۔

(۲۵) تمہارے معاملات میں بعض ایسے بھی ہونگے جن کو تمہیں بذاتِ خود انجام دینا پڑیگا (مثلاً) عمال کے (ایسے مراسلوں کا) جواب دینا جس کے جواب سے تمہارے سکریٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ہوں یا عامۃ الناس کی دن کے دن حاجت روائی کر دینا کہ اکثر اس امر سے، تمہارا معین و مددگار عملہ تنگ ہوتا ہے (اور اپنی اغراض کی بنا پر اس کو ٹال دینا چاہتا ہے)۔

(۲۶) ہر دن کے لئے مخصوص کام ہوتے ہیں اس لئے ہر روز کا کام اسی روز تمام کر دیا کرو جو (معاملات) فقط تمہارے اور خدا کے درمیان ہیں ان کو پورا کرنے میں اپنے اوقات کا افضل و اعظم حصہ صرف کرو (اور واقعہ تو یہ ہے) کہ اگر تمہاری نیت بخیر ہو اور رعیت کو ان سے سلامتی حاصل ہو تو تمہارے تمام کام اور اوقات خدا کیلئے ہو جائینگے۔

عبادت الٰہی: (۲۷) اور لازم ہے کہ ان فرائض کا جو اللہ کے لئے مخصوص ہیں قائم کرنا ان امور میں سے قرار دو جن کے وسیلے سے تم دینی اخلاص حاصل کرنا چاہتے ہو۔ پس تم اپنی جسمانی (قوتوں) کا کچھ حصہ رات اور دن خُدا کی اطاعت میں صرف کرو اور جن اعمال کو تم تقرب خُدا کی غرض سے بجالاتے ہو انکو تمام و کمال بجالاؤ ناقص و مختل نہ رکھو خواہ تمہارے بدن کو کتنا ہی تعب کیوں نہ پہنچے اور جب لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو تو اس سے ان کو نفرت دلانے کا سبب نہ بنو اور نہ اس کو ضائع ہی کرو کہ مطلب یہ کہ نہ اتنا طول دو کہ لوگ گھبرا جائیں اور نہ اسقدر اختصار کرو کہ نماز ناقص رہ جائے، کیونکہ جماعت میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بیمار ہوتے ہیں یا ان کو کوئی کام ہوتا ہے، رسُول اللہ صلعم جب مجھے یمن بھیج رہے تھے اس وقت میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ

کس طرح نماز ادا کروں؟ فرمایا کہ اس طرح نماز ادا کرو جیسے کوئی بہت ضعیف انسان ادا کرتا ہے اور مومنین کے حال پر رحم کر

گوشہ نشینی: (۲۸) ان تمام باتوں کے علاوہ یہ خیال رکھو کہ بہت طویل مدت تک رعیت سے چھپے نہ رہا کرو۔ کیونکہ والی کا رعیت سے مخفی رہنا (امور متعلقہ میں) تنگی اور قلتِ اطلاع کا باعث ہوتا ہے۔ ان سے حجاب میں رہنا باہر کی باتوں کے علم قطع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بڑی باتیں چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی ہو جاتی ہیں، اچھے کام بُرے اور بُری باتیں اچ معلوم ہونے لگتی ہیں اور حق باطل سے مخلوط اور مشتبہ ہو جاتا ہے آخر والی بھی بشر ہی ہے وہ ان امور کو نہیں جان سکتا جن کو لو اس کی نظروں سے چھپائے رہتے ہیں، اور حق (کی پیشانی) پر ایسی کھلی ہوئی کوئی علامت بھی نمودار نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے صدق اقسام کو کذب سے علیحدہ پہچان لیا جائے ظاہر ہے کہ تم دو میں سے ایک ہی قسم کے آدمی ہو یا تو ایسے شخص ہو جس کا نفس حقوق عطا کرنے میں سخی ہے تو پھر چھپنے کی وجہ کیا ہے؟ آیا اس حق واجب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رہے ہو، یا اس اچ عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کئے ہوئے ہو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ہو اگر ایسا ہے، تو لوگ (دو چار دن آئیں گے) پھر مایوس ہو کر جلد ہی سوال سے باز آ جائینگے[له] اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی تو ہوتی ہیں جن کا تم پر کوئی بار نہیں جیسے کسی ظالم کی شکایت، یا کسی معاملہ میں انصاف چاہنا۔

اپنے خواص و اقارب کو دوسروں پر مسلط ہونیکا موقع نہ دو: (۲۹) پھر یہ واضح رہے کہ والی کے بعض خا لوگ اور اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو دوسرے کی ہانڈی اُتار کر اپنی ہانڈی چڑھانے، لوگوں (کے اموال پر) دست درازی کرنے ا معاملات میں ناانصافی برتنے کی عادت ہوتی ہے پس ان تمام (خرابیوں) کے اسباب کو دفع کر کے انکے مادۂ (شر) ہی کو ختم کر د (یعنی انکو وہ اختیارات ہی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ زیادتیاں کر سکیں) اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کیلئے کوئی جاگیر نہ مقرر کر انکو اپنی طرف سے کسی ایسی جائداد کی طمع نہ دلاؤ جس سے آس پاس کے لوگوں کو آبپاشی یا کسی اور مشترک کام میں ضرر پہنچنے کا امکان ہو کر د نقصان کا بار دوسروں کے سر ڈالینگے اس طرح خوشگوار فائدہ تو انکو ہو گا اور (دُنیا و آخرت میں تم پر مذمت میں اس کا الزام رہیگا۔

(۳۰) اور پھر اس شخص کے لئے جس پر واجب ہو حق کو لازم کرو عام اس سے کہ یہ شخص تم سے قریب ہو، یا بعید اور تم مستق مزاج رہو اور نگران رہو، خواہ اس حق (کا اثر) تمہارے خواص و اقارب ہی پر کیوں نہ پڑے۔ عاقبت کی بہتری کا خ کرو کہ اس وقت تو یہ امر تم پر گراں ہو گا، مگر انجام اس کا بہتر ہے۔

رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو: (۳۱) اور اگر رعیت کو تمہاری طرف کسی ظلم کا سوءِ ظن پیدا ہو جائے تو تم اپنا اس کے سامنے ظاہر کرو اور اس کے شبہات کو دُور کر دو، اس عذر طلبی سے تمہارے نفس کی ریاضت ہو گی اور رعیت پر مہربا شفقت، اور تمہارا یہ مقصود بھی پورا ہو جائیگا کہ وہ (راہ) حق پر قائم ہو جائے۔

دعوتِ صلح: (۳۲) اور تم کسی ایسی (دعوت) صلح کو رد نہ کرو جو دشمن کی طرف سے پیش ہو اور خدا کی مرضی اور خوش بھی اس میں ہو، اس لئے کہ صلح سے فوج کو آرام ملیگا۔ تم کو فکروں سے راحت ہو گی اور بلاد (ملک) کو امن نصیب ہو گا لیکن صلح

له امراء و حکام اسی خوف سے گوشہ نشین رہتے ہیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کرینگے۔ پس اگر تم سخی ہو تو روپوشی کی ضرورت نہیں اور اگر بخیل ہو تو مایوس ہو کر لوگ خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔

بعد دشمن سے غافل نہ ہو جاؤ بلکہ اس سے پوری طرح خائف و محتاط رہو، کیونکہ اکثر دشمن صلح لیکر اس لئے تمہارے پاس آتا ہے کہ غفلت میں تمہارے ساتھ دغا کرے، پس تم حزم و احتیاط سے کام کو اور حسن ظن کو اس معاملہ میں معیوب سمجھو، اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے کر دیا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کر کے اس کا بار اپنی گردن سے اُتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اس کا امانتداری کے ساتھ لحاظ کرو، اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اسکی حفاظت کیلئے اپنے نفس کو سپر بناؤ۔ کیونکہ فرائض الٰہیہ میں وفائے معاہدات سے بڑی کوئی شئے نہیں ہے جس پر لوگ باوجود خواہشوں کے اختلاف اور رایوں کے اختلاف کے اجماع و اتفاق رکھتے ہیں، اور اہل اسلام تو کیا مشرکین بھی اپنے باہمی معاہدات کو پورا کرنا لازم سمجھتے تھے، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عہد شکنی کے نتائج مہلک ہوتے ہیں۔ پس تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو، جو عہد کرو تو اس میں خیانت نہ کرو۔ دشمن کو فریب نہ دو، (کیونکہ یہ کام اللہ کے مقابلہ کی جرأت کرنیکے مترادف ہے) اور خدا کے مقابلہ کی جرأت بدبخت جاہل کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔ خدا نے عہد اور ذمہ داری کو (ذریعہ) امن قرار دیا ہے اور اسکو اپنی رحمت سے بندوں کے درمیان پھیلا دیا ہے اور ایسا حرم قرار دیا ہے جس کے استحکام کے بھروسہ پر لوگ بستے ہیں اور اس کے جوار کی طرف بڑھتے ہیں پس اس میں کسی طرح دغل، خیانت نہ کرو۔

عہد شکنی: (۳۳) اور تم کوئی ایسا معاہدہ نہ کرو جس میں تاویل کر کے توڑ دینے کی گنجائش ہو، اور اس (عہد نامہ) کی تائید و توثیق کے بعد اس کے خلاف عمل درآمد کرنے کیلئے کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہو، اور اس عہد کی وجہ سے اگر کسی امر میں کوئی تنگی پیش آئے تو وہ تم کو اس عہد کے ناحق فسخ کرنے پر مائل نہ کرے کیونکہ کسی ایسے امر کی تنگی پر تمہارا صابر و شاکر رہنا جس کے دور ہو جانے اور انجام بخیر ہونے کی تم کو اُمید ہو۔ اس عہد شکنی سے بہتر ہے جس کے وبال کا تم کو خوف ہو۔

فساد اور خوں ریزی: (۳۴) ناحق اور ناجائز خونریزی سے بچو کیونکہ کوئی امر اس سے زیادہ عذاب لانے والا، اس سے بڑھ کر وبال کا باعث، زوالِ نعمت کرنے والا اور مدت حکومت ختم کر دینے والا نہیں، اور قیامت کے دن خداوند عالم سب سے پہلے بندوں کی باہمی خونریزی کا فیصلہ کریگا۔ پس تم ناجائز خونریزی سے اپنی سلطنت کو قوت دینا نہ چاہو کیونکہ وہ ضعف و خلل پیدا کرتی ہے بلکہ اس کو فنا اور دوسرے کی طرف منتقل کر دیتی ہے، اگر تم عمداً قتل کرو تو میرے اور خدا کے نزدیک کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے کیونکہ اس میں جسمانی قصاص لازم ہو جاتا ہے، اور اگر تم غلطی سے اس میں مبتلا ہو جاؤ اور بلا ارادہ تمہارے تازیانے، تلوار یا ہاتھ سے سزا میں افراط ہو جائے (جو مجرم کو ہلاک کر دے) کہ اکثر مکا مارنے یا اس سے کچھ زیادہ سزاؤں کے سبب سے بھی قتل واقع ہو جاتا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اپنی قوت اور حکومت کا غرور تم کو مقتول کے اولیاء (اور وارثوں) کو حق دیت ادا کرنے سے روکے۔

(۳۵) تم اپنے نفس کو اچھا سمجھنے، اس کی کسی بات پر جو تم کو بھلی معلوم ہو بھروسہ کرنے اور مبالغہ آمیز تعریفوں کو پسند کرنے سے احتراز کرو، کیونکہ یہ امر شیطان کو پوری فرصت دیتا ہے کہ وہ انسان کے نفس میں دخل پائے اور نیکوں کی نیکی ملیامیٹ کر دے۔

احسان نہ جتاؤ، وعدہ خلافی نہ کرو: (۳۶) اور تم رعیت پر احسان جتانے یا اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے پرہیز کرو، اور خبردار ایسا نہ کرو کہ ان سے کوئی وعدہ کرو اور پھر خلاف وعدہ کر بیٹھو کیونکہ احسان جتانا احسان کو ملیامیٹ کر دیتا ہے اور اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا سچائی کی روشنی کو زائل کرتا ہے اور وعدہ خلافی خدا اور عامۃ الناس دونوں کے نزدیک ملامت اور سرزنش کا مستحق بنا دیتی ہے۔ خداوند عالم خود فرماتا ہے: "خدا کے نزدیک یہ امر بڑی

سرزنش کا باعث ہے کہ تم وہ باتیں مُنہ سے کہو جن کو تم عملی جامہ نہیں پہناتے۔"

وقت پر کام کرو: (۳۷) خبردار! جلد بازی کر کے کاموں کو ان کے وقت (موقع) سے پہلے نہ کر ڈالو، اور جب ان کے ہونے کا امکان ہو اور موقع آجائے تو ان کے کرنے میں تساہل نہ کرو اور جب ان کی خرابی معلوم ہو جائے تو ان کے کرنے میں سُستی کرو۔ ہر امر کو اس کے مقام پر رکھو اور ہر کام کو اس کے موقع پر انجام دو۔

تخصیص اور ضبط نفس: (۳۸) اور تم کسی ایسی چیز کو اپنے لئے مخصوص نہ کرو۔ جس میں سب لوگوں کے حقوق برابر ہوں اور (لوگوں کے) ان اہتم بالشان امور میں تغافل کرنے سے پرہیز کرو جو نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں کیونکہ ان امور کا تمہارے غیر کے لئے تم سے مواخذہ کیا جائیگا۔ اور تھوڑی سی دیر میں جملہ اُمور کے اوپر سے پردے ہٹ جائیں گے اور مظلوم کا انتقام تم سے لیا جائیگا، اور اپنے جوشِ تکبر، ہیجانِ غضب، ہاتھوں کی سطوت اور زبان کی تیزی کو قابو میں رکھو اور ان سب کے (شر) سے اپنی ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار صادر ہونے والے اُمور کی روک تھام کرو، اور حملہ آوری میں تاخیر کرو یہاں تک کہ تمہارا غصّہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پا جاؤ، اور تم اپنے نفس میں یہ قدرت اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتے جب تک اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کر کے اپنی فکروں کو زیادہ نہ کرو۔

ماضی سے سبق لو: (۳۹) تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو یاد رکھو جو تم سے پہلے لوگوں پر گزریں خواہ وہ حکومتِ عادلہ سے متعلق ہوں یا کسی طریقہ فاضلہ سے، احادیثِ رسول ہوں یا کتابِ خدا میں بیان کیا ہوا فریضہ اور اس کی اسی طرح پیروی کرو جیسے تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے، اس عہد نامہ میں جو کچھ احکام میں نے تمہارے ذمہ عائد کئے ہیں ان کی اور اپنے نفس کی (عبرات) کے لئے جو حجتیں میں نے تم پر مسلط و مستحکم کر دی ہیں انکی پیروی کرنے میں پوری جدوجہد کرنا تاکہ جب تمہارا نفس ہوا و ہوس کی طرف سبقت کرے تو تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور میں خُدا سے اس کی رحمت کی وسعت اور ہر مرغوب چیز کے عطا کرنے پر اس کی عظیم قدرت کا واسطہ دیکر اس امر کا سوال کرتا ہوں کہ وُہ مجھے اور تم کو اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق کے نزدیک اس عذر واضح پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے جس میں اس کی رضا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے بندوں (کی زبان پر بھی) ہماری مدح و ثنا کرے اور اقطارِ زمین پر ہمارا اچھا نفس قائم ہو، ہم پر اس کی نعمت تمام ہو اور عزت و کرامت زیادہ ہو۔ نیز (اس سے یہ دعا کرتا ہوں) کہ میرا اور تمہارا خاتمہ سعادت اور شہادت پر کرے بیشک ہم سب اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ سلام ہو اس کے رسول صلی اللہ علیہ اور انکی پاک و پاکیزہ آل پر بہت بہت سلام۔

حضرت علی علیہ السلام کی سادہ زندگی

سوید بن غفلہ راوی ہیں کہ میں ایک دن جناب امیر کی خدمت میں گیا۔ آپ ایک پرانے بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے عرض کیا، یا امیرالمومنین! آپ مسلمانوں کے بادشاہ اور حاکم اور بیت المال کے مختار ہیں۔ قوموں کے ایلچی، سفراء آپ کے پاس آتے ہیں لیکن آپ کے گھر میں اس پرانے بوریہ کے سوا کچھ نہیں؟ فرمایا اے سوید! عاقل ایسے گھر سے اُنس نہیں کرتا جس سے نقل ہونا ہو، ہماری آنکھوں کے سامنے ہمیشگی کا گھر ہے ہم اپنے سامان کو اس میں نقل کر چکے ہیں اور عنقریب ہم بھی اس

کی طرف جانے والے ہیں۔ سوید کہتے ہیں، بخدا آپ کے کلام نے مجھے رُلا دیا۔ (ارجح المطالب)۔

سفیان کہا کرتے تھے کہ جناب امیر علیہ السلام نے نہ پکی اینٹ پر پکی اینٹ رکھی اور نہ کچی اینٹ پر کچی اینٹ، اور نہ بانس پر بانس دھرا، اگر وہ چاہتے تو مدینہ سے حمرلب تک آبادی بڑھا دیتے (راوی ابونعیم اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)۔ باوجودیکہ عیال دار تھے، بال بچوں والے تھے، خانہ داری کا بوجھ تھا۔ ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں جناب امیر کے پاس قصر خورنق میں گیا۔ موسم سرما تھا آپ شدت سرما سے کانپ رہے تھے، فقط ایک پرانا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا یا امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کے اہل و عیال کیلئے اس بیت المال سے حصہ مقرر کیا ہے اور آپ اپنے نفس کے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: واللہ میں تمہارے مالوں میں سے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ واللہ یہ میرا وہی کھیس ہے جو میں مدینہ سے لایا ہوں۔ (احمد فی المناقب، تاریخ ابن اثیر) زید بن ابی وہب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جناب امیر علیہ السلام گھر سے باہر لوگوں میں تشریف لائے۔ ان کے تہبند میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے، ابن نعجہ خارجی آپ کو اس لباس میں دیکھ کر عتاب کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: تم کو میرے لباس سے کیا سروکار، یہ میرا لباس غرور سے دُور ہے اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس کی پیروی کر سکیں۔ (ارجح المطالب)

عمر بن قیس کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام سے کہا گیا کہ یا امیر المومنین! آپ اپنی قمیص کو کیوں پیوند لگایا کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اس سے آدمی کا دل نرم ہوتا ہے، اور مومن اس کی پیروی کر سکتا ہے۔ (طبری و کنز الاعمال)۔ ابی بحر اپنے ایک شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر کو دیکھا موٹا تہبند باندھے ہوئے تھے۔ (استفسار پر) فرمانے لگے میں نے اس کو پانچ درہم سے خریدا ہے جو کوئی مجھ کو ایک درہم نفع دے تو میں اس کو بیچ دوں۔ راوی کہتا ہے، جناب امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک چادر کا تہ بند باندھتے تھے اور ایک رسّی سے اسے سخت کستے تھے اور اپنے اونٹ کو آپ روغن ملتے تھے۔ حالانکہ اس زمانہ میں آپ خلیفہ تھے۔ (اسد الغابہ)۔ جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے جبکہ وہ خلیفہ تھے ایک قمیص تین درہم کو خریدا، اور اس کی آستینوں کو ہاتھ کے جوڑ کے پاس سے کتروا دیا اور فرمایا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے یہ لباس فاخرہ عطا کیا ہے جس سے معاش میں فراخی ہو سکتی ہے (ارجح المطالب)

حسن بن جرموز اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو مسجد کوفہ سے نکلتے ہوئے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پاس دو کپڑے ہیں ایک سے تہ بند باندھے ہوئے ہیں اور دوسرا اوڑھے ہوئے ہیں ان کا تہ بند نصف ساق تک ہے اور وہ بازاروں میں پھر رہے ہیں اور اُن کے پاس دُرّہ ہے اور لوگوں کو خدا کا خوف دلا رہے ہیں اور سچ بولنے و ایمانداری کے ساتھ بیچنے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)۔ ابن حیان التیمی اپنے والد سے ناقل ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو منبر پر فرماتے ہوئے سُنا کہ کوئی ہے اس میری تلوار کو خریدے۔ اگر میرے پاس تہ بند کی قیمت ہوتی، تو میں اس کو ہرگز نہ بیچتا۔ جناب امیرؑ کی یہ حالت اس وقت تھی جبکہ آپ قبضہ میں شام کے علاوہ تمام اسلامی دنیا تھی۔ (الاستیعاب)۔

تہذیب المتین جلد ا حصہ ۲ میں مرقوم ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اہل کوفہ سے فرماتے تھے کہ: اے اہل کوفہ! میں تمہارے

شہر میں اپنے پہننے کے کپڑے اور پالان شتر اور شتر لیکر آیا ہوں۔ اِن کے سوا اگر کوئی اور شے لیکر جاؤں تو یہ جاننا کہ یہ خیانت ہے اور اہلِ بصرہ سے فرمایا کہ تم میرے اوپر کیا اعتراض کرو گے دیکھو یہ میرا پیراہن ہے جو میں پہنے ہوئے ہوں۔ میرے گھر کے کتے ہوئے سُوت کا ہے۔" طعام کا بھی یہی حال تھا کہ جو چیز آپ کے پاس مدینہ سے آتی تھی وہی کھاتے تھے، اس کے سوا اور کچھ نہ کھاتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ کے سامنے فالودہ رکھا گیا آپ نے نہ کھایا۔ ابنِ عباس نے پوچھا "کیا اس کا کھانا حرام ہے؟" آپ نے فرمایا حرام تو نہیں ہے۔ مگر میں اپنے نفس کو ایسی چیزوں کا عادی نہیں بنانا چاہتا، جسے جنابِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہ کھایا ہو۔ (ارجح المطالب)۔

عدی بن ثابت سے بھی یہی روایت یوں ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے آگے فالودہ رکھا گیا۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا اس چیز کا کھانا جسے جنابِ رسول اللہ نے نہ کھایا ہو۔

عبد اللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں عید اضحیٰ کے دن جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے حلیم میرے آگے رکھا میں نے کہا: یا امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مال و متاع کو وافر کیا ہے، اگر آپ بطخوں کے گوشت سے ہماری دعوت کرتے تو بہتر ہوتا۔" آپ نے فرمایا: اے ابنِ زبیر! میں نے جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ خلیفہ کے لئے دو پیمانوں کے سوا خدا کے مال سے لینا حلال نہیں، ایک پیمانہ تو اس کے اور اُس کے اہل و عیال کے لئے ہے، دُوسرا اُس کے مہمانوں کے لئے۔ (مطالب السئول)۔

سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ میں ایک روز جناب امیرؑ کے پاس دار الامارہ میں گیا، آپ کے سامنے جَو کی روٹی اور ایک پیالہ دُودھ رکھا ہوا تھا، روٹی ایسی خشک تھی کہ کبھی آپ اسے ہاتھوں سے کبھی گھٹنوں سے توڑتے تھے، یہ دیکھ کر مجھے آپ کی حالت پر نہایت افسوس ہوا اور آپ کی لونڈی فضّہ سے کہا کہ تو اس بزرگ انسان پر ترس نہیں کھاتی، اور ان کے لئے جَو کا آٹا چھان کر روٹی نہیں پکاتی، اور یہ نہیں دیکھتیں کہ اس میں بھوسی ملی ہوئی ہے اور اس سخت روٹی کے توڑنے میں انکو کیسی مشقت ہوتی ہے فضّہ نے جواب دیا کہ آخر میں ایسی بات کیوں کروں کہ جس سے انکو اجر ملے اور میں گنہگار رہوں۔ کیونکہ انھوں نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ ہم کبھی ان کی روٹی چھان کر نہ پکائیں۔ یہ سُن کر جناب امیرؑ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اے ابن غفلہ! تم اس لونڈی سے کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے تمام باتیں دہرانے کے بعد عرض کیا: "اے امیر المومنین! آپ اپنی جان پر رحم فرمائیے اور اتنی مشقت نہ اٹھائیے۔" آپ نے فرمایا: اے سوید! رسول اللہ صلعم نے اور انکے اہل و عیال نے کبھی تین دن برابر گیہوں کی روٹی شکم سیر ہو کر نہیں کھائی اور کبھی ان کے لئے چھان کر آٹا نہیں پکایا گیا۔ میں ایک دفعہ مدینہ میں سخت بھوکا تھا۔ مزدوری کرنے نکلا دیکھا ایک عورت مٹی کے ڈھیلوں کو جمع کر کے بھگونا چاہتی ہے میں نے اس سے فی ڈول ایک کھجور اجرت طے کی اور سولہ ڈول کھینچ کر مٹی بھگوئی یہاں تک کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ ان کھجوروں کو لیکر جنابِ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ نے بھی میرے ساتھ ان کھجوروں کو تناول فرمایا۔ (ارجح المطالب)۔

زید راوی ہیں کہ ایک مرتبہ جناب امیر المومنین نے مجھ سے فرمایا کہ کل بعد نماز ظہر تم میرے پاس آنا اور کھانا کھانا دوسرے روز بعد نماز ظہر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کوئی حاجب و دربان نہ تھا جو مجھے اندر جانے سے روکتا۔ دیکھا آپ بیٹھے

ہوئے ہیں پاس پانی کا ایک لوٹا دھرا ہوا ہے۔ بس مجھے دیکھ کر آپ ایک سربہ مہر ظرف لائے۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس میں سے کچھ زر و جواہر نکال کر مجھے عطا فرمائیں گے لیکن جب آپ نے اسکی مہر توڑی اور اس کو کھولا تو میں نے دیکھا کہ اس میں ستو ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر پیالے میں لیا اور اس پر پانی ڈالا خود پیا مجھ کو پلایا۔ میں صبر نہ کر سکا عرض کیا یا امیر المومنین! آپ عراق میں رہ کر یہ کھاتے ہیں جہاں قسم قسم کے کھانے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "واللہ میں بخل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا بلکہ جس قدر مجھ کو کافی ہو اس کا اتباع کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ سوا ستو کے کوئی چیز اس میں نہ رکھی جائے، میں اسے برا جانتا ہوں کہ اپنا پیٹ پاک چیزوں کے سوا کسی اور چیز سے بھروں۔ اس لئے احتیاط کرتا ہوں جیسا کہ تم نے دیکھا۔ (ارجح المطالب)۔

عبداللہ بن رافع بیان کرتے ہیں کہ میں عید کے دن جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں گیا جناب امیر علیہ السلام نے میرے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا رکھ دیا۔ ہم نے اس کو کھولا، اس میں جو کی روٹیوں کے خشک ٹکڑے پائے، جناب امیرؑ اس میں سے کھانے لگے۔ میں نے عرض کیا یا امیر المومنین! آپ نے اس پر مہر کیوں لگا رکھی ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لڑکے اسکو روغن یا زیت سے چرب نہ کر دیں (شرح نہج البلاغہ) اور اس شرح میں یہ بھی مسطور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ہمیشہ سرکہ و نمک سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب اس سے کبھی ترقی فرماتے تو بعض ترکاریوں کا استعمال کرتے اور اگر اس سے بھی بڑھ جاتے تو کبھی تھوڑا سا اونٹ کا دودھ پی لیتے، گوشت بالکل نفی کے برابر کھاتے اور فرماتے کہ اپنے پیٹ کو حیوانوں کا مقبرہ نہ بناؤ۔

بہر نوع آپکی سادہ زندگی کی بھی انتہا نہ تھی کہ سلطانی اختیارات پر قابو پا کر دنیا کی انتہائی مسرتوں اور آسائشوں کو مہیا دیکھ کر دولت و ثروت کے نشہ میں چور نہ ہوئے حسن و جمال کی دلکشی سے منہ موڑ لیا، غلاموں اور خدمتگاروں کو چشم ابرو کے اشارہ پر چلنے پھرنے کیلئے جمع نہ کیا۔ حاجب و دربان کی ضرورت محسوس نہ کی، عیش و نشاط کی شاندار محفلوں کا خواب نہ دیکھا صرف لباس و طعام کو سادگی کے سانچہ میں ڈھال لیا بلکہ حاکمیت کے دور میں بھی آپ علی الصباح فکر معاش میں نکل جاتے اور تمام دن کی سعی و محنت و جفاکشی کے بعد (بیلچہ رانی ہو یا آب کشی، حمالی ہو یا دوکانداری) جو حاصل کرتے اس سے غلہ خرید کر شام کو گھر لاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ساری کمائی فقراء و مساکین کو بخش دیتے، بیواؤں یا یتیموں کی نذر کر دیتے اور خالی ہاتھ گھر میں آتے، فخر انبیاء کی بیٹی قدرت کے اس شاہکار کو دیکھتی اور بزرگی و عظمت پر فخر کرتی ہوئی ہنسی و خوشی مصائب و آلام میں شریک ہو جاتی بچوں کو بہلا پھسلا کر فاقہ سے سلا دیتی۔ تاہم کبھی بھی آپ نے سلامت روی، استقلال، ہمت و جرأت کے اس سبق کو جو ابتدا ہی سے رسول اکرمؐ کی فطرت سے سیکھا تھا فراموش نہیں فرمایا اور اپنے ادراک و فہم سے جو قدرت کا عطیہ تھا اپنی زندگی کو فطرت کا نمونہ بنا کر پیش کرتے رہے اور خود سادہ زندگی کی عملی مثال بنکر ان تمام امور کی روک تھام کرتے رہے جو زندگی میں غفلت کا باعث ہوتے ہیں اور جن کا انہماک دنیا میں عیش و تنعم پیدا کر دیتا ہے۔ اور اللہ کے بندے، شیطان کے بندے بنکر ظلم و تعدی عدوان و سرکشی کا دروازہ کھول دیتے ہیں، عفت و عصمت کو بے معنی بنا دیتے ہیں حسن و جمال کی دلکش چلتی پھرتی تصویروں کے دیوانے ہو جاتے ہیں اور دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

چنانچہ وہ خطوط جو آپ نے اپنے عمال کو لکھے ہیں سرداران فوج کے پاس بھیجے ہیں، محاصل ملک کے وصول کرنے کو

لکھے ہیں ایک معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی قانون کا دفتر ہیں جن کا یہ مضمون متحمل نہیں ہو سکتا، لہٰذا چند خطوط کے اقتباس پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مثلاً آپ عثمان بن حنیف گورنر بصرہ کو اس کی کمزوری کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: "اے عثمان بن حنیف! مجھے خبر ملی ہے کہ اگر وہ اہلِ بصرہ میں سے ایک شخص نے تیری کھانے کی دعوت کی تو نہایت عزت کے ساتھ وہاں پہنچا۔ تیرے لئے وہاں قسم قسم کے نفیس کھانے چنے گئے اور عمدہ عمدہ شربتوں کے پیالے بطور نقل رکھے گئے۔ میرا گمان نہیں تھا کہ تو اس گروہ کی دعوتِ طعام قبول کرے گا جس نے مسکینوں اور غریبوں کو محروم کر کے مالداروں اور امیروں کو دعوت میں طلب کیا ہے۔ آئندہ تمہیں چاہیئے کہ جو کھانا تم کھاؤ اس پر نگاہ رکھو کہ حلال ہے یا حرام۔ اگر اس امر کا شبہ پیدا ہو کہ حرام ہے یا حلال تو اسے تھوک دے اور جس چیز کے پاک و پاکیزہ و حلال ہونے کا یقین ہو اسے کھا جاؤ۔ دیکھ ہر ماموم کے لئے ایک امام ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے نورِ علم سے وہ روشنی حاصل کرتا ہے، پس جان لے تیرے امام نے مالِ دنیا میں سے فقط دو پرانی چادروں اور محض دو روٹیوں پر اکتفا کی، یہ صحیح ہے کہ تم اس امر پر قادر نہیں ہو سکتے، تم ایسا صبر نہیں کر سکتے تاہم حتی الوسع پرہیزگاری، پاکدامنی اور راستروی سے میری مدد کرتے رہو، خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا میں سے سونے و چاندی کو جمع نہیں کیا اور نہ اس کی غنیمتوں میں سے کچھ اکٹھا کیا، اور نہ اپنے دو پرانے کپڑوں کے علاوہ کوئی نیا جامہ اس لئے مہیا کیا کہ اس کے بعد اسے پہنونگا۔

(پھر کچھ اور تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں) اگر میں چاہتا تو یہاں کے صاف و شفاف شہد اور خالص گیہوں و ریشمی کپڑوں کو حاصل کر سکتا تھا لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہوتی کہ میرا نفس مجھ پر غالب آ جاتا اور حرص لذیذ کھانوں کی طرف کھینچے لے جاتی درآنحالیکہ حجاز و یمن میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ایک روٹی کے حاصل کرنے کی بھی قوت نہیں رکھتے شکم سیر ہو کر کھانا جانتے ہی نہیں، یا میں کھانے سے پیٹ بھر کر رات بسر کروں اور میرے اردگرد بہت سے بھوکے پیاسے موجود ہوں۔ کیا میں ایسا ہو جاؤں جیسا کہ کسی نے کہہ رکھا ہے کہ: "تیرے لئے یہی بس ہے کہ تو طعام و شراب سے شکم سیر ہو کر رات بسر کرے اور تیرے اطراف میں بہت سے جگر ایسے ہوں پانی پینے کیلئے ایک چرمی پیالے کے محتاج ہوں (وہ لوگ ہوں جنھیں پانی پینے کیلئے چرمی پیالہ بھی میسر نہ آتا ہو، طعام و شراب کجا)۔ بس کیا میں اپنے نفس کو اسی پر قناعت کا حکم دیدوں کہ مجھے امیر المومنین کہہ کر پکارا جائے اور میں زندگی کی تکلیف و مصیبت میں ان کا پیشوا نہ ہوں، دکھ درد میں ساتھ نہ دوں صرف نام کا امام و مقتدا بنا رہوں۔ (ارجح المطالب)۔

پھر آپ اپنے ایک خطبے میں قانون کی پابندی، امانتداری اور اجتماعی عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کے سلسلہ میں برسرِ اقتدار طبقہ کو اس طرح متوجہ فرماتے ہیں کہ: "خدا کی قسم اگر مجھ کو کانٹوں کی سیج پر سلایا جائے اور شدت و کرب سے پوری رات تڑپ کر گزرے یا زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جائے۔ تب بھی مجھے گوارا ہے بہ نسبت اسکے کہ قیامت کے دن خدا و رسول کے سامنے ایک جفاکار یا غاصب کی حیثیت سے پیش ہونا پڑے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس شرط کے ساتھ دی جائے کہ دستِ ستم دراز کر کے کسی چیونٹی کے منہ سے ایک جَو کی بھوسی چھین لوں تو مجھے ہرگز قبول نہیں کیونکہ میری نگاہ میں تمہاری دنیا ٹڈی کے کھائے ہوئے ایک پتے سے زیادہ کم قیمت ہے۔"

غرض مولائے مومناں علم و عمل، اخلاق و معاشرت، تمدن و سیاست، شجاعت و عبادت، سخاوت و ریاضت، تاثرات و احساسات وغیرہ وغیرہ میں اپنی نظیر آپ تھے اور دنیا و آخرت کی تمام رفعتوں کے ایسے معدن تھے، مخزن تھے کہ معاویہ جیسے

دشمن کی آنکھوں سے حضرت علیؑ کی سادہ زندگی، اصلاحی زندگی، ہادیانہ زندگی، ناصحانہ زندگی کا حال سُن کر آنسو بہہ چلے۔ داڑھی تر ہو گئی اور اس نے آستین سے صاف کر کے کہا: "خدا کی قسم ابوالحسن ایسے ہی تھے"۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معاویہ نے ضرار بن حمزہ سے کہا، "علی کا حال بیان کرو"۔ ضرار نے مصلحت کے پیشِ نظر معذرت کی۔ معاویہ نے اصرار کیا۔ ضرار نے کہا:-

حضرت علیؑ کو دنیا اور اسکی بہار و رونق سے وحشت ہوتی تھی، رات و اسکی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں پُر اشک رہا کرتی تھیں، ایک لمبی فکر (عاقبت) اور سوچ میں رہا کرتے۔ موٹا لباس پسند فرماتے کھانا وہ کھاتے جو معمولی اور سادہ ہوتا بالکل عام انسانوں کی طرح رہتے۔ ہم میں ان میں کوئی فرق نہ تھا جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے جب ہم آتے وہ سلام میں پہل کرتے جب ہم بُلاتے تو وہ بے تکلف آجاتے لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے قرب کے باوجود اتنا رعب تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے تھے اور خود بات کی ابتدا نہ کرتے، آپ دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت رکھتے، بیواؤں کی مدد کرتے یتیموں کی پرورش کا خیال رکھتے۔ طاقتور کو ان سے کسی غلط چیز کی اُمید نہ ہوتی۔ کمزور ان کی عدل گستری کبھی مایوس نہ پھرتا۔ آپ کے کمالات و مراتب کی حدیں فہم سے دُور ہیں۔ آپ زبردست قوت کے مالک تھے، فیصلہ کن بات کہتے اور عدل کے ساتھ حکم کرتے تھے آپ کے پہلوؤں سے علم کے چشمے جاری تھے، اور حکمت آپ کے گرد آپ کی مدح خوانی کیا کرتی تھی۔ بخدا میں نے اکثر اوقات میں جبکہ رات اپنے تاریک پردے ڈالے ہوئے تھی، تارے ڈھل چکے تھے، ریش اقدس کو پکڑے ہوئے محراب عبادت میں کھڑے مار گزیدہ کی طرح تڑپتے اور اس طرح روتے دیکھا ہے جیسے دل پر چوٹ لگی ہے۔ جس کا اثر اب تک مجھ پر اس قدر ہے کہ گویا اس وقت آپ کو یہ فرماتے سُن رہا ہوں کہ: "اے دُنیا! اے غدار! اے دُنیائے ناپائیدار! کیا تو میری طرف آنا چاہتی ہے؟ کیا میری مشتاق ہے؟ دُور رہو! دُور ہو! کسی اور کو فریب دے، مجھے تیری ضرورت نہیں ہے، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں جس کے بعد رجوع نہیں تیری عمر بہت کوتاہ، تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطرہ بہت ہے۔ آہ! آہ! توشہ بہت کم، سفر دُور دراز، راستہ وحشتناک اور منزل قیامت کی جیسی پُر عظمت منزل ہے"۔

غرض یہ ہے آپ کی سادہ زندگی جس سے حیات انسانی کا ہر گوشہ روشن نظر آتا ہے اور بلحاظ ایمان و عمل صالح کوئی پہلو کمزور دکھائی نہیں دیتا جس سے پتہ چلتا ہے کہ پیکر علم و عمل کی رگوں میں ایسا خون دوڑا ہی نہ تھا، جو جاہلیت کی کثافتوں سے آلودہ ہو کر کسی اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، تمدنی کمزوری میں مبتلا ہوتا اور عبدیت کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے سے محروم رکھتا۔

فرزندانِ نفس اللہ حضرات حسنین علیہم السلام

خصوصیات مرتضوی:۔ قدرت نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے فضائل اور مناصب میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے، تاکہ خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین کی نیابت و خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے والی ہستی، انبیاء و مرسلین کے سردار اور پیشوا کی مسند رشد و ہدایت پر بیٹھ کر جمال اور جلال۔ سیرت اور صورت، کردار اور گفتار کے لحاظ سے روح محمدیت کی صحیح اور حقیقی آئینہ دار بن سکے۔ قدرت نے جس طرح حضور سرور کائنات سرکار رسالتؐ جیسا عظیم المرتبت خسر علی مرتضیٰ کو عطا فرمایا تھا اور معصومہ کونینؑ ایسی عصمت مآب بیوی دے دی تھی۔ اب یہ ناممکن تھا کہ ان

دو دریاؤں کے ملنے اور چشمہ ہائے رشد و ہدایت اور عصمت و طہارت کے اکٹھے ہونے کے بعد ان میں سے ایسے دُرِ بے بہا لعلِ درخشاں برآمد نہ ہوتے جو حسنؑ اور حسینؑ کے نام سے اسلام اور ایمان کے محور و مرکز اور مسلمانوں کے لئے آسمان ہدایت کے درخشاں ستارے بن کر نہ چمکتے۔

خصوصیات حسنین علیہم السلام: جس حسنؑ اور حسینؑ کا نانا محمد مصطفےٰؐ ہوں، اور باپ علی مرتضےٰؑ اور ماں فاطمہ زہراؑ ہوں، جن کو رسالتمآبؐ نے اپنے لعاب دہن سے پالا ہو۔ مخدومہ کونینؑ نے قرآن کریم سُنا سُنا کر جن کی پرورش کی ہو، علی مرتضیٰؑ جیسا باپ شیرِ خداؑ۔ کے گوشت اور پوست سے جو بچے عالم وجود میں آئے ہوں، رسالت کی گود، امامت کی آغوش عصمت کی تربیت گاہ قرآن کریم کی گھریلو تعلیم۔ رسالت و امامت کے گہواروں اور خلق اعظم کے مقدس ماحول میں پروان چڑھنے والے یہ بچے جوان ہو کر اگر (۱) سردار جوانانِ بہشت، (۲) امام خلق (۳) خلیفہ رسول سوار دوش رسول (۴) جمال و کمال کے آئینہ دار (۵) محمدؐ و آل محمدؐ کے صفات کے وارث و مالک نہ ہوں تو کیا ہوں۔

سرکارِ صلح: حضور رسالت مآب میں قدرت نے جو خوبیاں رکھ دی تھیں۔ ان ہر دو بھائیوں نے ان کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ سرکارِ رسالت نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور پیغام حق پہنچانے اور نظام اسلام قائم کرنے میں دو طریقے استعمال فرمائے تھے۔ دفاعی جنگ اور حفاظتی صلح۔ حسنؑ اور حسین علیہم السلام یہ دونوں نوجوان جمال و کمال محمدی کا اعلیٰ نمونہ بننے والے تھے۔ لہٰذا امام حسن علیہ السلام نے سرکارِ رسالت سے "پیغام صلح" لے لیا اور امام حسین علیہ السلام نے سرکارِ رسالت سے جنگی نمونہ اپنا لیا، تاکہ یہ دونوں مل کر سرکارِ رسالت کی زندگی کا عملی نمونہ قرار پا سکیں۔

حسینی کردار: سرکارِ رسالت کو قدرت سے اسلام اور ایمان کا مکمل اور اکمل نمونہ عملی بنا کر بھیجا تھا۔ امامت حقیقت میں رسالت کے کردار کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے، امامت کا فرض ہے کہ رسالت کے کاموں کو اور "سنت رسول" کو قرآن حکیم کی روشنی میں محل اور موقعہ اور حالات کے مطابق عملی طور پر پیش کر کے امامت کی ہدایت و رہنمائی فرمائے۔ سرکارِ رسالت نے "صلح حدیبیہ" کی جو مثال دُنیا کے سامنے پیش کی تھی وہ اپنے واقعات اور حالات کے لحاظ سے رسالت کا بہترین کارنامہ اور امن و سلامتی اور اسلام کی صُلح جُوئی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ کمزوری ایمان لوگوں کو رسالت پر اس صلح کرنے کے سلسلہ میں شک ہو گیا تھا، مگر عالم انسانیت کے سامنے ہمارے رسولؐ کی صلح، اسلام کے امن و سلامتی اور روحانی اور اخلاقی فتح و نصرت کا وہ نمونہ بن گئی ہے جو ہمیشہ یادگار رہیگی، اسی طرح سرکارِ رسالت کے نواسہ نمونہ امامت امام حسنؑ نے بھی "امیر شام" سے صلح کر کے "بنی اُمیّہ" کے اخلاق سوز حرکات و سکنات اور اسلام کش پالیسی کو طشت از بام کر کے رکھ دیا تھا، اور محمدؐ و آل محمدؐ کے اس نظریہ کو ظاہر فرما دیا تھا کہ صلح ہو یا جنگ ہمارا مطمع نظر۔ حمایت حق اور تبلیغ اسلام ہے اور باطل سے بیزاری اور علیحدگی ہمارا شعار ہے۔ اس موقع پر اگر امام حسنؑ صلح نہ کرتے تو کہا جاتا کہ حکومت اور تاج و تخت کے لالچ اور طمع میں نبرد آزما ہو کر مسلمانوں میں خونریزی کرا رہے ہیں۔ آپ نے تاج و تخت کو چھوڑ کر حکومت سے دست برداری اختیار کر کے خالص منصب امامت کو لیکر یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے مد مقابل اقتدار پسند، تاج و تخت کے لالچی، اسلام و ایمان کے دشمن اور امن و سلامتی کے مخالف ہیں۔ ان کو سرمایہ پرستی اور اقتدار پرستی سے غرض ہے۔ رشد و ہدایت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

امام حسنؑ کی صلح تمہید جنگ کربلا تھی: (۱) جس طرح صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید تھی۔ اسی طرح امام حسنؑ کی صلح کو جنگ کربلا کی تمہید کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ "صلح" کر کے بھی وارثان حق و صداقت اور مسند نشینان نبوت و رسالت نے دکھا دیا کہ اس طرح سے بھی کام لیکر دنیا دیکھ لے کہ "بنی امیہ" محمدؐ و آل محمدؐ کے ازلی اور ابدی دشمن ہیں، اور ان کو محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اس لئے دشمنی ہے کہ یہی مقدس جماعت دنیا میں اسلام کی حقیقی ترجمان اور محمدیؐ مشن کے حقیقی محافظ و نگران ہے۔ (۲) صلح حدیبیہ میں جس طرح کفار و مشرکین مکہ نے شرائط صلح پر عمل نہیں کیا تھا۔ اسی طرح امام حسن کی صلح کے شرائط پر امیر شام نے عمل نہ کر کے اپنے بزرگوں کے طریقہ کار کو پھر زندہ کر دیا۔ (۳) صلح حدیبیہ پر کمزور ایمان لوگوں نے جس طرح شک کر لیا تھا۔ امام حسنؑ کی صلح پر بھی کمزور ایمان لوگوں کو امامت پر شک پیدا ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اس صلح سے امام نے ہمیں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ حالانکہ امام حسنؑ نے صلح کر کے مومنین اور ایمان والے لوگوں کی صحیح ترجمانی اور نیابت کر کے اسلام اور نبوت و امامت اور قرآن کی عزت و عظمت کو چار چاند لگا دیئے تھے اور ثابت کر دیا تھا کہ محمدؐ و آل محمدؐ رسالت مآب کے صحیح جانشین اور قرآن و ایمان کے صحیح ترجمان ہیں اور امن و سلامتی کے مقدس پیکر ہیں۔

"سرکارِ شہادت": (۱) سرکار شہادت تمام انبیاء علیہم السلام کے صفات کے مرقع اور نبوت و رسالت کے ایسے اعلیٰ نمونہ تھے کہ جو صفت فرداً فرداً ہر ایک نبی میں تھی وہ مجموعی طور پر ہمارے رسولؐ میں موجود تھی۔ صفتِ شہادت جو اکثر انبیاء علیہم السلام کو قدرت نے عطا کی ہمارے رسُولِ اکرمؐ کو بھی یہ مرتبہ شہادت ملنا ضروری تھا جسے آپ نے "حسینؑ منی و انا من الحسینؑ" فرما کر یہ اپنا مرتبہ شہادت امام حسینؑ کے سپرد فرما کر اپنی صفت اپنے لئے مخصوص کر لی۔ (۲) حضرت امیرالمومنینؑ نے تلوار کے زور سے اسلام کی دفاعی جنگیں جیت لیں۔ (۳) امام حسنؑ نے صلح کر کے جنگ کربلا کی تمہید قائم کر دی۔ (۴) مخدوم کونین نے قرآن کریم کافی ہے کہنے والے لوگوں کے سامنے قرآن پیش کیا مگر وہ خود ساختہ حدیث کی آڑ لیکر "سیاسی مصلحت" کی بنا پر حق محمدؐ و آل محمدؐ کو پی کر رہ گئے۔ (۵) خلافت ایک بادشاہت اور ملوکیت بن گئی قرآن کریم کا عمل اور سنت رسولؐ کا خیال ختم ہو گیا۔ سرمایہ داری چھا گئی۔ استبدادیت مسلط ہو گئی، بنی امیہ نے اسلام کو ایک کھیل سمجھ کر اس سے کھیلنا شروع کر دیا۔ ایمانی اقدار، اسلامی حدود، قرآنی روحانیت دم توڑنے لگی۔

"مجاہد کربلا کا انوکھا جہاد": حضرت امام حسینؑ تمام انبیاء، صلحاء، اوصیا، خلفاء میں یکتا اور فرد فرید ہیں جنہوں نے روحانیت کے تحفظ کے لئے قرآن و اسلام کے واسطے، حق و صداقت کے استحکام کی خاطر "مظلومیت" کی ایسی یادگار جنگ لڑی اور مظلومیت کا ایسا انوکھا فلسفہ و نظریہ قائم کیا جس سے دُنیا میں آج حسینی انقلاب کے تاثرات قائم ہیں، اور ہمیشہ قائم رہیں گے۔ حسینی انقلاب کے تاثرات کا مختصراً خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) امام حسینؑ نے حق کا بول بالا کر دیا۔ (۲) اسلام اور قرآن کی صداقت و حقانیت کو بقائے دوام اور عوام کو سچی ہدایت بخشی۔ (۳) محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ضرورت اور روحانی قیادت سیادت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ (۴) مسلمانوں میں ملوکیت و بادشاہت کے جمہوری نظام اور اجتماعی انصرام کو غلط بے بنیاد اور خلاف اسلام ثابت کر کے رکھ دیا۔ (۵) بنی امیہ کی اسلام و ایمان دشمنی کو طشت ازبام کر کے چھوڑا۔ (۶) محمدؐ و آلِ محمدؐ کی روحانیت، صبر استقلال، ثابت قدمی کو

چار چاند لگا دیئے۔ (۷) رسالت کے بعد امامت و خلافت میں محمدؐ و آل محمدؐ کی خداداد صلاحیت۔ قابلیت اور لیاقت کے سکے جما دیئے۔ (۸) اپنے بزرگوں محمدؐ و علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ کے کردار، افعال و اعمال، گفتار و رفتار کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ (۹) خلافتِ الٰہیہ، خود ساختہ نظام جمہوری میں تفریق کو نمایاں طور پر ظاہر کر کے مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ خلافت نبوی جمہوری نہیں بلکہ نصی ہے اور رسالت کی نامزد ہے۔ عوام کی منتخب مثل یزید نہیں۔ (۱۰) امام حسینؑ نے اپنی حق و صداقت کا عالم انسانیت سے کلمہ پڑھوا کر اپنے نانا کے دین، بابا کے مذہب اور ماں کے مسلک کو قیامت تک زندہ کر دیا۔

دختران حضرت علی علیہ السلام

بعض مورخین نے جناب امیر المومنینؑ کی دختران کی تعداد گیارہ تک تحریر کی ہے لیکن کتب تاریخ میں جملہ بنات کے احوال تحریر نہیں ہیں۔ جناب امیر المومنین کی دختران میں سب سے زیادہ حالات جناب زینب کے ملتے ہیں کیونکہ آنجناب کو اپنے کمالات و محامد کے اظہار کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد جناب ام کلثوم کے کہ جو کربلا میں شریک برادر و سہیم خواہر رہیں۔ اور اس کے بعد بہت کم حالات جناب رقیہ کے جو کربلا میں موجود تھیں اور اسیران آل محمدؐ کے ساتھ کوفہ و شام میں مبتلائے قید بنی امیہ رہیں۔

(۱) حضرت زینبؑ:۔ آپ کی ولادت باسعادت مطابق کتاب مستطاب خصائص زینبیہ ۶ھ ماہ شعبان مدینہ منورہ ہوئی۔ وقت ولادت کے متعلق جناب آقائی سید نورالدین بن جناب آقائی سید محمد جعفر الجزائری خصائص زینبیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ کہ جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا متولد ہوئیں اور اس کی خبر حضرت رسول کریمؐ کو پہنچی تو حضور جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: کہ اے میری نور چشم راحتِ جان جو مخدومہ پیدا ہوئی ہیں میرے پاس لاؤ۔ پس جب مخدومہ حضورؐ کے سامنے لائی گئیں، آپ نے ان کو سینے سے لگایا۔ اور اپنا رخسارہ مخدومہ کونین حضرت زینب کے رخسارے پر رکھا اور با آواز بلند گریہ کیا جس سے آنحضرتؐ کے محاسن شریف آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ جناب بتول نے عرض کی بابا جان! خدا آپ کو کبھی نہ رلائے، اب رونے کا کیا باعث ہے؟ حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی جان! یہی بیٹی تیرے بعد متعدد تکلیفوں اور مختلف مصائب میں مبتلا ہوگی۔ پس جناب فاطمہ رو پڑیں اور پوچھا بابا جان جو میری بیٹی کی مصیبتیں سن کر روئیگا، اس کا کیا ثواب ہے۔ فرمایا: اے میری لخت جگر مصائب مظلومہ پر رونے کا ثواب اس کے بھائی حسینؑ کی مصیبتوں پر آنسو بہانے کے برابر ہے پھر اس مولودہ مسعودہ کا نام زینب رکھا۔

وجہ تسمیہ:۔ زینب ماخوذ از زین اب یعنی باپ کی زینت کثرت استعمال کی وجہ سے زینب ہو گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مخدومہ صحیح معنوں میں باپ کی زینت تھیں جس طرح جناب سیدہؑ باپ کے مشابہ تھیں اسی طرح حضرت زینب اپنے باپ کی جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ چنانچہ کتب مقاتل میں مذکور ہے کہ جب اہل بیت کا ستم رسیدہ قافلہ بازار شام کے بحر مصائب کو عبور کر کے دربار یزید میں وارد ہوا ہے اور یزید نے سن رکھا تھا کہ خواہر حسینؑ علوی شجاعت فاطمی عفت اور ہاشمی فصاحت کا مرقع ہے۔ جناب زینب کی تقاریر مختلف منازل میں باطل کا پردہ چاک کر کے حقیقت کے چہرہ سے کذب کا نقاب اٹھا چکی تھیں۔ اس واسطے یزید نے خطبات کے اثر کو زائل کرنے کے واسطے شور و غوغا بلند کرنے اور گھنٹیاں بجانے والوں کو تیار کر رکھا تھا۔ جب مخدومہ مظلومہ نے شور و غوغا اور گھنٹیاں بجانے والوں کو اشارہ کیا تو رعب و جلال حیدری طاری ہوا کہ جابر حاکم کے

فرمان پر ایک مظلومہ مسافر قیدی عورت کے انگلی کے اشارہ نے غلبہ پالیا۔ تاریخ میں مرقوم ہے فَاَوْمَأَتْ بِيَدِهَا فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَسَكَنَتِ الْاَجْرَاسُ یعنی شہزادی نے فقط ہاتھ سے اشارہ کیا سانس پلٹ گئے اور گھنٹیاں رک گئیں۔

جناب زینب کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ واقعی شہزادی اپنے باپ کی زینت تھیں۔

(۲) ام کلثوم:۔ جناب سیدہؑ کے بطن مبارک سے ۹ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔ محمد بن جعفر طیار کے ساتھ عقد ہوا۔ واقعہ کربلا میں جناب زینب کے ساتھ تمام مصائب و مظالم میں شریک رہیں۔

(۳) رقیہ:۔ ام البنین کے بطن مبارک سے تھیں جن کا عقد حضرت مسلم بن عقیل کیساتھ ہوا حضرت عباس علمدار کی حقیقی بہن تھیں کربلا میں اپنے لال اپنے بھائی پر قربان کئے جناب زینب و ام کلثوم کے ہمراہ شریک مصائب کربلا و کوفہ و شام رہیں۔

(۴) رملہ: جنکی کنیت ام الحسن ہے ام سعید بنت عروہ بن مسعود کے بطن سے پیدا ہوئیں مختلف کنیزوں کے بطن سے متعدد بیٹیاں پیدا ہوئیں، جنکے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض تاریخوں میں یہ نام درج ہیں، میمونہ، ام الکرام، ام جعفر، نفیسہ، امامہ، فاطمہ، خدیجہ۔

تاریخ جناب زینب اور جناب ام کلثوم کے احوال بوجہ موجودگی در کربلا کسی قدر تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ باقی دختران کے احوال عام تاریخوں میں نہیں پائے جاتے۔ ہو سکتا ہے کہ صغرسنی میں ان کا انتقال ہو گیا ہو، یا عام مورخین نے توجہ نہ کی ہو۔ دختران علیؑ میں سے جناب صدیقہ صغریٰ زینب اور جناب ام کلثوم کے فضائل و کمالات بالاختصار ہدیہ ناظرین کرتا ہوں، امید ہے کہ پڑھنے سے ایمان میں حرارت اور روح میں بالیدگی پیدا ہو گی۔ خاندانی لحاظ سے تمام بنی آدم پر فوقیت حاصل ہے حسب ارشاد سرکار رسالت تمام قبائل پر قبیلہ قریش کو فضیلت حاصل ہے اور جملہ قبائل قریش پر بنی ہاشم شرف رکھتے ہیں اور تمام بنی ہاشم سے خاندان رسالت امتیازی شان کا مالک ہے مرج البحرین کے لؤلؤ و مرجان جس طرح جناب حسنین ہیں ویسے ہی خواہران حسنین ہیں۔ الدین و آباؤ اجداد کا جو شریف سبطین طاہرین کو حاصل ہے وہی شرف خواہران طیبتان کو ملا ہے۔

تعلیم و تربیت:۔ گہوارہ عصمت اور آغوش طہارت میں تربیت حاصل کی۔ سب سے پہلا مدرسہ اولاد کیلئے ماں کی گود ہوتی ہے جس نے سیدۃ النساء کی گود میں پرورش پائی ہو اور سایہ نبوت و امامت میں جس کا بچپن گزرا ہو، اس کی تعلیم و تربیت آداب و خصائل کی خوبیاں کیا تحریر میں لائی جاسکیں ان گھروں میں جو بیبیاں پروان چڑھی ہوں جو جبریل کا مہبط اور ملائکہ آسمانی کی جائے نزول ہو حوران جنت جہاں کی کنیزی پر فخر کریں اور مریم و آسیہ جس گھر کی خدمت کو موجب خوشنودی خدا سمجھیں اس بیت الفرقان و دار الایمان میں پرورش پانے والی شہزادیاں اگر مجسم کمالات و فضائل، پیکر صبر و رضا، نساء امت رسول کیلئے نمونہ عمل ہوں تو کونسی تعجب کی بات ہے تعلیم کیلئے اتنا کافی ہے کہ نبی و امام نے تعلیم قرآن دی۔

خصائص زینبیہ میں مذکور ہے کہ جناب زینب کا نام رکھنے کے لئے حضرت رسالتمآب نے جبرئیل کا انتظار کیا۔ حسب امر رب العالمین جبرئیل نازل ہوئے اور بعد تحفہ درود و سلام عرض کیا امر ایزد متعال یہ ہے کہ نام آنمخدومہ کا زینب رکھا جائے پس رسول کونین نے اپنی نواسی کا بوسہ لیا اور زینب نام رکھا۔ یہ بھی تاریخوں میں ملتا ہے کہ ابتدا سے جناب صدیقہ صغریٰ کو امام حسین سے محبت تھی، چنانچہ جب کبھی وقت بے چین ہوتیں اور عالم بے چینی میں گریہ فرماتیں تو امام حسین اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیتے مظلوم کے ہاتھ میں محبت کی وہ چاشنی تھی کہ آتے ہی گریہ رک جاتا اور سکون و آرام حاصل ہو جاتا اور نظر رخ انور حسین پر جم جاتی۔

شادی واولاد:۔ وقت رشد جناب زینب کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر جو نہایت عابد وزاہد نیک سیرت و خوبصورت فرد بنی ہاشم تھے کے ساتھ ہوئی اور جناب ام کلثوم کی شادی حضرت محمد ابن جعفر یا عون ابن جعفر طیار سے ہوئی۔ حضرت زینب صاحب اولاد تھیں، عون و محمد جو شجاعت وبہادری میں دادا جعفر طیار کی نظیر تھے۔ میدانِ کربلا میں بہت سے معاندین کو واصل جہنم کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت ام کلثوم بے اولاد تھیں۔ چنانچہ کربلا میں اپنے بھائی پر قربان کرنے کے لئے بے اولاد ہونے کی وجہ سے کوئی جانی قربانی نہ پیش کر سکیں۔ لیکن خود وہ تمام مصائب خندہ پیشانی سے قبول کرتی رہیں جو گردش نے حصہ میں دیئے تھے۔

تبلیغ دین: جس وقت حضرت امیر المؤمنین کوفہ میں سکونت پذیر تھے تو جناب سبطین کیساتھ شہزادیاں بھی کوفہ میں قوم نساء کی مبلغ و رہنما تھیں جہاں مردان کوفہ امیر المومنین و سید اشباب اہل الجنۃ کی زیارت سے مشرف اور ہدایات وارشادات سے مستفیض ہوتے تھے وہاں اہل کوفہ کی عورتیں دامانِ عفت میں پناہ لیتیں۔ شریعت محمدی کے فقہی مسائل معارف الٰہیہ علوم قرآن اقوال رشد وہدایت سرچشمہ شریعت وہدیٰ جناب زینب و ام کلثوم سے حاصل کرتیں۔ شب ضربت جناب امیر اپنی بیوہ بیٹی حضرت ام کلثوم کے مہمان تھے، انیسویں شب ماہ رمضان کا روزہ آپ نے ام کلثوم کے ہاں افطار کیا، شب نوزدھم کی بے چینی بار بار بستر سے اٹھنا سوئے آسمان دیکھنا رعب الٰہی سے بدن کا تھرتھرانا اور دوسرے واقعات حضرت ام کلثوم سے مروی ہیں۔

سفر کربلا: ۶۰ھ میں جب امام حسینؑ نے حالات سے مجبور ہو کر مدینہ چھوڑا ہے تو شہزادیاں بھی اپنے بھائی کے ساتھ ہمراہ سفر تھیں۔ جب عبداللہ بن عباس نے امام ھدیٰ کو یہ مشورہ دیا کہ شدت گرمی اور صعوبات سفر میں بنات علی کا ساتھ لینا مناسب نہیں اس وقت امام حسین نے فرمایا کہ مشیت ایزدی اسی میں ہے کہ میری بہنیں میرے ساتھ ہوں چنانچہ امام نے فرمایا: شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَرٰھُنَّ سَبَایَا۔ مشیت الٰہی اہل حرم کو اسیر دیکھنا چاہتی ہے امام کی زبان سے آشکار ہوتا ہے کہ مرضی الٰہی کے موافق شہزادیاں سفر پہ تیار ہوئیں کیونکہ جو کام زینب وام کلثوم کی قید سے سرانجام ہوتا تھا وہ فقط امام حسین اور ان کے رفقاء کے قتل سے پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ کربلا سے شام تک جس قدر تشدد ہوا اور مقابلہ میں جسقدر صبر ہوا کتب مقاتل و تاریخ میں مذکورہ واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ایسی مثال صفحہ ہستی میں معدوم ہے۔ یہ انہی شہزادیوں کا کمال لازوال ہے کہ قاتل کے گھر میں مقتول کا ماتم ہوا۔ تاریخ گواہ ہے، کہ وقت ورود شام نساء معاندین مکانوں کی چھت پر بغرض تماشہ چڑھ کر پتھر مارتی تھیں لیکن فصیح عجم وعرب کی لائق شہزادی نے اسقدر پُر اثر تقریریں کیں کہ وہی عورتیں وقت رہائی ماتم میں شریک ہوئیں۔ اور الوداع کہنے کے لئے شہر سے باہر تک پا پیادہ محملوں کے ساتھ آئیں اور شام وعراق میں اس قدر انقلاب رونما ہوا، کہ یزید کو "مالی وللحسین" کہنا پڑا۔

وفات:۔ رہا ہونے کے بعد اہل بیت کا ستم زدہ قافلہ مدینہ میں بے وارث و بے آسرا واپس آیا صف ماتم بچھ گئی بجز گریہ وماتم کوئی مشغلہ نہ تھا۔ حضرت ام کلثوم نے چار ماہ بعد وفات پائی اور بروایت خصائص زینبیہ ام کلثوم کے دو ماہ بیس دن بعد جناب زینب نے رحلت فرمائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ جناب کی تاریخ وفات و مقام دفن میں اختلاف ہے۔ بعض مدینہ بعض شام اور بعض مصر میں وفات و مدفن کے قائل ہیں۔ وقت وفات حضرت زینب کی عمر ۵۵ یا پچپن

سال اور حضرت ام کلثوم کی اکاون سال بنا بروایت خصائص زینبیہ ہوتی ہے۔

کلام جناب امیر علیہ السلام

جناب امیر علیہ السلام کا کلام مندرجہ ذیل کتب میں جمع کیا گیا ہے:-

۱۔ **نہج البلاغہ**:- اس کو شریف الرضی نے جمع کیا تھا۔ ان کا نسب یہ ہے۔ ابو الحسن محمد بن ابی احمد الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم ابن موسیٰ ابن جعفر الصادق ابن محمد الباقر ابن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ انکی والدہ فاطمہ بنت الحسین ابن الحسن الناصر صاحب الدیلم بن علی بن الحسن بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ تاریخ پیدائش ۳۵۹ھ مطابق ۷۰-۹۶۹ء۔ تاریخ وفات محرم ۴۰۶ھ مطابق جولائی ۱۰۱۵ء۔ نہج البلاغہ کے شارحین اہلسنت و الجماعت اور حضرات شیعہ میں بہت ہیں۔ چند کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں:-

شارحین از حضرات اہلسنت والجماعت: (۱) عزیز الدین ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ بن محمد بن حسین بن ابی الحدید مدائنی۔ ولادت یکم ذی الحجہ ۵۸۶ھ ہجری مطابق ۳۰ دسمبر ۱۱۹۰ء بمقام مدائن۔ وفات ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۵۷ء بمقام بغداد۔ (۲) قوام الدین یوسف بن حسن متوفی ۹۲۲ھ ہجری مطابق ۱۵۱۶ء۔ (۳) مفتی محمد عبدہٗ مفتی مصر۔ (۴) علامہ محمد حسن نائل المرصفی جن کا حاشیہ مع اصل کتاب نہج البلاغہ مصر کے مشہور مطبع دار الکتب العربیہ میں چھپ گیا ہے۔

علمائے شیعہ شارحین نہج البلاغہ:- (۱) سید علی بن ناصر۔ یہ سید رضیؒ کے ہمعصر تھے۔ سب سے پہلے نہج البلاغہ کی شرح انھوں ہی نے لکھی ہے۔ ان کی شرح کا نام اعلام نہج البلاغہ ہے۔ (۲) علامہ قطب الدین راوندی۔ ان کی شرح کا نام منہاج البراعہ۔ (۳) سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ (ابو القاسم علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس)۔ ولادت محرم ۵۱۹ھ مطابق فروری ۱۱۲۵ء۔ وفات ۵ ذیقعدہ ۶۶۴ھ مطابق ۹ اگست ۱۲۶۵ء۔ (۴) کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی۔ (۵) قطب الدین محمد بن الحسین سکندری۔ (۶) شیخ حسین ابن شہاب الدین حیدر علی عاملی۔ وفات بمقام حیدرآباد دکن، ماہ صفر ۱۰۷۶ھ مطابق اگست ۱۶۶۵ء۔ (۷) شیخ نظام الدین علی بن الحسین۔ انکی شرح کا نام انوار الفصاحۃ ہے۔ (۸) علامہ سید سند مرزا علاؤ الدین محمد ابن ابی تراب الحسینی۔ انکی شرح نہایت مبسوط ہے، نام اس کا حدائق الحقائق ہے، بیس جلدوں میں ہے۔ (۹) آقا شیخ محمد رضا مسمی بہ درہ نجفیہ۔ (۱۰) ملا فتح اللہ کاشانی ۹۹۷ھ ہجری مطابق ۸۹-۱۵۸۸ء یہ فارسی میں ہے اور اس کا نام تنبیہ الغافلین ہے ان کے علاوہ اور بہت سی شرحیں ہیں۔

۲۔ **مائۃ کلمہ**: جس کو جاحظ نے جمع کیا تھا۔ ۳۔ **غرر الحکم و درر الکلم**: جس کو عبد الواحد بن محمد بن عبد الواحد نے جمع کیا۔ ۴۔ **دستور معالم الحکم**: جس کو قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ متوفی ۴۵۴ھ ہجری مطابق ۱۰۶۲ء۔ ۵۔ **نثر اللآلی** جس کو ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی صاحب مجمع البیان جمع کیا۔ ۶۔ **کتاب مطلوب**: کل طالب من کلام علی بن ابی طالب جس کو ابو اسحاق الوطواط الانصاری نے جمع کیا۔ اس کا ترجمہ فارسی و جرمن زبان میں ہو گیا ہے۔ ۷۔ **قلائد الحکم و فرائد الکلم** جس کو قاضی ابو یوسف یعقوب بن سلیمان الاسفرائینی نے جمع کیا۔ ۸۔ **کتاب معمیات**: علی بن ابی طالب۔ ۹۔

۹۔ امثال الامام علی بن ابی طالب۔ ۱۰۔ شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں بھی کچھ کلام جناب امیر کا جمع کیا ہے۔ ۱۱۔ نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں آپ کا کلام جمع ہے۔ ۱۲۔ جواہر المطالب۔ علاوہ اس کے خود جناب امیر کے مولفات ہیں۔ جن میں سے چند کے نام ذیل میں لکھے جاتے ہیں :-

(۱) قرآن شریف کو تنزیل کے مطابق حضرت علیؑ نے جمع کیا۔ اور اس میں اسباب و مقامات نزول بھی تھے۔ (۲) کتاب علی جس میں قرآن شریف کے ۶۰ قسم کے علوم کا ذکر ہے۔ (۳) الجامعہ۔ (۴) الجفر۔ (۵) صحیفہ الفرائض۔ (۶) کتاب فی زکاۃ النعم۔ (۷) کتاب فی ابواب الفقہ (۸) دوسری کتاب فقہ میں۔ (۹) اشتر بن مالک کے نام ہدایات۔ (۱۰) محمد بن الحنفیہ کے لئے وصیت۔ (۱۱) مسند علی لابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی" یہ مولفات کی فہرست ہم نے اعیان الشیعہ سے نقل کی ہے۔ علاوہ ان کتابوں کے اشعار کا مجموعہ دیوان علیؑ کے نام سے حضرت علی کی طرف منسوب ہے۔ یہ کتاب نواب علاؤ الدین احمد خان بہادر فرمانروائے لوہارو کے حکم سے ۱۸۷۶ء میں فخر المطابع لوہارو میں چھپی تھی۔

جناب امیر المومنین کا کلام انسان کی زندگی کے لئے مکمل کتاب ہدایت ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس پر آپ کی ہدایات نہ ہوں۔ اور ہدایات بھی ایسی کہ ان سے بہتر آج تک دنیا کا کوئی فلاسفر یا دانشمند نہیں تجویز کر سکا ہے۔ یہ اعتقادی جذبہ نہیں ہے بلکہ امر واقعہ ہے۔ اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں ورنہ ہم نہج البلاغہ کا مقابلہ دنیا کے بڑے سے بڑے فلاسفر کی کتاب سے کرکے اپنے اس دعوے کو ثابت کرتے۔ ایک خوبی جو فوراً ہی نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہدایات ایسی عمدہ زبان میں اور ایسی سہل ہیں جن پر ہر ایک معمولی آدمی عمل کر سکتا ہے۔ برعکس اس کے دیگر حکماء کی ہدایات ایسی ہوتی ہیں کہ پہلے کوئی شخص حکیم بن جائے، تب ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اور پھر بھی کامیاب نہ ہو گا۔ فطرت انسانی کا صحیح اور مکمل علم جناب امیرؑ کی ہدایات کی روح رواں ہے۔ بعض یورپین مصنفین نے نہج البلاغہ کے کلام امیر علیہ السلام ہونے میں اس وجہ سے شبہ کیا ہے کہ اس میں بعض جگہ آئندہ کے ہونے والے امور کا ذکر ہے۔ اہل مذہب تو اس کو جناب امیر کی امامت کی ایک دلیل سمجھتے ہیں لیکن اہل دنیا کے لئے بھی کوئی تعجب کی بات نہ ہونی چاہئے۔ کیا ہٹلر نے بہت سی ایسی باتوں کی پیشینگوئی نہیں کی تھی، جو لڑائی ختم ہونے کے بعد سے جو پوری ہونی شروع ہوئی ہیں تو اب تک پوری ہو رہی ہیں۔ حضرت علیؑ کی دماغی اور ذہنی طاقتیں تو ہٹلر سے بہت زیادہ تھیں۔ اگر حضرت علیؑ نے کہا کہ جس روش پر تم چل رہے ہو یہ تم کو ایسے گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیگی کہ تم نکل نہ سکو گے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اپنے محدود علم کی بنا پر یورپین مصنفین کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں فلسفہ، سیاست اور اخلاق کی وہ باتیں ہیں جن سے اس زمانہ کے عرب ناواقف تھے۔ یہ ان لوگوں کی بے جا حب وطنی ہے کہ افلاطون اور ارسطو کی تو ہر ایک بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی اپنے زمانہ سے اونچی ہوں لیکن علیؑ کو یہ درجہ دیتے ہوئے انہیں برا لگتا ہے۔ ہم نے اپنے دیگر تحریرات میں ثابت کیا ہے کہ نہج البلاغہ میں سارا کلام جناب امیر کا ہے۔ اس مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں۔ اس کو وہ کیا کہیں گے کہ کئی خطبوں میں تخلیق عالم کا وہ بیان ہے۔ جو اس وقت تک کوئی دانشمند نہیں کہہ سکا تھا۔ اور اب بھی سائنس مشکل تمام کچھ باتیں معلوم کر سکا ہے۔ اور جن میں اختلاف ہے وہ بھی آئندہ سائنس جب ترقی اور کرے گا تو ان سے موافقت کرنے لگے گا۔ ہم بتاتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں کیا کیا ہے :-

(۱) مسلمانوں کی تاریخ - (۲) اُن کی گمراہی کے اسباب - (۳) حکومت کے طریقے - (۴) رعایا کی بہبودی کے انتظامات - (۵) دولت کی صحیح تعلیم - اور اس کا صحیح استعمال - (۶) خراج اور زکوٰۃ کے وصول کرنے کا صحیح طریقہ - (۷) جہاد - (۸) دشمن سے مقابلہ کرنے کے طریقے - (۹) لڑائیوں میں جو خرابیاں ہوتی ہیں اُن سے بچنے کی ہدایات - (۱۰) عبادتِ الٰہی - (۱۱) صفاتِ الٰہیہ - (۱۲) خُدا اور انسان کا تعلق - (۱۳) خیر و شر - (۱۴) تقدیر کی حقیقت، تدبیر کے حدود - (۱۵) صبر کی حالت - (۱۶) رسالت اور امامت کا بیان - (۱۷) اخلاقیات - (۱۸) سیاسیات - (۱۹) امور عاقبت، حشر و نشر، قیامت، میزان عمل، جنت و دوزخ کی حقیقت - (۲۰) اصُول تمدّن و معاشرت - (۲۱) آپس کے معاملات حقوق العباد اور فرائض زندگی وغیرہ وغیرہ - حضرت علیؑ کے تمام کلام پر تبصرہ کرنا ہماری عقل و علم سے باہر ہے - ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ حضرت علیؑ کے کلام پر بہت شرحیں لکھی گئی ہیں اور بعض بہت ضخیم ہیں لیکن ابھی کوئی مکمل شرح نہیں ہو سکی ہے - ہم یہاں تبرکاً آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کرتے ہیں :-

(۱) اَلتَّوحِیدُ اَنْ لَّا تَتَوَهَّمَهٗ، وَالْعَدْلُ اَنْ لَّا تَتَّهِمَهٗ - یعنی توحید یہ ہے کہ اپنے وہم و خیال کی بنا پر اس کا گمان نہ کرو - کیونکہ وہم محدود ہوتا ہے، اور وہ وہم میں نہیں آ سکتا - اور عدل یہ ہے کہ ایسے افعال کا اُس کی طرف ظن نہ کرو جس میں عدم حکمت ہو -

(۲) اَلْغِیْبَةُ جُهْدُ الْعَاجِزِ - غیبت کرنا عجز و مغلوبیت کی نشانی ہے جس سے اپنے دشمن سے وہ انتقام لیتا ہے -

(۳) مَنْهُوْمَانِ لَا یَشْبَعَانِ، طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالِبُ دُنْیَا : یعنی دو بھوکے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک تو علم کا طلب کرنے والا اور دوسرا دنیا کا طلب کرنے والا -

(۴) مَا لِابْنِ اٰدَمَ وَالْفَخْرِ، اَوَّلُهٗ نُطْفَةٌ وَّآخِرُهٗ جِیْفَةٌ - وَلَا یَرْزُقُ نَفْسَهٗ وَلَا یَدْفَعُ حَتْفَهٗ - ابن آدم کو فخر سے کیا سروکار - اس کا اوّل تو نطفہ ہے اور اس کا آخر مردہ گوشت کا ٹکڑا ہے یہ اپنے نفس کو روزی نہیں پہنچا سکتا - اور نہ اپنے سے موت کو دفع کر سکتا ہے

(۵) مَنْ عَظَّمَ صِغَارَ الْمَصَائِبِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِکِبَارِهَا - یعنی جو چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں جزع و فزع کرتا ہے - صبر نہیں کرتا - خُداوند تعالٰے اُسے بڑی مصیبتوں میں پھنسا دیتا ہے -

(۶) اَلْوِلَایَاتُ مَضَامِیْرُ الرِّجَالِ - یعنی حکومت لوگوں کے امتحان کی جگہ ہے جہاں اچھے اور بُرے کی شناخت ہو جاتی ہے -

(۷) اَلنَّاسُ اَعْدَاءُ مَا جَهِلُوْا - یعنی لوگ اس کے دشمن ہوتے ہیں جو وہ نہیں جانتے -

(۸) اُذْکُرُوْا انْقِطَاعَ اللَّذَّاتِ وَبَقَاءَ التَّبِعَاتِ - یعنی لذتوں کے منقطع ہونے کو اُنکے بُرے نتائج کے باقی رہنے کو ہمیشہ یاد رکھو -

(۹) اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ هُمُ الَّذِیْنَ نَظَرُوْا اِلٰی بَاطِنِ الدُّنْیَا اِذَا نَظَرَ النَّاسُ اِلٰی ظَاهِرِهَا وَاشْتَغَلُوْا بِآجِلِهَا اِذَا اشْتَغَلَ النَّاسُ بِعَاجِلِهَا فَاَمَاتُوْا مِنْهَا مَا خَشُوْا اَنْ یُّمِیْتَهُمْ وَتَرَکُوْا مِنْهَا مَا عَلِمُوْا اَنَّهٗ سَیَتْرُکُهُمْ وَرَاَوُا اسْتِکْثَارَ غَیْرِهِمْ مِنْهَا اسْتِقْلَالًا، وَدَرَکَهُمْ لَهَا فَوْتًا، اَعْدَاءُ مَا سَالَمَ النَّاسُ وَسِلْمُ مَا عَادَی النَّاسُ، بِهِمْ عُلِمَ الْکِتَابُ وَبِهٖ عَلِمُوْا، وَبِهِمْ قَامَ الْکِتَابُ وَبِهٖ قَامُوْا، لَا یَرَوْنَ مَرْجُوًّا فَوْقَ مَا یَرْجُوْنَ وَلَا مَخُوْفًا فَوْقَ مَا یَخَافُوْنَ - یعنی بہ تحقیق خُدا کے دوست وہ لوگ ہیں جو دُنیا کی اصلی حالت کو دیکھتے ہیں - اور لوگ دُنیا کی ظاہری حالت پر فریفتہ ہو جاتے ہیں - یہ دُنیا کی عاقبت یعنی آخرت میں مشغول ہوتے

ہیں جب اور لوگ دُنیا کی فانی ہونے والے میں مشغول ہوتے ہیں، یہ اُس چیز (خواہشات بیجا) کو مار دیتے ہیں جس سے اُنھیں خوف ہوتا ہے کہ وہ اُن کو ہلاک کر دیگی۔ یہ اُس چیز (دُنیا کی لذت) کو چھوڑ دیتے ہیں، جو وہ جانتے ہیں کہ اُن کو چھوڑ دے گی۔ اور دیکھتے ہیں، کہ اُن لذات کی کثرت بھی بہت قلیل ہے۔ اُس اجر سے جو اُن کو اُن لذات کے چھوڑنے سے ملے گا۔ جب وہ دنیا کو پالیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ دُنیا اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ اور لوگ جس سے خوش ہوتے ہیں یہ اُس کے دشمن ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کو اور لوگ بُرا سمجھتے ہیں یہ اُس کو اچھا جانتے ہیں۔ انکے سبب سے علم کتاب حاصل ہوتا ہے۔ اور کتاب خدا کے ذریعہ سے انکی شناخت ہوتی ہے۔ کتاب الٰہی ان کی وجہ سے برقرار ہے۔ اور یہ کتاب خدا کے ساتھ قائم ہیں۔ کسی سے کو جس کی لوگ اُمید کر سکتے ہیں اُس سے بہتر نہیں سمجھتے۔ جس کی یہ اُمید کرتے ہیں۔ (یعنی ثواب خدا) اور نہ کسی ڈرانے والے کو اس سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ جس سے یہ ڈرتے ہیں (یعنی غضب خدا)۔

(۱۰) مَنْ شَکَا الْحَاجَۃَ اِلٰی مُؤْمِنٍ فَکَاَنَّہٗ شَکَاھَا اِلَی اللّٰہِ، وَمَنْ شَکَاھَا اِلٰی کَافِرٍ فَکَاَنَّمَا شَکَا اللّٰہَ۔ یعنی جس نے اپنی محتاجی کی شکایت مومن کے سامنے کی تو گویا اُس نے محتاجی کی شکایت خُدا سے کی۔ اور جس نے اپنی محتاجی کی شکایت کافر کے سامنے کی تو گویا اُس نے خُدا کی شکایت کی۔ (یہ بہت غور کے قابل ہے)۔

(۱۱) اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَخْتَصُّھُمُ اللّٰہُ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ فَیُقِرُّھَا فِیْ اَیْدِیْھِمْ مَا بَذَلُوْھَا فَاِذَا مَنَعُوْھَا نَزَعَھَا مِنْھُمْ ثُمَّ حَوَّلَھَا اِلٰی غَیْرِھِمْ۔ یعنی چند خُدا کے ایسے بندے ہیں جن کو خُداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی نفع رسانی کے لئے نعمتوں کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔ جب تک وہ اپنی دولت کو لوگوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں اس وقت تک خُداوند تعالیٰ اُن کے پاس نعمت کو رہنے دیتا ہے۔ اور جب وہ بخل کرنے لگتے ہیں تو اِن نعمتوں کو اُن سے چھین کر دوسروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ (کاش دولتمند لوگ اس نکتہ کو گرہ میں باندھ لیں)۔

(۱۲) لَا یَنْبَغِیْ لِلْعَبْدِ اَنْ یَّثِقَ بِخَصْلَتَیْنِ، اَلْعَافِیَۃِ وَالْغِنٰی، بَیْنَا تَرَاہُ مُعَافًی اِذْ سَقِمَ، وَبَیْنَا تَرَاہُ غَنِیًّا اِذِ افْتَقَرَ۔ یعنی انسان کو چاہئے کہ ان دو حالتوں پر بھروسہ نہ کرے ایک تو صحت جسم اور دوسرے دولت۔ کیونکہ ابھی تو ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ تندرست ہے اور ابھی وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ ایک شخص کو ابھی تو دولتمند دیکھتا ہے اور ابھی فقیر ہو جاتا ہے۔

(۱۳) مِسْکِیْنٌ ابْنُ آدَمَ: مَکْتُوْمُ الْاَجَلِ، مَکْنُوْنُ الْعِلَلِ، مَحْفُوْظُ الْعَمَلِ، تُؤْلِمُہُ الْبَقَّۃُ وَتَقْتُلُہُ الشَّرْقَۃُ، وَتُنْتِنُہُ الْعَرْقَۃُ۔ یعنی انسان بھی کتنا لاچار ہے، اِس کی موت کا وقت اس سے پوشیدہ ہے، اُسکے امراض کے اسباب مخفی ہیں۔ اُس کا عمل محفوظ (یعنی ایک کام کرتا ہے یا ایک تدبیر کرتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا) ایک مچھر تو اس کو اذیت دے سکتا ہے۔ غم و غصہ اس کو مار ڈالتا ہے۔ اور پسینہ اس کو بدبو دار کر دیتا ہے۔

(۱۴) دُنیا کی شان میں آپ ارشاد فرماتے ہیں، تَغُرُّ وَتَضُرُّ وَتَمُرُّ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یَرْضَھَا ثَوَابًا لِاَوْلِیَائِہٖ وَلَا عِقَابًا لِاَعْدَائِہٖ، وَاِنَّ اَھْلَ الدُّنْیَا کَرَکْبٍ، بَیْنَا ھُمْ حَلُّوْا اِذْ صَاحَ بِھِمْ سَائِقُھُمْ فَارْتَحَلُوْا۔ یہ دنیا دھوکہ دیتی ہے، ضرر پہنچاتی ہے، اور تلخیاں چکھاتی ہے۔ خُداوند تعالیٰ بطور ثواب کے یہ دنیا اپنے دوستوں کو دینے کے لئے راضی نہیں۔ اور نہ اپنے دشمنوں کو بطور عذاب دینے کے لئے راضی ہے۔ اہل دُنیا اُن سفر کرنے

والوں کی مانند ہیں، جو ابھی منزل پر پہنچے تھے کہ کوچ کا حکم دینے والے نے ان کو پکارا اور یہ چل دیئے۔

(۱۵) اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ فَرَضَ فِیْ اَمْوَالِ الْاَغْنِیَاءِ اَقْوَاتَ الْفُقَرَاءِ، فَمَا جَاعَ فَقِیْرٌ اِلَّا بِمَا مُتِّعَ بِہٖ غَنِیٌّ، وَاللّٰہُ تَعَالٰی سَائِلُھُمْ عَنْ ذٰلِکَ۔ خداوند تعالیٰ نے دولتمندوں کی دولت میں غریبوں کا رزق مقرر کیا ہے اور فقیر اس وقت ہی گرسنہ ہوتا ہے جب مالدار اس کا حق روک لے۔ اور خداوند تعالیٰ اس سبب سے دولت مندوں سے باز پرس کرے گا۔

(۱۶) یَوْمُ الْعَدْلِ عَلَی الظَّالِمِ اَشَدُّ مِنْ یَوْمِ الْجَوْرِ عَلَی الْمَظْلُوْمِ۔ ظالم پر انصاف کا دن اس سے زیادہ سخت ہوگا جو ظلم کا دن مظلوم پر تھا۔

(۱۷) مَاءُ وَجْھِکَ جَامِدٌ یُقْطِرُہُ السُّؤَالُ، فَانْظُرْ عِنْدَ مَنْ تُقْطِرُہٗ۔ تیرے آبرو برف کی طرح جمی ہوئی ہے جس کو سوال کرنا پگھلا کر ٹپکا دیتا ہے۔ اب یہ دیکھ لے کہ تو کس کے سامنے ٹپکانا چاہتا ہے یعنی سوال کس سے کرتا ہے۔

(۱۸) لِلظَّالِمِ مِنَ الرِّجَالِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ: یَظْلِمُ مَنْ فَوْقَہٗ بِالْمَعْصِیَۃِ وَمَنْ دُوْنَہٗ بِالْغَلَبَۃِ وَیُظَاھِرُ الْقَوْمَ الظَّلَمَۃَ۔ یعنی لوگوں میں سے جو ظالم ہو اس کی تین علامتیں ہیں:۔ (۱) جو اس کے اوپر ہیں اُن کی نافرمانی کرنا یہ بھی ظلم ہے) (۲) جو اُس کے ماتحت ہیں اُن پر زبردستی کرنا (یہ بھی ظلم ہے)۔ تیسرے ظالموں کی مدد کرنا۔

(۱۹) فَمِنْھُمُ الْمُنْکِرُ لِلْمُنْکَرِ بِیَدِہٖ وَلِسَانِہٖ وَقَلْبِہٖ فَذٰلِکَ الْمُسْتَکْمِلُ لِخِصَالِ الْخَیْرِ وَمِنْھُمُ الْمُنْکِرُ بِلِسَانِہٖ وَقَلْبِہٖ وَالتَّارِکُ بِیَدِہٖ فَذٰلِکَ مُتَمَسِّکٌ بِخَصْلَتَیْنِ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِ وَمُضَیِّعٌ خَصْلَۃً: وَمِنْھُمُ الْمُنْکِرُ بِقَلْبِہٖ وَالتَّارِکُ بِیَدِہٖ وَلِسَانِہٖ فَذٰلِکَ الَّذِیْ ضَیَّعَ اَشْرَفَ الْخَصْلَتَیْنِ مِنَ الثَّلَاثِ وَتَمَسَّکَ بِوَاحِدَۃٍ، وَمِنْھُمْ تَارِکٌ لِاِنْکَارِ الْمُنْکَرِ بِلِسَانِہٖ وَقَلْبِہٖ وَیَدِہٖ فَذٰلِکَ مَیِّتُ الْاَحْیَاءِ وَمَا اَعْمَالُ الْبِرِّ کُلُّھَا وَالْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عِنْدَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ اِلَّا کَنَفْثَۃٍ فِیْ بَحْرٍ لُجِّیٍّ، وَاِنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ لَا یُقَرِّبَانِ مِنْ اَجَلٍ، وَلَا یَنْقُصَانِ مِنْ رِزْقٍ، وَاَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ کُلِّہٖ کَلِمَۃُ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ جَائِرٍ۔ ترجمہ: لوگوں میں سے کوئی تو ایسا ہوتا ہے۔ جو اپنے ہاتھ و زبان و دل کے ساتھ بدی و محرمات کا انکار کرتا ہے۔ ایسا شخص تمام خصائل حسنہ میں کامل ہے۔ کوئی، ایسا ہے کہ جو اپنے دل و زبان سے تو انکار کرتا ہے لیکن ہاتھ سے انکار نہیں کرتا۔ ایسا شخص خصائل حسنہ میں سے فقط دو خصلتوں سے متمسک ہے۔ اور ایک خصلت کا ضائع کرنے والا ہے۔ کوئی از روئے قلب تو منکر ہے لیکن ہاتھ اور زبان سے اس انکار کا اظہار نہیں کرتا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے تین خصائل حسنہ میں دو شریف خصلتوں کو چھوڑ دیا اور صرف ایک خصلت کو اختیار کیا۔ اب ایک ایسا شخص بھی ہوتا ہے، جو برائیوں کا نہ تو دل سے انکار کرتا ہے، نہ ہاتھ سے، نہ زبان سے، یہ شخص زندہ معلوم ہوتا ہے لیکن مردہ سے بدتر ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلے میں تمام اعمال خیر اور جہاد راہ خدا ایسے ہیں، کہ جیسے بحر متلاطم کے سامنے لعاب دہن۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر موت سے نزدیک نہیں کرتے۔ اور نہ رزق میں کمی پیدا کریں۔ اور ان سب سے بہتر وہ کلمۂ انصاف ہے جو ستمگر حاکم کے سامنے بیان کیا جائے"۔

(۲۰) اَلْعَفَافُ زِیْنَۃُ الْفَقْرِ، وَالشُّکْرُ زِیْنَۃُ الْغِنیٰ - ترجمہ :- سوال نہ کرنا فقیر کا زیور ہے اور شکر کرنا مالدار کی آرائش ہے۔

عرضِ مرتب :- نہج البلاغہ کے اسناد میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا بشرطیکہ وہ عقل و ہوش اور دیانت سے بہرہ ور ہو، اس کے کلام امیر المومنین ہونے پر بہت سے علماء اہلسنت نے تحریری شہادت دی ہے۔ انھیں مصدقین و شاہدین میں علامہ ابن اثیر جزری ہیں جنھوں نے کتاب نہایۃ اللغۃ میں آپ کا کلام بطور سند بہت سے مقامات پر پیش کیا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس عظیم کتاب نہج البلاغہ کا بہترین ترجمہ کیا جاتا اور صرف اُردو میں نہیں، بلکہ دُنیا کی تمام متداول زبانوں میں، لیکن افسوس عرصہ دراز تک اس کا اُردو ترجمہ تک مکمل طور پر نہیں کیا گیا تھا میرے خیال میں صاحب نیرنگ فصاحت نے سب سے پہلے تکمیل کی پہل بزبان اُردو کی، مگر چونکہ وہ تکمیل کے باوجود نامکمل ترجمہ تھا اس لئے دیگر اہلِ قلم نے بعد میں قلم اُٹھایا اور اب تین اُردو ترجمے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں: ۱- جناب مولانا ظفر مہدی صاحب قبلہ و جناب مولانا محمد صادق صاحب قبلہ کا ترجمہ۔ ۲- جناب رئیس احمد صاحب جعفری اور عبد الرزاق صاحب کا ترجمہ۔ ۳- جناب مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مجتہد کا ترجمہ۔ اول الذکر اور آخر الذکر شیعہ ترجمے ہیں، لیکن ثانی الذکر ترجمہ سُنی ترجمہ ہے اس ترجمہ میں مترجم نے اپنے معتقدات کو سراہا ہے اور حضرت علیؑ کی حیثیت کو نظر انداز کر کے اپنے نظریات کو فروغ دیا ہے غضب ہے کہ مترجم نے یہ تک لکھ دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خلفاء کی بیعت کی تھی، حالانکہ حضرت علیؑ کی شخصیت سے کوئی واقف اس کا تصور تک نہیں کر سکتا۔

بنی اُمیہ کی دُشمنی کے اسباب

عرب میں خاندانِ قریش اپنے کارناموں کیلئے مشہور ہے۔ اس کی ابتدا قصی سے ہوئی اور اس کی اولاد میں سے حضرت عبد مناف ایک بزرگ ہوئے۔ انہی کے بیٹے حضرت ہاشم اور عبد الشمس ہوئے۔ عبد الشمس کی طرف اُمیہ منسوب ہے اور اسی کی نسل بنو امیہ کہلائی۔ اور حضرت ہاشم کی اولاد بنو ہاشم مشہور ہوئی۔ شروع ہی سے ان دونوں خاندانوں کے اطوار و اخلاق ایک دُوسرے کے بالکل مخالف تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو دھارے بہ رہے ہیں۔ ایک میٹھے پانی کا دوسرا کھاری کا۔ اور ان کو دیکھ کر ہی ہر ایک تمیز کر لیتا تھا کہ یہ فلاں ہے اور یہ وہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی کی اصلیت اور حقیقت مخالفت ہی کے وقت معلوم ہوتی ہے۔ موافقت میں تو سب موافق باتیں ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن دشمنی میں ہر ایک کی اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ اِس لئے میری تحقیق تو یہ ہے کہ ؎

نیش عقرب از پے کین است مقتضائے طبیعتش این است

بنی اُمیہ کی خاندانِ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عموماً اور حضرات اہلِ بیت علیہم السلام سے خصوصاً عداوت و دشمنی اسی وجہ سے تھی۔ تاہم مختصر طور پر ان کی دشمنی اسباب ذیل کی وجہ سے ہوئی اور پھیلی اور بڑھتے بڑھتے اس درجہ پر پہنچی جو چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔

ہاشم اور اُمیّہ کے درمیان دشمنی کے اسباب: (۱) مورخ طبری نے ص۲۷۳/۴ پر لکھا ہے کہ ایک دفعہ اُمیّہ نے حضرت ہاشم سے بر اصرار کہا کہ رفادہ کی خدمت انکے سپرد کی جائے۔ جب یہ ضد سے باز نہ آیا تو حضرت ہاشم نے یہ خدمت اس کے سپرد کی لیکن یہ کہہ دیا کہ دیکھنا کوئی ایسی بدعنوانی نہ ہو جس سے ہمارے خاندان کی بدنامی ہو۔ اُمیّہ نے حضرت ہاشم کی اجازت پاکر حاجیوں کی ضیافت و مہمانداری کا انتظام کیا اور اپنا تمام سرمایہ اس پر لگا دیا۔ مگر حجاج کو پیٹ بھر کر کھانا نہ ملا اور بہت سے حاجی تو بھوکے ہی مر گئے۔ اُمیّہ کو تو کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ جناب ہاشم کی بدنامی ہوئی۔ اس سے ان کی غیرت کو جوش آیا اور انھوں نے بدنامی کو دھونے اور خلقِ خدا کو بچانے کے لئے اپنے پچاس اُونٹ ذبح کر ڈالے اور تمام حاجیوں کو خوب سیر کرکے بدنامی کا دھبّہ دھو ڈالا۔ اس کے بعد حضرت ہاشم نے اس ذلیل حرکت پر اُمیّہ کو تنبیہ کی۔ وُہ شرمندہ ہو کر مکّہ سے شام چلا گیا۔ اور سال بھر تک مکّہ میں کسی کو مُنہ نہ دکھایا۔ اور اس وجہ سے دل میں حضرت ہاشم کی عداوت کی گرہ باندھی۔ حالانکہ حجاج میں اسکی عام شکایت کی ذمہ داری کسی طرح سے بھی حضرت ہاشم کی طرف عائد نہ ہوتی تھی۔

(۲) طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ حضرت ہاشم کو متولئ کعبہ ہونے کی وجہ سے مکّہ میں امارت حاصل تھی اور وہی حج کے متعلق رفاہِ عام کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ اُمیّہ بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا۔ اس نے اپنے مال و دولت کے غرور پر حضرت ہاشم کو نیچا دکھانے کے لئے وہی خدمات سرانجام دینی شروع کیں، جو حضرت ہاشم سرانجام دیا کرتے تھے لیکن حضرت ہاشم کے خلوص کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا۔ اور لوگوں نے اسے لعنت ملامت کی، اسے غصہ آیا اور اس نے حضرت ہاشم سے اسکی شکایت کی۔ اور انھیں منافرت کی بھی دعوت دی، حضرت ہاشم نے اپنی بلند ظرفی کی وجہ سے اسے اپنی شان کے خلاف سمجھا لیکن قوم و قبیلہ کے مجبور کرنے کی وجہ سے منافرہ کو اس شرط پر منظور کیا، کہ جو مغلوب ہو وہ غالب کو پچاس سیاہ چشم اونٹ نحر کرکے کھلائے اور دس برس تک مکّہ کی سکونت کو ترک کر دے۔ اُمیّہ اس پر راضی ہو گیا۔ خزاعی مرد کاہن منصف مقرر ہوا، اس میں حضرت ہاشم غالب آئے۔ اور عہد کے مطابق اُنھوں نے اُمیّہ سے پچاس سیاہ چشم اُونٹ لیکر قربان کئے اور ان گوشت تمام حاضرین کو کھلایا۔ اُمیّہ اُسی وقت سے دس سال تک مُلکِ شام میں جلا وطن رہا۔ یہ دوسری وجہ تھی جو دشمنی کا بڑا سبب بنی۔ اتحادِ قبائل، بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہو گئے، اور بنو نوفل اور بنو عبدالشمس کا ایک جتھا بن گیا۔ طبقات ص۶۴۔

عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن اُمیّہ کی باہمی مخالفت: جب حضرت عبدالمطلب حضرت ہاشم کے بعد حاکم قوم ہوئے، تو اُنھوں نے چاہ زمزم کے متعلق جو اس وقت غائب تھا، ایک خواب دیکھا اور اس کی بنا پر گمشدہ چاہ زمزم کو کھودنا شروع کیا، اس خواب کو سُن کر ہی فریق ثانی اور اس کے بدخواہوں نے اس کی ہنسی اُڑائی، اور کوئی شخص بھی اس کام میں ان کا معاون نہ بنا۔ اس پر اللہ کے مخلص بندے حضرت عبدالمطلب نے اپنے اکلوتے بیٹے حرث کے ساتھ کھدائی شروع کی۔ بنو نوفل و بنو اُمیّہ نے انھیں اساف و نائلہ کے درمیان زمین کی کھدائی سے منع کیا اور روکا۔ مگر اُنھوں نے حرث کو فرمایا کہ انھیں ہٹا دو کہ ہم کنواں کھودنے سے نہیں رُکینگے۔ جب قریش نے یہ استقلال دیکھا تو وہ انھیں چھوڑ کر ہٹ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے کھودتے کھودتے زمزم کو پا لیا اور خوشی میں نعرہ تکبیر لگائے۔ جب اور کھودا تو سونے کے ہرن ملے جو جرہم نے مکّہ سے جاتے وقت چاہِ زمزم میں ڈالدیئے تھے، پھر تلواریں اور زرہیں بھی ملیں، جب قریش و بنو اُمیّہ

کو اس کی خبر لگی تو انھوں نے ان برآمد شدہ چیزوں میں سے اپنا حصّہ اور حق مانگا۔ لیکن حضرت عبدالمطلب نے دینے سے انکار کیا، آخر بنو اُمیہ نے ایک کاہنہ کو منصف مقرر کیا، اور دونوں فریق فیصلہ کیلئے اسکی طرف جا رہے تھے کہ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا۔ انھوں نے بنی اُمیہ اور ان کے طرفداروں سے پانی مانگا، لیکن انھوں نے پانی دینے سے انکار کیا، یہاں تک کہ بنو ہاشم اور انکے ساتھی ہلاکت کے قریب پہنچے۔ تب حضرت عبدالمطلب نے انھیں فرمایا کہ تم سب اپنی اپنی قبریں کھود لو تاکہ جب کوئی مرے تو اس میں دفن کر دیا جائے، چنانچہ وہ قبریں کھود کر موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ بیٹھ رہنا مردانگی نہیں، ذرا ہمت تو کریں، یہ خیال کر کے وہ اُونٹ پر بیٹھے۔ اُونٹ نے زمین پر پاؤں مارے تو وہاں پانی کا ایک چشمہ ظاہر ہوا۔ ان سب نے پیا اور اپنے مخالفوں کو بھی پانی دیا جنھوں نے اس سے پہلے انھیں پانی دینے سے انکار کیا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے مخالفوں نے کہا کہ اب ہم تم سے کچھ پرخاش نہیں کرتے اور سب مکہ لوٹ آئے۔ اور بنو اُمیہ وغیرہ زمزم اور حضرت عبدالمطلب سے دستبردار ہو گئے۔ مگر حسد ضرور پیدا ہو گیا۔

اس دور میں عبدالدار کے پوتے دولتمند ہو رہے تھے اس لئے اُنھیں بنو ہاشم کے اقتدار پر حسد ہوا، اور یہ خواہش ان میں پیدا ہوئی کہ بجائے ان کے یہ مکہ کے حاکم بن جائیں۔ ان کا حامی امیہ اور اس کی اولاد تھی۔ مگر کردار کی بلندی کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب مدّت العمر قریب نصف صدی تک مکہ کے واحد حاکم بنے رہے۔

بنو اُمیہ کی عداوت کے قریبی اسباب: آپ کی اولاد میں سے حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب ہوئے حضرت عبداللہ علیہ السّلام سے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دُنیا کو شرف دیا اور حضرت ابوطالب علیہ السّلام سے مولائے مومنین حضرت علی مرتضٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عالم کو نورِ امامت سے منوّر کیا۔

مرتے وقت حضرت عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے حضرت محمد رسُول اللہ صلعم کی کفالت حضرت ابوطالب سلام اللہ علیہ کے سپرد کی اور وہی آپ کے بعد مکہ کے حکمران ہوئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد حضرت علی شیرِ خدا علیہ السّلام خانہ کعبہ میں جلوہ فگن ہوئے، یہ دونوں چچیرے بھائی ایک ہی چھت کے نیچے حضرت ابوطالب اور حضرت فاطمہ بنت اسد کے زیر سایہ تربیت پاتے رہے۔ چالیس سال کے ہوئے تو حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رسالت کا دعویٰ کیا تب قریش یعنی بنو اُمیہ اور انکے طرفداروں نے آپ کی مخالفت کی، اور آپ کو نہ مانا۔ حضرت علی علیہ السّلام نے سب سے پہلے آپکی بیعت کی اور حضرت ابوطالب علیہ السّلام نے اپنی شفقت کا ہاتھ آپ کے سرِ مبارک سے نہ اُٹھایا، انکی زندگی میں تو بنو اُمیہ اور انکے قریش طرفدار ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، مگر انکی وفات کے بعد آپ بے سرپرست ہو گئے اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے انتقال سے گھر کا آرام بھی جاتا رہا، کفار نے بہ قیادت بنو امیہ آپ کو بہت تنگ کیا یہاں تک کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑی، اور یہ تب ہوئی، جبکہ حضرت ابوطالب علیہ السّلام کے فرزند ارجمند حضرت علی علیہ السّلام کو اپنی جگہ اپنے بستر پر سلایا۔

مدینہ میں بنو امیہ کی مخالفتیں ۔ مدینہ پہنچے ہی تھے اور ابھی سانس بھی نہ لیا تھا، کہ سرکردہ بنو اُمیہ ابوسفیان کی سپہ سالاری میں مدینہ پر حملہ ہو گیا۔ اس میں حضرت علی علیہ السّلام کے ہاتھ سے بنی امیہ کے بڑے بڑے لوگ مارے گئے، اس کا بدلہ ابوسفیان نے اُحد کی لڑائی میں لیا، اور اس کی بیوی نے حبشی کے ہاتھ سے حضرت رسالت پناہ اور حضرت ولایت پناہ کے

چچا حضرت حمزہ سلام اللہ علیہ کو اس بیدردی اور بربریت سے شہید کیا کہ خود اصبر الصابرین حضرت رسالت پناہ آپکی نعش مبارک کو دیکھ کر زار و قطار روئے۔ اسی طرح بنو امیہ نے جنگوں کا سلسلہ ابوسفیان کی قیادت میں جاری رکھا۔ اور مارتے اور مارے جاتے رہے، اور یہ عجیب بات ہے کہ ان لڑائیوں میں زیادہ مقابلہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے ہی ہوتا رہا، اور رسالت پناہ چونکہ سردار تھے، اس لئے اموی یہ سمجھتے تھے کہ یہ انہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اس لئے رسول اور ان کے خاندان سے انکی دشمنی بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ اس وقت تک حضورؐ کے چچا عباس بھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اس لئے دشمنی کا مرکز حضرت علی اور ان کے بھائی حضرت جعفر طیار سلام اللہ علیہ ہی تھے۔ جب ابوسفیان اکیلا نور خدا کو بجھانے میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے عرب کی دوسری قوموں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور جنگ احزاب یعنی خندق کی۔ اس آگ کو فرو کرنے کا کام بھی حضرت علی علیہ السلام ہی نے کیا۔ جبکہ آپ نے عمرو بن عبدود کفار کے رستم دستان کو فی النار کیا۔ اس کے بعد فتح مکہ ہوئی۔ جس میں ابوسفیان نے دیکھا کہ ہوا کا رخ بدل گیا ہے، اس لئے وہ بھی اوپر اوپر بدلا اور کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا، اور مولفۃ القلوب اور طلیق آزاد کردہ حضرت رسولؐ بنا۔ خاندانی دشمنی اور اپنی ذاتی دشمنی دل میں رہی یہاں تک کہ حضرت رسالت پناہ کا وصال ہو گیا، اور بنی تیم کے ہاتھ میں خلافت آئی۔ اسلئے انہوں بنو ہاشم کو دبائے رکھا اور ظاہر ہے کہ بنو امیہ کو ابھارا ہی ہوگا۔ دوسری خلافت بنی عدی میں گئی۔ تو ابوسفیان کی اولاد اسی شام کی گورنری پر مامور ہوئی جہاں یہ پہلے بہ حیثیت جلاوطن گئے تھے۔ تیسری خلافت خود بنو امیہ میں ہی آگئی، اور تب انھوں نے جو فتنہ سامانیاں کیں، انھوں نے بیچارے خلیفہ ہی کی جان لے لی اور بہت بھاری فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ چوتھی خلافت بنو ہاشم میں آئی۔ تو یہی بنو امیہ معاویہ کی قیادت میں لڑائی کرنے نکل آئے، پہلے بحیثیت کافر بنو ہاشم سے لڑے اب بہ حیثیت مسلمان بنی ہاشم سے لڑے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے، تو انھوں نے ہی انہیں زہر سے شہید کیا، اور کربلا میں جو کچھ کیا اس کے لئے صاف کہہ دیا کہ کاش انکے بڑے بڑے جو بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو فعل یزید پر مرحبا کہتے اسی دشمنی کا نتیجہ تھا کہ بنو امیہ نے اسی سال حضرات اہلبیت علیہم السلام پر سب و شتم، گالی و گلوچ کیا، اور ان کے نام لیواؤں کو چن چن کر شہید کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بنو امیہ کا نام و نشان صفحۂ دنیا سے مٹا دیا اور اہل بیت کا نور اب تک روشن ہے۔ ؎ فانوس بن کے آپ حفاظت خدا کرے۔ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

حضرت علیؑ کی مخالفت میں معاویہ کی سازشیں

ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے، انکی مخالف میں عرب کا جو خاندان سب سے زیادہ پیش پیش اور ادھار کھائے بیٹھا تھا، وہ بنی امیہ تھا، اس کے افراد ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ اگر داؤں لگے، تو خاندان رسالت علی و اولاد علی کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیں۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم ہر دو خاندان کی دشمنی اور مخالفت کا پس منظر تاریخ کامل ابن اثیر جزری میں یوں لکھا ہے:۔ ان عبد الشمس وھاشم توامان احد ھما ولد قبل الاخر واصبع لہ ملتصقہ بجبھۃ صاحبہ فنحیت فسال الدم فقیل یکون بینھما دم وولی ھاشم بعد

ابیہ عبد مناف ما کان الیہ من السقایۃ والرفادہ فحسدہ اول عداوۃ وقعت بین ھاشم وامیہ۔
ترجمہ:۔ عبدشمس اور ہاشم توام تھے۔ ان میں ایک دوسرے سے کچھ دیر پہلے پیدا ہوا تھا، ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی سے چسپاں تھی، جس کو جُدا کیا گیا، تو خون جاری ہوا، لوگ اس کو بدشگونی سمجھ کر، کہنے لگے "ان دونوں کی نسل میں خونریزیاں ہونگی۔ ہاشم اپنے باپ عبدمناف کے بعد انکی ریاست یعنی خانہ کعبہ کے عہدہ سقایہ و رفادہ کے متولی ہوئے، اُمیّہ بن عبدشمس کے دل میں انکی طرف سے حسد پیدا ہوا، اور جو عداوتیں ان دونوں خاندانوں میں رہیں اسکی ابتدا یہیں سے ہوئی"۔

یہ روایت صحیح ہو یا غلط اور آپ اسے مانیں یا نہ مانیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم دونوں خاندانوں کی باہمی دشمنی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ لوگ اسے قدرتی سمجھنے لگے تھے اس دشمنی میں بھی بنی اُمیّہ کا حسد ہی کارفرما تھا، اور وہ بھی بنی ہاشم کے خاندان کی وجاہت اور ریاست سے جل بھن کر، تاریخیں گواہ ہیں، اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ہاشم کے فضائل اور مناقب تمام مُلک عرب میں شہرت پا چکے تھے۔ وُہ قریش کے با اثر اور ممتاز سردار تسلیم کئے جاتے تھے۔ عبدمناف کے بعد کعبۃ اللہ کی خدمات انہی کے ذمہ قرار پائیں۔ آپ نے مُلکی تجارت کو نئے سرے سے منظم کیا۔ اور ارد گرد کے بادشاہوں اور حکمرانوں سے قبائلی طریق پر تجارتی معاہدے کئے۔ لوگوں میں وہ ہردلعزیز تھے۔ ایک دفعہ سخت قحط پڑا، "مکّہ" والے بھوکوں مرنے لگے، آپ نے شام سے روٹیاں لا کر ان کے ٹکڑے شوربے میں بھگو بھگو کر لوگوں کو کھلائے۔ جس سے ان کا نام ہی "ہاشم" یعنی روٹی کو چورا کرنے والا پڑ گیا۔ یہ وُہ چیزیں تھیں، جو انھیں لوگوں میں ہردلعزیز اور مقبول بنائے ہوئے تھیں۔ عبدشمس اور ان کا بیٹا اُمیہ ان کی ترقی، عروج، شہرت، ناموری اور ہردلعزیزی دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ اور ان کو نیچا دکھانے کے لئے ہر امکانی کوشش کرنے لگے لیکن ہاشم اور ان کی اولاد کا کردار اس قدر بلند اور عالی تھا اور نفس ایسا پاکیزہ کہ انھوں نے کبھی بنی اُمیّہ کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی۔ تاریخ اس قسم کے واقعہ سے قطعاً خاموش ہے۔

معاویہ بنی اُمیّہ کے گھرانے کا چشم وچراغ تھا، درحقیقت یہ خود اور اس کا باپ ابوسفیان سچے مسلمان بھی نہ تھے علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔ اسلم ھو وابوہ یوم فتح مکۃ وشھد حنیناً وکان من مؤلفۃ القلوبھم (تاریخ الخلفاء ص۱۴۶) یعنی معاویہ اور اس کا باپ ابوسفیان (ظاہری طور پر) اسلام لایا" معاویہ اور ابوسفیان دونوں باپ بیٹا برابر رسول اللہ سے جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک رسول اللہ صلعم نے ۸ھ ہجری میں مکہ پر چڑھائی کی جس میں ابوسفیان گرفتار ہوگیا۔ اور حضرت عباس عم رسول اللہ نے سمجھایا کہ دیکھ مسلمان ہو جا، ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ تب اس نے کلمہ پڑھ لیا، اس کے ساتھ ہی معاویہ نے بھی کلمہ پڑھا۔ ان کے کلمہ پڑھ لینے کے ایک سال بعد جنگ حنین ہوئی۔ جب مسلمان رسول اللہ کو چھوڑ کر ثم ولیتم مدبرین ہو گئے، اور صرف چار آدمی علیؑ، ابن مسعود اور دو بنی ہاشم رہ گئے۔ تو یہی ابوسفیان کہہ رہا تھا۔ الآن بطل سحر محمد یعنی اس وقت محمد کا جادو باطل ہوگیا (معاذ اللہ) جنگ روم میں جب نصاریٰ مسلمانوں پر حملہ کرتے تو ابوسفیان خوش ہو کر بغلیں بجاتا، حالانکہ بظاہر مسلمان ہو چکا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ اسلام کیسا تھا۔ (الہاویہ للمعاویہ ص۲۹)۔

جب تک رسول مقبول صلعم زندہ رہے، بنی اُمیّہ کو کھلم کھلا سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، کیونکہ مخالفت

رسول میں کفار کی فوجوں کے علمبردار رہ کر وہ زک پر زک اٹھا چکے تھے، اور خوف کی وجہ سے مولفۃ القلوب لوگوں میں شامل ہو کر اپنی جان اور مال کی حفاظت کر چکے تھے، البتہ مخالفتِ رسول و آلِ رسول، علی و اولادِ علی کی آگ دلوں میں سلگتی رہی۔ معاویہ بہت سیاستدان، دانا دشمن تھا۔ علامہ شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ تمام عرب میں صرف چار شخص ایسے تھے جن کی سیاستدانی مشہور تھی لوگ انھیں "دہاۃ العرب" کہا کرتے تھے۔ (اول) معاویہ بن ابوسفیان، (دوسرا) مغیرہ بن شعبہ، (تیسرا) زیاد بن سمیہ (چوتھا) عمرو بن العاص۔ یہ چاروں حضرت عمر کے زمانہ میں بڑے مرتبہ پر فائز تھے۔ معاویہ کو کون نہیں جانتا۔ حضرت عمر نے اس کے بھائی یزید بن ابوسفیان کے مرنے پر اسے شام کا گورنر بنا دیا تھا۔ معاویہ کو علیؑ و اولادِ علیؑ سے دشمنی کرنے کا موقعہ مل گیا، اس نے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔ رعایا کی گاڑھی کمائی رشوتوں کی نذر ہو گئی، اور اس طرح معاویہ نے نہ صرف شامی بلکہ کوفیوں کو بھی اپنے روپیہ سے خرید کر علی کے خلاف زر و جواہر کی تقسیم سے ایک جماعت پیدا کر لی۔ رسُول کریمؐ کی وفات کے بعد عرب کے ان سیاستدانوں معاویہ وغیرہ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بنی ہاشم کو ہمیشہ امُورِ سلطنت سے علیحدہ رکھا جائے۔

معاویہ چونکہ فی الحقیقت مُسلمان نہ تھا، اس لئے موقعہ ملتے ہی اس نے حقیقی اسلام محمدیہ کے ساتھ ساتھ معاویہ شاہی متوازی اسلام چلا لیا، آلِ رسُولؐ علیؑ اور اولادِ علیؑ سے اپنے مقتولین بدر و احد کا بدلہ لینے کے لئے اس نے انکے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا۔ سب سے پہلی سازش جو بیحد کارگر ہوئی اور معاویہ شاہی اسلام کا اصل اُصول قرار پائی یہ تھی کہ لوگوں کو قرابتدارانِ رسولؐ سے نفرت اور حقارت دلائی جائے، وہ علی اور اولادِ علی کے محامد و مناقب جو قرآن مجید میں نازل ہوئیں پڑھ چکا ہوا تھا، اور ان آیات کی تفسیر زبان فیض ترجمان آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن چکا تھا، اسے وہ سب حدیثیں ازبر تھیں، جو شانِ علیؑ و اولادِ علیؑ میں سرکار رسالتمآب صلعم نے ارشاد فرمائی تھیں۔ اسے معلوم تھا، کہ خُداوند تعالیٰ سے اطلاع پا کر جناب ختمی مرتبت نے فضائلِ علی میں ولاتحصے ولاتعد احادیث بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) مثل علی فی هذه الامة کمثل الکعبة النظر الیها عبادة والحج الیها فریضة۔ (مناقب ابن مغازلی)۔ علی اس اُمت میں مثل کعبہ کے ہے۔ اس کی طرف نظر کرنا عبادت ہے، اور اس کا حج فرض ہے۔ (۲) انت بمنزلة الکعبة تؤتی ولا تاتی فان اتاك هؤلاء القوم فسلموك هذا الامر فاقبل منهم وان لم یاتوك فلا تاتهم حتی یاتوك۔ (اسد الغابہ، فردوس الاخبار دیلمی)۔ آنحضور صلعم نے فرمایا: اے علی تو بمنزلہ کعبہ کے ہے، چاہیئے کہ لوگ تیرے پاس آئیں نہ کہ تو لوگوں کے پاس جائے۔ پس اگر یہ قوم تیرے پاس آکر امرِ خلافت کو تیرے سپرد کریں، تو ان سے قبول کر لو۔ اور اگر نہ آئیں، تو تو ان کے پاس مت جائیو، یہاں تک کہ وہ خود تیرے پاس آئیں۔ (۳) مثل علی فی الناس مثل قل هو الله فی القرآن۔ (فردوس الاخبار دیلمی)۔ علی کی مثال لوگوں کے درمیان ایسی ہے، جیسے کہ قل ہو اللہ قرآن میں۔ (۴) علی باب حطة من دخله کان مومنا ومن یخرج کان کافراً (دارقطنی)، علی باب حطہ ہے۔ (یعنی گناہوں کے کفارہ کا دروازہ ہے) جو شخص اس میں داخل ہوا، وہ مومن ہے۔ اور جو شخص اس سے نکل گیا، وہ کافر ہے۔ (۵) قال رسول اللہ المبارزة علی ابن ابی طالب علی العمرو بن عبدود یوم الخندق ضربة علی افضل من عمل امتی الی یوم القیامة۔ (فردوس الاخبار دیلمی)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

نے خندق کے روز عمرو بن عبدود کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام کے مقابلہ کرنے کی نسبت فرمایا: تمام ان اعمال سے جو قیامت تک میری اُمّت کے لوگ کرتے رہینگے علیؑ کی یہ ایک ضرب افضل ہے۔

(۶) علی منی وانا منہ ولا یودی عنی الا انا او علی (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ علی مجھ سے ہے اور مَیں علیؑ سے ہوں۔ مجھ سے کوئی ادا نہیں کر سکتا مگر میں خود یا علی علیہ السلام۔

(۷) قال رسول اللہ صلعم لیلۃ اسریٰ بی الی السماء نظرت الی ساق العرش الایمن فرایت کتابا فھمتہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی ونصرتہ (اشفا قاضی عیاض)۔ فرمایا جناب سرور کائنات صلعم نے کہ شب معراج جب ہمارا گذر آسمانوں پر ہوا تو عرش مجید کی داہنی ساق پر لکھا ہوا پایا جس کے معنی ہمیں سمجھ میں آئے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خُدا کے رسول ہیں، انکی تائید اور نصرت کے لئے علی پیدا کئے گئے ہیں۔

(۸) عن ابو ھریرۃ فی قولہ تعالیٰ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین قال قال رسول اللہ صلعم مکتوب علی العرش لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی ورسولی ایدتہ بعلی بن ابی طالب۔ (حلیہ ابونعیم تفسیر درمنثور سیوطی) ابو ہریرہ سے تفسیر میں قول اللہ تعالیٰ کے کہ اس نے تیری تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں کے ساتھ منقول ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا۔ عرش پر لکھا ہوا ہے کہ نہیں معبود سوا اللہ کے در آنحالیکہ وہ واحد ہے کوئی اس کا شریک نہیں، محمد میرا بندہ ہے اور میرا رسُول ہے۔ میں نے علی بن ابی طالب کے ساتھ اس کی تائید کی ہے۔

(۹) علی باب علمی ومبین لامتی ما ارسلت بہ من بعدی حبہ ایمان بغضہ نفاق مودتہ عبادۃ (فردوس الاخبار دیلمی) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ علی میرے علم کا دروازہ ہے اور جس بات کے لئے میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری اُمّت پر ظاہر کرنے والا ہے اس کی محبّت ایمان، اس سے بغض رکھنا نفاق اور اس کی دوستی عبادت ہے۔

(۱۰) النظر الی وجہ علی عبادۃ (نزول الابرار علامہ بدخشی) فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوبکر، حضرت عثمان اور ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں۔

(۱۱) من فارق علیا فقد فارقنی ومن فارقنی فارق اللہ عزوجل (مناقب خوارزمی۔ فردوس الاخبار دیلمی) فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے کہ جس نے علی (علیہ السلام) کو چھوڑا، اس نے مجھ کو چھوڑا، اور جس نے مجھ کو چھوڑا، اس نے خدا کو چھوڑا۔

(۱۲) عاد اللہ من عاد علیا۔ خُدا اس سے دشمنی کرتا ہے جو علی سے دشمنی کرتا ہے۔

(۱۳) من ینقص علیا فقد ینقصنی۔ (فردوس الاخبار دیلمی) جس نے علی کی شان گھٹائی اس نے میری شان گھٹائی۔

(۱۴) من حسد علیا فقد حسدنی ومن حسدنی فقد کفر (اخرجہ ابوبکر ابن مردویہ) جس نے علیؑ سے حسد کیا اس نے مجھ سے حسد کیا، جس نے مجھ سے حسد کیا، وہ کافر ہوا۔

(۱۵) من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع علیا فقد اطاعنی ومن عصاہ فقد عصانی (مستدرک حاکم)۔ جس نے میری اطاعت کی اُس نے خُدا کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی، اس نے خُدا کی نافرمانی کی۔ جس نے علی کی اطاعت کی، اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے علیؑ کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

(۱۶) اللّٰھم انصر من نصر علیا اللّٰھم کرم من اکرم علیا اللّٰھم اخذل من خذل علیا (فردوس الاخبار دیلمی)۔ اے خدا جس نے علیؑ کی مدد کی، تو اس کی مدد کر اور جس نے اسے بزرگ سمجھا تو اُسے بزرگ قرار دے۔ اور جو علیؑ کو چھوڑے، تو اُسے چھوڑ دے۔

(۱۷) نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی علی والحسن والحسین وفاطمہ وقال انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم (ترمذی وغیرہ)۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی وحسنین اور جناب فاطمہ (علیہم السلام) کی طرف دیکھ کر فرمایا: کہ میں لڑنے والا ہوں، اُس سے جو تم سے لڑے اور صلح کرنے والا ہوں، اُس سے جو تم سے صلح کرے۔

(۱۸) قال رسول اللہ صلعم لعلی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق (نسائی وغیرہ) فرمایا: رسُول اللہ صلعم نے علیؑ سے کہ تجھے نہیں دوست رکھیگا مگر صرف مومن اور نہیں دشمن رکھیگا، مگر منافق۔

(۱۹) من اذیٰ علیاً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذیٰ اللہ۔ (استیعاب) جس نے علیؑ کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

(۲۰) من سب علیاً فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ ومن سب اللہ ادخلہ اللہ النار ولہ عذاب مھین۔ جس نے علی کو گالی دی یا بُرا کہا اُس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی، اُس نے خُدا کو گالی دی، اور جس نے خُدا کو گالی دی، خُدا اسے دوزخ میں ڈالے گا، اس کیلئے سخت دردناک عذاب ہے۔

(۲۱) من احب علیاً فقد احبنی ومن احبنی فقد احب اللہ ومن اغضب علیاً فقد اغضبنی ومن اغضبنی فقد اغضب اللہ عز وجل۔ (طبرانی)۔ جس نے علیؑ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی اُس نے خُدا سے محبت کی، اور جس نے علیؑ کو غضبناک کیا، اُس نے مجھے غضبناک کیا، اور جس نے مجھے غضبناک کیا، اُس نے خُداوند تعالیٰ کو غضبناک کیا۔

(۲۲) ان السعید کل السعید من احب علیاً فی حیاتہ وبعد موتہ وان الشقی کل الشقی من ابغض علیاً فی حیاتہ وبعد موتہ۔ (فردوس الاخبار دیلمی)۔ تحقیق نیک بخت وہی شخص ہے جو علیؑ کو دوست رکھتا ہے، اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد اور بیشک پورا بدبخت وہی شخص ہے، جو علی (علیہ السلام) کو دشمن رکھتا ہے اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد۔

(۲۳) لوان عبداً اعبد اللہ عزوجل مثل ما قام نوح وکان لہ مثل احد ذھباً فانفقہ

فی سبیل اللّٰہ ومدّ فی عمرہ حتی یحج الف حج علی قدمیہ ثم قتل بین الصفا والمروۃ مظلوماً ثم لم یوالک یا علی لم یشمر رائحۃ الجنۃ ولم ید خلہا۔ (فردوس الاخبار دیلمی)۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اگر کوئی خدا کا بندہ اللہ عزوجل کی اتنی عبادت کرے کہ جس قدر نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم میں قیام فرما کر کی ہے۔ اور اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے پھر اس کی عمر اس قدر دراز ہو کہ پیادہ پا ایک ہزار حج کرے۔ اور پھر صفا و مروہ کے درمیان مظلوم مارا جائے۔ پھر اگر یا علی تجھے دوست نہ رکھتا ہو، تو وہ جنت کی بو نہیں سونگھ سکیگا اور نہ اس میں داخل ہو سکے گا۔

(۲۴) عنوان صحیفۃ المؤمن حب علی ابن ابیطالب (فردوس الاخبار دیلمی) مومن کے نامۂ اعمال کا عنوان علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کی محبت ہے۔

(۲۵) لو اجتمع الناس علی حب علی بن ابی طالب لما خلق اللّٰہ عزوجل النار۔ (فردوس الاخبار دیلمی) فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اگر لوگ علیؑ کی محبت پر مجتمع ہو جاتے، تو اللہ تعالیٰ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

(۲۶) خلق اللّٰہ تعالیٰ قضیباً من نورٍ قبل ان یخلق الدنیا باربعین الف عام فجعلہ امام العرش حتی کان اول مبعثی نشق منہ نصفاً فخلق منہ نبیکم فالنصف الاخر علی بن ابی طالب۔ (تاریخ خطیب بغدادی کفایۃ الطالب) فرمایا: سرور انبیاء صلعم نے کہ دُنیا کی پیدائش سے چالیس ہزار سال پہلے خدا تعالیٰ نے ایک نور کی چھڑی پیدا کر کے عرش کے سامنے گاڑ دی۔ یہاں تک کہ میری پیدائش کا آغاز ہوا۔ اس سے آدھی کو توڑ کر تمہارے نبی کو پیدا کیا۔ اور دُوسرے آدھے ٹکڑے سے علی بن ابی طالب کو بنایا۔

(۲۷) خلقت انا وعلی من نورٍ واحد۔ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ مَیں اور علی ایک ہی نور سے پیدا ہوئے۔

(۲۸) ان اللّٰہ تعالیٰ خلق ملائکۃ من نور وجہ علی بن ابی طالب۔ (مناقب خوارزمی)۔ روایت کی حضرت عمر نے حضرت عثمان بن عفان کے حوالہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو علی بن ابی طالب کے منہ کے نُور سے پیدا کیا ہے۔

(۲۹) علی منی بمنزلۃ الراس من جسدی۔ (اخرجہ الخطیب)۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ علی (علیہ السلام) مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ سر میرے جسم سے۔

(۳۰) ان ولدک ولدی ولحمک لحمی ودمک دمی دان الحق علی لسانک وفی قلوبک۔ اے علی! تیری اولاد میری اولاد ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ تیرا خون میرا خون ہے۔ اور بے شک سچ تیری زبان پر اور تیرے دل میں ہے۔

معاویہ نے عبداللہ بن عباس کا یہ قول بھی سُنا ہوا تھا۔ جو کتاب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں امام ابو عمر یوسف بن عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں کہ:۔ عن ابن عباس قال لعلی اربعۃ خصال لیست لاحد غیرہ ھو اول عربی وعجمی صلی مع رسول اللّٰہ صلعم وھو الذی کان لواءہ معہ فی کل زحف

وھو الذی صبر معہ یوم فر عنہ غیرہ و ھو الذی غسلہ وادخلہ فی قبرہ۔ عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ علی کو چار خصوصیتیں ایسی حاصل تھیں کہ ہم میں سے کوئی اس میں حصہ دار نہیں :۔ (۱) کل عرب و عجم میں علی ہی وہ شخص ہیں، جن کو سب سے پہلے رسولِ مقبول کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف ملا۔ (۲) ہر معرکۂ جنگ میں لوائے نبوی ان کے ہاتھ میں رہا۔ (۳) جب سب لوگ لڑائیوں میں رسولِ مقبولؐ کو چھوڑ کر بھاگے، تو آپ ان کی رفاقت میں ثابت قدم رہے۔ (۴) آپ ہی نے رسولِ مقبولؐ کو غسل دیا اور قبر میں اُتارا۔

حضرت علی علیہ السلام کے یہ فضائل معاویہ کو حسد کی آگ میں جلانے کے لئے کچھ کم نہ تھے کہ اس نے آنحضورؐ صلعم کی زبان مبارک سے اپنی شان میں بھی کچھ سُنا۔ جس میں سے کچھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

(۱) قد راہ مقبلاً علی حمار و معاویہ یقود بہ و یزید ابنہ یسوق بہ فقال لعن اللہ القائد والراکب والسائق (طبری) یعنی دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انے ابو سفیان کو ایک گدھے پر آتا ہوُا، کہ معاویہ آگے سے کھینچتا ہے، اور یزید اس کا بھائی پیچھے سے ہنکاتا ہے، تو فرمایا رسول اللہ صلعم نے خُدا .... کرے کھینچنے والے اور ہانکنے والے اور سوار پر۔

(۲) عن رسول اللہ قال یطلع من ھذا الفج من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ ومن الحدیث المشھور المرفوع قال معاویۃ فی تابوت من النار فی درک من جھنم ینادی یا حنان یا منان فیقال لہ الآن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین۔ ھکذا ذکرہ الطبری و ابن ابی الحدید)۔ یعنی فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہ معاویہ کی موت غیر شریعت پر ہو گی (یعنی مُسلمان نہیں مریگا) اور یہ حدیث مشہور اور مرفوع ہے، کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ معاویہ ایک آتشی صندوق میں طبقۂ جہنم میں ہو گا۔ اور چلائے گا یا حنان یا منان۔ پس ملائکہ جواب دیں گے کہ اب خُدا کو پکارتا ہے تو نے خُدا کی نافرمانی کی، اور تو مفسدین میں سے تھا، اور اسی سزا کے لائق ہے۔ اور اس طرح ذکر کیا ہے طبری نے۔

(۳) استیعاب برحاشیہ اصابہ فی معرفتہ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۳ مطبوعہ مصر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاویہ کو بلا بھیجا، لیکن وہ کھانا کھا رہا تھا۔ تین بار بلانے والا گیا لیکن وہ کھانا کھاتا رہا اور نہ آیا۔ اس پر آنحضور صلعم نے فرمایا: لا اشبع اللہ بطنہ۔ خُدا معاویہ کا پیٹ نہ بھرے۔ معاویہ جس کے دل میں علیؑ و اولادِ علیؑ کے ساتھ خاندانی بغض و عناد تھا۔ علیؑ کے فضائل اور اپنے معائب زبانِ رسُولؐ سے سُن کر حسد کی آگ میں جلتا بھنتا رہا۔ چنانچہ جب وہ برسرِ اقتدار ہوُا، تو جیسا کہ اُوپر لکھ آیا ہوں۔ علیؑ و اولادِ علیؑ سے انتقام لینے کی جد و جہد میں اس نے جو سازشوں کا جال پھیلایا تھا، اس میں سب سے پہلی سکیم یہی تھی کہ لوگوں کے دلوں سے اہلبیتِ رسولؐ کی قدر و منزلت کم کر دی جائے۔ اس امر کو بروئے کار لانے کے لئے یہ چیز مشہور کر دی گئی کہ پیغمبرِ اسلام کی قرابت کسی کو نفع نہیں دے سکتی۔ یہ سکیم بے حد کارگر ہوئی۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ان سازشوں کا دوسرا حربہ یہ تھا کہ علیؑ کے نام لیوؤں میں دہشت پھیلا کر انہیں مرعوب کیا جائے۔ اس مقصد کے

حصول کے لئے اس نے زیاد بن سمیہ کو جو زیاد بن ابیہ (زیاد اپنے باپ کا بیٹا) کے نام سے پکارا جاتا تھا، اپنا آلۂ کار بنالیا
یہ زیاد پہلے ہی حضرت علیؑ کی مخالفت میں معاویہ کا دستِ راست تھا، اور عراق کے دوستانِ علی سے بخوبی واقف
تھا، معاویہ نے اس کی خدمات سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ اور دو چار جھوٹی سچی شہادتیں پیش کرا کر اس کو ابوسفیان کا بیٹا
ثابت کرا دیا۔ اس نے بنی اُمیّہ کے خاندان کی ایک فرد بن کر آلِ محمد و شیعیانِ آلِ محمد پر جو ظلم کئے وہ تاریخ اسلام پڑھنے
والوں سے مخفی نہیں ہیں۔ عبید اللہ ابن زیادہ جو امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کے وقت کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی رسوائے
عالم باپ کا رسوائے عالم بیٹا تھا۔ مؤرخ ابوالفداء نے اس واقعہ کو کسی قدر عریانی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

استلحق معاویۃ زیاد بن سمیۃ جاریۃ للحارث بن کلدہ الثقفی فزوجہا لعبد لہ رومی یقال لہ
عبید فولدت سمیۃ زیاداً علیٰ فراشہ۔ معاویہ نے زیاد بن سمیۃ کو اپنے نسب میں داخل کر کے اپنا
بھائی بنالیا تھا۔ سمیۃ مذکورہ حارث بن کلدہ ثقفی کی کنیز تھی۔ حارث نے اس کی شادی اپنے رومی غلام عبید سے
کردی تھی۔ زیاد کی ولادت اسی گھر میں ہوئی۔" وکان ابوسفیان قد سار فی الجاھلیۃ الی الطائف
فنزل علی السان بیع الخمر یقال لہ ابو سفیان قد اشتھت النساء فقال ابو مریم ھل بک
فی سمیۃ فقال ابوسفیان ھاتہا علی طول ثدیہا و وفر بطنہا فوقع علیہا فیقال انہا علقت
منہ بزیاد۔ اور ابوسفیان ایام جاہلیت میں طائف گئے، تو ابو مریم نام ایک شراب فروش کے ہاں اُترے
(شراب کے جام پر جام چڑھانے کے بعد جب نشہ میں چُور ہوئے) تو ابو مریم سے کہا کہ کوئی عورت بھی لا دو۔ ابو مریم نے
جواب دیا، کہئے تو سمیۃ کو بلا دوں، ابوسفیان نے کہا: خیر وہی سہی ...... غرض یوں زیاد کا حمل قرار پایا۔

اپنے دَورِ حکومت میں معاویہ نے ایک مجلس منعقد کی، اور بہت سے لوگوں کی شہادت لے کر زیاد بن سمیۃ کو
ابوسفیان کا بیٹا قرار دیکر اپنا بھائی بنالیا۔ زیاد نے اپنے بیٹے کا نام عبید اللہ اپنے باپ عبید کی مناسبت
سے رکھا تھا۔ علیؑ و اولاد علیؑ کے نام لیواؤں پر جو ظلم اس زیاد بن سمیۃ نے معاویہ کی سوچی سمجھی ہوئی سازش
کے ماتحت کئے وہ ذیل کی روایات میں ملاحظہ فرمایئے:۔

کان اشد الناس بلاء حینئذ اھل الکوفۃ لکثرۃ من بہا من شیعۃ علی فاستعمل علیہم
زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ فکان یتبع الشیعۃ وھو بہم عارف لانہ کان منہم ایام علی
فقتلہم تحت کل حجر و مدر و اخافہم وقطع الایدی والارجل سمل العیون وصلبہم علی
جذوع النخل وطردھم و شردھم عن العراق فلم یبق بہا معروف عنہم۔ یعنی معاویہ کے دور
حکومت میں تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت میں اہلِ کوفہ مبتلا تھے۔ اس لئے کہ وہاں پر شیعیانِ علیؑ کثیر تعداد میں
موجود تھے۔ وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیۃ کو مقرر کیا گیا۔ اس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا اور وہ
ان کو پہچانتا بھی خوب تھا۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں وہ انہی کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کو جہاں پایا قتل کیا
اور ان کے ہاتھ پاؤں قطع کئے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھرائیں۔ اور ان کو درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق

سے جلا وطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف شخص ان میں سے باقی نہ رہا۔ (کتاب نصائح کافیہ ص۷۔ کتاب الاحداث مدائنی) یہ سب کچھ معاویہ نے حضرت علیؑ و اولادِ علی کے دوستوں اور طرفداروں کو خوفزدہ کرنے اور ان کی حمایت سے باز رہنے کے لئے کیا تھا۔ علیؑ کے نام لیوؤں کو دردناک سے دردناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ تاکہ وہ مرعوب ہو کر حضرت علی (علیہ السّلام) کا ساتھ چھوڑ دیں اور آپ کا نام تک نہ لیں۔ ان مظالم کی فہرست طویل ہے، ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) عبداللہ بن عباس کے دو کمسن بچے ماں کی گود میں ذبح کر دیئے گئے جس سے وہ دیوانی ہو گئیں (استیعاب عبدالبر ص۹۶)

وعدہ وعید۔ قید و بند۔ زہر خورانی۔ خفیہ قتل اور سولی سے ملک میں قبرستان ایسا سناٹا پیدا کیا جا رہا تھا۔ ظلم۔ وحشت و بربریت میں معاویہ کی ذہین طبیعت جولانیاں دکھا رہی تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ معاویہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت علیؑ کے دوستوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر پھرائے (اول راس فی الاسلام راس عمرو بن حمق الخزاعی نصب معاویہ۔ پہلا سر جو اسلام میں تشہیر کیا گیا وہ عمرو بن حمق الخزاعی کا تھا، (تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر از ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ص۲۳۲ مطبوعہ دہلی)۔ معاویہ نے خاندانِ رسالت علیؑ و اولادِ علیؑ کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کم کرنے کیلئے جو سازش کی، اسکی ایک شکل یہ بھی تھی، کہ مسجدوں کے منبروں پر علانیہ حضرت علی علیہ السّلام پر تبرا حکماً جاری کر دیا۔ چنانچہ تاریخ ابوالفدا جلد اول ص۹۶ پر ہے: وکان معاویہ وعمّاله یدعون بعثمان فی الخطبة یوم الجمعة ویسبون علیاً ولمّا کان المغیرة متولی فی الکوفة کان یفعل ذلک طاعته لمعاویة۔ یعنی معاویہ اور اس کے عامل جمعہ کے خطبہ میں دعائیں کرتے تھے حضرت عثمان کیواسطے اور لعنت و سبّ (گالیاں دینا) کرتے تھے، حضرت علی پر۔ اور مغیرہ حاکم کوفہ بھی بسبب اطاعت معاویہ خوشنودی معاویہ کے لئے حضرت عثمان کے حق میں دعا کرتا اور حضرت علی پر لعنت کرتا تھا۔

علیؑ و اولادِ علیؑ پر گالیوں کا یہ سلسلہ جو معاویہ نے جاری کیا تھا، مدت مدید تک جاری رہا۔ تا اینکہ عمر بن عبدالعزیز کے وقت بند کرایا گیا۔ کان خلفاء بنی امیه یسبون علیاً من سنة احدی واربعین وهی السنة التی خلع الحسن۔ تاریخ ابوالفدا عربی جلد ۱ ص۲۱۲ مولوی شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ جلد اول ص۶۴ پر لکھا ہے کہ "نوے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک جامع مسجد میں آلِ محمدؐ کی توہین ہوتی رہی۔ اور ہر جمعہ حضرت علی پر لعن ہوتا رہا"۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی نے محرم نامہ ص۴۷ اور ص۹۲ پر بحوالہ عقد الفرید تسلیم کیا ہے، کہ معاویہ حضرت علی پر لعن کرتا اور کراتا تھا۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۶ اور خصائص نسائی ص۸ سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس لعن بازی کا اثر یہ ہوا کہ لوگ علی اور اولادِ علیؑ کی شخصیت بھول گئے۔ شام کا تو یہ حال تھا کہ وہاں کوئی آلِ محمدؐ کے نام سے بھی واقف نہ رہا۔ ان کے نزدیک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عزیز قریب جو کچھ بھی تھے وہ معاویہ اور ان کی اولاد ہی تھی۔ چنانچہ معاویہ "خال المومنین" کے نام سے مشہور ہوا۔

تاریخ مروج الذہب مسعودی میں ایک مشہور حکایت ہے، کہ "فارغ البال شامیوں کا ایک گروہ علی کے متعلق

گفتگو کر رہا تھا، جتنے منہ تھے اُتنی ہی باتیں تھیں۔ مگر حقیقت حال کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ اِتنے میں ایک بڈھا آموجود ہوا۔ لوگوں نے کہا: "اجی یہ تو مجسم تاریخ ہیں انھیں سے نہ پوچھ لیں کہ علی کون تھے"۔ وہ بولے: "ہاں ہاں مجھے خبر ہے۔ ارے فاطمہ کا باپ۔ عائشہ کا بیٹا علی جو مکہ کے اونٹ چرا کر مدینہ میں بیچتا تھا۔ اور رسول اللہ کے ساتھ جنگ اُحد میں مارا گیا۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے، جو تقریباً کُل تاریخوں میں مرقوم ہے کہ کسی نے علی کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون تھے؟ تو ایک شامی نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں وہ مکہ کا ایک بہت نامی گرامی چور اور ڈاکو تھا"۔

معاویہ کی ان سازشوں اور حیلہ جوئیوں کا جواب حضرت علیؑ کے پاس موجود تھا لیکن وہ اسلام میں انھیں جائز نہ سمجھتے تھے، چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:- واللہ ما معاویۃ بادھی منی ولکنہ یغجر ویغدر ولولا کراھیۃ الغدر لکنت ادھی الناس۔ (نہج البلاغہ) "خُدا کی قسم معاویہ کچھ مجھ سے زیادہ ہوشیار نہیں ہے، مگر بات یہ ہے کہ وہ فسق وفجور اور دغا فریب تک سے نہیں چوکتا۔ اگر مجھے دغا فریب سے فطری نفرت نہ ہوتی، تو تم دیکھتے کہ دُنیا میں میرے برابر ایک بھی ہوشیار اور چالاک نہ نکلتا۔ کیا کروں اصول اسلام پر جان دیتا ہوں! اخلاقِ حسنہ پھیلانے آیا ہوں۔ عیاریوں اور مکاریوں کے ذریعہ سے دُنیا کمانے نہیں آیا)۔ (نہج البلاغہ)

معاویہ نے اپنے حصولِ مطلب کے لئے ایک اور چال چلی، اور وہ عمرو عاص کو گانٹھنا تھا، چنانچہ معاویہ نے اسے بلانے کے لئے خط لکھا۔ جس کا جواب اس نے یہ دیا:- فکتب الیہ عمرو۔ اما بعد فانی قرات کتابک فھمتہ فاما ما دعوتنی الیہ من خلع ربقۃ الاسلام من عنقی والتھور معک فی الضلالہ واعانتی ایاک علی الباطل واختراط السیف فی وجہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب وھو اخو رسول اللہ ولیہ ووصیہ ووارثہ وقاضی دینہ ومنجز وعدہ وصھرہ علی ابنتہ سیدۃ نساء العالمین وابو السبطین الحسن والحسین سیدی شباب اھل الجنۃ واما قولک ان امیر المؤمنین اشلی الصحابۃ علی قتل عثمان فھو کذب وزور وغوایۃ ویحک یا معاویہ اما علمت ان ابا الحسن بذل نفسہ للہ تعالیٰ وبات علیٰ فراش رسول اللہ صلعم وقال فیہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ فکتابک یخدع بھا عقل وزاد دین۔ (تذکرہ سبط ابن جوزی) (ترجمہ) "اے معاویہ! تیرا خط آیا، حال معلوم ہوا، تو مجھے اس امر کی ترغیب دیتا ہے، کہ اسلام سے خارج ہو جاؤں۔ اور تیرے ساتھ گمراہی وضلالت میں شریک ہو جاؤں اور باطل کی مدد میں بمقابلہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب پر تلوار نکالوں۔ حالانکہ حضرت علی (علیہ السلام) برادر رسولؐ اور ولی اور وصی اور وارث رسولؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قاضی دین اور ایفا کنندہ وعدہ رسولؐ اور ان کے داماد اور شوہر حضرتِ فاطمہ سیدۃ النساء العالمین، پدر حسنینؑ سردارانِ جوانانِ بہشت ہیں اور تو یہ جو لکھتا ہے کہ حضرت علیؑ نے صحابہ کو قتل عثمان پر ترغیب دی محض کذب و زور (مکر) اور غوایت (گمراہی) ہے۔ وائے ہو تجھ پر اے معاویہ! کہ تو نہیں جانتا کہ ابوالحسنؑ نے اپنی جان کو راہ خُدا میں بذل کیا۔ اور بستر رسولؐ پر سوئے اور حضرتؐ نے انکی شان میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا پس تیرے خط سے صاحب عقل ودین فریب نہیں کھا سکتا۔

لیکن معاویہ بھی بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے عمرو عاص کو حکومت مصر کا لالچ دیا چنانچہ اسی عمرو عاص نے معاویہ کو یہ شعر لکھ کر بھیجے۔

معاوی لا اعطیك دینی لم انل بہ منك دینا فانظرن کیف تصنع
وما الدین والدنیا سواء واننی لاخذ ما تعطی ورأسی مقنع
فان تعطی مصرا فاربح صفقۃ اخذت بھا شیخا یضر وینفع

اُے معاویہ! تیرے لئے دین کیوں برباد کروں۔ جب کسی قسم کا نفع دینوی تجھ سے حاصل نہ ہو۔ دین و دُنیا برابر نہیں ہیں، مگر میں قبول کرتا ہوں۔ اسے جو تو دیتا ہے، کہ اس پر قناعت کروں، اگر تو مصر مجھے دے دیگا۔ تو سمجھ لے کہ یہ (مصر کی حکومت) بہت ہلکا سودا ہے۔ جس سے تو نے ایسے شخص کو خرید لیا۔ جو ضرر بھی پہنچا سکتا ہے، اور نفع بھی"۔ (کتاب عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ مصری چھاپہ)۔

معاویہ کی یہ سازش بھی کامیاب ہوگئی۔ عمرو عاص کو ساتھ ملانے کے بعد اس نے صفین کے مقام پر حضرت علیؑ سے ۷۰۔ ۲۔ ۷ یا بقولے ۹۰ لڑائیاں لڑیں، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہیں جس میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ہو کر کتنے ہی بزرگ شہید ہوگئے۔ جن کی شہادت کا بار معاویہ کی گردن پر ہے۔ ان میں سے ایک حضرت عمار یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جن کے حق میں بحوالہ صحیح بخاری حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد گرامی فرمایا تھا کہ: ویحك یا عمار ستقتلك فئۃ باغیۃ تدعوھم الی الجنۃ ویدعونك الی النار۔ (بخاری) یعنی اے عمار! افسوس ہے کہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ تو انھیں بہشت کی طرف بلائیگا، اور وہ تجھے دوزخ کی طرف دعوت دیںگے"۔

معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت میں جو سازشیں کیں ان سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

کوفہ اسلام کا نیا دارالخلافہ

زمانہ کی رفتار بدلتی رہی، وقت کی گردش آہستہ آہستہ تبدیل ہوتی رہی، چاند سورج اپنی مقررہ منزلوں کو اسی طرح طے کرتے رہے، ستاروں کی گردشوں میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا غرض کائنات کا ذرہ ذرہ حرکت کرتا رہا۔ مسندِ خلافت بھی اپنے متمکن کو بدلتی رہی۔ قبائے خلافت کے پہننے والے (بقول حضرت علیؑ) قبائے خلافت کو زبردستی کھینچ تان کر پہنتے رہے۔ آخر جب قبائے خلافت تار تار ہوگئی، اسلام کا چہرہ مسخ ہونے لگا۔ شریعت محمدیہ اقربا پروری اور ذاتی اغراض کے بوجھ تلے دبنے لگی تو مسلمانانِ عرب و عجم نے اس ڈوبتے ہوئے سفینہ کا پتوار حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے وقت آپ فرماتے ہیں:۔

"جان لو کہ میں حد شرع سے تجاوز نہ کروں گا، اور نہ کسی کی طرفداری مجھ سے ہو سکے گی، تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دونگا، اور لوگوں کے درمیان احکام بموجب خدا و حدیث و سنّت رسولؐ جاری کرونگا"۔

عدل و انصاف کے متوالے اس خطبہ کو سُن کر جھوم جاتے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے سے عہد ماضی کا پردہ سرکنے لگتا ہے، اور وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں بیٹھے

عدل و انصاف کا دریا بہا رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ بیت المال کا جائزہ لیتے ہیں اور تمام مال کو مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم کر دیتے ہیں، اور جب طلحہ و زبیر کو بھی عام مسلمانوں کی طرح دو دو درہم ملتے ہیں، تو ان کی پیشانی کی رگیں تن جاتی ہیں، کہاں تو پہلے خلفاء کے دور میں ہزاروں کے حصہ دار اور کہاں عام مسلمانوں کی طرح صرف دو دو درہم! دلوں میں کینہ و بغض کی آگ سلگنے لگی۔ آخر حسد و دشمنی کی یہ آگ سلگتے سلگتے جنگِ جمل کی صورت میں ظاہر ہوئی، اور دنیا نے دیکھ لیا، کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والا طلحہ کس طرح کا مسلمان نکلا۔

حضرت علیؑ جس وقت خلیفہ ہوئے تھے اس وقت آپ کے پاس بصرہ، کوفہ، یمن، مصر، مکہ، مدینہ، جزیرہ آذر بائیجان اور خراسان کے صوبے تھے، مگر دشمنوں کی چیرہ دستیوں اور معاویہ کی دشمنی کی وجہ سے صرف بصرہ، کوفہ، فارس، یمن، مکہ و طائف، مدینہ اور فارس آخر میں آپ کے پاس رہ گئے تھے۔ (المرتضیٰ)

مخالفت کا دھارا بہتا رہا، ملک کے اکثر حصوں میں مخالفین عوام کو ورغلانے لگے، معاویہ بھی لوگوں سے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلوانے کے خواب دیکھنے لگا۔ تو حضرت علی علیہ السلام نے ان سارے حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا اور سوچا۔ معاویہ خود میرا ہی نہیں، بلکہ بنی ہاشم کا یکا دشمن ہے جو اسلام بھی اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کی غرض سے لایا ہے اور وہ اس وقت شام ایسے وسیع علاقے کا حاکم ہے جس کے ماتحت حمص، قنسرین اردن، فلسطین اور بحرین پانچ صوبے ہیں، اگر میں مدینہ میں رہتا ہوں تو معاویہ کو اپنی من مانی کرنے کی بے حد آزادی مل جائیگی اور اگر وہ اپنی حدود سے آگے بڑھ کر دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ کر لے تو اس کا سدِ باب بہت مشکل سے ہوگا۔ چنانچہ آپ نے جنگِ جمل کے بعد ۳۶ھ میں مدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اب تک رسولِ عربی سے لیکر خلافت ثالث تک مدینہ ہی سلطنت اسلامی کا دارالخلافہ تھا جو علم و حکمت کا مرکز تھا جہاں بڑے بڑے صحابہ رہتے تھے جو اسلامی قوانین و احکام کا منبع تھا، دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسی جگہ سے اسلام کی کرنیں پہنچتی تھیں۔

کوفہ کی قسمت جاگی، اسلام کا سب سے بڑا محسن، زہد و تقویٰ کا پیکر، انسانیت کا علمبردار، مساوات کا ایلچی، قوانین اسلامی کا حامی، احکام قرآنی کا عالم جید اور رسول اللہ صلعم کا برحق خلیفہ کوفہ کی سرزمین کو اپنے دورِ خلافت کے لیئے دارالخلافہ بناتا ہے، کوفہ کی سرزمین کے لیئے یہ کوئی نیا وقت نہیں تھا، اس سے قبل بھی اس پر کئی پیغمبر اپنا نشیمن بنا چکے تھے اور کئی اس کو اپنی ابدی آرامگاہ کا شرف بھی بخش گئے تھے۔

کوفہ کو آپ نے اپنا دارالخلافہ کیوں بنایا؟ اور اگر مدینہ کو چھوڑنا ہی تھا، تو مکہ کو بنا لیتے جو عالم اسلامی کی جبین نیاز کا مرجع تھا، جہاں ہر سال دنیا کے مسلمان اپنی عقیدت کا نذرانہ لئے آیا کرتے ہیں۔ مگر نہیں آپ نے کوفہ کو پسند کیا جو مکہ و مدینہ سے سینکڑوں میل دور عراق کے ریگستان میں پڑا تھا، جہاں سے غیر اسلامی سلطنتیں قریب تر تھیں، مگر ہاں! اس کی چند وجہیں ہی ہو سکتی ہیں:-

(۱) اسلام کی حفاظت - (۲) آئین محمدی کا بچاؤ - (۳) امت محمدیہ کی یکجہتی کا خیال۔ (۴) امن عالم

کا خیال ۔ (۵) تعلیمات اسلامیہ کا پرچار ۔ (۶) سلطنت اسلامیہ کی حفاظت اور (۷) کوفہ کی حیثیت ۔
اب آیئے ہم ایک ایک کر کے ان تمام وجوہات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں اور پھر دل میں سوچیں کہ واقعی حضرت علیؑ مدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنانے میں حق بجانب تھے یا نہیں ؟

(۱) اسلام کی حفاظت :۔ حضرت علی علیہ السلام جس وقت خلیفہ ہوئے تھے اُس وقت ملک میں ایک ہیجان برپا تھا ۔ چنانچہ المرتضیٰ کے مؤلف خلافت ثالث کے آخری زمانہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں : "عثمان ذی النورین کے اخیر زمانہ میں خلافت کا ڈھانچہ بہت کمزور ہو گیا تھا ، اور اسی کمزوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ وقت شہید کئے گئے " (المرتضیٰ ص ۱۰۶) غرض خلیفہ ثالث کی اقربا پروری اور خویش نوازی سے اسلام کا سارا ڈھانچہ کھوکھلا ہو گیا تھا ۔ ایسے وقت میں حضرت علیؑ مسند خلافت پر بیٹھے آپ نے کوفہ کو مدینہ پر اس لئے ترجیح دی کہ کوفہ کے لوگ ابھی اسلام سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوئے تھے جس کا کہ طلوع اسلام کے مؤلف بھی اقرار کرتے ہیں ۔ حضرت علی علیہ السلام نے سوچا کہ کوفہ کے لوگوں نے ابھی اسلامی عدل و مساوات کا صحیح دور نہیں دیکھا ہے ۔ اس لئے اگر ان میں رہ کر اسلام کی اشاعت کی جائے اور یہ ان کے پیرو بن جائیں تو ان کی دیکھا دیکھی دوسروں کے غیر اسلامی افعال بھی درست ہو جائیں گے ۔ اور اس طرح میرا فرض بھی پورا ہو جائے گا ۔

(۲) آئین محمدی کا بچاؤ :۔ حضرت کی خلافت کے وقت مدینہ کے مسلمان عہد رسالت کا وہ عدل و انصاف کا زمانہ فراموش کر چکے تھے ہر ایک اپنے نفس کے لئے کوشاں تھا ۔ انسانی حقوق و مساوات کے بدلے انہیں سونے چاندی کے ڈھیر پسند تھے ۔ غریبوں کی آہوں کے بدلے انہیں عیش و عشرت سے کھیلنا اچھا لگتا تھا ، لوگوں کے گھروں میں زر و جواہر کے انبار پڑے تھے ۔ انسانی مساوات کا درس لوگ بھول چکے تھے ۔ چنانچہ خلیفہ ثانی کے عہد میں عمار یاسر جیسے صحابہ کو خلیفہ کی چند غلطیاں بتانے پر اتنا مارا جاتا ہے کہ وہ بیہوش ہو جاتے ہیں اور اسی غشی میں ان کی ظہر ، عصر ، مغرب اور عشاء کی چار نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں ۔ (تاریخ اعثم کوفی ، تاریخ الخمیس) اور رسول اللہ کے خاص صحابی ابوذر غفاری کو صرف اس لئے ربذہ کو جلا وطن کیا گیا ، کہ وہ لوگوں کے سامنے بنی اُمیہ کی برائیاں بیان کرتے تھے اور انہیں زر و جواہر کے جمع کرنے سے منع کرتے تھے ۔ شام میں قوانین اسلامی کی دن دھاڑے دھجیاں اُڑ رہی تھیں ، زنا ، شراب نوشی ، سود خواری ، کا بازار گرم تھا ، سنت محمدیہ کے پیرو سنت رسولؐ کو چھوڑتے جا رہے تھے حج کے رسومات میں تبدیلیاں کی جا رہی تھیں ۔ بیت المال کو ذاتی اغراض کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا ۔ غرض آئین محمدی کی کھلم کھلا تکذیب کی جا رہی تھی ۔ اس صورت میں حضرت علیؑ نے سوچا کہ کوفہ کے لوگوں کو آئین محمدی کا سچا پیرو بنا کر اگر لوگوں کے سامنے پیش کروں گا تو مکہ و مدینہ کے لوگ تو کیا دنیا ان سے درس عبرت حاصل کرے گی ۔ اور ان کی پیروی کرے گی ، حضرت علیؑ اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ، مکہ و مدینہ والے اس غیرت میں آ کر کہ اسلام ہم میں آیا ، آئین محمدی کا سلسلہ ہم سے شروع ہوا اور اب یہ عجمی ہم پر سبقت لئے جا رہے ہیں ۔ چنانچہ ان میں بھی اصلاح ہونے لگی اور اس طرح حضرت کا منشا بھی پورا ہونے لگا ۔

(۳) اُمت محمدیہ کی یکجہتی کا خیال :۔ خلافت ثالثہ کے بعد آپ چوتھے خلیفہ مقرر تو ہو گئے ، مگر کوفہ اور شام کے

گورنروں نے آپ کی اطاعت سے انکار کردیا، کوفہ تو بعد میں آپ کے زیرِ نگیں ہو بھی گیا مگر معاویہ جو شام کا گورنر تھا، اور خلیفۂ وقت بننے کے خواب دیکھ رہا تھا، اس نے بیعت کرنے سے قطعی انکار کردیا۔ اس طرح سلطنت اسلامیہ دو حصّوں میں بٹ گئی۔ ایک حضرت علی علیہ السلام کی طرف اور دوسرا حصّہ معاویہ کی طرف اور اس طرح مُسلمان بھی دو بلاکوں میں بٹ گئے۔ ایک بلاک حضرت علیؑ کا طرفدار اور دوسرا معاویہ کا حامی۔ حضرت علیؑ نے کوفہ کو اسلئے مرکز بنایا کہ یہ شام سے قریب تھا اور یہاں سے صلح و صفائی کے پیغامات جلد اور آسانی سے ایک دُوسرے تک پہنچ سکتے تھے آپ نے یہاں رہ کر بہت کوشش کی کہ کسی طرح صلح ہو جائے اور اُمّت محمدیہ ٹکڑے ہونے سے بچ جائے۔ چنانچہ رشید اختر صاحب ندوی جنگ صفین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "گو مصالحت کے امکانات کم تھے، مگر علی اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں اس پر نازل ہوں، چاہتے تھے کہ کسی طرح مُسلمانوں کا خون بہنے سے رُک جائے، مگر معاویہ حکومت چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے مصالحت نہ ہو سکی"۔ (طلوع اسلام جلد دوم ص ۳۱۵)۔

(۴) امنِ عالم کا خیال:۔ حضرت علیؑ نے کوفہ کو دار الخلافہ اس غرض سے بنایا تھا کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کی نوبت نہ آسکے، کیونکہ جب مُسلمان ایک دُوسرے ہی سے لڑنے لگیں گے، تو وہ مُسلمان جو ابھی حال ہی میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان پر اس کا ایک خاص اثر پڑے گا اور وہ یہ سمجھنے لگینگے کہ یہ تو صرف حکومت قائم کرنے کے شیدائی ہیں مذہب وغیرہ تو صرف ایک ڈھکوسلا ہے۔ اور اسکے علاوہ دوسرے ممالک میں جن تک ابھی اسلام کی روشنی نہیں پہنچی ہے، ان پر مذہب اسلام کے خلاف بہت بُرا اثر پڑے گا۔ چنانچہ جب معاویہ نے جنگ صفین کے بعد حضرت علی علیہ السّلام کے علاقے پر حملے شروع کردیئے تو اس کا اثر نئے مقبوضہ علاقوں پر بھی ہوا، چنانچہ فارس اور بصرہ وغیرہ کے علاقوں میں بغاوتیں شروع ہوگئیں مگر چونکہ آپ کوفہ میں تھے اس لئے بر وقت اس کا تدارک ہو گیا، اور اس طرح امن عالم کو نقصان نہیں پہنچا۔

(۵) تعلیمات اسلامیّہ کا پرچار:۔ کوفہ اس زمانہ میں علماء و فضلاء کا مرکز تھا (طلوع اسلام جلد دوم ص ۳۰۸) ہر قسم کے لوگ یہاں پر موجود تھے، چنانچہ کوفہ کو آپ نے اپنا دار الخلافہ بنا کر علم و ادب کے متوالوں پر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔ آپ کے بے مثل خطبات، ضرب الامثال اور اشعار رہتی دنیا تک صاحبانِ علم و فضل سے خراجِ عقیدت وصول کرتے رہیں گے۔ کوفہ کا ماحول ایسا ساز گار تھا کہ اس میں کتنے آپ کے ایسے شاگرد پیدا ہوئے جو بعد میں کیا کیا کہلائے۔ عبداللہ ابن عباس آپ ہی کے شاگرد تھے۔ جو رئیس المفسرین کہلائے۔ کوفہ میں آپ کا سارا وقت تعلیماتِ اسلامیہ کی اشاعت میں گذرا۔ کبھی آپ ممبر پر بیٹھے فصاحت و بلاغت کا دریا بہا رہے ہیں تو کبھی قبرستان کی خاموشی میں حضرت کمیل رح سے لوگوں کی قسمیں گنوا رہے ہیں، کبھی مسجد میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر کر رہے ہیں تو کبھی کنج خانہ میں پڑے عبادت الٰہی کر رہے ہیں، کبھی منبر پر سلونی قبل ان تفقدونی فرما رہے ہیں۔ تو کبھی پشت پر بوری رکھے غریبوں کو کھانا پہنچا رہے ہیں۔ اگرچہ دُنیا کے مصائب نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا مگر رسالت کی گود میں پلا ہوا علیؑ لوگوں کو اس حال میں بھی انسانیت، مساوات، عدل و انصاف، غریب نوازی، ہمسایہ پروری، حقوق الناس کا عملی سبق سکھا رہا تھا جبھی تو آپ کی شہادت کے بعد

جب آپ کے حالات لوگوں کو یاد پڑتے تو لوگ مارے افسوس کے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹنے لگتے۔

(۶) (۷) سلطنت اسلامیہ کی حفاظت اور کوفہ کی حیثیت:۔ کوفہ وسط سلطنت میں تھا اور بہ نسبت مدینہ کے کوفہ میں رہ کر سلطنت کا انتظام احسن طریقہ سے انجام دیا جا سکتا تھا، اور دیگر فتوحات بھی آسانی سے کی جا سکتی تھیں۔ چنانچہ آپ کے عہد میں سندھ پر کامیاب حملہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ آپکو معاویہ کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ نہ کرے۔ چونکہ کوفہ مرکز میں پڑتا تھا، اس لئے اس کو دار الخلافہ بنا کر اس خطرہ کا آسانی سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جب معاویہ نے بصرہ، مصر وغیرہ پر حملہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام نے آسانی سے اُس کا مقابلہ کیا۔ اگر مدینہ دار الخلافہ ہوتا تو معاویہ ان علاقوں کو فتح کر کے ان میں اپنے قدم مضبوطی سے گاڑ دیتا۔ یہ تھے وہ وجوہ جن کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ اور ایسا کرنا عین مصلحت تھا۔

تقسیم اموال بیت المال

شریعت میں تقسیم کے مال تین قسم کے ہیں:۔ (۱) زکوٰۃ۔ غیر بنی ہاشم کی زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام کی گئی ہے۔
(۲) مالِ غنیمت جو لڑ کر کفار سے حاصل ہو، اس میں سے خمس تو بنی ہاشم کا حق ہے باقی کُل مجاہدین کا حق ہے۔
(۳) مالِ فے۔ جو بے لڑے کفار سے حاصل ہو، وہ خاص رسول اللہؐ کا حق قرار پایا ہے۔ جس کو چاہیں دیں لیکن اس کے مستحق بھی بنی ہاشم یعنے اولاد ابو طالب و عباس ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ حرام تھی، اس لئے خمس اور مالِ فے ان کا حق قرار دیا گیا۔ لیکن یہ شرط بھی کر دی کہ جو یتیم اور مسکین اور مسافر ہوں انہیں کو خمس اور مالِ فے دیا جائیگا جو غنی اور تونگر ہوں اُن کو نہیں دیا جائے گا۔ اور اس کی پوری توضیح خدا نے سورۂ انفال کی ابتدائی آیتوں اور دسویں پارہ کی ابتدائی آیتوں میں بیان کر دی ہے۔ اور مالِ فے کے بارے میں اٹھائیسویں پارہ سورۂ حشر میں مفصل حکم موجود ہے۔ جس کے متعلق تمام اہلِ اسلام کو اتفاق ہے کہ یہ مال خاصہ پیغمبر ہے۔ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ چنانچہ مال فے کا حکم بیان کر کے اُمت کو متوجہ کیا ہے کہ:۔

ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ یعنی "جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جسے منع کریں باز رہو"۔ چنانچہ بنی نضیر یہودی جب دیہات مدینہ بغیر لڑے پچاس زرہیں اور پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں چھوڑ کر چلے گئے تو وہ تمام مال چونکہ آپ کا خالص تھا، آپ نے صرف مہاجرین پر تقسیم کر دیا اور انصار میں صرف تین آدمیوں کو ۱ ابو رجانہ انصاری، ۲ سہیل بن حنیف، ۳ زید بن ظہیر کو دیا۔

قرآن کی روشنی میں جب یہ حکم اور اختیار خصوصی رسول اللہؐ کو حاصل تھا تو آپ کی وفات کے بعد آپ کے برحق جانشین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بھی یہی حق اور اختیار خصوصی حاصل تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم کے خلاف دوسرے لوگوں نے عملدرآمد شروع کیا، تو حضرت علیؑ اسے ناپسند کرتے رہے اور

جب اپنا زمانہ خلافت آیا تو حضرت علیؑ نے وہی طریقہ تقسیم کا جاری کیا جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جاری تھا۔ تاریخ اسلام مصنفہ سید ذاکر حسین صاحب دہلوی اور المرتضیٰ مصنفہ مولوی عبدالرحمٰن امرتسری میں مرقوم ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مالِ غنیمت کا یہ دستور تھا کہ مقتول کا گھوڑا اور ہتھیار قاتل کو دیا جاتا تھا اور باقی مال جمع ہو کر ایک خمس بیت المال میں جمع ہوتا، اور باقی چار حصے فوج میں تقسیم ہو جاتے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی کہ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا جاتا اور جو خمس بیت المال میں جمع ہوتا اس کی پانچ مدیں ہوتی تھیں۔ ایک حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا، دوسرا حصہ رسولِ خدا کے اپنے قرابتداروں کا، اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہوتا۔ خلفاء ثلثہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں پہلی دو مدیں ساقط کر دیں اور باقی تین مدوں میں تمام مال تقسیم کر دیتے تھے لیکن حضرت علیؑ اس کو پسند نہیں کرتے تھے، اور ان کی خواہش تھی کہ خمس کی تقسیم رسولِ خدا کے دستور کے مطابق کی جائے۔

اور مال فئے کے متعلق لکھتے ہیں، کہ مویشی اور اسباب حاضرین لشکر میں تقسیم کر دیا جاتا اور اراضیات خالصۂ سرکار تصور ہوتی اور اس کی آمدنی (خراج) بیت المال میں جمع ہوتی اور تمام مسلمانوں میں بحصہ رسدی مساوی طور سے تقسیم ہوتی اور یہی دستور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت تک رہا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے سبقت اسلام یا شرافت نسبی یا فوجی خدمات کا لحاظ کر کے لوگوں کی کمی و بیشی کے ساتھ تقسیم کرنے کا قانون جاری کیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے قانون دستور عمرؓ کی پابندی نہیں کی بلکہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں مال فئے کی تقسیم سنت نبوی اور سیرت پیغمبرؐ کے مطابق تمام مسلمانوں میں مساوی طور سے شروع کی۔ بلکہ بیت المال میں جمع کرنے کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ازالۃ الخفاء میں ہے کہ جب مال فئے آتا تو حضرت علی علیہ السلام اس کو اسی دن مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے اور اس کو مساوی طور سے تقسیم فرماتے اور بیت المال میں وہی مال رکھا جاتا جو اس دن تقسیم کرنے سے رہ جاتا۔ اپنے لئے یا اپنے قرابتدار یا دوستوں کے لئے کوئی چیز اس میں سے مخصوص نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ کا یہ بھی دستور تھا کہ تقسیم کے بعد فوراً بیت المال کو جھاڑو دلوا کر اس میں نماز پڑھتے تاکہ وہ قیامت کے دن اس بات کی گواہی دے کہ علیؑ نے کوئی مال مسلمانوں سے روک کر جمع نہیں کیا۔

مال کی تقسیم میں آپ یہاں تک محتاط تھے کہ چھوٹی سی چھوٹی اور معمولی سی معمولی چیز کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ چنانچہ ابن اثیر لکھتا ہے کہ جس کو المرتضیٰ میں مولوی عبدالرحمٰن امرتسری نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اصفہان سے کچھ مال آیا جس میں ایک روٹی بھی تھی۔ پہلے تمام مال کے سات حصے کئے اس کے بعد اس ایک روٹی کے بھی سات ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ہر حصے میں شامل کر کے بذریعہ قرعہ اندازی مستحقین کو تقسیم کر دیا (ازالۃ الخفاء)۔

تقسیم بیت المال: روضۃ الاحباب کے حوالہ سے مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ بعد قتل حضرت عثمانؓ جس وقت حضرت علیؑ کی بیعت تمام مسلمانوں نے کر لی تو حضرت علی علیہ السلام نے بیعت کے دوسرے دن حضرت عثمانؓ کے بیت المال کے دروازے کو کھول دینے کا حکم صادر فرمایا اور بیت المال کا تمام مال لوگوں پر تقسیم کر دیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر میں

ہتھیار یا اونٹ صدقات کے ذریعہ فراہم کئے گئے تھے وہ سب کا سب بیت المال کے حق میں ضبط فرما لیا، اور ان کا مال وارثوں میں تقسیم فرما دیا۔ بروایت مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کی تمام املاک اور بیت المال کو مسلمانوں میں مساوی تقسیم کر دیا، کسی کو کم و بیش کچھ نہ دیا۔

تقسیم اموال بیت المال کا دوسرا واقعہ:- ابن خلدون کے حوالہ سے مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ جنگ جمل جب فتح ہو چکی اور بی بی عائشہ روانہ ہو گئیں، اور حضرت علی علیہ السلام کو بصرہ کا قبضہ مل گیا، تو آپ نے بیت المال بصرہ کا روپیہ جو چھ لاکھ درہم سے زیادہ تھا، اہل لشکر پر پانچ پانچ سو درہم مساوی طور سے تقسیم کر دیا۔ اور بحوالہ مسعودی لکھتے ہیں کہ بارہ ہزار حقدار تھے۔ حضرت علیؑ نے بیت المال کو دیکھتے ہی فرمایا کہ پانچ پانچ سو درہم ہر ایک کو تقسیم کر دو۔ تقسیم کے بعد سب کو پورا ہو گیا، کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی۔ پانچ سو درہم حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لئے رکھے تھے۔ آپ کے اصحاب میں ایک شخص موجود نہ تھا، اس نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حضرت مجھے تو کچھ نہیں ملا۔ میں کسی کام سے گیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنا حصہ پانچ سو درہم اس کو دے دیا۔

خلاصہ:- یہ کہ مذکورہ بالا تاریخی شواہد اور قرآنی احکام کو مدنظر رکھ کر حضرت علیؑ نے بیت المال کی تقسیم سنت نبوی کے مطابق فرمائی۔ جس طرح خلفاء ثلثہ نے دیگر احکام کی طرح تقسیم اموال میں ترمیم کی تھی حضرت علی علیہ السلام نے کوئی ترمیم نہیں کی۔ بیت المال میں اموال کو جمع کرنا پسند نہیں فرماتے بلکہ مال آتے ہی تقسیم کر دیا تے۔ تقسیم میں مساوات اور عدل مدنظر رکھتے کبھی کم کسی کو زیادہ نہیں دیتے۔ چنانچہ حضرت عقیل اپنے حقیقی بھائی زیادہ نہ ملنے پر معاویہ کے پاس چلے گئے، لیکن آپ نے انکے چلے جانے کی پرواہ نہ کی۔ ابو رافع نے جو حضرت علیؑ کے بیت المال کے خازن تھے ایک مرتبہ ایک موتی حضرت علیؑ کے بغیر اطلاع آپ کی صاحبزادی کے کان میں ڈال دیئے۔ حضرت علیؑ کی نگاہ پڑی، رافع کو بلوا کر حقیقت حال معلوم کرنے کے بعد ابو رافع کو تنبیہ فرما کر موتی بیت المال میں واپس بھجوا دیئے۔ امام حسنؑ نے ایک مرتبہ اچانک مہمان آجاتے کی وجہ سے کچھ شہد منگوا لیا تھا۔ اس کی اطلاع ملنے پر امام حسنؑ کو قبل از تقسیم اپنا حصہ لے لینے پر تنبیہ فرمائی اور بازار سے اسی مقدار میں شہد منگوا کر رکھوا دیا۔

شہادت جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام

کہنے کو تو چھوٹی بڑی مخالف و موافق تاریخ و سیر کی کتابوں کی بنا پر مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے اور لکھا جا سکتا کہ جناب امیر خیبر گیر علی ابن ابی طالب غالب کل غالب کی شہادت عبدالرحمن ابن ملجم مرادی کی اس سم آلود تلوار سے ہوئی جو اس ملعون نے رمضان المبارک ۴۰ھ کی انیسویں شب کو نماز صبح کے وقت مسجد کوفہ میں سر مبارک پر لگائی اور سر مبارک شگافتہ ہو گیا۔ زہر ہلاہل تمام جسم میں سرایت کر گیا اور شب ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ نے وفات پائی۔

لیکن جن حضرات نے عرب کی تاریخ پڑھی ہے جنھیں کینۂ عرب سے کما حقہٗ واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ انتقام لینا قوم عرب کا عنصر عظیم ہے اور بنی اُمیّہ و بنی ہاشم کے درمیان سالہا سال سے دشمنی سینہ بہ سینہ پشت بہ پشت چلی آتی تھی۔ انھیں پھوٹی آنکھوں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقار جو خاندانِ بنی ہاشم سے تھے، پسند نہ آیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتدار کو بڑھتا دیکھ کر ان کے دلوں میں آتشِ حسد اس قدر بھڑکی کہ یہ لوگ حضرت محمد صلعم کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر آپ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنی پڑی، مدینہ میں بھی آپ چین سے نہ رہنے پائے اور کفار قریش سے دفاعی لڑائیاں لڑتے رہے۔ جن میں "ابو سفیان" پدر معاویہ نے ہمیشہ نمایاں حصّہ لیا۔ مگر اس کی معرکہ آرائیاں رسولِ اسلام (صلعم) کا بال بیکا نہ کر سکیں۔ نہ سیّد العرب والعجم کے مشن کو ناکام بنا سکیں اور نہ رسولِ خدا صلعم کی آنکھ بند ہونے کے بعد جب خلافتِ الٰہیہ اسلام کے حقیقی مفہوم سے ہٹ کر نمائشی جمہوریت کی طرف مائل ہو گئی۔ اس کی سیاسی چالیں خلافت کے حقیقی وارث علی ابن ابی طالب پر باوجود اس پُر فریب ہمدردی کے غلبہ پا سکیں کہ "اگر آپ خلافت کیلئے کھڑے ہوں تو مدینہ کی گلیوں کو سواروں سے بھر دوں"۔

لٰہذا انھوں نے مایوس ہو کر ہر ممکن طریقہ سے اس نئی خلافت کی حمایت میں قدم جما دیا، تا کہ بنی ہاشم کا اقتدار یوں ختم ہو جائے اور بنی اُمیّہ کا اقتدار بڑھ جائے۔ یہاں تک کہ دُوسری خلافت کو ابو سفیان کے بیٹے امیر معاویہ سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اور بقول ایڈورڈس "حضرت عمرؓ نے اپنی جان چھڑانے کے لئے معاویہ کو صوبہ شام کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا"۔ پھر تو حضرتِ غنی کے مسند خلافت پر آتے ہی سخاوت کے دریا اُمیہ خاندان کے گھروں کا رخ کر کے بہنے لگے۔ عالیشان قصر و محلات تعمیر ہونے لگے، خلافت کے بڑے بڑے عہدے، منصب سب بنی اُمیّہ کے لئے مخصوص ہو گئے، اور بنی اُمیّہ بلا شرکتِ غیرے اِسلام کے اصلی حقدار اور وارث بن بیٹھے۔ دنیا رسولؐ اور خاندانِ رسول صلعم کو یک قلم بھول گئی اور جن کو کچھ پارینہ افکار یاد تھے وہ ڈر کے مارے دُہرا نہ سکتے تھے۔ اور جنھوں نے دہرانے کی ضد کی ان کو زہر دغا سے خاموش کر دیا گیا۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام کے جہاد فی الاسلام نے ہزاروں خاندانوں کو آپ کا دشمن بنا دیا تھا اور یہ دشمنی عرب کے کینہ پروری اور منتقم ہونے کے وہ سے اور بھی مستقل و پائیدار ہو گئی تھی، اور چونکہ رسول اللہ صلعم کو زیادہ تر لڑائیاں قریش سے لڑنا پڑی تھیں، لٰہذا قریش بالخصوص بنی اُمیہ کا بچہ بچہ حضرت علیؑ کا جانی دشمن ہو گیا تھا، او بنی اُمیّہ کی منتقمہ عورتیں دن رات حضرت علیؑ کو کوس کوس کر اس دشمنی کی آگ کو اپنے مردوں کے سینوں میں مشتعل کیا کرتی تھیں اور لوریوں کے ذریعہ بچوں کے ذہن نشیں کرتی تھیں۔

(۳) حضرت علی علیہ السّلام کا خلیفہ منتخب ہو جانا جس سے بنی اُمیّہ کے غم و غصّہ کی کوئی حد نہ رہی اور وہ بنی ہاشم کے دوبارہ عروج کو اپنے حق میں کسی طرح مفید نہ سمجھ سکے اور متفق ہو کر حضرت علیؑ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا لازمی قرار دے لیا، اور خونِ عثمانؓ کا حیلہ پیدا کر لیا۔

(۴) احتجاجیوں کے مطالبات میں سے جو اہم مطالبہ امیر معاویہ کی معزولی کا تھا اس کے فی الفور پورے

ہوتے ہی سوتی ہوئی بھیڑیں ہمیشہ کے لئے جاگ اٹھیں اور اس سے بنی امیہ کے دلوں پر ادبار کے تیر چل گئے اور قیامت تک کے لئے بنی امیہ بنی ہاشم کے دشمن ہو گئے۔

(۵) خارجیوں کے غول کا بھی ابھر جانا جو انہیں بدبخت باغیوں کی ایک قومی جماعت تھی اور حضرت معاویہ کی ترغیب و تحریص سے جناب امیرؑ کے قتل کے درپے تھی جس کے کارکن عمرو عاص و شیث تھے۔

(۶) امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان نے اہل مکہ کو لیکر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خلاف جنگ بدر و احد میں صف آرائی کی، امیر معاویہ کی ماں ابوسفیان کی وہی مشہور بیوی ہندہ تھی جو بقول واشنگٹن ارونگ (دیکھو سوانح محمد صلعم صفحہ ۱۰۵) "حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؑ کو شب و روز کوسا پیٹا کرتی تھی" اور جس نے بعض بنی ہاشم کی دشمنی کی وجہ سے حضرت حمزہ کی انگلیاں کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنایا تھا اور ان کا جگر کھانے کیلئے نکالا تھا۔ جس کی وجہ سے یورپ کے مایہ ناز مؤرخ گبن نے اسے "جگر خوارہ" کا خطاب عطا کیا ہے۔ پھر معاویہ کے دل میں بنی ہاشم بالخصوص حضرت علیؑ سے عداوت کا نہ ہونا تعجب تھا۔ اس لئے کہ ہندہ انکی ماں نے تو امیر معاویہ کو حضرت علی کی سب و شتم کی لوری دیکر پالا تھا۔ صغر سنی میں اماں کی کان میں ڈالی ہوئی بات معاویہ کے دل سے مرتے دم تک نہ نکلی۔ چنانچہ مؤلف رفع الحجاب تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے امیر معاویہ سے کہا کہ اب جناب امیر پر سبّ کرنا بیکار ہے اس لئے کہ آپ شہید ہو چکے ہیں اور آپ کو وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کے لئے آپ نے پاپڑ بیلے تھے۔ (حکومت مل گئی) اب یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس نے کہا: فقال لا واللہ حتی یربو ... فضلا۔" (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی) یعنی خدا کی قسم ہرگز علی کو گالی دینا اور سبّ کرنا ترک نہ ہوگا۔ جب تک لڑکے اس عادت پر نشو و نما نہ پا جائیں اور جوان بڈھے اور شیخ فانی نہ ہو جائیں۔ تاکہ دنیا میں علیؑ کی فضیلت بیان کرنے والا باقی نہ رہ جائے۔

جن مذکورالصدر مستند تاریخی واقعات کی روشنی میں ماہرین سیاست اس امر کا نہایت اچھی طرح سراغ لگا سکتے ہیں اور قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ شہادت علی ابن ابی طالب قوم عرب کی کینہ پروری، حسد، عناد اور جذبات انتقام کے باعث ہوئی جو برسہا برس سے بنی امیہ و بنی ہاشم کے درمیان تھا جس کے روح رواں ابوسفیان و امیر معاویہ تھے۔ اب یہ اور بات ہے کہ ان سیاسی گھرے جوڑ توڑ و مکر و فریب یا پالیسیوں کا نتیجہ جس کی ضامن شام کی گورنری، دولت و ثروت تھی اور جس کو پردہ راز میں شام کے اس جاہ و حشم، اقبال و اقتدار نے رکھا جس کے آگے مدینہ، مکہ، حجاز، یمن و عرب کا گوشہ گوشہ دست نگر تھا، ابن ملجم مرادی کے سر آ گیا۔ اور یہ بات عام نگاہوں کے سامنے آئی کہ قطامہ نے سر علی ابن ابیطالب کو اپنا مہر قرار دیا تھا۔ ورنہ آج بھی مورخین کا قلم جو حکومت کی ہیبت و جلالت سے متاثر نہیں ہوتا، اس امر کی صاف صاف نقاب کشائی کرتا ہے، کہ حضرت علیؑ کا قتل ابوسفیان کی کوشش اور معاویہ کی خواہش و سازش کا نتیجہ تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ حضرت علی ابن ابیطالب نے اپنے انگلیوں پر گننے جانے والے دوست اور اس کے خلاف لاتعداد دشمنوں کو ظاہر بظاہر تین طبقوں میں منقسم دیکھ کر جن میں پہلا گروہ "کفار صنادید عرب" کی ، ان

اولادوں کا تھا جن کے اسلاف کو آپ نے نبی عربی کی حمایت و اسلام کی نصرت میں تہ تیغ کیا تھا جو وقت پڑنے پر جنگ صفین و جمل اور پھر میدانِ کربلا میں مقابلہ پر صف آرا ہو گیا۔

دوسرے وہ خوارج جو بنی اُمیہ ہی کی ایک قومی جماعت تھی اور جس کے کارکن عمرو عاص و شیث تھے جنکی شقاوت کا مظاہرہ ۲۱ رمضان کو محراب کوفہ میں ہوا۔ تیسرے معاویہ اور اس کے زرخرید تابعین تھے۔ اپنی اولادوں اور اصحاب کو وصیت کی کہ اصلی قبر پردہ خفا میں رکھی جائے اور مختلف مقامات کے اظہار سے مشکوک کر دی جائے تاکہ قبر کا راز معرض اختلاف میں آکر دشمنوں کی نظر سے پوشیدہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کسی نے کہا آپ مسجد جامع کوفہ میں دفن ہوئے کسی نے کہا "رحبہ" میں کسی نے کہا اپنے گھر ہی میں دفن ہوئے۔ کسی نے "حیرہ" میں بتایا۔ غرض کہ جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں۔ حالانکہ حقیقی قبر کا پتہ سوائے آپ کی اولاد و اصحاب کے کسی کو نہ تھا، جو دفن کے وقت موجود تھے۔

تا اینکہ وہ وقت گزر گیا جو حضرت علی کے لئے سب و شتم کا تھا، اور تشنگان زیارت کیلئے کوئی مانع باقی نہ رہا، تو یکایک قبر مطہر سے کھلی نشانیاں اور روشن معجزے ظاہر ہونے لگے، اور ان ظاہر ہونے والے لاتعداد معجزات نے دشمنوں کو بھی یہ یقین دلا دیا کہ یہ معجز نما یہیں دفن ہے۔ اور اپنے و پرائے کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہی۔

چنانچہ ابو الفراج اصفہانی، ابن ابی الحدید، طبری۔ ابن اثیر، ابو الفدا، ابن جوزی، ابو شحنہ، وردی اور دوسرے مورخین کا اس پر اجماع ہو گیا کہ آپ کا مزار پاک نجف الشرف میں ہے۔

دوسری طرف اہلبیت اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے دعوت دی جانے لگی اور مجاورۃ قبر امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق استفسارات ہونے لگے۔ چنانچہ جعفر صادق علیہ السلام و امام رضا علیہ السلام و دیگر آئمہ طاہرین میں سے کسی نے فرمایا کہ قبر امیر المومنین علیہ السلام کے پاس ایک نماز دو ہزار نمازوں کے حکم میں ہے کسی نے ایک شب کا سو رہنا سات سو سال کی عبادت کے مساوی بتایا، کسی نے فرمایا کہ نجف میں دفن ہونے والا محاسبہ سوال منکر و نکیر و فشار قبر کی اذیت سے محفوظ ہے۔ اس خبر کے پاتے ہی مشتاقان زیارت پروانہ وار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور اس طرح دیکھتے دیکھتے تاریکی شب میں دفن ہونے والے "اول مظلوم" کی قبر مرکز خاص و عام بن گئی۔

غرض حضرت علی علیہ السلام کی قبر شریف کو آپ کی اولاد نے حکم امام کے مطابق پردہ شب میں اس طرح چھپا کر بنایا جس طرح خود حضرت امیر علیہ السلام نے حضرت سیدہ عالم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر اطہر کو رات کی تاریکی میں دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر بنایا تھا۔

چنانچہ نجف غیر آباد حصہ میں دکوات بعض (تین معروف بلندیوں) کے وسط میں یہ قبر مبارک ایک عرصہ تک گنج مخفی بنی رہی جس کو سوائے اولاد امام علیہ السلام اور خواص شیعہ کے کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ مزار کا راز یونہی پوشیدہ رہا۔ یہاں تک کہ سلطنت امویہ معہ اپنے رسوائے اسلام کارناموں کے ختم ہو گئی۔ سلطنت عباسیہ کا قیام ہوا اور سفاح کی حکومت قائم ہوتے ہی پہلی بار اطمینان و آزادی نصیب ہوئی، اور امام جعفر صادق علیہ

السلام نے پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے علم نبیؐ کے رُکے ہوئے دریا کا بند کھول دیا اور عالم میں رہتی دُنیا تک علم دین و مذہب حق کے زندہ رہنے کا سامان کردیا۔ اور اس دور میں وہ سربستہ راز جو مدتوں سے سینہ بسینہ چلے آرہے تھے رفتہ رفتہ ظاہر ہونے لگے اور آل اطہار کے شیدائی اس خبر کی بُو پاتے ہی جوق در جوق زیارت کے لئے نجف اشرف آنے لگے مگر ابھی تک یہ تھا کہ ایک اس چیز کا اثبات کرتا تو دوسرا نفی کر دیتا تھا کہ یکایک ایک طرف امام کی بارگاہ سے قبر کی تعیین کا اعلان اور دوسری جانب خود قبر مبارک سے معجزوں کا اظہار ہونے لگا، اور اب لوگوں کو کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا۔

حضرت علی علیہ السّلام کی اولاد

مناقب ابن شہر اشوب، تاریخ محمد بن جریر طبری اور تاریخ ابو الفدا، ہر سہ کتب میں مرقوم ہے کہ جناب امیرؑ کی اولاد میں سے پنجتن پاک کے پاک عدد کے موافق صرف پانچ فرزندوں کی نسل چلی جن میں سے پہلے:۔

حضرت امام حسن علیہ السّلام ہیں، آپکی اولاد ذکور واناث کی تعداد کتاب لامعۃ الساکبہ میں بروایت ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ پندرہ لکھی ہے، آٹھ لڑکے اور بقیہ لڑکیاں، اور کتاب لواعج الاحزان میں مولانا سید محمد مہدی اعلی اللہ مقامہ نے ایک دوسری روایت بھی لکھی ہے جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا مجموعہ بتیس کی تعداد کو پہنچایا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، مگر آپکی نسل حسب تحریر لامعۃ الساکبہ بروایت کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی صرف دو فرزندوں سے چلی ایک زید بن الحسنؑ اور دوسرے حسن مثنی بن الحسنؑ۔ اول الذکر کا مشرب تقیہ تھا لہٰذا اپنے خاندانی اعدا بنی اُمیہ کے ساتھ مصالحت و مدارات سے زندگی بسر کرتے رہے، آپ بہت جلیل القدر اور کریم الطبع انسان تھے منصب صدقات النبیؐ کے والی ہونے کا شرف حکومت کی جانب سے آپکے سپرد رہا، آپ نہایت سخی اور فیاض تھے اطراف دنیا سے صاحبان حاجت آتے اور آپکے در دولت سے دامن اُمید پُر کر کے واپس ہوتے شعراء نے آپکی مدح میں بکثرت قصائد لکھے اور آپ اپنے بھائی حسن مثنی کے بعد تک زندہ رہے ـــــ آخر الذکر یعنی حضرت حسن مثنی کو اپنے حقیقی چچا جناب سید الشہداء کی دامادی کا فخر حاصل تھا، آپ فاطمہ بنت الحسینؑ کے شوہر تھے۔ آپ اپنے جد امجد جناب امیرؑ کی طرف سے صدقات کے والی تھے۔ اور جلالت قدر و ریاست شان میں ممتاز اور فضل و ورع میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے معرکہ کربلا میں آپ موجود تھے۔ جہاد کیا زخمی ہوئے اور دیگر اہلبیت کے ہمراہ قید کر لئے گئے مگر آپکی ننھیال قوم کے ایک شخص مسمی اسماء بن خارجہ نے قومی تعصب کے باعث انکو یزیدی فوج کے ہاتھوں سے چھین لیا اور عمر سعد سپہ سالار لشکر یزیدی نے اس کا کوئی تعرض نہ کیا بلکہ اجازت دیدی کہ اسماء بن خارجہ حسن مثنی کو لے جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسکی قوم کی ایک مستور کا فرزند ہے کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ قومی پاسداری کیلئے تو اسماء بن خارجہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور پسر سعد نے بھی اس کی رعایت کر دی، مگر خاندان رسولؐ کا کسی کو بھی خیال نہ تھا۔ ـــــ بعد کو حضرت حسن مثنی کے زخم علاج کے ذریعہ شفایاب ہو گئے۔ اور پینتیس سال کی عمر میں آپ فوت ہوئے۔ اور امام حسن علیہ السّلام کی اولاد ان دو فرزندوں سے چلی جو حسنی سید کہلائے ـــــ جناب امیرؑ کے دوسرے فرزند جن سے آپکی نسل چلی وہ:۔ جناب **حضرت امام حسین علیہ السّلام** ہیں، اور جناب امیرؑ کی جو اولاد صلب جناب امام حسینؑ سے چلی وہ شرف امامت سے مشرف علوم الٰہیہ

کی وارث اور خلافتِ رسولِ خدا کی مالک بنی۔ جناب حضرت امام حسینؑ اس فضل میں متفرد ہیں، اور خزانہ قدرت سے آپکو یہ ایسی نعمت ودیعت ہوئی جو دُنیا بھر میں کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ آپکی شان والاشان میں یوں رطب اللسان ہوئے انت السید وابن السید وابو السادۃ۔ انت الامام ابن الامام وابو الائمہ۔ انت الحجۃ ابن الحجۃ وابو الحجج تسعۃ من صلبک وتاسعھم قائمھم۔ صاحب کتاب لامعۃ الساکبہ بحوالہ عوالم رقمطراز ہیں کہ فخر اصحابہ حضرت جناب سلمان فارسی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک دن جناب امام حسینؑ اپنے جد مجد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے زانوئے اقدس پر تشریف فرما تھے اور حضرت رسالت پناہ اپنے ذی شان بیٹے حسینؑ کو بوسے بھی لیتے جاتے تھے اور اپنی زبانِ درخشاں سے اس طرح موتی نثار کرتے جاتے تھے کہ بیٹا حسینؑ! تو سید ہے اور سید کا بیٹا ہے اور سادات کا باپ ہے۔ حسینؑ تو امام ہے امام کا فرزند ہے۔ اور اماموں کا والد ہے۔ حسینؑ! تو حجت ہے، حجت اللہ کا لعل ہے۔ اور نو حجتہائے خدا کا باپ ہے۔ تیری صلب سے نو امام ہونگے۔ نویں ان میں سے قائم آلِ محمدؐ ہونگے۔" یہ حسینؑ کی وہ فضیلت ہے جس میں حسینؑ کا عالم دُنیا میں کوئی ثانی ہے نہ ہوگا۔ کیونکہ جناب امیرؑ بھی اگرچہ ابو الائمہ کے شرف سے مشرف ہیں، مگر ابن الامام نہیں اور جناب امام زین العابدینؑ اور بعض دیگر آئمہ بھی ابو الائمہ کہلا سکتے ہیں، مگر کسی کی صلب سے نو امام نہیں ہوئے۔

اگرچہ اولاد جناب امام حسینؑ کی تعداد میں اختلاف ہے، کتاب بحار الانوار میں بحوالہ ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ آپ کی اولاد امجاد کی تعداد ذکور و اناث چھ لکھی ہے۔ اور بحوالہ کشف الغمہ بقول کمال الدین بن طلحہ شافعی دس لکھی ہے، مگر سب کا اتفاق اس پر ہے کہ جناب امام حسینؑ کی اولاد صرف امام زین العابدین سید الساجدین کی صلب مبارک سے چلی جو حسینی سید کہلائے۔

حسینی سادات کی حسنی سادات پر فضیلت! اگرچہ جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ ہر دو کی اولاد علی الاطلاق سید کہلائے کیونکہ امامین ہمامین مذکورین کے جد امجد سید الانبیاء اور سید ولد آدمؑ کے وصف سے موصوف تھے اور آپ کے والد ماجد سید الاصیاء کا شرف اور والدہ ماجدہ سیدۃ النساء العٰلمین کا لقب رکھتی تھیں۔ اور خود حسنین شریفین کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید اشباب اہل الجنۃ کے لقب سے ملقب فرمایا تھا لیکن نسل جناب امام حسینؑ چونکہ صرف جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی پشت مبارک سے چلی لہٰذا سادات حسینی کی ہر شاخ کم از کم تین یا اس سے بھی زائد آئمہ کی اولاد ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ جس طرح فرزند امام کو غیر امام کی اولاد پر شرف حاصل ہے اسی طرح جو تین یا زائد اماموں کی اولاد ہو گا اسکو ایسے شخص پر فضل حاصل ہوگا جو صرف دو اماموں کی اولاد ہو۔ اور حسنی سادات چونکہ صرف دو اماموں کی اولاد تھے اس لئے حسینی سادات کو ان پر شرف حاصل ہے۔

سادات بنی فاطمہؑ کے علاوہ جناب امیرؑ کی دیگر نسل! اگرچہ تواریخ شہادت دیتی ہیں کہ حسنین شریفین علیہم السلام کے علاوہ جناب امیر علیہ السلام کے تین دیگر فرزندوں حضرت عباس علمدار، حضرت محمد حنفیہ اور حضرت عمر کی بھی نسل جاری ہوئی لیکن جو شہرت و انضباط سادات بنی فاطمہ کو حاصل ہوا وہ جناب امیرؑ کے دیگر فرزندوں میں سے کسی کی اولاد کو حاصل نہیں ہوا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں محبت رسولؐ کا جذبہ رکھنے والے فرزندانِ اسلام ساداتِ بنی فاطمہ کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے رہے۔ اور ہمیشہ انکے سامنے انکو اپنا پیر و مرشد سمجھ کر عجز و نیاز کے مظاہرے کرتے رہے ہیں اسی وجہ سے سادات بنی فاطمہ ہمیشہ دُنیا میں مشہور و معروف رہے! اور ہر قرن میں ان کا نسب ممتاز اور منضبط رہا۔ اور جناب امیر علیہ السلام کے دیگر فرزندوں کی اولاد کو یہ شرف حاصل نہ تھا اس لئے ان کی نسلیں دنیا میں معروف اور منضبط نہیں ہوئیں۔

نجف اشرف

اسد اللہ الغالب کی مقدس آرامگاہ

باب مدینۂ علم رسول کے آستانہ کی مختصر تاریخ

دریائے فرات سے چار میل مغرب کی جانب ہٹ کر کوفہ کے قریب، ایک بلند خطۂ زمین پر بادلوں سے سرگوشی کرنے والا قبہ طلا ہے، —— جس کے نیچے محمد عربی کے بھائی —— اور خدا کے شیر —— علی ابن ابیطالب کی آرام گاہ ہے۔
اسی کو نجف اشرف کہتے ہیں — وہ نجف اشرف — کہ جہاں کے آستانہ کی جبہ سائی کیلئے غلامان حیدر کرار عمر بھر تڑپتے رہتے ہیں۔
آیئے! تھوڑی دیر کے لئے اس رشک جنت سرزمین کی زیارت کریں۔

نجف کا ماضی — یہ معتدل ترین زمین ہے۔ باعتبار ہوا کے اور صحت بخش ہے بہ لحاظ مزاج و پانی کے، اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندے عقل سلیم ذہنی رائے، خوبصورت شکل و شمائل، ہر فن میں دستگاہی، موزونیت اعضا، تناسب اخلاط، معتدل گندم گوں رنگت کے حامل ہوتے ہیں۔ اور —— یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو بطن مادر میں برابر کی گرمی پہنچائی گئی ہے، اور اس لئے وہ کالے، سفید، یا چنگیلے نہیں ہوا کرتے" یہ ہیں وہ الفاظ جن کے ذریعہ سے حموی نے اپنی مشہور کتاب "معجم البلدان" میں "عراق" کا ایک بہترین خطہ ہے "نجف اشرف" کہ جو کوفہ کی پشت کی جانب ایک پہاڑی کی چوٹی پر اب سے ہزاروں سال پیشتر سے آباد چلا آرہا ہے —— اور جس کے دامن میں دنیا کو زیر و زبر کر دینے والی ذات (علی بن ابیطالب علیہ السلام) محو آرام ہیں۔ نجف اب سے پیشتر اپنے سرسبز و شاداب مرغزاروں، موتی جیسی جھیلوں کی بدولت "خد العذراء" (رخسارۂ خاتون) کے دلآویز نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی بوقلموں نیاں۔ گلہائے رنگا رنگ، ٹھنڈی و شفاف ہوائیں، مناذرہ و ساسانی و عباسی بادشاہوں کو دعوت گلگشت دیتی تھیں اور وہ اس سمت اگر سکونت کرتے تھے جدھر سے نجف کی ہوا آتی تھی۔

مسعودی مروج الذہب میں کہتا ہے کہ قد کان جماعۃ من خلفاء بنی العباس کا السفاح والمنصور والرشید وغیرہم ینزلونھا ویطلبون المقام بھا ای فی الحیوۃ یطیب ھوائھا وصفاء جوھا و —— قریب النجف منھا۔ (ج ۱ ص ۲۹۷)
خلفائے بنی عباس حیرہ میں اس لئے قیام کرتے تھے کہ اس میں منجملہ اور خوبیوں کے ایک خوبی یہ تھی کہ نجف وہاں سے قریب تھا۔ طبری کہتا ہے کہ جلس النعمان یوما فی مجلسہ من الخورنق فاشرف منہ علی النجف وما یلیہ من البساتین والنخل والجنان والانہار (ج ۲ ص ۷۳) نعمان بن منذر (ملک حیرہ) ایک روز اپنے دربار خورنق میں بیٹھا تھا کہ اس کی نگاہ نجف اشرف کی جانب اٹھ گئی اس نے

دیکھا کہ نجف کو گھنے باغات و نخلستان اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اس کے مغرب کی طرف نہریں جاری ہیں مشرق کی طرف دریائے فرات بہ رہا ہے۔ (فرات اس وقت نجف سے ہو کر گذرتا تھا) موسم بھی موسم بہار تھا لہٰذا یہ پھول دنیچے اور یہ نہریں اور یہ ہرا بھرا منظر اس کو بہت بھلا معلوم ہوا۔ یہ تھا نجف اشرف کی طبعی حالت کا سرسبز و شاداب ماضی کہ جو امام علیہ السلام کے دفن کے سینکڑوں برس بعد تک رہا۔ مگر ابھی تقریباً ایک قرن قبل کی بات ہے کہ صفحۂ نجف نے قدرت کی ایک ادنیٰ مگر پر مصلحت جنبش پر جو پلٹا کھایا تو وہی نجف کہ جو کبھی ایک بحرِ عظیم کے کنارے اپنے دامن میں مہکتے ہوئے گلزاروں اور بہتی ہوئی نہروں کو لئے ہوئے تھا۔ ایک ریگستان کی صورت میں مبدل ہو گیا۔ اور اس طرح اس کا دامن رنگین گلوں سے تو ضرور خالی ہو گیا مگر ان کے بدلہ دُرہائے آبدار سے پُر ہو گیا۔ آج بھی وادی السلام میں جستجو کرنے والے کا دامن دُرہائے نجف سے بھر جاتا ہے لیکن ان دودھ کی طرح سپید و شفاف دروں سے نورانی تر اور بدرجہا اشرف وہ جواہر علمی ہیں جن کو نجف قرنوں سے عالم پر نچھاور کر رہا ہے۔ آج دنیا کے جس خطہ میں بھی علم حقیقی کی ضیا پاشیاں ہیں وہ صدقہ ہے ان لا تعداد ماہ و انجم کا کہ جو دور و دراز کے علاقوں سے آتے اور اس چشمۂ نور سے اقتباس کر کے واپس جاتے اور دنیا کو اس سے اجاگر کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ الحمد للہ آج بھی باقی ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت باقی رہیگا۔

نجف اشرف کا جغرافیہ: نجف اپنے طول البلد کے لحاظ سے ۴۴ درجہ شرقی اور عرض کے اعتبار سے ۳۲ درجہ دو دقیقہ طرف شمال اور سطح بحر سے تقریباً ۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور زمین ریگستانی ہونے کی وجہ سے حرارت و برودت انتہا کو قبول کرتی ہے کہ گرمی میں اس کا درجہ حرارت ۵ء ۵۴ تک پہنچ جاتا ہے جبکہ سردیوں میں صفر سے بھی گر جاتا ہے اور پانی منجمد ہو جاتا ہے۔

نجف کے نام: نجف کے بہت سے اسماء ہیں کہ جن میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کا ذکر صرف اخبار اہلبیت علیہ السلام میں ملتا ہے جیسے۔ طور۔ ظہر۔ جودی۔ ربوۃ۔ وادی السلام۔ بانقیا۔ اللسان اور بعض وہ ہیں کہ جو لسان آئمہ علیہم السلام اور دیگر افراد میں مشترک ہیں۔ جیسے نجف۔ غری۔ مشہد۔ ان تمام اسامی کی الگ الگ وجہ تسمیہ بھی ہے کہ جس میں سے ہم اس وقت سب سے مشہور نام نجف کی وجہ تسمیہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

نجف کو نجف کیوں کہتے ہیں: نجف کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت سے وجوہ بیان کئے جاتے ہیں کہ جن میں سے ہم یہاں وہ وجہ ذکر کرتے ہیں کہ جس کو لسان صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے شیخ صدوق علیہ الرحمۃ علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت کرتے ہیں:

عن ابی عبد اللہ الصادق علیہ السلام قال ان النجف کان جبلاً عظیماً وھو الذی قال ابن نوحؑ سآوی الی جبل یعصمنی من الماء" ولم یکن علی وجہ الارض جبل اعظم منہ فاوحی اللہ الیہ یا جبل العتصم بک منی فتقطع قطعاً الی بلاد الشام وصار رملاً دقیقہ وصار بعد ذالک بحراً عظیماً وکان یسمی ذالک البحر (نی) ثم جف بعد ذالک فقیل نی جف فسمی بنیجف ثم صار بعد ذالک یسمونہ نجف لانہ کان اخف علی النسنتھم (ص۲۲ باب ۲۶)

حضرت نے فرمایا کہ نجف ایک عظیم الشان پہاڑ تھا اور یہ وہی پہاڑ تھا کہ جس کو دیکھ کر فرزند نوحؑ نے کہا تھا کہ (ساوی الی جبل) میں پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ اس پر خداوند عالم نے اس سے خطاب کیا کہ کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ میرے عذاب سے بچائے یہ خطاب سنکر یہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور بہت باریک ریل کی صورت میں مبدل

ہو کر بلاد شام میں منتشر ہو گیا اور پھر اس کی جگہ عظیم الشان سمندر موجیں مارنے لگا کہ جس کا نام "نی" پڑ گیا تھوڑے عرصہ کے بعد یہ سمندر خشک ہو گیا تو کہا گیا "نی جف" (یعنی "نے" خشک ہو گیا) اس کے بعد نجف کہنے لگے اور آخر میں سہولت کی وجہ سے نجف کہا جانے لگا۔

نجف کی فضیلت اور اہمیت لسان آئمہؑ میں :

نجف اشرف کی اہمیت اور اس بقعۂ مبارکہ کی فضیلت میں آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین سے بکثرت روایات صحیحہ کتب اخبار مثل علل الشرائع۔ مناقب و بحار الانوار وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں۔ (۱) عن علی علیہ السلام انہ قال اول بقعۃ عبد اللہ علیہا ظھر الکوفۃ لما امر اللہ الملائکۃ ان یسجدوا لآدم فسجدوا علی ظھر الکوفۃ۔ حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ بقعۂ زمین جس پر خدائے کریم کی سب سے پہلے عبادت کی گئی ہے ظہر الکوفہ (النجف) ہے جس وقت خداوند عالم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو انہوں نے کوفہ کے پیچھے جو زمین ہے اس پر سجدہ کیا۔ (۲) عن الصادق علیہ السلام ان الغری قطعۃ من طور سیناء وانہ الجبل الذی کلم اللہ علیہ موسی تکلیما وقدس علیہ عیسیٰ تقدیساً واتخذ علیہ ابراھیم خلیلاً واتخذ محمداً حبیباً وجعلہ للنبیین مسکناً۔ صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ غری طور سینا کا ایک ٹکڑا ہے اور یہی وہ جبل ہے کہ جس پر عیسیٰؑ نے خدا کی تقدیس کی اور اسی جگہ خدا نے ابراہیم کو درجۂ خلت پر فائز کیا اور محمدؐ کو اپنا حبیب بنایا اور اس کو انبیاء کا مسکن قرار دیا۔ (۳) عن ابی عبد اللہ الصادق علیہ السلام قال اربع بقاع ضجت الی اللہ یوم الطوفان۔ البیت المعمور فرفعہ اللہ علیہ والغری ذالکربلا وطوس۔ آپ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ روز طوفان نوح چار زمینوں نے اللہ سے فریاد کی بیت معمور۔ غری۔ کربلا و طوس۔ (۴) ان الغری بقعۃ من جنۃ عدن فرمایا کہ غری جنت عدن کا ایک ٹکڑا ہے۔ (۵) عن ھم علیھم السلام انہ ما من مومن یموت فی شرق الارض وغربھا الا وقیل لروحہ الحقی بوادی السلام قیل لہؑ واین وادی السلام قال ھو ظھر الکوفۃ کانی بھم حلق حلق کثیرۃ یتحدثون علی منابر من نور امام سے روایت ہے کہ مغرب یا مشرق میں کوئی مومن نہیں مرتا ہے الا یہ کہ اس کی روح سے کہا جاتا ہے کہ وادی السلام چلی جا امام سے دریافت کیا گیا کہ وادی السلام کہاں ہے؟ فرمایا وہ کوفہ کی پشت پر واقع ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گروہ در گروہ نور کے منبروں پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ (۶) عن الامام الرضا علیہ السلام انہ قال جوار امیر المومنین یوم خیر من عبادۃ سبع مائۃ عام۔ امام رضا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین کی ایک روز کی مجاورت سات سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (۷) سئل الامام الصادقؑ عن مجاورت قبر امیر المومنینؑ وعند قبر الحسینؑ فقال ان المجاورۃ عند قبر علیؑ لیلۃ افضل من عبادۃ سبعماۃ عام وعند قبر الحسین افضل من عبادۃ سبعین عاماً۔ امام صادق علیہ السلام سے مجاورۃ قبر امیر المومنینؑ و مجاورۃ قبر امام حسینؑ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قبر علیؑ کی ایک رات کی مجاورۃ سات سو سال کی عبادت سے بہتر ہے اور امام حسینؑ کی مجاورت ۷۰ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (۸) سئل الصادق علیہ السلام عن الصلوۃ عند قبر امیر المومنینؑ فقال الصلوۃ عند قبر امیر المومنینؑ بمائتی الف صلاۃ صادق علیہ السلام سے

قبر امیر المومنین کے پاس نماز کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ قبر امیر المومنین کے پاس ایک نماز دو ہزار نمازوں کے حکم میں ہے۔ (۹) عن الصادق ؑ ان البیت عند علیؑ لیلۃ یعدل عبادۃ سبعمائۃ عام۔ امام سے مروی ہے کہ نجف میں ایک شب سو رہنا سات سو سال کی عبادت کے مساوی ہے۔

ان روایات کے علاوہ دوسری روایات سے اس سرزمین کی اہمیت کا اور اندازہ ہوتا ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ نجف میں دفن ہونے والا محاسبہ وسوال منکر ونکیر وفشار قبر کی اذیت سے محفوظ ہے اور منجملہ کثیر انبیاء کے حضرت آدم ونوح وہود علی نبینا وعلیہم السلام مدفون ہیں اور یہ وہ زمین ہے جس کو پہلے حضرت ابراہیم نے اور بعد کو خود حضرت علی علیہ السلام نے خرید فرمایا ہے۔ فرحۃ الغری میں ہے۔

عن عقبۃ بن علقمۃ قال اشتری امیر المومنین ؑ ما بین الخورنق والحیرۃ الی الکوفۃ من الدھاقین باربعین الف درھم واشھد علی شرائہ فقیل لہ یا امیر المومنین تشتری ھذا بھذا المال ولیس ینبت حظاً فقال سمعت من رسول اللہ ﷺ یقول کوفان کوفان یرد اولھا علی آخرھا یحشر من ظھرھا سبعون الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب واشتھیت ان یحشروا فی ملکی۔ عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے خورنق وحیرہ سے کوفہ تک کسانوں سے ساری زمین کو چالیس ہزار درہم میں خرید لیا جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اس زمین کو خرید رہے ہیں درآنحالیکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کوفان کوفان اس کا اول اس کے آخر سے مل جائیگا اور اس سے ستر ہزار افراد ایسے محشور ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے میں چاہا کہ وہ میری ملکیت سے محشور ہوں۔

سرزمین نجف اشرف کی تاریخ اور اس کی جلالت مقام کے بیان کر چکنے کے بعد اب ہم اس پاک ظرف کے نورانی مظروف یعنی سرِ اطہر کا حال مختصر لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

مرقد علوی: چشمۂ آفتاب سے نگاہیں لڑانے والا عظیم الشان سنہری قبہ۔۔۔ اور اونچے بادلوں سے سرگوشیاں کرنے والے خالص سونے کے مینار ان پر رات کے وقت دور سے جھلکتی ہوئی دلفریب روشنیاں" یہ مزار ہے اس غالب کل غالب ذات کا کہ جس کا نام شجاعان عالم کی فہرست میں سب سے اوپر ہوتے ہوئے مظلوموں کی فہرست میں بھی سب سے پہلے نظر آتا ہے۔ حرم اقدس کی جھلجھلاتی محرابوں کے نیچے، اور ریشم سے زائد نرم ونازک بیش بہا قالینوں کے اوپر بہت سے چلنے والے زائروں کو اس وقت کا کیا اندازہ ہو کہ جب یہ پر شوکت بارگاہ ایک پر حسرت قبر تھی۔ کہ جو شب دیجور کے پردہ میں لوگوں کی آبادی سے ہٹ کر، دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر بنائی گئی تھی اور جس کے جاننے والے صرف حسن ؑ و حسین ؑ و محمد حنیفہ میثم تمار صعصعہ بن صوحان۔ قیس بن سعد و حجر بن عدی و عمرو بن الحمق و دیگر چند گنتی کے افراد احباب تھے اور ان کو بھی تاکید یہ تھی کہ وہ اس راز کو سینہ کا دفینہ کر دیں اور کسی پر مزار مقدس کو ظاہر نہ کریں۔

اخفاء قبر کا راز: قتال عرب۔ علی بن ابیطالب کے دوست اگر انگلیوں پر گن لینے کے لائق تھے تو اس کے بر خلاف دشمن لاتعداد تھے۔ وہ بہ ظاہر تین طبقوں پر منقسم تھے۔ ۱۔ کفار وصنادید عرب کی وہ اولادیں کہ جن کے اسلاف

کو آپ نے اسلام کی حمایت میں نہ تیغ کیا تھا اور وہ وقت پڑنے پر جنگ صفین و جمل اور پھر میدان کربلا میں مقابلہ پر صف آرا ہو گئے۔ (۲) وہ خوارج کہ جن کی شقاوت کا مظاہرہ ۱۹ رمضان کو محراب کوفہ میں ہو چکا تھا (۳) معاویہ اور اس کے زر خرید تابعین۔ ان تینوں گروہوں میں ہزاروں افراد تھے کہ جن میں سے ہر ایک کو اس گلدستہ کمالات و ذات سے اتنا بیر تھا کہ وہ اس کے مزار کو بھی ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور شاید اسی لئے امام کی وصیت کے مطابق اولاد و اصحاب نے نہ صرف اصلی قبر کو اخفا کیا بلکہ اس کو مختلف مقامات پر ظاہر کیا تاکہ قبر کا راز معرض اختلاف میں آ کر دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کسی نے کہا کہ آپ مسجد جامع کوفہ میں دفن کئے گئے اور کسی نے کہا کہ اپنے گھر میں دفن ہوئے۔ کسی نے کہا کہ "رحبہ" میں تو کسی نے کہا کہ "حیرہ" میں غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں حالانکہ حقیقی قبر کا پتہ سوائے ان اولاد اصحاب کے کسی کو نہ تھا کہ جو لیلۃ الدفن خود اس کا مشاہدہ کر چکے تھے مگر وصیت امام کا قفل ان کے لبوں پر لگا ہوا تھا یہاں تک کہ جب زمانِ اخفاء قبر منقضی ہوا اور وہ دور گزر گیا کہ جس میں علیؑ پر علی رؤس الاشہاد سب و شتم کیا جاتا تھا، اور تشنگان زیارت کے لئے کوئی مانع باقی نہ رہا تو یکایک قبر مطہر سے کھلی نشانیاں اور روشن معجزے ظاہر ہونے لگے اور ان ظاہر ہونے والے لاتعداد معجزات نے دشمنوں کو بھی یہ یقین دلا دیا کہ معجز نما یہیں دفن ہے۔ دوسری طرف اہلبیت اطہار کی طرف سے بھی مکان قبر کا اعلان ہونے لگا اور لوگوں کو زیارت کی دعوت دی جانے لگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد روایات صحیحہ وارد ہیں (کہ جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئیگا) اس خبر کے پاتے ہی مشتاقان زیارت پروانہ وار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور اس طرح دیکھتے دیکھتے تاریکی شب میں دفن ہونے والے ایک مظلوم کی قبر مرکز ہر خاص و عام بن گئی۔

مورخین عامہ اور مزار علیؑ:۔ جب تک قبر امیرالمومنین دشمنوں کے خوف سے پوشیدہ رہی اس وقت تک شمع امامت کے چند خاص پروانوں کے سوا کسی کو اس کا پتہ نہ چلا مگر جب یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اہلبیت طاہرین جو اس کے حامل تھے خود ہی اس کا اعلان کرنے لگے دوسری طرف معجزات نے ظاہر ہونا شروع کیا اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے پرائے سب ہی مقر ہوئے جب کہ داؤد اور ہارون رشید جیسے افراد کو خود قبر اقدس پر عمارت بنانا پڑی کہ جس کا ذکر آگے آئیگا تو اب یہ امر ناقابل انکار حیثیت بن گیا اور عام مسلمانوں کو اس کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی چنانچہ ابوالفرج اصفہانی، ابن ابی حدید، طبری، ابن اثیر، ابوالفداء، ابن جوزی، ابو شحنہ، وردی اور دوسرے مورخین کا اس پر اجماع ہو گیا کہ آپ کا مزار پاک نجف اشرف میں ہے اور کسی خاص و عام کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

"تاریخ غری میں ہے۔ اما مدفن امیرالمومنین فانہ دفن لیلا بالغری ثم عمی قبرہ الی ان ظہر حیث مشہدہ الآن (م ۵) محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ دفن بالغری جوف اللیل (م ۲۳) اعثم کوفی نے کتاب فتوح میں لکھا ہے دفن بموضع یقال الغری (صفحہ ۳۴۴ ترجمہ فارسی)۔ نجف و غری ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں جیسا کہ نام کے بیان میں آئیگا اسی طرح جملہ مورخین عامہ و علماء اہلسنت نے حضرت کی قبر اطہر کا اپنی اپنی کتابوں میں صریحی ذکر کیا ہے کہ جسکی تفصیل میں پڑنے کے لئے الگ ایک باب کی بلکہ کتاب کی ضرورت ہے۔ اگر آئندہ اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت ہوئی تو اور تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔

اس قدر شواہد و بینات اور ائمہ مورخین کے اتفاق کے بعد تصور بھی نہ ہونا چاہئے کہ کسی کو اس ناقابل انکار حقیقت سے انکار ہو گا۔ مگر اس عادت دیرینہ اور گمراہ کن کینہ کو کیا کہئے کہ جس نے مذہب حق پر دلالت کرنے والے ہر آفتاب پر خاک اچھالنے کی ہمیشہ افسوسناک

کوشش کی ہے جب صاحب نہر کی خلافت برحق کا انکار بڑی ڈھٹائی سے کر دیا گیا تو قبر بیچاری کس شمار میں ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے (جو ایک شیعہ دشمن مورخ ہیں) اس مسلم اور بین الفریقین حقیقت کا بڑی آسانی سے انکار کر دیا ہے بلکہ بعض دوسرے نادانوں کی عقول نے اور جولانی جو دکھائی تو کہہ دیا کہ حضرت علی کے جنازہ کو سرے سے کہیں دفن ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو ایک ناقہ کی پشت پر باندھ کر بیابان میں چھوڑ دیا گیا اور وہ اس روز سے تا روز قیامت چلتا رہے گا۔ نہ زمین ختم ہوگی اور نہ اس کی عمر۔ او دیکھا آپ نے اس مضحکہ خیزی کو۔ اب ان صاحب سے کون پوچھے کہ مرکوب امام کی عمر تا قیامت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں البتہ اگر خود امام کی عمر بحکم خدادی اپنے حدود سے متجاوز نہ ہو جائے تو وہ قابل قبول نہیں شاید یہ حدیث گھڑتے وقت اس کا دھیان نہیں رہا تھا۔ ایسے من گھڑت فضول اور بے بنیاد روایتوں کی رد کے لئے جمہور علماء کے متذکرہ بالا متواتر اقوال ہی کافی و وافی ہیں لیکن خطیب بغدادی اور ان کے دو ایک تابعین کی مزید فہمائش کے لئے اگر ابن بطوطہ کی زبانی خود ان کے نزدیک معتبر حالات بیان کر دئے جائیں تو شاید بے محل نہ ہوگا۔ اور اتفاق سے یہ ابن بطوطہ" وہ بزرگ ہیں کہ جو خطیب بغدادی کی طرح شیعوں کی دشمنی میں دو چار ہاتھ آگے ہی ہیں جیسا کہ ان کے مرحلہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ کس کس طرح شیعوں کے عقائد کا مضحکہ اڑایا ہے خصوصاً جب وہ حلہ کے حالات پر آتے ہیں تو انہوں نے اس دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے جیسا کہ ارباب نظر جانتے ہیں۔ بہرحال یہی بزرگ مکہ سے جس وقت نجف اشرف وارد ہوئے تو انہوں نے یہاں جو کچھ دیکھا اس کو ان الفاظ میں "مرحلہ" میں لکھتے ہیں:۔ "اس شہر کے تمام باشندے رافضی ہیں اور اس روضہ کے کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ شب ۲۷ رجب کو کہ نام اس شب کا ان لوگوں کے یہاں لیلۃ الاحیاء ہے عراقین، وخراسان وبلاد فارس و روم سے ہر شل و مفلوج و زمین گیر کو یہاں لاتے ہیں کہ جن کی تعداد ۳۰۔۔۔۴۰ نفر تک پہنچ جاتی ہے اور بعد نماز عشاء ان مرضاء کو ضریح مقدس کے پاس لاتے ہیں، لوگ جمع ہو کر ان کے اچھے ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور یہ لوگ نماز و دعا و تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے ہیں بعض روضہ کی زیارت کرتے ہیں یہاں تک کہ نصف شب یا دو ثلث شب گذر جاتی ہے اور اس وقت وہ زمین گیر مرضاء کہ جو حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے یک مرتبہ صحیح و تندرست ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں درآنحالیکہ مرض کا نشان تک ان میں باقی نہیں رہتا۔

قبر اطہر کا پہلی بار ظہور:۔ جیسا کہ سطور گزشتہ میں بیان کیا گیا کہ حضرت کی قبر شریف کو آپ کی اولاد نے حکم امامؑ کے مطابق پردہ شب میں چھپا کر بنایا تھا اسی طرح کہ جس طرح خود حضرت امیر علیہ السلام نے حضرت سیدہ عالم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر کو رات کی تاریکی میں دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر بنایا تھا چنانچہ نجف کے غیر آباد حصہ میں زکواۃ بیض و تین معروف بلندیوں کے وسط میں یہ قبر مبارک ایک عرصہ تک گنج مخفی بنی رہی کہ جس کو سوائے امام علیہ السلام اور خواص شیعہ کے کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا مزار کا راز یونہی پوشیدہ رہا یہاں تک کہ سلطنت امویہ مع اپنے رسوائے اسلام کارناموں کے ختم ہوئی اور سلطنت عباسیہ کا قیام ہوا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ سلطنت عباسیہ کا قیام محض اس جذبہ ہمدردی کی بنیاد پر عمل میں آیا ہے کہ جو آل رسولؐ کی طرف اموی سلاطین کے روح فرسا مظالم کی وجہ سے لوگوں کے قلوب میں پیدا ہو گیا تھا۔ اسی لئے یہ نئی حکومت اگرچہ اہلبیت اور ان کے ماننے والوں کو ایک لمحہ بھی روئے زمین پر دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی مگر ظاہر بہ ظاہر بہ تقاضائے سیاست اس کو اس طبقہ کی خاطرداری کرنا ہی پڑتی تھی اور اس کیلئے ان کو اموی دور گزرنے کے بعد سفاح کی حکومت قائم ہوتے ہی پہلی بار اطمینان و آزادی نصیب ہوئی اور یہی وہ زمانہ تھا کہ جس کی مہلت

سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے علم نبیؐ کے رکے ہوئے دریا کا بند کھول دیا اور عالم میں رہتی دنیا تک علم دین و مذہب حق کے زندہ رہنے کا سامان کر دیا۔

یہی وہ دور تھا کہ جس میں وہ سربستہ راز جو مدتوں سے سینہ بہ سینہ چلا آ رہا تھا رفتہ رفتہ ظاہر ہونے لگا اور آل اطہارؑ کے شیدائی اس خبر کی بو پاتے ہی جوق در جوق زیارت کے لیے نجف اشرف آنے لگے۔ مگر ابھی تک یہ خبر زیادہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچی تھی۔ اگر ایک اس چیز کا اثبات کرتا تو دوسرا نفی کر دیتا تھا۔ کہ یکایک ایک طرف امامؑ کی بارگاہ سے قبر کی تعیین کا اعلان اور دوسری جانب خود قبر مبارک سے معجزوں کا اظہار ہونے لگا اور اب لوگوں کو کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔

قال الصادقؑ لصفوان الجمال وقد سئله عن قبر امیر المومنینؑ قال اذا اتیت الغری ظهر الکوفة فاجعله خلف ظهرك توجه نحو النجف وقیامن قلیلا فاذا انتیت الی الذکوات البیض والثنیة امامه فذلك قبر امیر المومنین علیه السلام

صفوان جمال نے جب امام صادق علیہ السلام سے قبر امیر المومنینؑ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس وقت کوفہ کی پشت پر مقام غری میں پہنچنا تو کوفہ کو اپنی پشت پر رکھنا اب تمہارا منہ نجف کی طرف ہوگا تھوڑا سا داہنی طرف مڑتے ہوئے آگے بڑھنا یہاں تک کہ جب سفید ٹیلوں تک پہنچو اس وقت مقام "ثنیہ" سامنے ہوگا۔ بس یہی امیر المومنین علیہ السلام کی قبر اطہر ہے۔

تعمیر اول: قبر مبارک اسی طرح شب و روز لوگوں کی زیارت گاہ بنی رہی ہر وقت صاحبان حاجت آتے اور گوہر مراد سے اپنے دامن کو پر کر کے واپس جاتے تھے لیکن قبر مطہر کسی قسم کی تعمیر سے اب تک خالی تھی یہاں تک کہ داؤد بن علی عباسی کوفی ۱۳۳ھ نے اس پر ایک صندوق بنوایا اور اس کا واقعہ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے فرحۃ الغری میں یوں تحریر کیا ہے۔

جب داؤد عباسی نے کہ جو اس وقت کوفہ کا حاکم تھا لوگوں کا ہجوم قبر مبارک پر دیکھا تو اس نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ معمار لائے جائیں پھر ان معماروں کو اپنے ایک حبشی غلام کے ہمراہ (جس کا نام "جمل" تھا اور جو قوت و دلیری میں بہت زائد تھا) نجف روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہاں جو قبر ہے جا کر کھودو اس کی تہ میں سے جو کچھ برآمد ہو اس کو میرے پاس لے آؤ کیونکہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ علی بن ابیطالب علیہ السلام کی قبر ہے۔ اسمٰعیل بن عیسیٰ عباسی کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں کے ہمراہ ہو گیا یہاں تک کہ یہ لوگ مقام مذکور پر پہنچے تو میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اپنا کام شروع کرو۔ چنانچہ عمال کھدائی میں مصروف ہوئے اور وہ لوگ لاحول پڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب پانچ ہاتھ کی گہرائی تک پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اب ہم ایک ایسی سخت چٹان تک پہنچے کہ جس کے کھودنے پر ہم قادر نہیں ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اس گڑھے میں اس طاقتور حبشی کو اتارا اور اس نے کدال ہاتھ میں لے کر پوری قوت سے چٹان پر ماری کہ اس کی گونج تمام جنگل میں گونج اٹھی اس کے بعد اس نے دوسری چوٹ لگائی اور پہلی مرتبہ سے زائد آواز آئی پھر تیسری مرتبہ ضرب ماری اب کی دفعہ بڑی شدت کی آواز نکلی اور ساتھ ہی غلام نے ایک زور دار چیخ ماری یہ سن کر ہم لوگ اٹھے اور اس گڑھے میں جھانکنے لگے۔ میں نے اس کے ساتھیوں سے کہا کہ پوچھو تو اس پر کیا گزر گئی ان لوگوں نے پوچھنا شروع کیا مگر اس میں جواب دینے کی حالت نہ تھی وہ برابر چیخے جا رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ہم نے اس کو نکال کر ایک خچر پر لادا اور کوفہ کی طرف واپس چلے کہ رستے میں غلام کا گوشت اس کے بازو سے اور دہنی جانب سے پھٹ پھٹ کر گرنے لگا اور تھوڑی دیر میں اس کے سارے جسم کی یہی حالت ہو گئی یہاں تک کہ ہم لوگ داؤد کے پاس پہنچے اس نے پوچھا کہ کیا ہوا ہم نے غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تو خود دیکھ

لے اور پھر سارا ماجرا بیان کیا یہ سن کر اس نے قبلہ کی طرف رو کر کے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کی اور مذہب حق کو قبول کر لیا اور اس کے بعد ایک رات کو داؤد علی بن مصعب بن جابر کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ قبر مبارک پر ایک صندوق بنا دے۔ لیکن اصل قصہ اس سے مخفی رکھا چنانچہ قبر پر اس کے حسب حکم صندوق بنا دیا گیا۔ اور غلام اسی وقت مر چکا تھا۔

عمارت ثانیہ ۱۵۵ھ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اولاد علیؑ کو سلطنت بنی امیہ کے زوال اور بنی عباس کے داعی اپنی تقریروں میں بنی فاطمہ و آل رسولؐ کے فضائل اور بنی امیہ کے ان پر شدید مظالم بیان کر کر کے لوگوں کو مائل کرتے تھے اور اس حکمت عملی کے ماتحت آل رسولؐ کی ابتدائے امر خلافت میں پاسداری بھی سبت کی جاتی تھی لیکن جوں جوں خلافت کی جڑیں استوار ہوتی گئیں حکومت کی نظریں بھی بنی فاطمہؑ کی طرف سے پھرتی گئیں اور بالآخر وہ وقت پھر آ گیا کہ جس میں ان پر دنیا پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہو گئی اور وہی اولاد رسولؐ کہ جن کے نام پر خلافت کی بھیک مانگی گئی تھی دیواروں میں اور قصروں کی بنیادوں میں چنی جانے لگی لہٰذا ایسی صورت حال کے ہوتے ہوئے بوجہ خوف ہراس زوار قبر علیؑ کا وہ سلسلہ کہ جو سفاح کے دور میں جاری ہوا باقی نہ رہ سکا اور مزار اقدس پر دوبارہ حسرت برسنے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ صندوق بھی خورد برد ہو گیا کہ جو داؤد نے بنایا تھا کیونکہ خلفاء جور کے ظلم سے اس کو بھی اس کی خبرگیری کی ہمت نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ آیا جبکہ حضرت علی علیہ السلام کی قبر مبارک پہلے کی طرح خاک کے اندر روپوش ہو گئی۔ اور اس کو اتنا عرصہ گزر گیا کہ ہارون رشید تخت خلافت پر بیٹھا اور ایک واقعہ کے ماتحت اس کو قبر کا حال معلوم ہوا اور پھر اس نے اس پر روضہ بنوایا۔ اس واقعہ کو عمدۃ المطالب و ارشاد القلوب و دیگر کتب نے اس طرح تحریر کیا ہے :-

"ہارون رشید ایک روز پشت کوفہ پر شکار کی غرض سے نکلا تو اس کو کچھ ہرن اور آہو نظر آئے اس نے ان کے پیچھے اپنے شکاری کتے ڈال دیئے اور خود بھی ان کا پیچھا کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان حیوانوں نے بھاگنا شروع کیا اور بالآخر ریوانت ہبعض کے وسط میں آ کر وہ رک گئے۔ ہارون نے خیال کیا کہ شاید ان ٹیلوں کے درمیان کوئی چیز ہے جس کو دیکھ کر یہ کتے رک گئے ہیں۔ پھر جب کتے اس مقام سے ہٹ لئے گئے تو ہرن باہر نکلے کتے پھر دوڑے اور ہرن نے پھر وہیں پناہ لی اور کتے اس جگہ کے اندر نہ گئے ہارون کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور اس نے وہاں کے پیر مردوں کو بلا کر یہ واقعہ بیان کیا اور وجہ دریافت کی۔ ان میں سے ایک بڈھے نے کہا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو اس راز کو عرض کروں ہارون نے کہا تو مامون ہے بیان کر! اس نے کہا کہ ان ٹیلوں کے وسط میں آپ کے ابن عم حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے کہ جس کی زیارت سے تمام انبیاء و اولیا مشرف ہوئے ہیں۔ رشید کو اس کی بات کا یقین آ گیا اور اس نے پیر مرد کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور پھر اس نے قبر مبارک پر ایک روضہ تعمیر کیا۔ اس پر برنگ سرخ ایک قبہ بنوایا اس میں ایک سبز رنگ کی خوبصورت قندیل آویزاں کی اور قبہ کے چار در وانے چار مشعل پر بنوائے۔ ایک مدت دراز کے بعد جب تعمیر کی گئی تو یہ قندیل حضرت کے خزانہ میں دستیاب ہوئی۔ اس قبہ کے علاوہ ہارون رشید نے سفید پتھر کی ایک ضریح بھی قبر منور پر تعمیر کی ایک انتہائی خوشنما تصویر جو قلعی زدہ بلوری پلیٹ پر بنائی گئی ہے اب تک حضرت کے خزانہ میں موجود تھی جس میں آہو اور ہارون کے شکار کا منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر فن مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہے اور ابھی حال میں میرے زمانۂ قیام میں موجودہ شاہ ایران (محمد رضا شاہ) کی نوائی آئینہ کاری کے موقع پر حضرت کے بالائے سر آئینوں سے ملا کر جڑ دی گئی ہے۔

تیسری تعمیر ۲۷۹ھ : روضہ اقدس کی تیسری تعمیر محمد استجاز بداالداعی نے کی اور اس نے قبر شریف پر قبہ چار دیواری اور ایک ستر طاق کا قلعہ تعمیر کیا اور یہ تعمیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے اس تعمیر کے ہونے سے بہت پہلے اس کی خبر دے دی تھی بحفتہ العالم میں مدینۃ المعاجز کے حوالہ سے ہے کہ حضرت نے فرمایا :-

لاتذھب اللیالی والایام حتی یبعث اللہ ممتحنا فی نفسہ فی القتل یبنی علیہ حصنا فیہ سبعون طاقا۔

چوتھی تعمیر ۳۶۰ھ : روضہ اقدس پر ہونے والی چوتھی تعمیر عضد الدولہ کی ہے۔ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت اپنے وقت کی بہترین عمارتوں میں سے تھی اور اس عہد میں انسانی قدرت کی جتنی دسترس تھی وہ اس پر صرف کر دی گئی تھی ارشاد القلوب دیلمی میں ہے کہ عضد الدولہ ان اطراف میں آکر تقریباً ایک سال کی طویل مدت تک اقامت گزیں رہا اور اس نے اطراف عالم سے بہترین صناع و استادان فن معماری کو طلب کیا اور پہلی عمارت کو خراب کر کے کافی دولت سے ایک بہترین روضہ تعمیر کیا کہ "جو آج سے قبل تک باقی تھا" اور اس کے لئے بہت سے اوقاف بھی قائم کئے اور شہر کو آباد کیا، بازار بنوائے، شہر پناہ کی دیوار کو مضبوط کیا۔

اس عمارت کا مشاہدہ مشہور سیاح اسلام ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے جبکہ وہ ۷۲۷ھ میں وارد نجف ہوئے ہیں چنانچہ وہ کیفیات حرم اقدس بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

پھر وہ لوگ (یعنی رافضی) جو گھٹ چومنے کو کہتے ہیں کہ جو خالص چاندی کی ہے اور پہلو کا چوکھٹا بھی چاندی کا ہے۔ اس کے بعد قبہ میں داخل ہوتا ہے کہ جس کے اندر انواع و اقسام کے ریشمی فرش بچھے ہیں اور طرح طرح کے سونے چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں اور قبہ کے وسط میں ایک ایوان ہے یہ اگرچہ لکڑی کا ہے مگر اس کے اوپر ہر طرف سے نقش سونے کے پتر چاندی کی کیلوں سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ لکڑی دکھائی نہیں دیتی اس کی بلندی قد آدم ہے اور اس کے اوپر تین قبریں ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم و نوح و حضرت علی کرم اللہ عنہ کی قبریں ہیں ان قبروں کے درمیان سونے چاندی کے طشت رکھے ہیں کہ جن میں گلاب و مشک کا پانی و دیگر عطریات پڑے ہوتے ہیں اور زائر اس میں سے ایک چلو بھر کر اپنے منہ پر تبرکاً ملتا ہے قبہ کی پشت پر ایک عقبی دروازہ ہے یہ بھی چاندی کا ہے جس پر رنگین ریشمی پردے پڑے ہوئے ہیں یہ دروازہ ایک مسجد میں کھلتا ہے جس میں حرم کی طرح ریشمی فروش بچھے ہیں اور اس کی دیواریں و چھت بہترین خوشنما پردوں سے روپوش ہیں مسجد کے چار دروازے ہیں جن کی چوکھٹیں چاندی کی ہیں اور ان پر ریشمی پردے پڑے ہوئے ہیں الخ (رحلہ ج ۱ صہ ۱۰۹) اس کے بعد بہت سے امراء و سلاطین شیعہ و غیر شیعہ مثل ناصر خلیفہ عباسی و خدا بندہ، و چنگیز خان و ابن مہدی وزیر وغیرہ کے اس روضہ کی تعمیر میں برابر حصہ لیتے رہے اور سونا چاندی چڑھاتے رہے اور دیواروں پر ساج کی لکڑی کے نقوش تو اس کثرت کے ساتھ لگائے کہ بالآخر اس میں (کسی دشمن کے ہاتھوں) آگ لگ گئی۔

پانچویں تعمیر ۷۶۰ھ : یہ آگ ۷۵۵ھ میں لگی کہ جس نے حرم اقدس کی تمام زینت کو برباد کر دیا لیکن اس کے بعد ہی اویس بن حسن جلائری نے فوراً تعمیر کا ارادہ کیا اور چند ہی روز میں روضہ کو پہلے کی طرح شاندار بنا دیا اور اب کی اس نے بجائے ساج کے دیواروں پر رخام (ایک پتھر) سے زینت دی کہ جس میں بہترین نقش و نگار کئے گئے تھے۔ انہی ایام میں اتفاق سے بغداد میں

گرانی پڑی جس کی وجہ سے لوگوں نے کتابیں فروخت کرنا شروع کیں کہ جن کو اہل نجف نے غلہ کے مول کافی تعداد میں خرید لیا اور اس طرح لاتعداد بہترین کتب سے حضرت کا خزانہ مملو ہوگیا۔

چھٹی تعمیر ۹۱۴ھ : اس سنہ میں شاہ اسماعیل نے ایک ضریح تعمیر کی کہ جو فولاد کی بنی ہوئی تھی اور اس کے اندر حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ و حضرت امیر علیہ السلام کے الگ الگ صندوق بنوائے اور روضہ اقدس کی رنگ برنگ قندیلوں سے تزئین کی۔

ساتویں تعمیر ۱۰۳۳ھ : اس سال شاہ عباس نے تعمیر کی اور صحن کو گشادہ کیا اور قبہ کو مضبوط کیا ضریح کی مرمت کی فرش بنوائے اور ایک ضیافت خانہ بنوایا۔

آٹھویں تعمیر ۱۰۴۷ھ : اس سال شاہ صفی صفوی شاہ عباس کے پوتے نے تعمیر میں حصہ لیا اور قبر اطہر کو رخام کا بنایا اور قبہ کو دو میناروں کے بیچ میں پھر سے تعمیر کیا۔ رواق بنوایا۔ رواق کی روکار میں ایوان کی تعمیر کی صحن میں اوپر نیچے کمرے بنوائے قبہ کو کاشانی سے زینت بخشی اور مقام کے چھ دروازے بنائے دو بالائے سر دو پائین پا اور دو دو پہلوؤں میں رواق میں پانچ دروازے کھولے اور صحن میں بھی تین جہتوں میں تین دروازے لگائے۔

نویں تعمیر ۱۱۵۵ھ : اس سال نادر شاہ نے قبہ پر سونا چڑھایا اور اس کے داخلی حصہ کو کاشی سے آراستہ کیا اور صندوق ضریح کی مرمت کی۔ صندوق کے آگے اپنا تاج رکھا کہ جو راقم الحروف کے عہد تک موجود تھا۔ قبۂ ذہبیہ کی تاریخ ہے "نور علیٰ نور حکم تجلی" اس کے ایک سال کے بعد اس نے دونوں منارے بھی سونے کے بنوائے جس کی تاریخ کہی گئی "سعد اعظما" یہ تاریخ بائیں منارے پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ضریح بھی کسی صاحب خیر کی طرف سے چاندی کی کردی گئی۔ اور اس شخص کی جانب سے صدر دروازے پر گھڑی لگائی گئی۔

حرم علوی و ملا طاہر سیف الدین : موجودہ روضہ شاہ صفی صفوی کا بنوایا ہوا ہے کہ جو فن تعمیر کا ایک عجوبہ ہے استحکام۔ قواعد علم ہندسہ خوبصورتی اس کے رکن امتیازی ہیں۔ اس روضہ اقدس میں یوں تو آئے دن نئی نئی اصلاحیں ہوتی رہتی ہیں میرے دیکھتے دیکھتے بائیں طرف کا منارہ سرے سے کھود کر دوبارہ بنایا گیا سال میں ہزاروں دینار اس کی مرمت وغیرہ میں صرف ہوتے رہتے ہیں مگر ماضی قریب میں جو خاص اصلاحیں ہوئی ہیں اس میں امیر البواہیر ملا طاہر سیف الدین کی پیش کردہ ضریح کو بڑا دخل ہے۔ یہ ضریح عظمت، مضبوطی، نزاکت جیسی عدیم الاجتماع خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ ہی نے حرم کی دیواروں اور فرش میں ایک خاص قسم کا پتھر لگایا ہے کہ جو اتنا شفاف ہے کہ اس میں صورت دکھائی دیتی ہے۔

حرم اقدس کی آئینہ کاری و موجودہ شاہ ایران : گزشتہ شاہ ایران رضا شاہ آنجہانی کے طرز عمل سے ایمان والوں کے قلوب میں جو زخم پڑ گئے تھے ان کو موجودہ شاہ محمد رضا شاہ نے جو کہ متوفی شاہ کے فرزند ہیں اپنے طرز عمل سے ایک حد تک مندمل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت سے عمل خیر کئے ہیں جن میں حرم اقدس کی موجودہ آئینہ کاری بھی ہے۔ یہ آئینہ کاری اپنی خوشنمائی اور بجلی کی فٹنگ کے لحاظ سے بڑی دیدہ زیب ہے جس کا اندازہ دیکھنے والوں کو ہی ہو سکتا ہے۔

حرم اقدس اور سونے کا پھاٹک : زمانہ جتنا جتنا آگے بڑھتا جا رہا ہے دنیا سے یقین و عمل مفقود ہوتا جاتا ہے اور یہی اخبار و حدیث سے بھی مستفاد ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے دور میں ایسی خیر ذاتیں نایاب ہوتی جاتی ہیں کہ جو عتبات مقدسہ و دیگر دینی و مذہبی امور کی خاطر کسی ایثار سے کام لے سکیں۔ بھلا کس میں ہمت کہ وہ آجکل اتنا عظیم الشان روضہ نئے سرے سے

پھر تعمیر کر سکے یا گنبد کا سونا بدلوا سکے اس لئے موجودہ زمانہ میں کسی کے تصور میں بھی نہ آتا تھا کہ حضرت کے ایوان کا دروازہ سونے کا بھی بن سکتا ہے۔ کہ لیکا یک یہ خبر سننے میں آئی کہ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ ایک غیر معروف ایرانی تاجر دس لاکھ تومان (تقریباً ۱۲ لاکھ روپیہ) صرف کر کے ایک باب الذہب بنوا رہا ہے۔ ابھی چند روز گزرے کہ یہ خبر، خبر کی حد سے نکل کر عالم فعلیت میں بھی آگئی جبکہ ایک شاندار خالص سونے کا دروازہ کہ جو اپنے طول و عرض میں پہلے چاندی کے دروازے سے تقریباً دوگنا بڑا تھا بڑے تزک و احتشام کے ساتھ لا کر نصب کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر اہل نجف نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اطراف کے عرب اس سونے کے چمکتے ہوئے اور شیشہ کی طرح صاف ٹائلوں کی چادروں سے ڈھکے ہوئے، خوشنما در کو بڑی حیرت سے دیکھتے اور مختلف طریقوں سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے تھے اس بیش قیمت دروازہ نے حرم کی شان کو اور دوبالا کر دیا ہے۔ سونے کا پھاٹک سونے کی دیواریں سونے کے مینار اور ان کے بیچ میں سونے کا عظیم ہیکل قبہ دیکھنے سے پورا روضہ سونے کا ایک قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس طلا کاری کی اس دین و دنیا بادشاہ کے آگے کیا حقیقت جس کی ایک ٹھوکر پر سونے کے دریا ابل پڑتے تھے اور اتنے اقتدار کے باوجود جس کو خاک پر بیٹھ کر نان جویں توڑنے ہی میں مزا ملتا تھا۔۔۔ البتہ ان چیزوں سے عقیدتمندوں کو امام کی بارگاہ میں اپنی محبت کا مظاہرہ کرنے کا موقعہ مل گیا (نیز اس طلا کاری سے حضرت کے ایک ارشاد کی بھی تصدیق ہوگئی کہ جس میں آپ نے دنیا کی کج رفتاری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا من سلعاها فاتته ومن قعد عنها اتته ”(نہج البلاغۃ) یہ دنیا وہ ہے کہ جو اس کو پانے کے لئے اس کے پیچھے دوڑتا ہے یہ اس کے ہاتھ نہیں آتی اور جو اس سے روگردانی کر کے بیٹھ جاتا ہے کہ اس کے پاس آموجود ہوتی ہے حضرت علی علیہ السلام نے چونکہ دنیا کو تین طلاقیں دیدی تھیں۔ اس لئے وہ آج بھی آپ کے پیروں سے لگی بیٹھی ہے۔

زمانہ سابق:۔ اگر آپ اب سے ساٹھ ستر سال پہلے یہاں آتے تو آپ کو نجف اس شان سے ملتا۔۔۔ الجھی ہوئی ڈور کی طرح پیچیدہ گلیاں، بھٹر کے سے مختصر مکانات، نیچے دروازے، پانی دودھ سے زیادہ مہنگا، اگر کوئی نجف سے باہر چلا گیا تو راہ کی دشواری کے باعث آنا مشکل، اور اگر آگیا تو پھر نکلنا مشکل، گرمی پڑی تو نجف کا طبق ایک دہکتا ہوا انگارہ، سردی آئی تو رگوں کے اندر خون سلاخ بن گیا۔۔۔ یہی وہ صبر آزما حالات تھے جن کی بنا پر اس تارک الدنیا کی زیارت یا مجاورت کی وہی ہمت کرتا تھا کہ جو علی کا پکا شیدائی اور سچا دوست ہو۔ اس زمانہ میں نجف کی آبادی بیشک قلیل تھی مگر ان قلیل افراد میں شیخ طوسی، شیخ مرتضیٰ انصاری، بحر العلوم، اخوند ملا کاظم و سید کاظم یزدی جیسی جلیل القدر ہستیاں پائی جاتی تھیں۔

اب آج: نجف کا نقشہ بدلا ہوا ہے تنگ گلیوں کی جگہ بڑی بڑی شاہراہوں نے لے لی ہے جن کے دو طرفہ عالیشان بلڈنگیں زیر تعمیر ہیں، کوفہ کا واٹر ورکس دن رات دریائے فرات کا پانی نجف اشرف کی طرف دھکیلنے میں مصروف ہے اس لئے جہاں کہیں ہری ترکاری بھی نایاب تھی اب وہاں سبزہ لہلہا رہا ہے، موٹروں کی وہ کثرت ہے کہ ہر گھنٹہ اطراف و جوانب کی طرف لاریاں چھوٹتی رہتی ہیں۔ نلوں کے ذریعہ بہائے ہوئے کثیر پانی۔ بلند عمارتوں کے سایہ، پھیلے ہوئے سبزے کی وجہ سے اب گرمی میں بھی وہ جلد سوز تپش بھی باقی نہیں رہی۔ خلاصہ یہ کہ۔۔۔ سو برس ادھر کا انسان آج اگر قبر سے اٹھ کر ادھر آ نکلے تو اس کو اونچے اونچے مکانات، بجلی کی روشنیاں، موٹروں کی کثرت، سجے ہوئے ہوٹل، ریڈیو سے نکلتی ہوئی خارق عادت آوازیں بھونچکاں کر دیں گی۔۔۔ اور یہی وہ حالات تھے جن کو نجف کے ایک بوڑھے عالم کی دوربین آنکھیں پہلے سے تشویش

کے ساتھ دیکھ رہی تھیں ۔۔۔۔۔ جب ان کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ "سرکار! اب نجف میں پانی کی قلت نہیں رہی شہر میں آب شیریں کا نل آگیا ہے"۔ تو یہ خبر سن کر بجائے خوش ہونے کے فرط الم سے انہوں نے ایک آہ سرد کھینچی ۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا "اس نل کو غیر ضروری افراد کے داخلہ کا پیش خیمہ سمجھو، اب تک نجف صرف خلّص مومنین کا مسکن و ماویٰ تھا لیکن ۔۔ اب آج سے ہر کہ و مہ گھس پڑے گا"۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ثابت ہوئی اور نجف ترقی نو کے شادیانوں سے گونج اٹھا مگر میں نے وہاں کے باشندوں کو اب بھی یہی کہتے سنا کہ "وہ زمانہ نجف کا بہت اچھا تھا جب یہاں نان شعیر، ماءِ بیر اور زیارت حضرت امیرؑ کے سوا کچھ نہ تھا"۔

تازہ کوائف :-

زندہ باد! اے ایمان کی جولانگاہ ۔۔۔ ایران! جس نے حرم اقدس میں ایسی صناعی کی ہے جس کی لاگت کا اندازہ مشکل ہے۔ حضرت اسد اللہ الغالب کی پر نور ضریح دیکھ کر ہم سمجھے تھے کہ اب اس کا جواب نہیں ہو سکتا مگر واقعہ یہ ہے کہ ۔۔۔ فارس کے رہنے والوں نے اس خیال کی اپنے عمل سے تکذیب کر دی۔ در و دیوار پر بلورین نقش و نگار بنائے جن کی تصویر کاغذ پر بنانا مشکل ہے۔ ہر آئینہ کی تراش نگاہ مردم کو خیرہ کر رہی ہے شیشہ کو کاٹ کر گل بوٹے بنانا ایرانی ہی سلیقہ پر موقوف ہے اور اس نقاشی پر چار چاند لگا دئے ہیں۔ اس شمسی برق نے جو خفیہ طریقہ سے بلورین پھولوں کے اندر ہی اندر چو طرفہ بچھا دی گئی ہے جب یہ برقی قمقمے بلورین پھولوں کے اندر روشن ہو جاتے ہیں اور مخفی گوشوں میں چھپے ہوئے رنگ برنگی ٹیوب یک بیک بھڑک اٹھتے ہیں تو حرم اقدس کی غرق آئینہ دیواروں پر عجب کیف طاری ہوتا ہے۔ کہیں آبی شعاعیں کروٹیں لے رہی ہیں تو کہیں سبز نور کا دریا موجزن ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں "خاک زمرد" اڑ رہی ہے۔ حرم مطہر کا ہر ہر گوشہ ان روپہلی سنہری کرنوں سے تمام شب معمور رہتا ہے اور یہ بجلی اس افراط سے ہے کہ اب حرم میں آویزاں جھاڑ و فانوسوں کی بھی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی، ایوان طلا اور منارہ طلا کا سونا خراب ہو گیا تھا اس کو اتار کر دوبارہ نیا سونا چڑھایا گیا ہے۔ حکومت نے بھی اصلاحوں میں کافی روپیہ صرف کیا ہے چنانچہ کربلا کی طرح یہاں بھی بارگاہ کے گرداگرد ایک سڑک بنا دی گئی ہے۔ ایک سڑک باب طوسی سے کربلا کے رخ وادی السلام تک بنائی گئی ہے گویا اب صورت ابوالشہداؑ و حضرت سیدالشہداؑ کے روضے آمنے سامنے ہو گئے، علاوہ ازیں اور بھی نئی سڑکوں اور اصلاحوں کے تجاویز زیر غور ہیں۔

نجف اشرف کی روحانی مرکزیت :-

جو اشخاص نجف اشرف کے گنبد و بارگاہ کو دیکھ کر واپس آ جاتے ہیں ان کی مثال اس گلگشت کرنے والے کی سی ہے جو باغ میں تو جائے لیکن اس کے پھولوں سے اپنے مشام کو معطر کئے بغیر پھر آئے، نجف کی اصل بہار وہ گلستان علم و عمل ہے جو صدیوں سے باب مدینۃ العلم کے آستانہ پر قائم و دائم ہے۔ نجف جانے کے بعد جس نے اس گلستان کے پھولوں سے اپنی روح کو نہیں بسایا اس نے چشمہ پر پہنچ کر خود کو تشنہ واپس کیا۔ نجف ہی میں شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی، مجدد شریعت علامہ حلی، مقدس اردبیلی، محمد مہدی، بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء، محمد حسن صاحب جواہر، شیخ مرتضیٰ انصاری، شیخ عباس قمی رحمہم اللہ اجمعین جیسے بلند پایہ علماء و مجتہدین کی قبور طیبہ ہیں اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے کافی صفحات کی ضرورت ہے اس لئے یہاں پر صرف ان بعض علماء کے مختصر ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے جن کی زیارت یا تلمذ سے میں مشرف ہوا ہوں۔

علمائے نجف اشرف: نجف اشرف کا علمی ماحول دو حصوں پر منقسم ہے ایک وہ طبقہ جو تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہے۔ دوسرے وہ علماء جو مدرس و مراجع تقلید ہیں گویا اس طرح پر داخلہ و خارجہ کی علمی تقسیم ہو گئی ہے۔ البتہ ان میں بعض ایسے جامع افراد بھی ہیں جو دونوں شعبوں میں مشترکانہ حیثیت کے مالک ہیں جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

آیۃ اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء: آپ کے جد اعلیٰ شیخ جعفر رہ مولف "کشف الغطا" تھے۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد میں سب کو کاشف الغطاء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیۃ اللہ سید کاظم یزدی و میرزا حسین نوری و آقا رضا ہمدانی وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ نے متعدد سفر کئے جن میں سفر سند و فلسطین خاص طور سے قابل ذکر ہیں جہاں آپ کو موتمر اسلامی کی شرکت کے لئے دعوت دی گئی تھی اور جہاں آپ کی اقتدا میں بلا استثنا تمام فرق اسلامیہ نے نماز جماعت ادا کی۔ میں نے جس وقت آپ کو دیکھا ہے تو اسّی۸۰ کے حدود میں داخل ہو چکے تھے جھکی کمر بتا رہی تھی کہ ملت کی تعمیر میں ختم ہوئی ہے۔ اسّی برس کے انسان کا مرجھایا ہوا چہرہ ہی کیا۔ لیکن حال یہ تھا کہ شیر کے چہرے کی طرف دیکھنا ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے آسان تھا۔ میں نے اس سن و سال کا منحنی انسان جو ایک مشت استخوان ہو اتنا پر ہیبت نہیں دیکھا کہ جیسے "کاشف الغطا" تھے۔

کاشف الغطا کی جرأت سے حکومت بھی خائف رہتی تھی کسی مسئلہ پر حکومت سے رد و قدح ہوئی تو یہ جملہ تحریر کر کے بھیجا تھا۔ لوشئت لقلبت دجلة على الفرات والفرات على دجلة "اگر چاہوں تو دجلہ کو فرات پر اور فرات کو دجلہ پر الٹ سکتا ہوں" دجلہ و فرات سے ان دونوں دریاؤں کے کنارہ پر بسنے والے عرب قبائل و عشائر مراد ہیں جو کاشف الغطا کے خاندانی فرمانبردار تھے۔

میرے ایک عرب ہم درس جو حجۃ الاسلام سید جواد تبریزی کے درس میں آتے تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی جو حکومت وقت کے مصلحت کے خلاف تھی عراق کی سابقہ حکومت اپنے تشدد میں مشہور ہے چنانچہ حکومت کے ایک متعصب طبقہ کے ایما پر ان کو پھانسی کا حکم دے دیا گیا کتنی ہی اپیلیں اور سفارشیں بروئے کار لائی گئیں مگر بےسود ثابت ہوئیں بالآخر کاشف الغطا کا ایک پرزہ موثر ثابت ہوا۔ اور حکومت مولف مذکور کا بال بیکا نہ کر سکی۔

فلسطین کے عربوں کے ہاتھ سے نکلنے کے کچھ دنوں بعد امریکی سفیر شیخ کاشف الغطا کو ملنے آیا تو اس کو دیکھتے ہی انہوں نے کہا:

ان قلوبنا دامية منكم معاشر الامريكيين انكم طعنتمونا بالصميم طعنة نجلاء لا يمكن السكوت عنها ولا الصبر عليها ان القلوب كلها ضد كم وتفظ و ما من فضاعة ضر بتكم التى قصمتم بها ظهر العرب۔ اے امریکہ والو! تمہاری طرف سے ہمارے قلوب زخمی ہیں کیونکہ تم نے ایسا گہرا وار کیا ہے جس نے ہم سے سکون و صبر چھین لیا ہے ہمارے دل تمہارے خلاف ہیں اور تمہاری اس ضربت کی وجہ سے جس سے تم نے عربوں کی کمر توڑی ہے ہمارے دلوں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں

آپ کے قلمی آثار: جہاں تک علم ہے علاوہ درس و تدریس و دیگر قومی مسائل کے تیس۳۰ کے قریب کتابیں تالیف کیں جن میں مراجعات ریحانیہ (۲ جلد) آیات بینات الخبر یہ المجلد (۷ جلد)، الدین والاسلام، نبذة من السياسة الحسينية، توضیح فی الانجیل والمسیح (۲ جلد)، المثل العلیا اور اصل الشیعہ واصولہا خاص طور سے قابل ذکر ہیں اس میں بعض کتابیں نجف اشرف کے

علاوہ بیروت و صیدا و ارجنٹائن میں کئی دفعہ شائع ہو چکی ہیں۔ موخر الذکر کتاب "اصل الشیعہ و اصولہا" ۸ دفعہ طبع ہو چکی ہے اور عمدۃ الافاضل مولانا سید ابن حسن صاحب نجفی نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اس کتاب کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ روسی دہریئے علماء تک نے اس کو سراہا ہے۔ مسٹر ہنڈرسن سفیر امریکہ متعینہ ایراق اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"میں نے کتاب "اصل الشیعہ و اصولہا" کا مترجم کے ذریعہ مفید مطالعہ کیا اور میرا اور میرے دوسرے امریکی احباب کا خیال ہے کہ اس کو واشنگٹن بھیج دیا جائے تاکہ ہمارے وہ ادباء جو عربی میں مہارت رکھتے ہیں اس کا انگریزی میں ترجمہ کریں جس کی وجہ سے انگریزی خوان طبقہ بہ شمولیت ولایات متحدہ امریکہ مذہب شیعہ سے واقف ہو سکے۔"

وفات :- آخری مرتبہ ۱۹۵۴ء میں میں نے کاظمین کی ایک بازار سے ان کو گزرتے دیکھا ان کے ایک عزیز سے میں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "کہ اسپتال جا رہے ہیں تاکہ حکومت کی نگرانی میں معالجہ کیا جائے" یہ جواب سن کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری، دل نے کہا کہ یہ کہیں آخری دیدار نہ ہو، وہی ہوا کہ جب نجف واپس پہنچا تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کے انتقال کی خبر آ گئی اور اس طرح حکومت کی نگرانی میں ملت شیعہ کا یہ شعلہ فروزاں خاموش ہو گیا۔ اسی طرح معلوم کتنے چراغ پر اسرار حالات میں خاموش ہوتے رہے ہیں مگر ان کی مظلومی کی انتہا یہ ہے کہ دنیا کو ان کے ماجرا کی خبر تک نہیں۔

آیۃ اللہ سید محسن حکیم طباطبائی مدظلہ : نجف اشرف کے مرجع اعظم ہیں میرزائے نائینی علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں سے ہیں باوجود پیرانہ سالی و نقاہت سخت محنت کے عادی ہیں آیۃ اللہ سید کاظم یزدی کی عروۃ الوثقی پر ایک گرانقدر شرح تحریر کی ہے جو "مستمسک العروۃ" کے نام سے ۱۲ جلدوں میں چھپ چکی ہے مستمسک کے علاوہ حقائق الاصول فی شرح کفایۃ الاصول، نہج الفقاہۃ وغیرہ بھی آپ کے تالیفات میں ہیں۔ میرے زمانہ میں صرف فقہ کا درس خارجی دیتے تھے لیکن اب بوجہ ناسازی مزاج کچھ دنوں سے معذور ہیں عراق و بحرین قطیف و حساء (حجاز) کے عربوں میں آپ کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن سیاسیات میں بالکل دخل انداز نہیں ہوتے عرب ممالک کے علاوہ افغانستان، ایران، پاکستان و ہندوستان میں بھی آپ کے مقلدین پائے جاتے ہیں۔ نجف اشرف میں سینکڑوں عرب و ایرانی افغانی و ہندی طلبہ کی پرورش فرماتے ہیں حقیر کو آپ سے شرف تلمذ و اجازہ حاصل ہے۔ متعنا اللہ بطول بقائہ۔

آیۃ اللہ میرزا عبدالہادی شیرازی مدظلہ :- نجف کے بلند پایہ مرجع بلکہ ایک طبقہ میں اعلم سمجھے جاتے ہیں آپ کے درس میں علاوہ طلبہ و محصلین کے اساتذہ بھی شریک ہوتے ہیں آپ کے مقلدین عراق و ایران میں پائے جاتے ہیں حقیر کو آپ سے بھی شرف تلمذ و اجازہ حاصل ہے۔ میری کتاب لمعہ ساطعہ پر ایک گراں بہا تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ ادام اللہ ظلہ الشریف۔

آیۃ اللہ سید ابوالقاسم خوئی مدظلہ :- "خو" ایران کا سرحدی ترکی علاقہ ہے آپ بھی میرزائے نائینی کے شاگردوں میں ہیں اور خود نجف اشرف میں اصول فقہ کے استاد اول مانے جاتے ہیں۔ ہر شام کو مسجد خضرا میں درس اصول دیتے ہیں جس میں میرے زمانہ میں ۳-۴ سو مبرز طلبہ کا اجتماع ہوتا تھا صبح کو درس فقہ دیتے ہیں صاحب بیان ہونے کے علاوہ صاحب قلم بھی ہیں۔ آپ کے قلمی آثار میں سے تقریرات نائینی و مقدمہ تفسیر قرآن وغیرہ طبع ہو چکے ہیں۔ حقیر کو شرف تلمذ و اجازہ حاصل ہے۔ میری کتاب پر تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے۔ متع اللہ المسلمین بطول بقائہ۔

آیۃ اللہ سید محمود شاہرودی مدظلہ:۔ میرزائے نائینی رہ کے شاگردوں میں سے ہیں، مرجع تقلید ہیں۔ آپ کا درس فقہ و اصول معیاری ہوتا ہے، دن کو فقہ رات کو اصول بیان فرماتے ہیں۔ آپ کے درس میں بھی اساتذہ شرکت کرتے ہیں۔ ان کے درس میں میرے ساتھ میرے ایک جلیل القدر استاد بھی شریک ہوتے تھے۔ متعنا اللہ بوجودہ الشریف۔

آیۃ اللہ سید محمد جواد تبریزی مدظلہ:۔ مغرب کے وقت حرم حضرت امیرؑ سے برآمد ہوتے ہی ایوان طلا میں ایک نورانی بزرگ نماز پڑھاتے دکھائی دیں گے جن کو دیکھ کر بیساختہ قدم رک جائیں گے ——— یہی آقائے سید جواد تبریزی ہیں، میرزائے نائینی رہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ نجف اشرف کے جامع مجتہدین میں آپ کا شمار ہے خصوصاً معقولات میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ میرے زمانہ میں صرف فقہ و اصول کا درس دیتے تھے جس میں پابندی سے شرکت ہوتی تھی۔ آپ کے مقلدین عراق و ایران و ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ بھی سرحد ایران کے ترکی علاقہ "تبریز" کے رہنے والے ہیں جہاں کے باشندے جذبۂ ایمانی اور حسن و جمال میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اس لئے ستر کے حدود میں داخل ہونے کے باوجود چہرہ پر دلوں کو موہ لینے والی تابش موجود ہے۔ اصلاً ترک ہونے کی وجہ سے اور ترک تتن کی وجہ سے اس پیرانہ سالی میں بھی ماشاء اللہ صحت کا یہ عالم ہے کہ نجف کی کڑاکے کی سردی میں اوّل صبح جب میں درس کیلئے جاتا تھا تو کمرہ کا کھلا دروازہ طلبہ کو شاق گزرتا تھا مگر وہ اس کو بند کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ جاڑے میں گرمی کا لباس زیب بدن کرتے تھے صرف ایک گرم صدری پر اکتفا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ "اس کی بھی کیا ضرورت ہے"۔ فرمایا "نظر کے خوف سے پہنی ہے"۔ میں نے ایک دفعہ تتن نوشی پر فقہی نقطۂ نظر سے بحث کے اثنا میں اس کی مضرتوں کے متعلق سوال کیا تو فرمایا "تمباکو نوشی میں تین خوبیاں ہیں"۔ میں نے کہا "وہ کیا؟" فرمایا "ایک تو یہ کہ تمباکو پینے والے کو کبھی کتا نہیں کاٹتا۔ دوسرے اس کے گھر میں چور نہیں آتا تیسرے وہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا"۔ میں نے جب تعجب کا اظہار کیا تو اس کی پر لطف تفصیل اس طرح فرمائی "گھر میں چور اس لئے نہیں آتا کہ تمباکو نوشی کے ساتھ کھانسی ضروری ہے رات کو جب بھی چور گھر میں آنا چاہے گا کھانسی کی آواز اس کو متنبہ کردے گی کہ گھر والے جاگ رہے ہیں اس لئے اندر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ کتا اس لئے نہیں کاٹے گا کہ اس عادت سے کمزوری و نقاہت آجاتی ہے اور مجبوراً راستہ میں عصا کی ضرورت محسوس ہوگی ہاتھ میں عصا دیکھ کر کبھی کتا پاس نہیں آئے گا۔ بڑھاپے سے اس طرح محفوظ رہے گا کہ تمباکو پینے والا امراض مہلکہ کا شکار ہوکر جوانی ہی میں چل بستا ہے اس لئے پیری کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا"۔ کیسے لطیف تلمیحات ہیں۔ سرکار موصوف سے حقیر کو شرف تلمذ کے علاوہ اجازۂ اجتہاد حاصل ہے۔ متعنا اللہ بطول بقاء الشریف

آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم زنجانی مدظلہ:۔ نجف اشرف کے سن رسیدہ علماء میں شمار ہے، آخوند خراسانی و سید کاظم یزدی کے شاگرد ہیں۔ آپ بھی ترک نژاد ہیں زنجان سرحد ایران و ترکیہ پر ایک مقام ہے اس پیرانہ سالی کے باوجود اپنے جاذب نظر وجیہ چہرے مہرے اور اپنی پند آموز و فتنہ آمیز گفتگو کی وجہ سے امتیاز خاص رکھتے ہیں۔ عبدالکریم زنجانی ہی وہ ہیں جنہوں نے جامع ازہر مصر میں ملت شیعہ کا نام اونچا کیا اور یونیورسٹی کے وسیع حال میں وہ یادگار لکچر دیا جس کی یاد ہمیشہ باقی رہے گی اس لکچر کا حال میں نے سامعین کے علاوہ خود موصوف کی زبان سے بھی سنا ہے۔ آپ بھی مثل کاشف الغطاء کے دیار ہند کا دورہ کرچکے ہیں۔ عراق کے موجودہ انقلابی دور میں آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تھی مگر جب میں زیارت نجف اشرف سے مشرف ہوا تو آپ نے مجھ سے گلے مل کر اور میرے ساتھ چائے پی کر اس خبر کی عملی تکذیب کردی۔ اطال اللہ بقاءہ۔

حجۃ الاسلام آقائے بزرگ طہرانی مدظلہ :- اگر آپ کو اگر ملت شیعہ کا موجودہ شیخ المحدثین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شیخ کاشف الغطاء و شیخ عباس قمی و آقا بزرگ طہرانی یہ سب میرزا حسین نوری رہ صاحب کتاب لولو و مرجان کی یادگار ہیں نجف اشرف میں مشرف ہونے کے بعد جو شخص وہاں کے علمی گوشوں کو ڈھونڈھنا شروع کرے تو وہ بہت آسانی سے ایک چھوٹے سے دروازے پر پہنچ جائے گا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک سالخوردہ بڈھا نمودار ہوگا جو آپ کی اطلاع اندر کریگا اور اجازت ملنے پر آپ کو کتابوں سے اٹے ہوئے ایک مختصر کمرہ میں پہنچا دیگا جہاں فوراً ہی آپ کی نگاہ ایک زمین دوز پیر مرد پر پڑیگی جو حبیب بن مظاہر اسدی کی شان سے سیف قلم ہاتھ میں لیے جوانوں کو مات کر رہا ہے۔ ملت جعفری پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس نے علمی خدمات انجام نہیں دیں تصنیف و تالیف کا سہرا اسلام میں سواد اعظم کے سر ہے اس اعتراض کے جواب میں آقا بزرگ طہرانی نے ذریعہ الی تصانیف الشیعہ" کے نام سے جو قلم اٹھایا ہے تو میرے زمانہ تک دس جلدیں طبع ہو چکی تھیں اور ابھی صرف حرف (د) دال تک نوبت پہنچی ہے۔ دفقہ اللہ لاتمامہ حقیر کو آپ سے بھی اجازہ حاصل ہے۔

حجۃ الاسلام علامہ شیخ عبدالحسین امینی تبریزی :- دنیائے اسلام کے علمی طبقہ میں کون ہے جو عصر حاضر کی مایۂ ناز تصنیف "غدیر" کے نام سے واقف نہ ہو یہی وہ کتاب ہے جس پر شاہ عراق۔ شاہ مصر۔ شاہ اردن، و یمن نے گرانقدر تقریظیں تحریر کی ہیں اور اس کتاب کے متعلق اپنے اشتیاق کا اظہار کیا ہے لطف یہ کہ کتاب مناظرانہ ہے جس میں ملت شیعہ پر ہونے والے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے اب تک "گیارہ" جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں باقی زیر قلم ہیں۔ زبدۃ الکاملین علامہ محمد مصطفے صاحب قبلہ جوہر مدظلہ اس کا اردو ترجمہ بھی لکھ رہے ہیں دفقہم اللہ لذلک۔ آقائے امینی ابھی پچاس کے حدود میں ہیں ترک نژاد ہونے کے باعث اس سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں، چہرہ پر وہ شان علم ہے کہ "لو اطلعت علیہ لملئت منہ رعبا" غدیر کے علاوہ آپ کے علمی آثار میں سے شہداء الفضیلۃ، ریاض الانس، ادب الزائر، عترت طاہرہ بھی ہیں۔ آپ کا دوسرا کارنامہ وہ معظیم الشان کتب خانہ ہے جس کا ذکر کتابخانوں کے بیان میں آئے گا۔

ان حضرات کے علاوہ وادی نجف علمی میدان کے شہسواروں سے بھری پڑی ہے جو اپنے قلمی جہاد میں مرتب و مصروف ہیں اور ان میں حجۃ الاسلام سید محمد جعفر مرندی، حجۃ الاسلام شیخ محمد علی اردبادی، شیخ محمد رضا مظفر، سید عبدالرزاق مقرم، آقائے محمد رضا طبسی، آقائے سید احمد مستنبط، آقائے سید نصر اللہ مستنبط کے نام نامی فخر کے ساتھ لیے جا سکتے ہیں۔

اس نورانی ماحول کی برکت تھی کہ حسب فرمائش استاد العلماء عم محترم مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ (مجتہد اعظم ہند و پاکستان) صلواۃ جمعہ کے متعلق میں نے نجف اشرف میں علمی تحقیق کی جس کے نتیجہ میں ایک مفید کتاب تالیف ہو گئی الحمد للہ کہ یہ کتاب نماز جمعہ تعقیب کتاب جعفریات و دیگر فقہی وکلامی مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہ صرف وہاں کے علماء نے اس کو اپنے جلیل القدر تقاریظ سے نوازا بلکہ حجۃ الاسلام آقائے سید جواد تبریزی و عم محترم مدظلہما نے اس کتاب کی بنا پر اجازہ اجتہاد سے شرف بخشا۔

نجف اشرف کے کتب خانے :- نجف جس طرح علماء دین کا مرکز رہا ہے اسی طرح کتابوں کا بھی بڑا مرکز ہے سب سے بڑا اور نایاب کتب خانہ محلہ عمارہ میں "کتب خانہ شوستری" ہے۔ جس میں ہر قسم و ہر فن کی ہزاروں کتابیں ذخیرہ ہیں جن سے علماء و طلباء ہمیشہ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

دوسرا کتب خانہ: "مکتبہ کاشف الغطا" ہے جو مدرسہ کاشف الغطا میں واقع ہے۔

تیسرا کتب خانہ: "مکتبہ آل حنوش" ہے جو ایک تاجر کی حسب وصیت اس کے مقبرے پر بنایا گیا ہے اور اپنی صفائی و ترتیب کے لحاظ سے خاص امتیاز کا حامل ہے۔

کتب خانہ سید کاظم یزدی رہ: یہ کتب خانہ آیۃ اللہ سید کاظم یزدی علیہ الرحمہ نے قائم کیا ہے جو نادر کتب پر مشتمل ہے اور مورد استفادہ ہر خاص و عام ہے۔

مکتبہ النجف: باب الولایہ میں واقع ہے یہ حکومت کی طرف سے ہے اور اس میں کتب قدیمہ و جدیدہ کا اچھا ذخیرہ ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میرے زمانہ میں اس کتب خانہ کی ساری کی ساری فہرست دیوار پر چسپاں تھی اور چل پھر کر پڑھی جاتی تھی یہ طریقہ بظاہر آسان ہے تجربہ شرط ہے۔

مکتبہ بروجردی: آقائے بروجردی مدظلہ کے حکم سے انہی کے مدرسہ میں یہ کتب خانہ قائم کیا گیا ہے اور ہر قسم کی کتب سے آراستہ ہے۔

مکتبہ حکیم: مسجد ہندی میں آیۃ اللہ سید محسن حکیم نے قائم کیا ہے در ابتدائی مراحل میں ہونیکے باوجود مورد استفادہ ہے۔

مکتبہ امیر المومنین ع: یہ عالیشان کتب خانہ آقائے شیخ عبد الحسین امینی مؤلف "غدیر" نے تاسیس کیا ہے جس میں ۱۳۸۲ھ تک نو ہزار قیمتی کتابیں جمع ہو چکی تھیں یہ مدرسہ سید کاظم یزدی کے قریب ہی دو سو ساٹھ میٹر کے رقبہ میں واقع ہے مکتب کی عمارت کنکریٹ و آہن و سمینٹ کے ذریعہ بڑی شاندار بنائی گئی ہے۔

ان تمام کتب خانوں کے علاوہ نجف میں بکثرت شخصی کتب خانے بھی ہیں جن میں سب سے قیمتی کتب خانہ خود روضہ منورہ کا ہے جس کا نام "مکتبۃ الغدیریہ" ہے۔ مگر شاذ و نادر کھولا جاتا ہے۔

کتب خانہ شیخ علی کاشف الغطاء: موصوف مرحوم شیخ کاشف الغطاء کے بھتیجے، داماد، اور جانشین ہیں ان کا کتب خانہ بھی خصوصیات کا حامل ہے۔

کتب خانہ سید سید محمد حسن گیلانی: موصوف حجۃ الاسلام سید جواد تبریزی مدظلہ کے داماد اور عراق کے نامی گرامی اہل منبر ہیں ان کا کتب خانہ بھی کافی وسیع ہے۔

کتب خانہ آقائے سید آغا جزائری: علامہ سید نعمت اللہ جزائری کی اولاد سے ہیں اور میرے ابن عم ہیں ان کو کتابوں کی جمع آوری کا جو عشق ہے اس کی نظیر کم ملتی ہے بہت سی کتابیں جن کو یہ حاصل نہیں کر سکے ان کو اپنے قلم سے لکھ کر جمع کیا ہے جن میں سید جزائری علیہ الرحمہ کی شرح تہذیب (۱۳ جلدوں میں) شرح استبصار (۲ جلدوں میں) بھی شامل ہیں۔ شرح استبصار کی ایک جلد موصوف کے نسخہ سے میں بھی استنساخ کر کے اپنے ہمراہ لے آیا ہوں۔ یہ وہ قیمتی کتابیں ہیں جو زمانہ کی گرفتاری کے باعث زیور طبع سے مزین نہیں ہوئیں اس لئے شیخ انصاری رہ نے اپنی کتاب رسائل میں شرح تہذیب کی عبارۃ کو محکی کے لفظ کے سہارے نقل فرمایا ہے۔ مذکورہ کتبخانوں کے علاوہ بکثرت شخصی کتب خانے ہیں جو نجف اشرف کے علماء و محصلین کے اعداد و شمار کے مطابق ہیں لہذا ان کا احاطہ کرنا یا ان کتب خانوں کے تفاصیل میں پڑنا بہت وقت چاہتا ہے۔

نجف اشرف کے مدارس: لفظ مدرسہ کے متعلق دو اصطلاحیں ہیں ایک عام، دوسرے خاص، عمومی اصطلاح میں مدرسہ درسگاہ کو کہتے ہیں لہذا اس کے معنی سے نجف کے مدارس وہاں کی مسجدیں ہیں کیونکہ وہاں درس عموماً مساجد ہی میں ہوتے ہیں جن کا ذکر مساجد کے بیان میں آئیگا۔ دوسری اصطلاح مدرسہ، بورڈنگ یا دارالاقامہ کے ہم معنی ہے۔ تو یہ مدارس ہر قوم وطائفہ نے اپنی استعداد کے موافق بنوادیے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

مدرسہ سید کاظم یزدی: یہ مدرسہ آیتہ اللہ سید کاظم یزدی رہ نے بنوایا ہے اور قدیم فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ رنگ برنگ کی کاشی اینٹوں سے بنے ہوئے اس مدرسہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جتنا زمین سے اوپر ہے اس کا دو تہائی زمین کے اندر روپوش ہے کیونکہ نجف میں گرمی قیامت کی پڑتی ہے لہذا طلبہ کو راحت و آرام پہنچانے کے لئے ہر مدرسہ میں سرداب بنوانا پڑے۔ اس مدرسہ کا سب سے آخری سرداب انتہائی شدید گرمیوں میں اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ بغیر لحاف کے اس میں گزارا مشکل ہے۔

مدرسہ بروجردی: یہ مدرسہ آقائے شیخ نصر اللہ خلخالی دام ظلہ وکیل عام آقائے بروجردی مدظلہ نے اپنی کدوکاوش سے تیار کیا ہے جس کا محل وقوع حرم اقدس کے بالکل روبرو ہے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے اور استحکام و خوبصورتی کے اعتبار سے نجف کے بقیہ مدرسوں پر ممتاز ہے، بجلی کی روشنی، سردابوں میں سقفی پنکھے، ٹیلیفون، پانی کے نل، فوارہ، کشادہ صحن، اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ غرضیکہ طلبہ کے آرام و آسائش کی سب ہی چیزیں مہیا ہیں۔

مدرسہ کلنتر: نجف اشرف کی نئی آبادی میں کوفہ و نجف کے درمیان گزشتہ حکومت کے دور میں ایک انوکھا فوارہ نصب کیا گیا ہے جو برقی قوت سے ہفت رنگ پانی فضا میں اچھال کر قوس قزح کا منظر پیش کیا کرتا ہے۔ اس مصنوعی قوس قزح کے نزدیک ہمارے ایک صمیمی دوست آقائے سید محمد کلنتر شوشتری نے ایرانی تاجر کی مدد سے ایک عالیشان مدرسے کی بنیاد ڈالی ہے۔ آقائے کلنتری وہ باہمت وجواں سال عالم ہیں جنہوں نے اپنی کم عمری کے باوجود بین کارنمایاں کئے ہیں ایک نایاب و قیمتی کتابوں کی دوبارہ طباعت چنانچہ جامع السعادات۔ تذکرہ علامہ وغیرہ بہترین طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ دوسرے حضرت امیر علیہ السلام کے حرم میں سونے کے تین پھاٹک آپ ہی کی سعی واہتمام سے نصب ہوئے ہیں تیسرے مذکورہ شاندار مدرسہ جب میں عراق میں تھا تو یہ مدرسہ تیزی سے تعمیری مدارج طے کر رہا تھا اور اب تک طلبہ دین کی کثیر تعداد کو اپنی آغوش میں لے چکا ہوگا۔ فللہ در بانیہا و بار یہا۔

مدرسہ ہندی: یہ مدرسہ نواب فتح علی خان صاحب مرحوم قزلباش کا بنوایا ہوا ہے اور نجف اشرف میں مدرسہ ہندی و مدرسہ نواب کے نام سے مشہور ہے سنا جاتا ہے کہ اس مدرسہ کے اوقاف بھی ہیں مگر یہاں کے رہنے والے طلبہ کو پانی و بجلی کا کرایہ خود ہی ادا کرنا پڑتا ہے میرے زمانہ قیام میں جب بھی پانی کا ٹیکس چڑھ جاتا تھا تو نل کے ساتھ بجلی بھی کاٹ دی جاتی تھی اور ہفتوں شمع جلا کر کام چلتا تھا۔ ہندیوں کا لے دے کر یہی ایک مدرسہ ہے۔ دوسرے مدارس میں ہمیشہ طلبا کا ہجوم رہتا ہے کل ۳۰، ۴۰ مدرسے ہیں جو ۳، ۴ ہزار طلبہ کے لئے ناکافی ہیں۔ ہندی طلبہ کے لئے ایک اور مدرسہ کی ضرورت تھی مگر ایں خیال است و محال است و ــــ

نجف اشرف کے مساجد: نجف اشرف میں قدم قدم پر مسجدیں ہیں جن میں درس و بحث کی گرما گرمی رہا کرتی ہے ان مساجد میں تین مسجدیں تاریخی شان کی حامل ہیں ــ ایک "مسجد طوسی"۔ اس مسجد میں شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ کی قبر مطہر ہے پہلے کافی وسیع تھی مگر اب اس کا کچھ حصہ سڑک میں آگیا ہے۔ یہ مسجد حرم امیر المومنینؑ کے بالکل نزدیک ہے آیۃ اللہ سید کاظم یزدی رہ اسی

مسجد میں درس خارج فرمایا کرتے تھے۔ دوسرے "مسجد ترک" جیسا کہ اس کے کتبہ سے ظاہر ہے اس کی تاسیس شیخ مرتضیٰ انصاریؒ نے کی ہے، حرم سے تھوڑے فاصلہ پر محلہ حویش میں واقع ہے آجکل اس میں آیۃ اللہ عبد الہادی شیرازی و آیۃ اللہ سید محمود شاہرودی درس دیتے ہیں۔ تیسرے "مسجد ہندی" نجف کی تاریخ میں اس مسجد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس ہندی تاجر نے اس کو تعمیر کیا ہے وہ ہانگ کانگ میں تجارت کرتے تھے مسجد کی تاسیس کے وقت انہوں نے کہا کہ میں نے نذر کی ہے کہ اس کی نیو ایسے متبرک ہاتھوں سے پڑیگی جس کی نماز شب کبھی قضا نہ ہوئی ہو یہ وہ معیار تھا جس پر بڑے بڑے مقدسین وقت پورے نہ اتر سکے بالآخر خود انہوں نے اس کی خشت اول رکھی یہی وجہ ہے کہ نجف اشرف کی اس درسگاہ کو وہ شرف حاصل ہوا جو دوسری درسگاہوں کو نہیں ملا۔ لاتعداد مجتہدین عظام اس مسجد کی برکت سے دولت علم سے مالامال ہو کر دنیا میں پھیل گئے۔ شب و روز میں شاید ہی کوئی ایسا وقت ہو جس میں اس مسجد میں عبادت نہ بجالائی جاتی ہو۔ آقائے ابوالحسن اصفہانی اعلی اللہ مقامہ بھی اسی مسجد میں درس خارج دیا کرتے تھے پہلے یہ مسجد اپنی وسعت کے لحاظ سے ناکافی تھی اب آقائے سید محسن حکیم مدظلہ نے اس کی مزید توسیع کی ہے اور اس کے ایک گوشہ میں ایک مکتبہ بھی بنایا ہے۔

نجف اشرف کے طلبا :- سہ پہر کو اگر صحن امیرالمومنینؑ میں جائیے تو صحن کی گنجائش سیاہ و سفید عمامے والے نوعمر و سن رسیدہ طلبا سے پر ملے گی کوئی عربی میں بول رہا ہے تو کوئی فارسی میں بات کر رہا ہے کہیں ترکی ہے تو کہیں ہندی سب سے زائد تعداد عرب و عجم طلبا کی ہے اس کے بعد اہل تبت و افغانستان، اور شاید ہمارے لئے لائق افسوس ہو یہ امر کہ سب سے کم انگلیوں پہ گننے کے قابل ہندیوں کی تعداد ہے۔ یہ لق و دق برعظیم ہند و پاکستان، اور اس میں یہ دس بیس نفوس، یہ بھی نہ معلوم کیوں فاقے کرنے کے لئے اس وادی غربت میں آنکلے ہیں وہ ایران ہے جو اپنے ہزاروں طالبان علم دین کی کفالت کر رہا ہے ہر طالب علم اپنی جگہ پر خوش و خرم ہے اور یہ ہم ہیں کہ ان چند نفوس کی خبر بھی نہیں لیتے کہ جن میں سے اگر ایک بھی کام کا نکل آئے تو اس کے مقابلہ میں لاکھوں کی دولت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مشاعروں کے لئے روپیہ ہے "انتق رنگ" کی محفلوں کے لئے پیسہ ہے تفریحی کلب، سیر و سیاحت، سینما، دعوتوں اور دیگر بیہودہ رسوم کے لئے بڑے بڑے اہتمام سے عالیشان تیاریاں ہیں مگر —— اصلاحی امور کی طرف سے غضب کی چشم پوشی ہے۔ آج خوجوں کی جماعت کتنی منظم ہے، بوہرے کتنے بااصول ہیں دنیا کی ہر قوم و ملت ایک حساب سے زندگی کی راہ طے کر رہی ہے لیکن —— ایک ہم ہیں جن کی کوئی کل سیدھی نہیں بے قاعدگی و بے سر و سامانی ہمارا حسن امتیازی بن کر رہ گئی ہے۔ نہ کوئی امامباڑہ گت کا ہے نہ کوئی مدرسہ ہر قومی ادارہ قوم کی بے التفاتیوں کا رونا رو رہا ہے....

تو —— کہہ یہ رہا تھا کہ تم جب اپنے داخلی امور ٹھیک نہ کر سکے جب وہاں خاک اڑ رہی ہے تو بیرونی ممالک عراق و ایران وغیرہ میں اپنی حیثیت کیا درست کروگے؟ اگر کربلا میں ہر قوم کی رہائش کے لئے عالیشان مسافر خانے موجود ہوں اور تمہارے لئے ایک شب کو قدم ٹکانے کی جگہ نہ ملے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے —— اگر نجف میں ہر قوم و ملت کے نمائندے "فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ منھم لیتفقھوا فی الدین" —— ہر قوم سے ایک گروہ علم دین حاصل کرنے کے لئے کیوں نہیں نکلتا —— پر عمل کرتے ہوئے جوق در جوق آئیں اور علم و عرفان کے اس ابلتے چشمہ سے فیضیاب ہو کر ابر کرم کی طرح اپنی اپنی قوموں پر جا کر برسیں —— اور تمہارے یہاں یونہی خاک اڑتی رہے اسی طرح قحط نمایاں ہو، بے دینی و دہریت کی مسموم ہوائیں

چل کر نونہالان ملت کے قلب ایمان کو جلسا کر خاک سیاہ کر دیں تو ــــ کوئی عجب کی جا نہیں ہے لہذا ــــ تمہارے طلاب کو اس مرکز علم میں سب سے کم اور پریشان حال ہونا چاہیئے ۔

میں دیکھتا ہوں کہ اول تو تم کو ان نورانی بارگاہوں سے ہی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے نہ معلوم کتنے حسینؑ و علیؑ کا نام لینے والے امکان کے باوجود انہیں حسینؑ و علیؑ کے مقدس آستانوں پر آتے کسمساتے ہیں، گھر کے انتظامات سے فرصت نہیں ملتی، مقدمات کی پیروی کرتے کرتے عمر صرف ہو جاتی ہے ۔ نوکری و تجارت کی مشغولیت حارج ہوتی ہے ــــ اور اگر اتفاق سے بھولے بھٹکے کہیں آ بھی نکلے تو اس طرح کہ مغربیت میں رنگے ہوئے، اصالت کو بھولے ہوئے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہیں صحن میں کھڑے ہو کر، کہیں رواق میں گردش کر کے تفریحی نظر سے عمارت کے نقش و نگار کو دیکھا اور اس کے بعد اپنے ہم صفت لوگوں کو کچھ دے دلا کر چلے گئے ۔ کم ہوتے ہیں ایسے پر خلوص زوار جو روح زیارت کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیارت کرتے ہیں ۔ ورنہ عام طور سے ہم جو نجف زیارت کرنے جاتے ہیں تو "السلام علیک یا امیر المومنین" پر اکتفا کر لیتے ہیں ہم کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ یہاں ہماری قوم کے کتنے افراد پریشان حال ہیں ۔ نہ اس کی پرواہ کہ اس دیار غیر میں ہماری کتنی ہوا ہیں شوق مجاورت کی وجہ سے فقر و فاقہ کی شکار ہو رہی ہیں، ان طلباء و علماء میں کوئی ہمارا بھی ہے یا نہیں ۔ اگر ہے تو پریشان حال ہے یا خوش حال، زندہ ہے کہ مردہ .... سچ بتلاؤ کہ ....

شاہ ویتیماں ــــ امیر فقراء ــــ حضرت علی بن ابی طالب تمہاری اس زیارت سے خوش ہوں گے ــــ !

خدارا صبح قیامت نکلنے سے پہلے از خود چونک جاؤ! نقصان مایہ کی خاطر نہ سہی شماتت ہمسایہ ہی کے خیال سے اٹھ بیٹھو، یہی خیال کرو کہ دوسری قومیں تم پر خندہ زن ہیں ــــ

وا بکن از خواب نوشیں چشم کیں
خفتۂ بسیار ــــ بنشیں اند کیں

اس وقت کربلائے معلیٰ میں غریب زوار و مجاورین کے لئے ایک عظیم الشان رہائش گاہ کی فوری شدید ضرورت ہے اس طرح نجف اشرف میں بقائے مذہب و تحفظ ملت کی خاطر تحصیل علم کرنے والوں کے لئے انتظام قیام و طعام کی شدید اور جلد ضرورت ہے ۔

مجھ کو معلوم ہے کہ تم میری اس آواز پر کان تک نہ دھرو گے لیکن ــــ اتنا یاد رکھو کہ جاں شکن شدائد، فاقے اور سردی کے حملے ان بیچاروں کو رفتہ رفتہ اس دنیا سے گزار ہی دیں گے کہ جس کے بدلہ میں ان کو نعیم خلد میں بہترین جگہ ملیگی مگر وہ ان شدائد کا بار تمہاری گردنوں پر چھوڑ جائیں گے ۔ جیسے ــــ تم نے ان کو ہلاک کیا ہو ۔

حضرت رسول کریمؐ اور حضرت امیر المومنینؑ کے بعض اصحاب اور انکے مختصر حالات

یہ حسن اتفاق ہے کہ امیر المومنین حضرت علیہ السلام کے جتنے اصحاب تھے ان کی غالب اکثریت ان ایمانداروں پر مشتمل تھی جن کو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ ہم آپ کے کثیر اصحاب میں سے صرف پندرہ بزرگوں کے حالات اپنے محترم بزرگ علامہ سید علی حیدر کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

جناب ابوذر علیہ الرحمۃ

آپ کا نام جندب تھا۔ آپ کے والد جنادہ بن سفیان قبیلہ غفار کے ایک شخص تھے جب آنحضرت مکہ میں تھے تب ہی مسلمان ہوئے ہیں آپ کا چوتھا یا پانچواں نمبر تھا۔ مگر مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں حضرت ابوذر جن کا اسلام لانیوالوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے جب آنحضرت کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں۔ وہ مکہ میں آئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سنیں واپس جاکر ابوذر سے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہیں کچھ اور چیز ہے۔ تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔ ابوذر کو تسکین نہیں ہوئی خود مکہ میں آئے زبان مبارک سے آپکا ارشاد سُنا اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے علیحدہ رہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہے وہ مسلمان نہیں چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں ان کو مدینے سے دور بھیجدیا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد اص ۱۵۲) یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے رسول کو اسلامی سلام کیا جب یہ مسلمان ہو چکے تو اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے اور وہیں مقیم رہے یہانتک کہ نبی صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو جنگ بدر و احد میں اور خندق کے بعد پھر یہ آنحضرت کے پاس چلے گئے اور وہیں رہے۔ انھوں نے نبی صلعم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ خدا کی راہ میں ان کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ ہوگا۔ اور یہ کہ حق بات کہدیا کریں گے۔ گو وہ تلخ ہو آپکے فضائل کیلئے یہ کافی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم یہ فرماتے تھے۔ آسمان نے سایہ نہیں کیا ہے اور زمین نے اپنے اوپر نہیں اٹھایا کسی ایسے شخص کو جو ابوذر سے زیادہ راست گفتار ہو۔ نبیؐ نے فرمایا کہ ابوذر دنیا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے زہد پر چل رہے ہیں خلیفہ اول کے مرنے پر یہ ملک شام چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے معویہ کی شکایت پر جناب ابوذر کو بلایا اور ربذہ میں رہنے کی جگہ دی یہانتک کہ وہیں آپکی وفات ہوئی۔ جب آپکی وفات کا وقت آیا تو آپکی بی بی رونے لگیں۔ جناب ابوذر نے وجہ پوچھی تو کہا تمہارا کفن کہاں سے آئیگا۔ آپنے کہا نہ روؤ۔ میں نے رسولخدا صلعم سے سنا ہے فرماتے تھے تم میں سے ایک شخص ویران زمین میں مریگا۔ اسکی تجہیز و تکفین میں مومنین کی ایک جماعت شریک ہوگی وہ میں ہی ہوں تم راستے میں جاکر انتظار کرو۔ واللہ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ مجھ سے جھوٹ بیان کیا گیا ہے بی بی جاکر راہ میں کھڑی ہوگئیں تو دیکھا کہ کچھ لوگ سواریاں دوڑاتے آ رہے ہیں۔ بی بی نے جناب ابوذر کے انتقال کی خبر دی وہ سب وہاں پہنچے اور غسل و کفن دیکر دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۲ھ کا ہے جناب ابوذر گندمی رنگ کے دراز قامت تھے۔ سر اور داڑھی کے بال سفید تھے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۳۲)

کتاب مذکور میں جناب ابوذر کی جلاوطنی کو بہت مختصر کر کے لکھا ہے جناب ابوذر شام میں رہنے لگے تھے معویہ کی دنیا پسندی مشہور ہے جناب ابوذر سمجھاتے کہ یہ روش اسلام اور خدا و رسول کے خلاف ہے غرض وہ برابر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے تھے معویہ سے یہ باتیں برداشت نہ ہو سکیں حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ ابوذر کو کسی طرف بھیج دیجئے حضرت عثمان نے معویہ کو لکھا کہ ابوذر کو فوراً ایک ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر کے کسی سخت مزاج رہبر کے ساتھ [illegible] اونٹ کو دوڑاتا لائے اور کسی جگہ بھی نہ ٹھہرنے دے۔ تاکہ ابوذر پر نیند کا ایسا غلبہ ہو کہ اس کی اذیت سے وہ میرا اور تمہارا ذکر کرنا بھول جائیں بہرحال معویہ نے ایسا ہی کیا جناب ابوذر بلند قامت کمزور دبلے پتلے شخص تھے۔ اور اتنے بوڑھے ہو گئے تھے کہ پورے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے پھر اب ایسے اونٹ پر سوار کئے گئے جس پر نہ کوئی زین تھا نہ ساز نہ کپڑا۔ غرض رہبر بہت بری طرح نہایت سختی سے اونٹ کو ہنکاتا لایا۔

جناب ابوذر کو ایسی اذیت ہوئی کہ ان کی ران کا گوشت چھل چھل کر جدا ہو گیا تھا۔ اور بری حالت ہو گئی تھی جب آپ اس تباہ حال میں حضرت عثمان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ تجھے دیکھ کر کوئی آنکھ روشن نہ ہو اور دیر تک سخت کلامی کی جناب ابوذر نے کہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کوئی گناہ نہیں ہے عثمان نے پوچھا کیا تم نے لوگوں سے رسول اللہؐ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب بنی امیہ کی تیس اولاد ہو جائیگی تو مال خدا کو اپنی دولت اور مال غنیمت قرار دیں خدا کے بندوں کو لونڈی اور غلام بنا لینگے اور خدا کے دین کو فریب و مکاری کر ڈالینگے حضرت ابوذر نے کہا ہاں میں نے ضرور سنا ہے کہ رسولؐ اسی طرح تھے حضرت عثمان کو بہت غصہ آیا اور جناب ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا جو مدینہ سے تین منزل پر جنگل میں ایک مقام تھا یہ بھی حکم دیا کہ یہ ربذہ سے کہیں جانے نہ پائیں اور مروان سے کہا کہ ان کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ سے باہر نکال دو اور کسی کو ان کے رخصت کرنے کیلئے مدینہ سے باہر نہ جانے دو غرض آپ اس سختی سے نکال دیئے گئے اصحاب رسولؐ کو اسکا نہایت صدمہ ہوا اور باوجود خلیفہ کے حکم کے بعض لوگ جناب ابوذر کو رخصت کرنے گئے۔

مثلاً حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ جناب عبد اللہ ابن عباس جناب عمار یاسر جناب مقداد وغیرہ ان لوگوں نے جناب ابوذر کو تسلی دی اور صبر کی تلقین کی جناب ابوذر ۳۰ھ میں جلاوطن کئے گئے اور ۳۲ھ تک ربذہ ہی میں رہے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپکے پاس آپکی بیوی تھیں یا بیٹی اس میں اختلاف ہے۔ اسد الغابہ۔ اصابہ استیعاب وغیرہ میں بی بی کو لکھا ہے۔ مگر تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۵۱ و طبری و یعقوبی وغیرہ میں بیٹی کو لکھا اور یہی صحیح تر معلوم ہوتا ہے جب وقت وفات قریب ہوا تو آپکی لڑکی نے کہا اے بابا میں اس جگہ اکیلی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ آپکو درندوں سے کیسے بچا سکوں گی جناب ابوذر نے کہا خوف نہ کرو بہت جلد چند دیندار مرد یہاں آیا چاہتے ہیں۔ دیکھ کوئی نظر آتا ہے یا کہ نہیں صاحبزادی نے کہا نہیں جناب بولے شاید ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد پھر پوچھا اب کوئی دکھائی دیتا ہے۔ صاحبزادی بولیں ہاں کچھ سوار اسی طرف چلے آرہے ہیں جناب جوش میں بولے اللہ اکبر خدا اور اسکے رسول کتنے سچے ہیں اب میرا منہ قبلے کیطرف کر دے اور جب وہ سوار یہاں پہنچیں تو ان سب سے میرا سلام کہنا اور جب میری تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہو جائیں تو ان کیلئے یہ بکری ذبح کرنا اور میری جانب سے قسم دیکر کہنا کہ بغیر کھانا کھائے تم لوگ یہاں سے نہ جانا یہ کہکر جناب ابوذر انتقال کر گئے اسکے بعد وہ سوار وہاں آ پہنچے تو صاحبزادی نے انلوگوں سے کہا کہ ابوذر صحابی رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ بیگور و کفن ہیں یہ سنکر وہ سوار جو تعداد میں سات تھے سواریوں سے اتر پڑے ان میں مالک اشتر بھی تھے جناب ابوذر پر وہ بہت روئے اور انکو غسل و کفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر سب نے دفن کیا جب اس سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے کہا میرے باپ نے آپ لوگوں کو قسم دی ہے کہ بغیر کھانا کھائے ہوئے یہاں سے تشریف نہ لیجائیے۔ ان لوگوں نے بکری ذبح کی اور کھانا کھانے کے بعد اس لڑکی کیساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جناب ابوذر کا ایک قصور یہ بھی تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو حضرت رسولخداؐ کا خلیفہ بلافصل جانتے تھے۔ مسجد رسول میں بیٹھکر یہ تقریر کرتے تھے اے لوگو جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہ جانتا ہو وہ اب جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں میرا نام جندب بن عبادہ ربذی ہے۔ خدا نے حضرت آدمؑ و نوحؑ و آل

آلِ عمران کو تمام عالم والوں پر برگزیدہ کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کے علم بلکہ کل فضائل کے وارث حضرت محمد مصطفےٰؐ تھے جن سے انبیاء کو فضیلت حاصل ہوئی تھی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے وصی اور وارث علم حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہی ہیں۔ اے وہ امت جو اپنے نبیؐ کے بعد حیران و سرگرداں ہو رہی ہے۔ اگر تم اپنے نبیؐ کے بعد (خلیفہ بنانے میں) اسی شخص کو مقدم کرتے جسکو خدا نے مقدم کیا ہے اور اس شخص کو موخر کرتے جسے خدا نے موخر کیا ہے اور اسلام کی حکومت اور حضرت رسولخدا صلعم کی میراث کو اپنے نبیؐ کی اہلبیت میں قرار دیتے تو خدا کی نعمتیں تمہارے سروں کے اوپر اور قدموں کے نیچے سے بیحد و حساب حاصل ہوتیں اور خدا کا کوئی دوست فقر و محتاج نہیں رہتا اور فرائض خدا کا کوئی حصہ بیکار نہ جاتا اور کبھی دو شخص حکم خدا میں اختلاف نہیں کرتے اسلئے کہ ہر امر کا حکم ان لوگوں کو اپنے نبیؐ کے اہلبیت کے پاس مطابق کتاب خدا و سنت رسولؐ موجود ملتا۔ لیکن جب تم لوگوں نے اس امر کی پرواہ نہیں کی اور جو کچھ اپنے نفس کی پیروی میں کیا تھا کر چکے تو اب اپنے کرتوت کے وبال کا مزہ چکھو اور بہت جلد وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جان لینگے کہ ان کی جائے بازگشت کس طرف ہے۔ اور حضرت عثمان کو یہ خبر بھی پہنچی کہ انہوں نے سنت رسولؐ اور سنت شیخین میں جو تغیر و تبدل کیا ہے جناب ابوذر اسکی شکایت لوگوں سے کرتے رہتے ہیں (تاریخ یعقوبی۔ مجالس المومنین صـ۹۲) جناب ابوذر کی عظمت و جلالت کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ علم کے خزانے تھے حضرت امیر المومنینؑ سے لوگوں نے آپکے متعلق پوچھا تو فرمایا ابوذر ایسے شخص ہیں کہ انہوں نے جسقدر دینی علوم اور مذہبی مسائل کو سمجھا ہے اور یاد کیا ہے دوسرے لوگ ان کے سمجھنے سے عاجز رہے ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد اکثر صحابہ نے حضرات اہلبیت کا ساتھ چھوڑ دیا مگر جو مقدس اور خدا رسیدہ صحابہ حق پر قائم رہے انہیں جناب ابوذر بھی تھے اسوجہ سے حضرات اہلبیت ان کو مانتے تھے اور خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو آپکی محبت کی تاکید کا حکم دیا ہے (تاریخ ائمہ صـ۲۱)

جناب سلمان فارسی علیہ الرحمہ

آپکی کنیت ابو عبداللہ اور لقب سلمان خیر تھا حضرت رسولخدا صلعم کے خاص غلام تھے آپ سے آپکا نسب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں۔ آپکی اصل فارس (ایران) از رام ہرمز سے ہے اور بعض کہتے ہیں جی سے ہیں جو اصفہان کا ایک شہر ہے۔ آپکا نام اسلام سے پہلے مابہ بن بوذخشان بن مور سلان تھا شاہ آپکی اولاد سے ہیں آپ پہلے ایران میں مجوسی (آگ کے پوجنے والے) تھے مسلمان ہونیکا سبب آپ خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں اہل فارس علاقہ اصفہان کے شہر جی کے ایک زمیندار کا لڑکا تھا۔ میرے باپ مجھ کو بہت چاہتے تھے یہاں تک کہ مجھ کو گھر میں مثل لڑکیوں کے بٹھایا تھا میں فارسی زبان حاصل کرنیکی کوشش کرتا تھا۔ میرے والد صاحب جائیداد و مکان والے تھے اور اسی کے انتظام میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایکدن مجھ سے کہا بیٹا تم دیکھتے ہو میں یہاں مشغول ہوں تم باہر کھیتوں پر چلے جاؤ لیکن رک نہ جانا کہ میں جائیداد کا خیال چھوڑ کر تمہاری فکر میں پڑ جاؤں۔ بغرض میں کھیتوں کے دیکھنے کو نکلا اور نصرانیوں کے گرجا کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھتے ہیں میں انکی طرف دیکھنے لگا مجھ کو ان کی یہ عبادت اچھی معلوم ہوئی۔ اور میں نے کہا خدا کی قسم یہ طریقہ میرے دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ بغرض میں انہیں کے پاس کھڑا رہ گیا یہاں تک آفتاب ڈوب گیا کہ نہ میں کھیتوں پر گیا اور نہ گھر پلٹا۔ جب میرے واپس جانے میں دیر ہوئی تو میرے والد نے کئی قاصد میرے بلانے کو بھیجے جب نصاریٰ کا فعل مجھ کو پسند آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ شام میں۔ اس کے بعد میں والد صاحب کے پاس پلٹ آیا انہوں نے پوچھا بیٹا کہاں تھے میں نے تمہاری تلاش میں قاصد روانہ کئے ہیں۔ میں نے کہا میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جو گرجا میں نماز پڑھتے تھے مجھکو ان کا یہ دین پسند آیا اور میں نے جان لیا کہ ان کا یہ دین میرے (موجودہ) دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ میرے والد نے کہا۔ نہیں تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا دین ان (نصاریٰ) کے دین سے بہتر ہے میں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے اسپر انکو میرے متعلق اندیشہ ہوا کہ کہیں میں نصرانی نہ ہو جاؤں۔ انہوں نے مجھکو قید کر دیا۔ مگر میں نے نصاریٰ کے ہاں کہلا بھیجا کہ میں نے ان کے دین سے موافقت کا اظہار کیا اور ان سے خواہش کی کہ جو شخص شام جانے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے مجھے آگاہ کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تو میں نے بیڑیوں کو اپنے پاؤں سے نکالا اور ان کے ساتھ شام چلا گیا اور وہاں کے اسقف (پادری)

کیساتھ رہنے لگا جب وہ پادری مرنے لگا تو مجھے موصل کیطرف ایک بڑے پادری کے پاس بھیج دیا جب وہ بھی مرنے لگا تو کہا اب اس نبیؐ کا زمانہ قریب ہے جو دین حنیف ابراہیم پر مبعوث ہوگا۔ اسکی ہجرت کھجوروں والی زمین (مدینہ) ہے جب وہ مرگیا تو عرب کا ایک قافلہ میری طرف سے گزرا میں اس کیساتھ مکہ چلا آیا اور اس قافلہ نے مجھ کو ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس یہودی سے قبیلہ بنو قریظہ کے ایک شخص نے مجھے خرید لیا اور مدینہ میں لایا جب حضرت محمد مصطفےٰ مدینہ میں تشریف لائے تو میں حضرت سے ملا اور مسلمان ہوگیا حضرت نے فرمایا اے سلمان تم اپنے مالک کو کچھ معاوضہ دینے کا وعدہ کرکے اپنے کو آزاد کرالو میں راضی ہوگیا اور اپنے مالک سے تین سو درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونا دینے پر مکاتبت کرلی۔

غرض میں نے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہ کی مدد سے تین سو درخت لگادئے پھر حضرتؐ نے سونے کے انڈے سے میری مدد کی تو میں اپنی دونوں شرطیں پوری کرکے آزاد ہوگیا۔ سب سے پہلے آپ آنحضرتؐ کیساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوئے تھے۔ اسکے بعد کسی جہاد میں آپکا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آنحضرتؐ نے انکے اور ابو درداؓ کے درمیان مواخاۃ کی تھی جناب سلمان فارسی بڑے مقدس اور خدا رسیدہ صحابی تھے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جنت تین مخصوص حضرت علیؑ عمارؓ یاسر اور سلمان فارسی کی مشتاق ہے۔ آپ بہترین صحابہ اور زہاد اور فضلاء میں سے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے نہایت مقرب تھے حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ سلمان رسولخدا صلعم کے پاس رات کو بیٹھتے تھے یہانتک کہ قریب ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے رسولخدا صلعم کے بارے میں سبقت لیجائیں حضرت علیؑ سے سلمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا انکو اولین و آخرین (سب) کا علم حاصل ہے وہ ایسے دریا ہیں جو خشک نہیں ہوتا۔ سلمان اہلبیت (سلمان ہم اہلبیت سے ہیں) ابوذر جہاد شام میں چلے گئے اور سلمان عراق میں رہے۔ ابوذر نے جناب سلمان کو خط لکھا کہ خدا نے مجھے تمہارے بعد مال اور لڑکے عنایت کئے اور میں پاک زمین پر فروکش ہوا۔ اسکے جواب میں جناب سلمان نے ابوذر کو کیسی اچھی بات کہی کہ اے ابو درداء اسکو خوب یاد رکھو کہ مال اور اولاد کی زیادتی خیر نہیں ہے خیر یہ ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع دے۔ اور تم نے مجھے لکھا ہے کہ تم پاک زمین پر فروکش ہو حالانکہ زمین کسی کیواسطے عمل نہیں کرتی تم خود اس طرح عمل کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور اپنے آپکو مردوں سے شمار کرو۔ حذیفہ نے جناب سلمان سے کہا میں تمکو ایک گھر نہ بنادوں آپ نے پوچھا کیوں کیا میرے لئے ایسا مکان بنانا چاہتے ہو جیسا مدائن میں تمہارا گھر ہے۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ پھوس کا مکان جسکی چھت چٹائی کی ایسی ہو کہ جب تم کھڑے ہو تو وہ تمہارے سر پر گرنے کے قریب ہو اور جب تم سو رہو تو وہ تمہاری آنکھ پر گرنے کے قریب ہو جناب سلمان نے جواب دیا کہ گویا تم میرے دل میں تھے اور میری جو خواہش تھی اس کو تم نے بیان کیا۔ آپکا وظیفہ پانچ ہزار تھا مگر آپ ایسے زاہد تھے کہ جب وظیفہ ملتا سب کو تقسیم کردیتے اور اپنے ہاتھ سے کما کر خود کھاتے تھے آپ نے غزوہ احزاب میں حضرت رسولخداؐ کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اسی وجہ سے اس غزوہ کو خندق بھی کہتے ہیں ایک دفعہ مہاجرین اور انصار میں اختلاف ہوا مہاجر کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار کہتے تھے کہ ہم میں سے ہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا سلمان منا اھل البیت (سلمان ہم اہلبیت سے ہیں) آپکی وفات خلیفہ سوم کی آخری خلافت ۳۵ھ (غالباً ۶۵۶ء) میں ہوئی۔ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ سلمان ساڑھے تین سو برس زندہ رہے لیکن ڈھائی سو برس میں کسی کو شک نہیں ہے۔ آپکی تین لڑکیاں تھیں ایک اصفہان اور دوسری مصر میں (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۴۲۸) علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ آپکو آپکے یہودی مالک سے حضرت رسولخدا صلعم نے خرید لیا تھا جس زمانہ میں آپ مدائن کے حاکم تھے اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتے بنتے تھے لوگوں نے کہا آپ حاکم ہیں اور مشاہرہ پاتے ہیں پھر کیوں مزدوری کرتے ہیں؟ تو کہا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنی غذا کا سامان کیا کروں آپکی ایک چادر تھی جس کی آدھی کو آپ بطور لباس پہنتے اور آدھی کو بطور فرش بچھاتے تھے آپکا کوئی گھر نہیں تھا دیواروں اور درختوں کے سایہ میں بسر کرلیتے تھے! ایک شخص نے پوچھا بھی کہ آپ کے رہنے کو مکان بنوادوں تو کہا مجھے اسکی حاجت نہیں ہے حضرت رسولخدا صلعم نے آپکی مدح میں فرمایا ہے کہ اگر دین ثریا پر ہوگا تب بھی اسکو سلمان پالینگے حضرت رسولخدا فرماتے تھے کہ میرے پروردگار نے مجھے چار شخصوں کو دوست رکھنے کا حکم دیا! اور فرمایا کہ وہ

چار دل کو دوست رکھتا ہے۔ وہ حضرت علیؑ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور سلمانؓ ہیں۔ آپ انجیل اور قرآن دونوں کے عالم تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ سلمان مثل حکیم لقمان کے ہیں۔ کعب الاحبار کہتے تھے کہ سلمان علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایکدفعہ جناب سلمان کے پاس صہیب و بلال وغیرہ کچھ لوگ موجود تھے وہاں ابو سفیان آیا تو ان لوگوں نے کہا اللہ کی تلواروں نے ابھی تک اس (ابو سفیان) کی گردن نہیں اڑائی۔ اس پر حضرت ابوبکر بولے ابے؟ تم لوگ قریش کے بزرگ اور سردار (ابو سفیان) کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو۔ اسکے بعد وہ حضرت رسولخداؐ کے پاس آئے اور کہا یا حضرتؐ میں نے سلمان سے ایسی بات سنی ہے حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر تم نے اپنی اس بات سے ان لوگوں کو غضبناک کردیا۔ یاد رکھو اگران لوگوں کو تم نے غضبناک کیا تو یقیناً تم نے اپنے پروردگار تعالےٰ کو غضبناک کردیا۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر ان کے پاس آئے اور گویا ان سے معافی مانگ لی۔ آپ احکام خدا کی ہر طرف پر نظر رکھتے تھے۔ ایکدفعہ ابودرداء کے گھر ان سے ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ ابودرداء کی بیوی میلا لباس پہنے میلی صورت بنائے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا تمہارے بھائی (ابودرداء) کو دنیا کی کوئی حاجت نہیں ہے نہ ان کو کوئی مجھ سے کام ہے پھر کیوں زینت کروں؟ اتنے میں ابودرداء آگئے اور جناب سلمان کیلئے کھانا پیش کیا آپ نے کہا تم بھی کھاؤ تو کھاؤں۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ انہوں نے کہا جبتک تم نہ کھاؤ گے میں نہ کھاؤنگا۔ اس رات کو جناب سلمان وہیں رہے۔ دیکھا کہ ابودرداء نے رات کو بھی عبادت شروع کی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور کہا جس طرح تم پر خدا کا حق ہے تمہارے اہل کا بھی حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی حق ہے ہر حقدار کا حق پہنچانا چاہئے (یعنی عبادت بھی کرو بیوی سے معاشرت بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ دوسرے دن دونوں شخص رسولؐ کی خدمت میں گئے اور یہ سب واقعہ بیان کیا تو حضرتؐ نے فرمایا سلمان نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ غرض آپ کے فضائل و مناقب بیحد و حساب ہیں۔ آپکی وفات مدائن میں ہوئی (استیعاب جلد ۲ ص ۵۷۳) اوپر لکھا گیا ہے کہ اہل علم آپکی عمر ڈھائی سو سال بتاتے ہیں مگر علامہ ذہبی لکھتے ہیں ظہر لی اللہ ما زاد علی الثمانین مجھے ظاہر ہوا کہ ان کی عمر اسی سال سے زیادہ نہیں تھی (اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۴) آپ کے متعلق کیسا اچھا شعر کسی نے کہا ہے ؎

کانت مودة سلمان له نسبًا ولم یکن بین نوح وابنه رحمًا

جناب سلمانؓ کی محبت کی وجہ سے ان کو نسب حاصل ہوگیا اور حضرت نوحؑ اور ان کے فرزند کے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہا۔ (یعنی حضرت سلمان نے خدا اور رسولؐ سے محبت کرکے ان کی اطاعت کی تو اسلام میں آپکا یہ درجہ ہوگیا کہ حضرت رسولخداؐ صلعم نے اپنے خاندان میں شامل کرکے فرمایا السلمان منا اهل البیت اور فرزند نوحؑ نے خدا اور رسولؐ کی مخالفت کی تو اس سے رشتہ سے الگ کرکے نکالدیا گیا) باوجودیکہ اس درجہ تقرب کے خلفاء وقت نے آپ کو بیعت کرنیکے لئے اسقدر مارا کہ آپ کی گردن ٹیڑھی ہوگئی جو آپکی وفات تک ویسی ہی رہی۔ کتاب کامل بہائی میں ہے کہ جب جناب سلمان نے آل پیغمبرؐ کی پیروی میں خلیفہ اول کی بیعت نہیں کی تو خلیفہ دوئم نے ان سے کہا کہ بنی ہاشم نے تو اس وجہ سے بیعت نہیں کی کہ وہ اپنے کو ہم لوگوں سے افضل کہتے ہیں مگر تم کو کیا ہوا کہ تم بیعت سے تخلف کرتے ہو جناب سلمان نے جواب دیا۔ انا شیعة لهم فی الدنیا والاخرة اتخلف بتخلفهم وابایع ببیعتهم میں ان حضرات کا شیعہ ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ حضرات بیعت سے تخلف کرینگے۔ تو میں بھی تخلف کرونگا اور یہ حضرات بیعت کرینگے تو میں بھی کرلونگا۔ جناب سلمان یہ بھی فرماتے تھے۔ انا بایعنا النبی علی نصح المسلمین والائتمام بعلی بن ابیطالب میں نے رسولخداؐ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ مسلمانوں کی بھلائی کرونگا اور حضرت علیؑ کو اپنا امام سمجھونگا۔ مختصر یہ کہ آپ کا ہر امر میں جناب امیرؑ کی پیروی کرنا اور ہر حالت میں جناب امیرؑ سے مخصوص رہنا بالکل واضح ہے (مجالس المومنین ص ۸۴)

جناب عمار بن یاسر علیہ الرحمۃ

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عمار یمن کے رہنے والے تھے ان کے والد یاسر مکہ میں آئے

ابوحذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیہ تھا شادی کردی عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے۔ ان کے والد اور والدہ کیساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا سمیہ حضرت عمار کی والدہ تھیں۔ ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہو گئیں یاسر حضرت عمار کے والد تھے یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔ (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۶۸) اور علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں عمار کی کنیت ابوالیقظان تھی یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کیطرف سبقت کی تھی۔ ان کی والدہ سمیہ تھیں اور پہلی خاتون ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید کی گئیں۔ جناب عمار تیس سے کچھ زائد آدمیوں کے بعد اسلام لائے تھے یہ اللہ کی راہ میں بیحد ستائے گئے۔

(ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۶۱)

مسئلہ تقیہ جناب عمار کا واقعہ اسلام کے مشہور مسئلہ تقیہ کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ تمام مورخین و مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں (پ ۱۴ ع ۲۰) جناب عمار ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جسکا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مشرکوں نے پکڑ کر مارنا شروع کیا اور کسی طرح نہیں چھوڑا یہاں تک کہ انہوں نے نبی صلعم کی برائی بیان کی اور ان کے معبودوں کی تعریف کی اس وقت کافروں نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب یہ رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت ہی بری خبر ہے میں اس وقت اس سبب سے زندہ بچکر آیا ہوں کہ میں نے آپکی برائی بیان کی اور ان کے معبودوں کی تعریف کی حضرت نے پوچھا کہ تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ دل تو ایمان پر قائم ہے حضرتؐ نے کہا کہ پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اب بھی وہ تم سے ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کرنا۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۶۱ و استیعاب جلد ۱ صفحہ ۴۳۵) علامہ ابن عبدالبر نے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ ھذا مما اجتمع اھل التفسیر علیہ یہ وہ امر ہے جس پر کل علماء علم تفسیر کا اجماع ہے۔ مورخین بھی باتفاق لکھتے ہیں کہ جناب عمار کو اس طرح تقیہ کرنے کا حکم حضرت نے دیا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲ و طبری و خمیس و سیرت ابن ہشام وغیرہ) مگر ان حضرات کی قوت ایمانیہ قابل ملاحظہ ہے کہ:-

لوگ جناب عمار اور ان کے باپ ماں کو جلتے ہوئے پتھر پر لٹاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم ادھر سے گذرے تو فرمایا اے آل یاسر صبر کرو کیونکہ تم لوگوں کی وعدہ گاہ جنت ہے۔ یاسر تو اسی عذاب میں مر گئے اور سمیہ نے ابوجہل کو برا بھلا جواب دیا تو اس نے آپ کی اندام نہانی میں برچھا مارا جس سے وہ فوراً جاں بحق تسلیم ہو گئیں اور یہ اسلام میں پہلی شہید بی بی ہیں۔ اور جناب عمار پر لوگوں نے اور زیادہ سختی کی کہ کبھی ان کو ڈبو دیتے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲) ایک مرتبہ رسولخدا صلعم کا گذر عمار بن یاسر کیطرف ہوا وہ رو رہے تھے اور اپنی آنکھیں مل رہے تھے رسولخداؐ نے پوچھا کیا حال ہے کیا کافروں نے پکڑ کر تم کو پانی میں غوطہ دیا اور تم نے ایسا ایسا کہا اگر اب پھر وہ ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کہہ دینا۔ سعید بن جبیر کہتے تھے میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ کیا مشرکین مسلمانوں کو ایسا ستاتے تھے کہ مسلمان اپنے دین کو چھوڑ دینے میں معذور سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم بہت مارتے تھے بھوکا رکھتے تھے پیاسا رکھتے تھے کہ اٹھ کر بیٹھنا بھی مشکل ہو جاتا تھا کہتے تھے کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں اس کو منظور کرو۔ سو کہو لات و عزیٰ ہمارے معبود ہیں اللہ ہمارا معبود نہیں ہے جب وہ ایسا کہہ دیتے تھے تو چھوڑے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مزدور اس طرف سے نکلتا تو کہتے کہ یہی تیرا معبود ہے۔ اللہ تیرا معبود نہیں۔ جان بچانے کیلئے اس کا

بھی اقرار کرنا پڑا تھا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۶۲) حضرت عمار نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور غزوہ احد و خندق و بیعۃ الرضوان میں رسولخدا صلعم کیساتھ شریک تھے! اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جناب عمار بن یاسر غزوہ احد وغیرہ میں بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ اے لوگو عمار کی روش سیکھو مسلمانوں میں خالد بن ولید کا بڑا درجہ مانا جاتا ہے اور ان کو سیف اللہ کا لقب دیا جاتا ہے مگر جناب عمار کے مقابلہ میں خالد بھی کوئی چیز نہ تھے۔ خود خالد کہتے تھے کہ میرے اور عمار کے درمیان کچھ گفتگو ہوگئی تو میں نے ان کو سخت بات کہی اس پر عمار میری شکایت کرنے حضرت رسولخدا کے پاس گئے۔ اسکے بعد میں بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا اس وقت عمار میری شکایت کر رہے تھے۔ وہاں بھی میں نے ان کو سخت باتیں کہیں۔ (۱) حضرت رسولخدا صلعم چپ بیٹھے ہوئے تھے کچھ بولتے نہیں تھے۔ میری گالی دینے پر عمار رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ خالد کا ظلم ملاحظہ نہیں فرماتے تب رسولخدا نے سر اٹھایا اور فرمایا جو شخص عمار سے دشمنی رکھے اللہ اس سے دشمنی رکھے جو شخص عمار سے بغض رکھتا ہو اللہ بھی اس کو اپنا مبغوض بنا دے۔ (۲) خالد کہتے تھے اس وقت دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی کہ کسی طرح عمار مجھ سے راضی ہو جائیں چنانچہ میں وہاں سے نکل کر عمار سے ملا تو وہ راضی ہو گئے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ عمار ایک مرتبہ رسولؐ کی خدمت میں گئے اور اندر جانیکی اجازت مانگی تو آنحضرتؐ نے ان کو یہ کہہ کر اجازت دی مرحبا بالطیب المطیب (میرے پاک و پاکیزہ صحابی کیلئے جگہ بہت کشادہ ہے وہ خوشی سے آئیں) رسولخدا نے فرمایا کہ عمار کے سامنے جب کبھی دو باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں جس میں نیکی اور رغبتی زیادہ ہوتی ہے۔

جناب عمار کا ایک کان کسی لڑائی میں کٹ گیا تھا اس وجہ سے ایک شخص نے حضرت عمار سے کہا اے کن کٹے غلام۔ انہوں نے کہا میرے کان کی خبر اس قدر مشہور ہوگئی۔ جناب عمار پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے مسجد بنائی کیونکہ جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے چند پتھر جمع کئے اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی پس یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو بنائی گئی۔ جناب عمار مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں شریک تھے آپکے مناقب بہت زیادہ ہیں سب کے بیان کرنے میں طول ہوگا۔ خلیفہ دوم ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عمار رسولخدا صلعم کے برگزیدہ اصحاب سے تھے یہ حضرت علیؑ کی خدمت میں رہنے لگے تھے اور حضرت کیساتھ جنگ جمل اور صفین میں شریک ہوئے جن میں آپ نے کارنمایاں انجام دیئے

جنگ صفین میں جناب عمار کے کارنامے

ایک شخص بیان کرتا ہے کہ ہم جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے ہم نے دیکھا کہ حضرت عمار جھکتے تھے تمام اصحاب نبیؐ اسی طرف جھک پڑتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا عمار ان سب کے رہنما ہیں۔ ہم نے اسی دن عمار سے یہ بھی سنا تھا کہ ایک شخص سے کہہ رہے تھے تم جنت سے بھاگتے ہو دیکھو جنت تلواروں کی باڑھ کے نیچے ہے (کیونکہ یہ حضرت علیؑ کی حمایت میں جہاد ہو رہا ہے) آج میں جاکر اپنے

---

(۱) سمجھدار مسلمان آج بھی اسی اصول پر عمل کرتے ہیں کہ جان بچانے کے لئے اپنے ایمان کو چھپا کر قوی دشمن کی خواہش کے مطابق کوئی بات زبان سے کہدیتے ہیں اسی کو تقیہ کہتے ہیں بحکم قرآن مجید میں بھی خدا نے کئی مقام پر دیا ہے مگر افسوس بعض لوگ ایسے ہیں کہ تقیہ پر اعتراض کر کے اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور قرآن مجید کے حکم اور رسولخداؐ کی حدیث سے بالکل آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو سمجھ دے ۱۲

(۲) معلوم نہیں بعض صحابہ کی تہذیب کیسی تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے سامنے بھی وہ اپنے برے اخلاق سے باز نہیں آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو خالد کو اپنا عیب پوشیدہ رکھنا چاہئے تھا۔ مگر یہ وہاں بھی اسی طرح بد زبانی کرتے رہے افسوس: ۱۲ –

دوستوں (حضرت رسولخدا صلعم وغیرہ) سے ملونگا واللہ یہ لوگ اگر ہم کو ماریں اور مقام ہجر تک مارتے چلے جائیں تب بھی میں یہی سمجھونگا
کہ میں حق پر ہوں۔ اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔ جناب عمار نے جنگ صفین میں کہا کہ پینے کی کوئی چیز میرے واسطے لے آؤ۔ لوگ دودھ لے گئے
جناب عمار دیکھ کر کہنے لگے حضرت رسولخدا صلعم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ دنیا میں تمہارے پینے کی آخری چیز دودھ ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے
لڑنا شروع کیا اور شہید ہوگئے۔ اسوقت انکی عمر ۹۴ سال کی تھی۔ خزیمہ بن ثابت جنگ جمل میں شریک تھے مگر انہوں نے تلوار نہیں چلائی
وہ صفین میں بھی شریک تھے مگر لڑے نہیں اور یہی کہتے رہے کہ جب تک عمار شہید نہیں ہوجائینگے میں نہیں لڑونگا میں دیکھ لوں
ان کو کون قتل کرتا ہے کیونکہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ افسوس عمار کو باغی گروہ قتل کریگا۔ عمار اس گروہ کو جنت
کی طرف بلاتے ہونگے اور وہ گروہ عمار کو جہنم کیطرف بلاتا ہوگا۔ جب عمار شہید ہوگئے تو خزیمہ نے کہا کہ اب مجھ کو (معویہ والوں کی) گمراہی
ظاہر ہوگئی اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور لڑکر شہید ہوگئے۔ جناب عمار زخمی ہوئے تو مرتے وقت وصیت کی کہ مجھ کو انہیں کپڑوں میں
دفن کردینا میں انہیں کپڑوں کیساتھ خدا کے سامنے جاؤنگا آپ کے قتل کے بارے میں دو شخص اختلاف کرنے لگے ایک کہتا تھا
میں نے قتل کیا دوسرا کہتا تھا میں نے قتل کیا۔ عمرو عاص نے سنا تو کہا خدا کی قسم یہ دونوں ہی دوزخ کیلئے لڑتے ہیں (کیونکہ عمار کا
قاتل یقیناً دوزخی ہے) واللہ اس وقت میں آرزو کرتا ہوں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے مرگیا ہوتا تاکہ میں بھی معویہ کی طرف
ہونے کی وجہ سے دوزخ میں نہ جاتا) جناب عمار یاسر ربیع ۳۷ھ میں شہید ہوئے حضرت علیؑ نے آپ کو انہیں کپڑوں میں دفن کردیا
جناب عمار کا رنگ گندمی۔ قد لانبا۔ سینہ کشادہ تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں بال سفید ہوگئے تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد، ص ۶۵)

جناب عمار کی زندگی شروع سے آخر تک مصائب ہی میں بسر ہوئی کفار آپ پر جو مصیبتیں ڈھاتے تھے وہ پہلے بیان ہوچکیں حضرت عثمان
خلیفہ سوم نے بھی اپنے زمانہ میں آپکو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہوگئے اور انکی پیٹ اور پیڑو پر اتنی لاتیں ماریں کہ ان کو عارضہ فتق لاحق ہوگیا۔

معویہ اور حضرت علیؑ میں جنگ تھی تو معویہ والوں کا بیان تھا کہ ہم حق پر ہیں۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی ہی میں ایسی پیشگوئی
فرمادی تھی جس سے معویہ کا باطل پر ہونا یقینی تھا۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت
رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ عمار کو گمراہ جماعت والے قتل کرینگے (تاریخ ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۷۶ و تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۴ وغیرہ) صحیح بخاری
و صحیح مسلم میں بھی حضرت رسول خدا صلعم کی یہ حدیث موجود ہے۔

جناب عمار سے ہم لوگوں کو حمایت حق کا پورا سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ ہاتھوں میں رعشہ تھا اور لڑتے تھے اور کہتے تھے۔ یہ وہ حربہ
ہے جس سے میں نے حضرت رسول خدا کی حمایت میں تین مرتبہ جہاد کیا ہے اور اب یہ چوتھی مرتبہ ہے (ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۷۹) جس سے
معلوم ہوا کہ آپ حضرت علیؑ کو حضرت رسول صلعم کی طرح اور حضرت علیؑ کی حمایت میں لڑنے کو حضرت رسول خدا کی حمایت میں لڑنا سمجھتے تھے۔
اس روز آپ جو رجز پڑھتے تھے ان کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے معویہ والو اب بھی ہم تم لوگوں سے قرآن مجید کی تاویل پر اسی طرح جہاد
کررہے ہیں جس طرح تم لوگوں سے قرآن مجید کی تنزیل پر پہلے بھی جہاد کرتے تھے۔ ہم ایسی جنگ کرینگے کہ سر اڑتے نظر آئینگے اور ایک دوست
دوسرے دوست کو بھول جائیگا (ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۷۶) جناب عمار یاسر کے شہید ہونے پر حضرت علیؑ کو نہایت صدمہ ہوا کیونکہ آپکو حضرت بہت
مانتے تھے اس کے بعد حضرت نے اپنی فوج کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ ان ائمہ کفر سے لڑو یقیناً ان کے ایمان نہیں ہے۔ جب عمار کی شہادت
نے بہت سے غافلوں کو ہشیار کردیا اور متعدد اعیان مہاجرین و انصار وغیرہ نے کہا کہ جب عمار یاسر مارے گئے تو جو تھوڑا بہت شبہ ہم لوگوں کو

تھا وہ بھی زائل ہوگیا۔ اور ہمیں یقین ہوگیا کہ معویہ اور اس کے ہمراہی باغی ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ بالکل ثابت قدم ہیں۔

جناب مقداد علیہ الرحمہ

جناب مقداد بن عمرو حضرت رسولخدا کے مقدس صحابی تھے۔ آپکو مقداد کندی بھی کہتے ہیں آپ ان لوگوں میں ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی پھر حبشہ سے مکہ واپس آئے اور جب رسول خدا صلعم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تو مقداد ہجرت نہ کر سکے بلکہ مکہ ہی میں رہے اس وقت تک کہ رسولؐ نے عبیدہ بن حارث کو ایک سریہ کا افسر کر کے بجانب مکہ روانہ فرمادیا۔ یہ لوگ مشرکوں کی اس جماعت سے ملے جن کا سردار عکرمہ بن ابوجہل تھا اور مقداد و عتبہ بھی مشرکوں کیساتھ نکلے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کسی حیلہ سے مسلمانوں کی جماعت تک پہنچ جائیں۔ غرض دونوں فریق ملے مگر لڑائی سے باز رہے پھر موقع پاکر مقداد و عتبہ مسلمانوں کی جماعت میں مل گئے مقداد غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اس غزوہ میں ان سے کارنمایاں ظاہر ہوئے جب رسولؐ بدر کیطرف روانہ ہوئے اور ان کو یہ خبر پہنچی کہ قریش روانہ ہو چکے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ قافلہ کو سفر سے روک دیں تو آپ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا اس مشورہ میں جناب مقداد نے حضرت رسول خدا صلعم کی اطاعت و رضا جوئی کا سب سے زیادہ ثبوت دیا۔ کیونکہ اکثر لوگوں کے مشورہ سے حضرت رسول خدا صلعم کو رنج پہنچا۔ اور بار بار آپ فرماتے رہے کہ پھر تم لوگ مشورہ دو آخر جناب مقداد نے کہا "یا حضرت ہم تو وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰؑ کے اصحاب نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کے اللہ جائیں اور آپ دونوں جہاد کریں۔ ہم لوگ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیں اور جہاد کریں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ (تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) جناب مقداد نے یہ بھی کہا قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی بنا کر دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ ہم سب کو برک عماد تک لے چلیں گے تب بھی ہم آپ کے ساتھ ہو کر تندہی اور جانفشانی سے ان لوگوں سے مقابلہ کریں گے جو برک عماد سے اس طرف ہیں۔ اور آپ مقام مطلوب تک بہ آسانی پہنچ جائیں گے۔ آپ کی اس تقریر سے حضرت رسولؐ خدا کا وہ صدمہ زائل اور وہ غیظ و غضب رفع ہوگیا جو دیگر حضرات کے جواب سے پیدا ہوگیا تھا اور آپ نے جناب مقداد کی تعریف کی اور ان کے واسطے دعا فرمائی۔ راوی کہتا ہے کہ اس بات پر میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ کو بڑی مسرت ہوئی۔ اور اس بات کو آپ نے نہایت درجہ پسند کیا جناب مقداد حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ جنگ بدر، احد اور کل غزوات میں شریک رہے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ نے مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ خود بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے۔ کسی نے سوال کیا یا حضرت ان کے نام بتا دیجئے تو فرمایا وہ علیؑ، ابوذرؓ، سلمانؓ، مقدادؓ ہیں۔ جناب مقداد فتح مصر میں شریک تھے حضرت عثمان کے عہد خلافت میں آپ نے بمقام جرف اپنی زمین میں ۳۳ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں آپ کی لاش آئی اور وہیں آپ دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔ جناب مقداد کی یہ جلالت قدر تھی کہ ایک مرتبہ وہ اور عبدالرحمٰن بن عوف بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے عبدالرحمٰن نے کہا اے مقداد تم شادی کیوں نہیں کرتے۔ مقداد نے کہا تم اپنی بیٹی سے کر دو تو میں کر لوں۔ عبدالرحمٰن نے اس بات کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور نہایت درجہ غضبناک ہو کر مقداد کو بہت کچھ گالیاں دے ڈالیں۔ مقداد نے اس کی شکایت رسولخدا صلعم سے کی تو حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری شادی میں کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی چچازاد بہن ضباعہ دختر زبیر بن عبدالمطلب سے ان کی شادی کر دی (اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۴) آپ کی موت کا واقعہ بڑا دردناک ہے آپ بلغمی موٹے آدمی تھے پیٹ بھی نکلا ہوا تھا۔ آپکے پاس ایک رومی غلام تھا۔ اس کمبخت نے کہا کہ میں آپ کا پیٹ چاک کر کے چربی نکال دیتا ہوں اس سے آپ کا بلغم نکل جائیگا اور آپ

ہلکے ہو جائیں گے۔ آپ نے اس کی بات مان لی۔ اس نے آپ کا پیٹ چاک کرکے بھرسی دیا جس سے آپ انتقال کر گئے۔ وردہ غلام بھاگ گیا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۶) پہلے سات شخص جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے ان میں آپ بھی تھے۔ جناب مقداد حضرت رسول خدا صلعم کے فاضل، نجیب اللسان اور نیکوکار صحابہ سے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کو سات شریف وزیر اور رفیق ملتے تھے اور مجھے چودہ ملے ہیں۔ جن میں جعفر، حمزہ، علی، حسن، حسین، سلمان، عمار، ابوذر، مقداد، بلال بھی ہیں۔ جب آپ مدینہ میں پہونچے تو حضرت کے ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۹۰) جناب مقداد اور حضرت علی میں بڑے اچھے مراسم تھے اور آپ حضرت کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ ملا ابو القاسم دمشقی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام نے حضرت سیدہ سے دوپہر کا کھانا طلب کیا۔ جناب سیدہ نے قسم کھائی کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور حیا کی وجہ سے آپ سے ذکر نہ کر سکیں۔ حضرت اسی فکر میں باہر نکلے اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے۔ دیکھا مقداد با حال پریشان چلے آتے ہیں۔ دھوپ کی شدت سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور صورت بدل گئی ہے۔ حضرت نے سبب پوچھا تو کہنے لگے اس وقت کچھ نہ پوچھئے اور مجھے جانے دیجئے۔ حضرت امیر نے فرمایا بھائی تم کو تو یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنا حال مجھ سے چھپاؤ۔ تب جناب مقداد نے عرض کی مولا میں کیا کہوں۔ میرے بچے اس وقت بھوک کے رو رہے ہیں۔ اور مجھ سے ان کا حال تباہ دیکھا نہیں جاتا۔ اسی پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے بھائی جو باعث تمہارے گھر سے نکلنے کا ہے وہی مجھے بھی درپیش ہے۔ مگر میں اپنے اوپر تمہیں ترجیح دیتا ہوں یہ کہہ کر وہ دینار ان کے حوالے کیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آئے۔ یہاں خدا نے حضرت علی کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ یہ اہلبیت خود بھوکے رہتے ہیں مگر دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں (پ ۲۸ ع ۴) جامع صغیر علامہ سیوطی میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا یقیناً بہشت چار شخصوں کی مشتاق ہے۔ علی، عمار، سلمان اور مقداد (مجالس المومنین مطبوعہ ایران ورق ۴۱)

جناب جابر بن عبد اللہ انصاری

آپ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں اور خوش قسمت ایسے کہ آنحضرت کے علاوہ حضرت کے پانچ جانشین (جناب امیرؑ، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت زین العابدینؑ اور حضرت محمد باقرؑ) کا زمانہ پایا اور ان حضرات کی محبت میں رہ کر ارشاد و ہدایا سے مستفیض ہوتے رہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام بن غنم بن کعب بن اسلمہ آپ انصاری ہیں۔ آپ کی جائے ولادت بھی مدینہ منورہ ہے۔ آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں بحالت صغیر سن میں اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ میں حضرت رسول اللہ کے ساتھ ۱۹ غزوات میں شریک ہوا مگر غزوہ بدر و احد میں شریک نہیں ہو سکا کیونکہ میرے والد نے مجھے روک لیا تھا۔ جب وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی جہاد میں آنحضرت سے جدا نہیں رہا۔ آپ کہتے تھے کہ رسول خدا نے میرے لئے اونٹ والی رات میں ۲۵ بار استغفار کیا۔ اونٹ والی رات سے مراد وہ رات ہے جس میں انہوں نے رسول خدا کے ہاتھ ایک اونٹ بیچا تھا۔ اور یہ شرط کر لی تھی کہ مدینہ تک میں اس پر سوار ہو کر چلوں گا۔ یہ واقعہ ایک جہاد کا ہے۔ غرض آپ ہمیشہ آنحضرت کے ساتھ رہے۔ اسی سبب سے آنحضرت کی حدیثیں بھی بکثرت نقل کیں۔ آپ جنگ صفین میں جناب امیر کے ساتھ بھی تھے۔ (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۸۶) حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ جابر آخری شخص ہیں جو اصحاب پیغمبر سے رہ گئے تھے اور ان کی بازگشت ہم اہلبیت کی طرف ہوئی۔ فضل بن شاذان سے روایت ہے کہ جابر ان سابقین سے تھے جو آنحضرت کے بعد جناب امیر کے شیعوں میں داخل ہوئے اور ابن عقدہ نے بھی جو اکابر محدثین اہلسنت سے ہیں تصریح

کردی ہے کہ جابر نے دامن اہلبیت سے تمسک کیا اور انہیں حضرات کی متابعت میں عمر بسر کردی۔ آپ کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ کربلا کے خونی واقعہ کے بعد حضرت امام حسینؑ کے روضہ منورہ کی زیارت کا شرف سب سے پہلے جناب جابر ہی کو حاصل ہوا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے جب حضرات اہلبیت قید سے چھوٹ کر چلے تو رہبر سے کہا کہ ہم کو کربلا کی طرف سے لے چلو اس طرح یہ حضرات دوبارہ کربلا میں داخل ہوئے تو جابر بن عبداللہ انصاری اور بنی ہاشم کی ایک جماعت اور آل رسولؐ کے ایک گروہ کو کربلا میں پایا جو سب کے سب روضہ امام حسینؑ کی زیارت کو حاضر ہوئے تھے۔ دونوں قافلے جس وقت ملے ہیں شور وگریہ کا نعرہ بلند کیا۔ ہر شخص اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا اور ایسا کہرام برپا ہوا کہ اس کو سن کر غیروں کے جگر بھی ٹکڑے ہونے لگے۔ (بحار جلد ۱۰ ص ۲۲۹) اور زیارت اربعین کی تاکید میں چند وجہوں کو لکھ کر اور سب کو ضعیف قرار دیکر تحریر فرمایا ہے حدیثوں سے دو معقول وجہیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ سب سے پہلے جو بزرگ آنحضرت صلعم کے صحابہ سے جناب امام حسینؑ کے روضہ کی زیارت کے لئے آئے اور اس شرف کو حاصل کیا وہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری تھے اور وہ اسی روز اربعین کو کربلا میں پہنچے اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی زیارت بھی کی اور چونکہ جناب جابر بزرگ صحابہ سے تھے اور اس عظیم الشان عبادت (زیارت امام حسین علیہ السلام) کی بنیاد انہوں نے قائم کی اس سبب سے ہو سکتا ہے کہ آج کے روز حضرت امام حسینؑ کی زیارت کا پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہو (زاد المعاد اعمال اربعین) اس بیان سے آپ کی جلالت قدر منتہائے کمال پر پہنچ گئی کہ محض آپ کے سبب سے خدا نے حضرت امام حسینؑ کی زیارت بروز اربعین کا خاص شرف وفضل مقرر کیا۔ بغرض خاندان رسالتمآب صلعم سے آپ کی خصوصیات بہت زیادہ ہیں بلکہ ان کے ایک یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب کربلا سے لٹ کر مدینہ میں جناب زینب اپنے اور اپنے بھائی کے غم میں زندگی بسر کرنے لگیں تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے بھتیجے سید سجاد عبادت خدا میں ہلاک ہوئے جاتے ہیں اور کسی طرح اس سے آپ کو سیری نہیں ہوتی تو آپ کی حالت پر پیچیں ہو کر خود جناب جابر بن عبداللہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان سے کہلایا جد بزرگوار کے جلیل القدر صحابی آپ جانتے ہیں کہ آپ پر ہمارے خاندان کے کتنے حقوق ہیں ان سے یہ بھی ہے کہ جب آپ دیکھیں ہم میں کوئی شخص عبادت خدا میں ہلاک ہو رہا ہے تو اس کو خدا کا واسطہ دیکر اپنی حالت پر رحم کرنے کیلئے آمادہ کریں۔ دیکھئے سید سجاد عبادت خدا میں کس قدر متغیر ہوگئے ہیں۔ جابر آپ جانتے ہیں کہ اب میرے بھائی کی نشانی سوائے ان کے نہ زندہ گیا ہے جو تمام خاندان کا ملجا وماوی ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ وہ اپنی حالت پر رحم کریں (امالی و مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ) ام ابو الزبیر مکی کا بیان ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے دریافت کیا کہ علی بن ابیطالب کیسے شخص تھے جناب جابر کی بھوئیں بڑھاپے سے آنکھوں پر لٹکی تھیں ان کو الٹا کر انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ خیر البشر تھے۔ خدا کی قسم ہم لوگ جناب رسالتمآب صلعم کے زمانہ میں منافقوں کو حضرت علیؑ کے بغض وعداوت سے پہچان لیتے تھے۔ جو شخص حضرت علیؑ سے بغض رکھتا تھا وہ سچا مسلمان نہیں بلکہ منافقین کی جماعت سے ہوتا تھا جو اسلام کے مٹانے کے درپے رہتے تھے۔)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ اصحاب رسولؐ سے جو لوگ مدینہ میں باقی رہ گئے تھے ان سب کے آخر جابر بن عبداللہ انصاری تھے۔ وہ ہم اہلبیت سے متمسک رہے دور آخر میں ان کی یہ حالت تھی کہ مسجد رسول صلعم میں سیاہ عمامہ باندھے ہوئے بیٹھے رہتے اور یا باقر العلم یا باقر العلم پکارا کرتے تھے مدینہ والے یہ سن کر کہتے کہ یہ جابر کیا مہملات بکا کرتے ہیں جس کا جواب جناب جابر دیتے تھے خدا کی قسم لغو نہیں بکتا ہوں۔ بلکہ مجھ سے جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا تھا کہ اے جابر تم میرے اہلبیت کے ایک فرزند سے ملوگے

جس کا نام میرا نام اور جس کی صورت و سیرت میری صورت و سیرت ہوگی۔ وہ کل علموں کا باقر ہوگا۔ اسی قول رسولؐ کی وجہ سے میں اس باقر کو پکارتا ہوں چنانچہ اسی انتظار میں جابر ایک روز مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعۃً اس گلی میں پہنچ گئے جس میں مدرسہ تھا وہاں حضرت محمد (باقرؑ) ابن علیؑ (زین العابدینؑ) بن حسینؑ تشریف فرما تھے۔ جناب جابر نے آپ کو دیکھا اور رسالت مآب صلعم کے حلیہ سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے ذرا میری طرف رخ کیجئے۔ حضرت نے ایسا ہی کیا پھر انہوں نے کہا اب ذرا پشت ادھر کیجئے حضرت پھر گئے جب پشت دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو بہو شمائل رسول خدا صلعم ہیں اور پوچھا صاحبزادے آپ کا اسم گرامی فرمایا محمد بن علیؑ۔ یہ سن کر جناب جابر دوڑ پڑے اور حضرت کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضرت رسول صلعم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ آنحضرت کا سلام آپ کو پہنچادوں۔ اس کا جواب حضرت نے دیا کہ آنحضرت کی خدمت میں بھی سلام پہنچے اور آپ بھی میرا سلام قبول کیجئے۔ اس کے بعد جناب جابر نے عرض کی یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بروز قیامت آپ میری شفاعت کی ضمانت فرمائیں۔ حضرت نے جواب دیا جابر ہاں میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی ص۲۹) اس کے بعد جناب جابر نے عادت کرلی کہ ہر روز بلاناغہ صبح و شام حضرت باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے جس پر اہل مدینہ تعجب کرتے اور مضحکہ کرتے کہ جابر کو کیا ہوگیا ہے جو اس بچے کی خدمت میں اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں وکان جابر واللہ یاتیہ یتعلم منہ خدا کی قسم جابر امام محمد باقرؑ سے علم حاصل کرتے تھے۔

ابوزبیر بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا جناب جابر ہاتھ میں عصا لئے ہوئے مدینہ کی گلیوں اور لوگوں کے مجمعوں میں گھومتے پھرتے اور کہتے جاتے تھے علی خیر البشر من ابی فقد کفر حضرت رسولؐ خدا صلعم کے بعد کل لوگوں سے بہتر حضرت علیؑ ہیں جو شخص ان سے انکار کریگا وہ کافر ہے۔ اے انصار رسولؐ تم لوگ اپنی اولاد کو حضرت علیؑ کی محبت سکھاؤ۔ اور اگر کوئی بچہ حضرت علیؑ کی محبت سے انکار کرے تو اس کی ماں کی عفت کی تحقیق کرو کیونکہ یہ اسی کے سبب سے ہے۔

جناب جابر اگرچہ معرفت و یقین کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے مگر پھر بھی صحابی ہی تھے امام نہ تھے۔ اس سبب سے معرفت کا وہ درجہ حاصل ہی نہ کرسکتے تھے جو انبیاء و ائمہ طاہرینؑ سے مخصوص ہے۔ چنانچہ جناب جابر آخر عمر میں بہت ضعیف ہوگئے تو حضرت امام باقرؑ آپ کی عیادت کو تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو جناب جابر نے کہا کہ میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے بہتر۔ بیماری کو تندرستی سے اچھی اور مرنے کو زندہ رہنے سے افضل جانتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت امام باقرؑ نے تنبیہ اور ارشاد کے طور پر بیان فرمایا اے جابر لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ اگر خدا ہم کو بوڑھا کردے تو بڑھاپے ہی کو جوانی سے بہتر سمجھیں اور جوان کردے تو جوانی کو خوب سمجھیں اور اگر بیمار رکھے تو بیماری کو پسند کریں اور شفا عطا فرمائے تو شفا ہی میں راضی رہیں۔ اگر موت دے تو موت ہی کو گوارا کریں اور اگر زندہ رکھے تو زندگی ہی کو اختیار کریں غرض خدا ہمیں جس حال میں رکھے اسی حالت کو اپنے لئے سب سے بہتر اور مناسب و نفع بخش سمجھیں۔ جناب جابر نے یہ سنا تو فرط مسرت سے اٹھے اور حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر فرمایا حضرت رسول خدا صلعم نے کس قدر سچ فرمایا تھا کہ اے جابر تم میری اولاد سے ایک ایسے لڑکے سے ملوگے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ معرفت کو اس طرح شگافتہ کریگا جس طرح زمین کو بیل زراعت کے لئے شگافتہ کردیتا ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جناب جابر مرتبہ صبر پر فائز تھے جناب محمد امام باقرؑ مرتبہ رضا پر (مجالس المومنین ص۱۱) علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے مسجد نبوی صلعم میں لوگ جابر کو حلقہ کئے رہتے اور آپ اپنی داڑھی اور سر میں زرد خضاب لگاتے تھے اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اصحاب رسولؐ سے مدینہ میں جن لوگوں نے انتقال کیا ان سب کے آخر جناب جابر تھے۔ آپ نے ۷۸ھ (غالباً ۶۹۸ء)

میں انتقال کیا اور وصیت کی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپ کے جنازے کی نماز نہ پڑھائے (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳)

جناب حذیفہ علیہ الرحمۃ حذیفہ بن یمان انصاری حضرت رسول خدا صلعم کے بڑے مقدس صحابی تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں احد وغیرہ میں شریک ہوئے ان کے والد اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کا نام اسی طرح لیا جاتا تھا حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین منافقوں کے حالات رسول خدا صلعم نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہیں بتلائے۔ حضرت عمر کی عادت تھی جب کوئی شخص مرجاتا تو جناب حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو گئے۔ اگر وہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے تو حضرت عمر اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ورنہ ہٹ جاتے۔ لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا کہ آپ کو منافقین کا حال کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ ابوبکر و عمر کو بھی معلوم نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا شب عقبہ میں رسولؐ کی سواری کے پیچھے چلتا تھا اور حضرت کو نیند آ گئی تھی تو میں نے سنا کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرا دیں کہ ان کی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو ان کے ہاتھ سے نجات ملے۔ یہ سن کر میں ان کے درمیان پہنچ گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس سے حضرت بیدار ہو گئے اور پوچھا کون ہیں میں نے عرض کی حذیفہ پوچھا یہ کون لوگ ہیں میں نے سب کے نام بتلائے حضرت نے فرمایا یہ سب منافقین ہیں مگر تم کسی کو ان کے نام نہ بتانا۔

جناب حذیفہ حضرت رسول صلعم سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ ان سے بچیں۔ جب ان پر موت کی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے بہت جزع کی اور روئے کسی نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں کہا دنیا کے چھوڑنے پر نہیں روتا بلکہ اس پر کہ مجھے معلوم نہیں خدا کی رضامندی کی طرف جا رہا ہوں یا ناخوشی کیطرف۔ ان کی وفات سنہ ۳۶ھ یا سنہ ۵۶ھ میں ہوئی۔

جناب سعد بن عبادہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ قبیلہ انصار کے شریف اور سردار بزرگ تھے تمام مشاہد میں انصار کا علم انہیں کے پاس رہتا تھا۔ یہ انصار میں صاحب وجاہت و ریاست تھے۔ رسولؐ کے پاس ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا لاتے تھے۔ ایک دفعہ سعد آنحضرتؐ کو اپنے گھر لائے اور ایسی خصوصیت برتی کہ آنحضرت نے دعا فرمائی "اے اللہ اپنا درود اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر نازل فرما۔ سعد بہت ہوشمند آدمی تھے آنحضرتؐ نے آپ کی عزت کی ہی مدح فرمائی ہے۔ جب رسول خدا صلعم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکر و عمر سقیفہ میں جمع ہو کر خلافت کا انتظام کرنے لگے تو جناب سعد کو بہت رنج ہوا کیونکہ تمام انصار یہی کہتے رہے کہ لا یبایع الا علیاً ہم لوگ حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کریں گے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸) آپ نے نہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور نہ حضرت عمر کی بلکہ شام کیطرف چلے گئے۔ یہانتک کہ سنہ ۱۱ھ یا ۱۴ یا ۱۵ھ میں مقام حوران میں انتقال کیا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان کا مزار مشہور ہے جس کی زیارت اب تک ہوتی ہے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۹۴) جب آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تو آپ پر بڑی بڑی سختیاں کی گئیں اور اس تک کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ آپ صحابی رسولؐ ہیں۔ خود حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا آوازیں بلند ہو گئیں تو مجھے اختلاف کا خوف ہوا یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھا دیں تمہاری بیعت کر لوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے جھٹ بیعت کر لی پھر اور لوگوں نے بیعت کر لی پھر ہم لوگ سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے کسی طرفدار نے کہا ہائے تم نے سعد کو قتل کر ڈالا میں (حضرت عمر) نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے

بیچارے سعد اس وقت نہایت کمزور اور بیمار تھے اس سبب سے ان لوگوں کو موقع ملگیا کہ جس جس طرح ممکن ہوا ان کو سزا دی صرف اس غصہ میں کہ کیوں انصار ان کی بیعت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب انصار نے دیکھا کہ یہ لوگ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ پھر انصار ہی میں سے کوئی شخص کیوں نہ خلیفہ مقرر کیا جائے! اور کہنے لگے ایک حاکم تم لوگوں میں سے ہو اور ایک انصار میں سے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے تو قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں جس پر ان کے ساتھیوں نے انہیں روکا۔ مگر حضرت عمر بولے سعد کو قتل کر ڈالو خدا بھی اس کو قتل کر دے پھر ان کے سر پر چڑھ گئے اور کہنے لگے میں نے ٹھان لیا ہے کہ تم کو اس طرح کچل ڈالوں کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اس پر سعد نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑلی انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اکھاڑا تو میں تمہارے کل دانت توڑ ڈالونگا اور تم اپنے گھر اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منہ میں کوئی بھی دانت نہیں ہوگا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے۔ تب حضرت عمر سعد کے اوپر سے اترے۔ اس وقت سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی بھی قوت ہوتی کہ خود سے اٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں میری وہ ہیبتناک آواز سنتے جس پر تم اور تمہارے ساتھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہی تو میں تم کو ان لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم رعیت بن کر رہتے سردار نہیں بننے پاتے مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے اس جگہ سے اٹھا لے چلو۔ لوگ ان کو اٹھا لے گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۰) آپ اس زمانہ میں عربی رسم الخط لکھنے جانتے تھے اور تیرنے، تیز تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ آپ ایسے سخی تھے کہ ایک عالیشان محل پر ہر روز آپ کی طرف سے منادی کی جاتی تھی کہ جس کو گوشت اور چربی کھانا ہو وہ چلا آئے۔ اہل صفہ سے ہر رات میں اسی آدمیوں کو آپ لے جا کر کھلاتے پلاتے تھے۔ (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۸۰)

جناب عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رسولؐ خدا و جناب امیرؑ کے چچا زاد بھائی اور جناب امیرؑ کے خاص شاگرد بھی تھے ان کو لوگ بحر اور حبر الامہ بھی کہتے تھے۔ آپ حضرت رسولؐ خدا کی حدیثوں و رسولؐ کے احکام شعر عربیت تفسیر قرآن حساب فرائض وغیرہ کے بڑے علامہ تھے۔ صحابہ میں جب اختلاف ہوتا کہ کس کی بات صحیح ہے تو لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ حدیث قرطاس یاد کر کے بہت رویا کرتے تھے اور کہتے تھے افسوس لوگوں نے رسولؐ صلعم کو وصیت نہیں لکھنے دی۔ آپ کو حضرت علیؑ نے بصرہ کا حاکم بنایا تھا حضرت علیؑ کے ساتھ آپ جنگ صفین میں شریک تھے آپ نے ۶۸ھ میں بمقام طائف انتقال کیا۔ آپ کے جنازے کی نماز جناب محمد بن حنفیہ نے پڑھائی۔ ان کی وفات پر جناب محمد حنفیہ کہتے تھے واللہ اس امت کا عالم مرگیا۔ آپ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ آپ ہی کی روایت سے ہے جو صحیح بخاری۔ مسند احمد۔ کنز العمال وغیرہ میں بھرا ہوا ہے۔

جناب حجر بن عدی

آپ حضرت رسول خدا صلعم کے صحابی بھی ہیں مگر زیادہ زمانہ حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ گذرا۔ علامہ ابن اثیر آپ کے حالات میں لکھتے ہیں آپ حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آنحضرت کی خدمت میں یہ اور ان کے بھائی ہانی حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلاء صحابہ میں تھے۔ جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار

تھے اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے۔ اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے آپ مشاہیر صحابہ سے ہیں جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اس نے سختی اور بدچلنی شروع کی تو حجر نے اس کی بیعت فسخ کردی۔ شیعیان علیؑ کی ایک جماعت ان کی پیرو ہوگئی۔ ایکدن تاخیر نماز کی بابت انہوں نے اور ان کے اصحاب نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے ان کی شکایت معویہ کو لکھ بھیجی معویہ نے لکھا کہ ان کو مع ان کے اصحاب کے میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بڑی جماعت تھی جب یہ مقام مرج عذرا میں پہنچے تو کہا میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں۔ پھر یہ اور ان کے اصحاب عذرا نامی دیہات میں جو دمشق کے پاس ہے اترے۔ معویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دیدیا۔ مگر معویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی تو ۶ چھوڑ دئے گئے اور حجر اور ان کے ساتھ ۶ آدمی قتل کردئے گئے جب لوگوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر کہا میرے ہتھیار نہ اتارنا اور میرا خون نہ دھونا میں قیامت میں اسی طرح معویہ سے ملوں گا جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی بدسلوکی کی خبر ملی تو انہوں نے عبدالرحمن کو معویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لئے حجر اور ان کے اصحاب کی بیحرمتی نہ کرنا۔ مگر عبدالرحمن کے پہنچنے سے پہلے حجر قتل ہو چکے تھے تو عبدالرحمن نے معویہ سے کہا تم نے ان کو قید کیوں نہ کردیا۔ یا کسی وبائی مقام میں کیوں نہ بھیج دیا۔ معویہ نے کہا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے لوگ نہ تھے۔ عبدالرحمن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب تم کو نہ صاحب علم سمجھیں گے نہ صاحب عقل تم نے ایسے لوگوں کو قتل کرادیا جو مسلمان تھے اور تمہارے پاس قید کرکے بھیجے گئے تھے۔ معویہ نے مدینہ آکر حضرت عائشہ سے ملاقات کی تو ممدوحہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ان پر اعتراض کیا۔ معویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجئے۔ یہاں تک کہ ہم دونوں خدا کے ہاں ملیں۔ ابن عمر بازار میں تھے جب ان کو حجر کی وفات کی خبر ملی تو ان سے صبر نہ ہوسکا اٹھ کھڑے ہوئے اور زور زور سے رونے لگے حسن بصری حجر اور ان کے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ سمجھتے تھے ان کا قتل ۵۱ھ میں ہوا۔ ان کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے جو دمشق سے صرف دو فرسخ ادھر ہے۔ یہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۶۱)

جناب حجر حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے مخصوص شیعوں سے تھے اسی وجہ سے معویہ نے آپ کو بڑے ظلم سے شہید کیا جناب ابوذر غفاری کی وفات ربذہ میں ہوئی تو ان کے دفن میں حجر بھی شریک تھے۔

معویہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ حضرت امیر المومنین (علیؑ) پر لعنت کرو انہوں نے کس خوبصورتی سے اس پر عمل کیا۔ کہا ان امیر الوفد امرنی ان العن علیا فالعنوہ لعنہ اللہ یہ شخص مجھے حکم دیتا ہے کہ حضرت علیؑ پر لعنت کروں۔ پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا بھی اس پر لعنت کرے چونکہ آپ شیعان کوفہ کے رئیس تھے اس وجہ سے زیاد نے آپ کو قتل کرانے کی تدبیر کی جب اس نے آپ کو گرفتار کرکے معویہ کی طرف روانہ کیا اور یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دمشق کے قریب پہنچے تو معویہ نے ایک افسر کو ان کی طرف بھیج کر حکم دیا کہ اگر وہ محبت علیؑ سے باز آئیں تو چھوڑ دو ورنہ قتل کردو اس نے آکر کہا مگر جناب حجر نے حضرت امیر المومنین کی محبت نہیں چھوڑی تو اس نے قتل کردیا آپ کے عشق امیر المومنین کی یہ حالت تھی کہ زیاد نے آپ کو گرفتار کرکے جب بلایا اور کہا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ان کی تعریف کرتا ہوں۔ اس نے لوگوں سے کہا اس کو مارو۔ سب نے اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر گئے پھر چھوڑ کر پوچھا کہ اب کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر تو استرے سے میری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالے تب بھی میں حضرت کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا

جو رسولؐ خدا سے آپ کے فضائل و مناقب میں سنا ہے (تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۸۵) جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو جب معلوم ہوا کہ کل قتل کئے جائیں گے تو اس رات کو شب بھر یہ حضرات عبادت خدا کرتے نمازیں پڑھنے اور تلاوت میں مشغول رہے۔ دوسرے دن جب یہ قتل ہونے لگے اس وقت بھی مہلت لے کر قتل سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب قتل ہوتے وقت قاتل نے پہلی تلوار لگائی تو پھر کہا اب بھی علیؑ سے برات کرو تو چھوڑ دئے جاؤ گے آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا آخر قتل کر دئے گئے (کامل جلد ۳ ص۱۹۲)

جناب قنبر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور غلام تھے۔ حضرت آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی آپ کے بڑے جان نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا مولی من ضرب بسفین وطعن برمحین وصلی القبلتین وبایع البیعتین وھاجر الھجرتین ولم یکفر باللہ طرفۃ عین۔ اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا۔ اور دو نیزوں سے لڑتا تھا جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی دونوں بیعتیں کیں۔ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی فصیح و بلیغ مدح حضرت کی کرتے تھے۔ حجاج نے آپ کو بھی قید کر کے بلایا اور پوچھا کہ تم علیؑ کی کونسی خدمت انجام دیتے تھے۔ کہا وضو کے لئے حضرت کے پاس پانی لے جاتا تھا۔ پوچھا جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے کہا آیت کی تلاوت فرماتے جس کا ترجمہ ہے (پھر جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر نعمت کے دروازے کھول دئے۔ یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئیں تھیں جب ان کو پاکر خوش ہوئے تو ہم نے انہیں ناگہاں لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ (پ ۷ ع ۱۱) حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ آیت ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھتے اور ہم لوگوں ہی اس کا مصداق جانتے اور انہیں ظالموں سے سمجھتے تھے قنبر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے حجاج نے کہا اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمہارا کیا حال ہو قنبر نے کہا سبحان اللہ نہ ہے نصیب میرے تو میں پھر شہیدوں کا درجہ پالونگا۔ اور تو ظالموں بدبختوں کے گروہ میں ہو جائیگا۔ حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دئے گئے (رجال کشی ص۴۴)

(ابو النوار جو کہ پارس کا دسوتی) کپڑا بیچتا تھا کہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے اور پھر اپنے غلام قنبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو قنبر نے ان دونوں میں سے ایک پسند کر کے لیا اور جناب امیرؑ نے دوسرا کپڑا خود پہنا۔ (ینابیع المودت و ریاض نضرہ جلد ۲ ص۲۲۹)

جناب مالک اشتر علیہ الرحمہ

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے۔ آپ کا نام مالک لقب اشتر اور باپ کا نام حارث نخعی تھا۔ آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرت کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر و عظیم المنزلت تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرت نے سنی تو فرمایا وہ میرے لئے ویسے ہی تھے جیسا میں حضرت رسولؐ خدا کے لئے تھا۔ یہ بھی فرمایا۔ رحم اللہ مالکا وما مالک عز علی بد ھالکا۔ لو کان صخبہ الکان صلدا ولو کان جبلا لکان فند اوکان فدنی فذ اخذا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لئے بہت شاق ہے وہ اگر شجاعت یا حقیقت و وفا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے تو بڑے اونچے پہاڑ تھے ان کی موت نے گویا مجھے ختم کر دیا اور میری کمر توڑ دی۔ جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دئے تھے عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے جب انہوں نے

مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا کہ اے دشمن خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہر کہ میں دیر سے تیری فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر میری نظر ہے۔ اب دیکھ کیسا مزا چکھاتا ہوں۔ ذرا مردوں کا وار بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لئے ہوئے جھپٹے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کیا۔ دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزہ کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے۔ آخر مالک اشتر نے عبداللہ بن زبیر کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آ رہے۔ مالک اشتر بھی گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے رہے موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے انہیں چھوڑ دیا۔ اس روز آپ روزہ سے تھے۔ اس سے پہلے بھی روزے سے کچھ کھایا نہ تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے آخر حضرت امیر المومنین اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہ فرار اختیار کی۔ جنگ صفین میں بھی مالک اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بپھرے ہوئے شیر سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی جس طرف رخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔ جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرتؑ والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔

جنگ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازار موت گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزہ لئے ہوئے شیر ژیان کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ و میسرہ کو الٹتے جاتے تھے۔ قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معویہ کے لشکر کو شکست عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرآنوں کو نیزوں پر بلند کر دیا جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکا کھا گئی اور حضرت کو مجبور کیا کہ آپ جنگ روک دیجئے۔ حضرت نے ہاتھ روک لیا۔ تو سب نے کہا کہ مالک اشتر کو بھی بلا لیجئے۔ مالک اس وقت بڑی تمائی میں تھے دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ ہی جاتے ہیں اتنے میں حضرت کا قاصد پہنچا کہ واپس آ جائیں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔ انہوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خارجیوں نے حضرت کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے۔ یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے۔ حضرت نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموم و محزون واپس آئے۔ پھر جب معویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کر دیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرت نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انہیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا۔ مگر خوارج نے اعتراض کیا تب حضرت نے فرمایا پھر جو چاہو کرو۔ جس سے معلوم ہوا مالک اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل اور بے نظیر نہ تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلہ میں آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور حضرت کی فوج والے اگر اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہ ہونے دیتے۔ معویہ نے ۳۸ھ کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۹ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا اس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے ان کو عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرت کو خط لکھ کر مدد طلب کی حضرت نے مالک اشتر کو جو اس وقت حاکم جزیرہ تھے نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کر دیا۔ جب معویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں

سے کہا کہ تم اشتر کے لئے روز بد دعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گذریں گے تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دیدینا میں اس کے انعام میں بیس سال تمہارا اخراج معاف کر دونگا۔ وہ زمیندار راضی ہوگیا جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہنچے روزہ سے تھے اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دیدیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہوگئے۔ معویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا اور خطبہ میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے۔ اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے کیونکہ عمار یاسر صفین میں شہید ہو چکے تھے اب مالک اشتر بھی ختم ہوگئے (تاریخ طبری جلد ۹ صہ ۵۴) مگر حضرت علیؑ نے سنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو تمہارے قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس کہ وہ راستہ ہی میں شہید ہوگئے یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔

مالک اشتر جس طرح کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح زیور علم و زہد و فقر و دور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مالک اشتر تھے۔ تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر تمہارے لئے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت فصاحت۔ بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ بغرض آپ مجموعہ کمالات تھے اور حضرت امیر المومنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہوگیا تھا۔

جناب رشید ہجری علیہ الرحمہ

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرت نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنان دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم و تشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جوہر دکھائیں گے۔ اور اپنے رشد کو محبت اور ریاضت میں ظاہر کریں گے۔ حضرت نے ان کو علم منایا و علم بلایا لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم بھی تعلیم فرمایا تھا چنانچہ آپ کو یہ ملکہ تھا۔ کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے تھے بتا دیتے کہ فلاں مقام میں اور فلاں طرح تم مروگے۔ اور ویسا ہی ہوتا تھا حضرت امیر المومنینؑ نے انہیں مطلع کر دیا تھا۔ کہ ابن زیاد ان پر زور ڈالے گا کہ حضرت سے تبرا کریں اور جب وہ اس باطل کی حرکت سے انکار کرینگے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالیگا۔ چنانچہ حضرت نے ان سے فرمایا "اے رشید تم کیسا اعلیٰ درجہ کا صبر کروگے جس وقت بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تم کو بلائیگا اور تمہارے دونوں ہاتھ۔ دونوں پاؤں اور تمہاری زبان کاٹ ڈالے گا۔" رشید نے پوچھا کیوں حضرت اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤنگا۔ حضرت نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ ہی رہوگے۔ حضرت کو فرمائے ہوئے کچھ ہی مدت گذری تھی کہ ابن زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبرا کرو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اس نے پوچھا اچھا علیؑ نے تمہارے بارے میں کیا پیش گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مروگے۔ انہوں نے جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت امیر المومنینؑ نے مجھے خبر دی کہ تو مجھے بلا کر حضرت سے تبرا کرنے کو کہیگا۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تو مجھے آگے بلا کر میرے ہاتھ۔ پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا "خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا"۔ یعنی زبان نہیں کاٹوں گا۔ غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر کے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے اس وقت آپ نے لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے کی وہ باتیں لکھ دوں جو قیامت تک ہونیوالی ہیں۔ بغرض رشید ہجری نے واقعات لکھوائے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کئے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو ان کی طرف جذب کرنے لگے ہیں۔ تو اس نے حجام کو بھیجا کہ جا کر ان کی

زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیرالمومنینؑ نے جو فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا جناب رشید ہجری کی معرفت اور ایمان علی اللہ والرسول والائمہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے اصحاب کے ساتھ بنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فرمایا کہ اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو چنانچہ اس سے کھجوریں گرائیں اور حضرت کے پاس لائی گئیں حضرت نے وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہجری نے کہا یا حضرت یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا۔ اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر سولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس درخت سے محبت ہوگئی۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا تھا۔ اور صبح و شام سینچا کرتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیرالمومنینؑ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا کہ اب میرے انتقال کا وقت قریب ہوگیا۔ پھر میں ایک روز آیا تو ابن زیاد کا پیادہ میرے پاس آیا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں۔ فوراً چلو میں وہاں گیا جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنوئیں کا زرنوق[1] بنا دیا گیا ہے۔ جس پر لوگ پانی کھینچتے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا چلو امیر تم کو بلاتے ہیں۔ میں گیا اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ اور اس میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا۔ کہ میں تیرے ہی لئے غذا پاتا ہوں۔ اور تو میرے ہی لئے پیدا ہوئی ہے۔ پھر میں ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ تو اس نے کہا۔ اپنے امام (حضرت علیؑ) کی جھوٹی خبریں تو مجھ سے بیان کرو۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے حضرت نے مجھے خبر دی تھی کہ تو میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دیگا۔ ابن زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لوگوں نے جناب رشید کو وہاں سے باہر کر دیا۔ جب ان کی بیٹی اور دیگر اعزہ ان کو اٹھا کر لے گئے۔ تو وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرنے لگے (جو حضرت امیرالمومنینؑ سے سنی تھیں) وہ ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو۔ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک اور ظلم کریں گے۔ اس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملیگا۔ یہ حالت دیکھ کر ایک شخص ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا۔ اے امیر آپ نے کیا کیا۔ رشید ہجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ اور زبان چھوڑ دی۔

اسی زبان سے وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرتے اور حضرت علیؑ کی طرف لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں ابن زیاد نے کہا اچھا انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو انہیں حکم دیا کہ ان کی زبان کاٹ دی جائے۔ (رجال کشی ص۵۲)

اس طرح حضرت امیرالمومنینؑ کی پیشن گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

---

[1] زرنوق ایک آلہ پانی نکالنے کا ہے۔ کنوئیں پر دونوں جانب دو لکڑیاں یا دو دیواریں کھڑی کرتے ہیں ان کے بیچ میں ایک لکڑی لگا کر اس پر ایک چکر لگاتے ہیں۔ وہ گھومتا جاتا ہے۔ تو کنوئیں سے پانی نکلتا ہے۔
(انوار النعمانیہ باب ۱۱ صفحہ ۱۶)

جناب میثم تمارؒ

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے۔ وطن کوفہ تھا آپ وہاں کے ایک بڑے جھجھے والے خاندان سے تھے جس کو وہاں بیت التمارین (کھجوروں والے خاندان) کہتے تھے۔ اور سب کے سب شیعہ حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنینؑ صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا۔ کیوں میثم اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تمہیں طلب کریگا۔ اور کہیگا کہ مجھ سے تبرا کرو۔ میں نے عرض کی اے امیر المومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبرا نہیں کرونگا حضرت نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کرکے سولی دیدیگا۔ میں نے عرض کیا کیا مضائقہ ہے۔ میں صبر کروں گا۔ کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر کروگے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہوگے اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گذرے اور اس سے کہتے کہ اے بھائی میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلاکر میری گرفتاری کو بھیجیگا۔ اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا۔ تو مجھے تم اس کے پاس پہنچادوگے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کردیگا جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر اس درخت کے پاس سے گذرتے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو تھپک کر کہتے اے درخت تو اسی لئے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لئے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے گذرتے اور اس سے کہتے اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مقصد نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میثم اس محلہ میں کوئی مکان خرید کرنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو جواب دیتا کہ سبحان اللہ تم اس محلہ میں آؤگے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کیلئے مکہ روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے چودھری کو بلاکر کہا میثم کو گرفتار کرلاؤ۔ اس نے بیان کیا وہ تو مکہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا یہ سب میں نہیں جانتا۔ اگر تم ان کو نہیں لاؤگے تو میں تم کو قتل کردوں گا۔ چودھری نے اس کام کیلئے کچھ مدت طلب کی ابن زیاد نے مہلت دیدی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم مکہ سے واپس آکر دربار ابن زیاد میں پہنچے۔ تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو۔ انہوں نے کہا ہاں میں ہی میثم ہوں اس نے کہا ابوتراب سے تبرا کرو۔ انہوں نے کہا میں ابوتراب کو کیا جانوں کہا علی ابن ابیطالب سے تبرا کرو۔ آپ نے جواب دیا اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا۔ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کرونگا۔ آپ نے کہا میرے آقا و مولا نے تو مجھے پہلے ہی سے خبر دیدی تھی کہ تو مجھے قتل کریگا۔ اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دیگا۔ اور جب چوتھا دن آئیگا تو میری ناک کے نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے سولی پر چڑھائے گئے آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو قتل ہونے سے پہلے خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا سکتا ہوں۔ اور جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر دیدونگا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات نہ بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگادی جب آپ سولی پر تھے چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کرسکے امام علی رضاؑ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیر المومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سوتے ہیں۔ انہوں نے حضرت کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی داڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائیگی حضرت نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمہارے

دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائیگی۔ اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائیگا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دیجائیگی۔ دوسرے پر حجر بن عدی کو۔ تیسرے پر محمد بن اکثم کو۔ اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرت کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا۔ اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم سے غیب کی باتیں بیان کر رہے ہیں۔ اور حضرت سے عرض کی حضور کیا واقعاً یہ باتیں ہونیوالی ہیں۔ حضرت نے کہا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ حضرت رسولؐ خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ میری یہ سزا کس جرم میں کی جائیگی۔ حضرت نے فرمایا اس لئے کہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کریگا۔ اور مجھ سے تبرا کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کروگے۔ میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت جبانہ کی طرف تشریف لیجانے لگے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گذرے۔ اور مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے۔ میثم کہتے تھے کہ جب حضرت امیر المومنین گے بہت دنوں بعد ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا۔ اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بد لی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا۔ اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھکر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھونک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گذر گئے اور ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا کہ آپ اس کو پہچانتے ہیں۔ اس نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا معاذ اللہ کذاب علی ابن ابیطالب کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا یہ عمرو بن حریث بالکل غلط بیان کرتا ہے۔ بلکہ میں صادق اور میرے آقا و مولا علی ابن ابیطالب بھی بالکل صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرو۔ عثمان کو دوست رکھو اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دیدونگا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا ابھی تم قتل نہیں کئے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں رو رہا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا جس دن میرے آقا میرے مولا امیرؑ و وارث نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا انہوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی۔ میں نے کہا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دی جائیگی اور میں سولی دیدیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا حضور کون مجھ پر یہ ظلم کریگا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے مبہوت ہو گیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دونگا اور تمہاری زبان چھوڑ دونگا کہ دنیا سمجھے کہ تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دیدی گئی۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص علی علیہ السلام کی راز دار حدیثیں سننی چاہتے ہیں وہ جلد آکر سن لیں۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرت کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمرو بن حریث ادھر سے گذرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے۔ لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا حضور جلد کسی کو بھیجکر میثم کی زبان کٹوا دیجئے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دیگا۔ وہ لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انہوں نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور

کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دیگا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کریگا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت کی بات غلط ہو جائے۔ اب میری زبان خوشی سے کاٹ دے۔ غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا۔ تو دیکھا کہ وہ کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے تھے جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوکدی تھی۔ آپ کی خبریں سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف نظر کر کے کہا اس کے بادبان باندھ دو۔ معویہ اس وقت مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم نے ایک ہفتہ پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔ (رجال کشی ص۵۳)

طرماح بن عدی بن حاتم

اصحاب امیر المومنینؑ سے یہ ایک بڑے ڈیل ڈول طویل القامت اعلیٰ درجہ کے ادیب فصیح چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ تاریخ ابن ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کے نام سے لکھی گئی ہے مذکور ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ جمل فتح کر کے واپس آئے تو معویہ نے حضرت کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہنچائیگی اور اس چیز کو چھوڑ دیا جو تمہیں نفع پہنچاتی تم نے قرآن مجید کی بھی مخالفت کی اور اس کے رسولؐ سے بھی منہ موڑ لیا۔ حضرت رسولؐ خدا کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا۔ مگر خدا کی قسم میں تمہیں ایسے شعلوں سے مارونگا جس کو نہ پانی بجھا سکیگا اور نہ ہوا ٹال سکے گی جب وہ گر یگا تو کہیں گھس جائیگا اور جب گھسے گا تو سوراخ کر دے گا۔ اور جب سوراخ کریگا تو بھڑک اٹھے گا۔ (اور سب کو جلا دیگا) تم اپنی فوجوں پہ نہ اتراؤ اور نہ سامان جنگ پر گھمنڈ کرو۔ والسلام۔ جب حضرت کے ملاحظہ سے یہ خط گذرا تو حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط ہے اللہ کے بندے علیؑ ابن ابیطالب برادر رسولؐ و وصی رسولؐ خدا اور پدر حسینؑ و حسنؑ کی طرف سے اس علیؑ کی طرف سے جس نے رسول خدا صلعم کے ساتھ (تیرے چچا۔ دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معویہ! کیا تو بھول گیا کہ میرے ہاتھ سے غزوہ بدر میں تیری قوم کا کیا حال ہوا۔ حالانکہ جس تلوار سے اس روز میں نے ان لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے ہی قبضہ میں ہے۔ جس طرح حضرت رسولؐ خدا نے اس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا اسی طرح میرا بازو اسے اب تک اٹھائے ہوئے ہے۔ اور میرے سینے کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے۔ اور ان سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اس وقت کرتا تھا اسی شان سے اب تک کرتا ہے۔ میں نے خدا کو بدل کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا نہ دین اسلام چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی نہ حضرت محمد مصطفےٰ کو ترک کر کے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اسی تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی پس تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر۔ اور جہانتک ہو کوشش کئے جا کسی طرح اس میں کمی نہ کر کیونکہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلط ہو گیا ہے اور جہالت نے تجھے بہکا رکھا ہے۔ اور عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائیگا کہ ان کا کیا برا انجام ہوا۔ خط کو تمام کر کے حضرت نے طرماح بن عدی کے حوالہ کیا۔ اور فرمایا اسے لیجا کر معویہ کو دو اور اس کا جواب لاؤ طرماح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے۔ ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا موتی برس رہے ہیں۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان تھی جب باتیں کرنے لگتے تو کسی طرح بند ہی نہیں ہوتے تھے۔ اور جواب دینے لگتے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے خط لے کر اپنے سر میں باندھا اور کہا۔ غلام بسر و چشم حاضر ہے۔ اور اس کام کو بڑی خوشی سے اپنی نہایت عزت و شرف سمجھ کر انجام دیگا پھر تیز سواری پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ گئے۔ اتفاق سے اس روز معویہ سیر و تفریح کے لئے شہر

سے باہر ایک باغ میں تھا۔ اور اس کے ارکان دولت مثلاً عمرو بن عاص و مروان بن حکم و شر جبیل و ابوالاعور سلمی و ابوہریرہ و دسی بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اسطرف چلا آتا تھا۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں آپس میں کہنے لگے اس کو بلا کر مذاق کیا جائے رائے ہوگئی تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں:۔ **عمرو عاص**:۔ کیوں میاں تمہارے پاس آسمان کی کوئی خبر بھی ہے۔ **طرماح**۔ ہاں ہاں اللہ آسمان میں ہے ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیر المومنین (علی) تمہاری پشت پر ہیں اب اے عداوت و شقاوت والو کہاں جاتے ہو۔ مصائب و آفات کیلئے تیار ہو جاؤ کہ جلد تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں۔ **عمرو عاص**:۔ میاں یہ تو بتاؤ تم آتے کہاں سے ہو۔ **طرماح**۔ میں اس بزرگ کے پاس سے آتا ہوں جو نہایت شریف، پرہیزگار، پاکیزہ، صاف ہے جو خدا کے ہر حکم پر راضی رہتا اور جس کے ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے۔

عمرو عاص وغیرہ۔ اور کس کے پاس جاتے ہو۔

طرماح۔ میں اسی خبیث موذی کے پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے۔

عمرو عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معویہ کو خبر کی کہ علی کے پاس سے ایک بدوی اعرابی آیا ہے تو ہوشیار ہو جا اور غفلت نہ کر جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معاویہ کے اصحاب و احباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اُتر آئے اور اُن سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہو کر اپنے گھر پہنچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈال کر آراستہ کراؤ جب ان انتظامات کی تکمیل ہوگئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرماح کو اپنے ہمراہ دربار یزید میں لائے۔ جب دور سے طرماح کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بنی امیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی آپ نے برجستہ کہا۔ ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے ان کی صورتیں ایسی جلی بھنی کیوں نظر آتی ہیں یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی نوح بھری ہوئی ہے جس کی راہیں تنگ و تاریک ہیں۔ اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہنچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے جس کی ناک پر ضربت کا نشان ہے اور بہت بلند کرخت آواز سے بول رہا ہے تو طرماح نے کہا۔ یہ کون منحوس ابن منحوس ہے جس کی حلق آتی پھیلی ہوئی اور جس کی سونڈ ناک زخمی ہے معویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔ اس پر آپ نے کہا خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہنچائے جب طرماح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان امیر المومنین یسلم علینا اے طرماح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں۔ طرماح نے کہا میری غرض یہ ہے کہ مجھے معویہ کے پاس لیچلو تاکہ وہ خط جو میں حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت سے لایا ہوں اس کو دیدوں۔ اس پر یزید اُن کو خاص معویہ کی نشستگاہ میں لے گیا اور چونکہ طرماح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے معویہ کے بعض ملازموں نے کہا بس اے طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سنتا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا۔ کیا یہی وادی مقدس ہے تاکہ میں اپنے جوتے اتار دوں:۔ اس کے بعد اپنے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا معویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکان سلطنت اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا۔ السلام علیک ایہا الملک العاصی

اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معویہ:۔ اے اعرابی تم بیہودے ہو۔ تم مجھے اے امیر المومنین کہہ کر کیوں سلام نہیں کرتے۔

طرماح:۔ اے معویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں اور ہم نے تم کو اپنا امیر بنایا نہیں تو پھر تجھ کو ہم لوگوں پر کس نے

امیر بنایا (جس کی وجہ سے میں تجھ کو امیرالمومنین کہوں)

معویہ: - اچھا اعرابی بتاؤ تم کیا لائے ہو؟

طرماح - کتاب کی بجائے میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معویہ - وہ خط مجھے دے دو۔

طرماح - مجھے تو یہ پسند نہیں آتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پر رکھ کر وہاں آؤں، اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معویہ - (عمرو عاص کی طرف اشارہ کر کے) کہا خیر میرے اس وزیر کو دیدو۔

طرماح - ائے ہائے جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا۔ پھر اس پر بھی کیونکر اعتبار کیا جائے کہ میں اسکو خط دیدوں۔

معویہ - (یزید کی طرف اشارہ کر کے) اچھا تو میرے لڑکے کو دیدو۔

طرماح - واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے جب ہم لوگ ابلیس (شیطان) ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیونکر پسند کر سکتے ہیں؟

معویہ - تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماح - افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تونے اس کو اس مال سے خرید لیا ہے جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا۔ اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سے ملا ہے۔

معویہ - پھر کس طرح سے میں تمہارے خط کو لوں۔

طرماح - اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اٹھ تاکہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دیدے یہ سنتے ہی معویہ نہایت غضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماح کے پاس آیا ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ خط اپنے زانو کے نیچے دبا لیا۔ اس کے بعد کہا:۔

معویہ - کیف خلفت علی ابن ابیطالب کیوں اے اعرابی تم نے علیؑ ابن ابیطالبؑ کو کس حال میں چھوڑا؟

طرماح - خدا کے فضل و کرم سے میں نے حضرت کو چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے چھوڑا ہے حضرت کے گرد آپ کے اصحاب بھی روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کئے رہتے ہیں کہ جب حضرت انہیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ اس طرف جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور جب انہیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ ان کا خیال تک کرے۔ اے معویہ حضرت اپنے ان لوگوں کے ساتھ اپنے اسی دبدبہ و شکوہ، اسی قوت و طاقت اسی شان و شوکت اسی صولت و شجاعت سے شہسوار عرصہ کارزار یکہ تاز میدان گیر و دار و سردار دیار و امصار ہیں۔ اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں تشریف لائینگے تو اس کو شکست دیدینگے۔ بلکہ ہلاک کر دینگے اگر کسی قلعہ کو اپنا سد راہ پائینگے تو اسے منہدم کر کے زمین کے برابر کر دینگے اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اسکو سمجھا کر کے فنا کے گھاٹ اتار دینگے اور اگر کسی دشمن سے ملینگے تو اس کو قتل کر کے ذلیل و خوار کر دینگے

معویہ - کیف خلفت الحسنین تم نے حسنؑ و حسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے۔

طرماح - خدا کے فضل و کرم سے میں دونوں حضرات کو دو جوان رعنا۔ دو پرہیزگار۔ دو پاکیزہ و پارسا۔ دو صحیح و سالم دو فصیح دو ادیب دو عقلمند دو ہوشیار۔ دو خطیب۔ دو سردار۔ دو زیرک ذہن۔ دو طیب و طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ آیا ہوں۔ دونوں حضرات ہر وقت لوگوں کو دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں۔

معویہ - اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجہ کی فصاحت عطا کی ہے۔

طرماح - اے معاویہ میری فصاحت کی حقیقت کیا ہے؟ اگر تو حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں، بلیغوں، فقیہوں، ظریفوں، نجیبوں، ادیبوں، سخیوں اور صفیوں کا مجمع ہے تو تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں گر جاتا جس کی موجوں سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔ طرماح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہو کر عمرو عاص نے آہستہ سے معویہ کے کان میں کہا کہ یہ مرد اعرابی بدوی ہے۔ اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوت) دیکر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے حق میں اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے۔ پھر عمرو عاص اور طرماح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں:-

عمرو عاص - اے اعرابی اگر معویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کرو گے؟

طرماح - واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہ لوں؟

معویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کر ان کو دے دئے جائیں اس کے بعد طرماح سے کہا:

معویہ - کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں۔

طرماح - شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ جود و عطا کو تو خدا بھی پسند کرتا ہے۔

اس پر معویہ نے حکم دیا کہ اور دس ہزار درہم دیدئے جائیں۔ پھر کہا:-

معویہ - اگر چاہو تو اور زیادہ دلوا دوں۔

طرماح - اجعلها وترا فان اللہ یحب الوتر تو اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق کو پسند کرتا ہے۔

معویہ نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طرماح کیلئے لائے جائیں۔ مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طرماح کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اسکے بعد سر اٹھا کر کہا

طرماح - کیوں معاویہ جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں تو ان سے مذاق اور مسخراپن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

معویہ - میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے؟

طرماح - یہ مذاق اور توہین نہیں تو کیا ہے کہ تو نے میرے لئے اس رقم کا حکم دیدیا جس کو نہ تو ہی دیکھ رہا ہے نہ اس پر میری نظر پڑ رہی ہے۔

معویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں چنانچہ فوراً پوری رقم آ گئی جب طرماح نے اس مال پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کہی۔ نہ معویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی۔ تب عمرو عاص نے ان سے کہا:-

عمرو عاص - کیوں اعرابی امیر معاویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی

طرماح - میں رائے کیا ظاہر کروں؟ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے جس کو اس نے رب العالمین کے خزانہ سے حاصل کیا ہے: اور اس کو اس وقت اسی رب العالمین کے نیک بندوں سے ایک بندہ (طرماح) نے لیا ہے۔ معویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں۔ یہ سننا تھا کہ معویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا "یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اسکے حوالے کر دے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف و جوانب کیساتھ میری نظر میں سیاہ کر دی ہے۔ اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی۔ غرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے خدا کے بندے کے فرزند معویہ بن ابوسفیان کی طرف سے علیؑ ابن ابیطالب کی طرف۔ میرے لشکروں

کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لئے نہ زمین کی وسعت کافی ہے نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں۔ یا مثل بے انتہا رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے نیچے ایک بہادر سپاہی مستور رہتا ہے۔ جب طرماح نے معاویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے قہقہہ لگایا۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا سبب ہے۔

طرماح۔ اے معویہ اگر تیرا لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیر المومنین علیؑ مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرت طلوع کریں گے تو تیرا کل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہو جائیگا۔ اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے۔ تو حضرت علیؑ کے پاس ایک بڑا مرغ جس کا نام مالک اشتر ہے وہ تیرے ہر دانہ کو اپنی چونچ سے چن لیگا۔ اور سب کو اپنے پہنچے میں بھر لیگا۔

اس کلام سے معویہ پر گویا موت طاری ہوگئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو۔ تب عمرو عاص نے طرماح سے کہا کہ اے اعبدی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو۔ اس کے بعد اس نے طرماح سے شرط کی کہ جب تک معویہ پورا جواب نہ لکھا دے اس وقت تک کچھ نہ بولیں۔ غرض جواب تمام ہوا۔ اور طرماح اس کو لے کر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کوفہ کو روانہ ہو گئے۔ جب دربار معویہ سے طرماح باہر چلے اور کچھ دور نکل گئے تو معویہ اپنے درباریوں پر بگڑا۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معویہ۔ اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کر دوں اور تم میں سے اکیلے کسی شخص کو دیکر چاہوں کہ اس اعرابی نے جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اسکا عشر عشیر ہی وہ میری طرف سے انجام دیدے تو کوئی شخص بھی اس قابل نہیں نکلیگا خدا کی قسم اس اعرابی نے دنیا مجھ پر تنگ اور زندگی تلخ کر دی۔

عمرو عاص۔ اے معاویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسولخدا صلعم سے وہی قربت و منزلت میسر ہوتی جو علیؑ ابن ابیطالب کو حاصل ہے۔ یا تو بھی اسی طرح سیدھے راستہ پر ہوتا جس طرح علیؑ حق پر ہے تو ہم لوگ اس اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معویہ۔ خدا تیرا منہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لیے اس اعرابی کے کلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مجالس المومنین صہ ۲۲۳)

جناب کمیل بن زیاد۔ آپ مشہور تابعی اور حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے۔ نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا۔ اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسولؐ خدا کے زمانہ میں آپ خوب ہوشیار تھے آپ صدوق و ثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرت کی فوج کے نامور اور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے تنہائی میں آپ کو حقائق اور معارف کی تعلیم فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا اے کمیل لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علماء ربانین و عارفان حق کا طبقہ۔ دوسرے طالبان علم و سالکان راہ حق کا گروہ۔ تیسرا عوام فی الانعام کا جھنڈ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ رہتا۔ بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی و مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے ادھر ادھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے۔ اور کسی ایک رکن رکین کو ملجاو ماوا نہیں جانتا۔ اے کمیل مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے۔ اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

اے کمیل دولت جمع کرنے والے مٹ گئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن علماء تا قیام قیامت زندہ ہیں۔ ان کا نشان بقائے عالم تک باقی رہیگا۔ اس سلسلہ گفتگو میں حضرت نے اپنے سینہ مبارک کی طرف جو در حقیقت گنجینہ اسرار الٰہی تھا اشارہ کرکے فرمایا:۔

ھا ان ھھنا لعلما جما۔ لو اصبت لہ حملۃ الخ۔ اس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوتے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے سپرد کر دیتا۔ جناب کمیل حضرت امیر المومنین کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے بھی حاکم رہے ہیں۔ اور حضرت ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض بطور نہج البلاغہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنین نے وہ دعا تعلیم فرمائی تھی جو آجتک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ سنہ ۸۲ھ غالباً (۷۰۱ء) میں جب حجاج ثقفی نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفہ میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعان حضرت امیر المومنینؑ چن چن کر شہید کئے جانے لگے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اس وقت ہیثم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اس سے پوچھا۔ کمیل کا پتہ ہے کہ کہاں ہیں۔ ہیثم نے سفارشانہ لہجہ میں جواب دیا کہ کمیل تو ایک بوڑھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں۔ مگر حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتہ نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے غضبناک ہو کر ان کے پورے کنبے کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دئے۔ جناب کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے۔ میں ایک پیر ضعیف ہوں میرے تو یوں ہی مرنیکے دن آ گئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کر دوں۔ یہ کہکر وہ اٹھے اور خود حجاج کے پاس آ کر حاضر ہو گئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی۔ جناب کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا۔ اور اس کو ظلم و ستم سے باز رہنے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت کی۔ پھر کہا "حجاج میری عمر کا بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہے۔ لیکن اب تیرے قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کر گذر۔ مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا۔ حجاج غضبناک ہو کر بولا۔ "ہاں میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا"۔ تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے۔ غرض جلاد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل قتل کر دئے گئے۔ اور جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے پیشین گوئی فرما دی تھی لفظ بلفظ صحیح واقع ہوا اور آپ شہادت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔

۸۶
۹۲
۱۱۰

حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب اور کرامات و معجزات

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب اور کرامات و معجزات کا قلم بند کرنا طاقت بشریہ سے بالاتر ہے خود سرور کائناتؐ نے اس کے محال ہونے پر نص فرما دی ہے آپؐ کا ارشاد ہے کہ اگر تمام دُنیا کے دریا سیاہی بن جائیں، اور درخت قلم ہو جائیں اور جن و انس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں تب بھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل کا احصے نہیں کر سکتے (کشف الغمہ ص۵۳) علمائے اسلام نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اکثریت فضائل کا اعتراف کیا ہے۔ اور اکثر نے احاطہ فضائل سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ علامہ عبد البر کتاب استیعاب جلد ۲ کے ص۴۷۸ پر تحریر فرمایا ہے فضائلہ لا یحیط بھا کتاب آپؑ کے فضائل کسی کتاب میں جمع نہیں کئے جا سکتے۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ اور منح مکیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مناقب علی و فضائلہ اکثر من ان تحصی حضرت علی علیہ السلام کے مناقب و فضائل حد احصا سے باہر ہیں۔ اور صواعق محرقہ کے ص۷۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل علی وھی کثیرۃ عظیمۃ شھیرۃ حتی قال احمد ماجاء لاحد من الفضائل ماجاء لعلی حضرت علی علیہ السلام کے فضائل بے شمار۔ بیش بہا اور مشہور ہیں"۔ احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ علی کے لئے جتنے فضائل و مناقب موجود ہیں کسی کے لئے نہیں ہیں۔ قاضی اسمٰعیل امام نسائی اور ابو علی نیشاپوری کا کہنا ہے۔ کہ کسی صحابی کی شان میں عمدہ سندوں کے ساتھ وہ فضائل وارد نہیں ہوئے جو حضرت علی کی شان میں وارد ہوئے ہیں۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ علی کے جو فضائل ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو رایۃ الھدی۔ منار الایمان امام الاولیاء فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ علی کا دوست میرا دوست ہے اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے (مطالب السئول ص۵۷) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں یاایھا الذین امنوا آیا ہے۔ وہاں ایمان داروں سے مراد لئے جانے والوں میں علیؑ کا درجہ سب سے پہلا ہے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اصحاب کی مذمت آئی ہے لیکن حضرت علی علیہ السلام کے لئے جب بھی ذکر آیا ہے خیر کے ساتھ آیا ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی شان میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں (صواعق محرقہ ص۷۶) یہی وجہ ہے کہ امام الانس والجن حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:۔" اس اُمت میں کسی ایک کا بھی قیاس اور مقابلہ آل محمدؐ سے نہیں کیا جا سکتا، اور ان لوگوں کی برابری جن کو برابر نعمتیں دی گئی ہیں۔ ان افراد سے نہیں کی جا سکتی جو نعمت دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہے۔ آل رسول دین کی نیو (بنیاد) اور یقین کے کھمبے (ستون) ہیں۔ (سلسبیل فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص۲۷) بے شک حضور ولایت کا یہ فرمایا بالکل درست ہے کہ آل محمدؐ کی برابری نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ حضور رسول کریمؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرما دی ہے۔ کہ میری آل میرے علاوہ ساری کائنات سے بہتر اور افضل ہے۔ اور حدیث کفو فاطمہؑ نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ کہ آل رسولؐ کا درجہ انبیاء سے بالاتر ہے (نور الانوار) ان ہی

حضرات کی محبت کا حکم خداوند عالم نے قرآن مجید میں دیا ہے اور ان کی محبت سے سوال کیا جانا مسلمہ ہے ان کے لئے دنیا کی تمام مسجدیں اپنے گھر کے مانند ہیں۔ یہ انہیں اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں جس طرح اپنے گھروں کو استعمال کرنے کے مجاز ہیں (در منثور و مطالب السئول صـ۵۹) اہلبیت میں حضرت علیؑ کا پہلا درجہ ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ جو فضیلت علیؑ کی ہے اس میں تمام آئمہ مشترک ہیں۔ آپ کو خدا نے قسیم النار و الجنۃ بنایا (صواعق محرقہ صـ۷۵) آپ کے چہرہ مبارک کو بنظر محبت دیکھنا عبادت ہے اور آپ کا ذکر کرنا عبادت ہے (نور الابصار ینابیع المودۃ صـ۹۰ و صواعق محرقہ صـ۴۳) آپ کے حکم کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔ علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "کوئی شخص بھی صراط پر سے گزر کر جنت میں نہ جا سکے گا۔ جب تک کہ علی کا دیا ہوا پروانہ جنت اس کے پاس نہ ہوگا (صواعق محرقہ صـ۷۵، طبع مصر) آپ کو حق کے ساتھ اور حق کو آپ کے ساتھ ہونے کی بشارت دی گئی ہے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بموقعہ مواخات اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ آپ کے لئے دو بار آفتاب پلٹا۔ شواہد النبوۃ صـ۳۰ میں ہے۔ کہ جنگ خیبر کے سلسلے میں بمقام صہبا جب وحی کا نزول ہونے لگا۔ اور سرِ رسولؐ علی کے زانو پر تھا اور آفتاب غروب کر گیا تھا۔ اس وقت آپؐ نے علی کو حکم دیا۔ کہ آفتاب کو پلٹا کر نماز ادا کریں چنانچہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پلٹا۔ اور علی نے نماز ادا کی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۷ پر ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد حضرت علی بابل جاتے وقت جب فرات کے قریب پہنچے تو اصحاب کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ آپ نے آفتاب کو حکم دیا کہ پلٹ آئے چنانچہ وہ پلٹا اور اصحاب نے نماز عصر ادا کی۔ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض وغیرہ میں ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ کا ایک ذاکر آپ کے ذکر میں برسرِ منبر مشغول و مصروف تھا۔ کہ نماز عصر قضا ہو گئی۔ اس نے کہا اے آفتاب پلٹ آ، کہ میں اس کا ذکر کر رہا ہوں جس کے لئے تو دو بار پلٹ چکا ہے چنانچہ آفتاب پلٹا اور اس نے نماز عصر ادا کی۔ شواہد النبوت کے صـ۱۶۹ میں ہے۔ کہ حضرت علی مجسم حق تھے، اور ان کی زبان پر حق ہی جاری ہوتا تھا۔ یہاں تک لکھنے کے بعد ہم نے حضرت مظہر العجائب و الغرائب غالب کل غالب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعض معجزات و کرامات بحوالہ کتاب بصائر الدرجات۔ ذریعۃ النجاح۔ کشف الغمہ۔ حدیقۃ الشیعہ۔ کفایۃ المومنین۔ روضۃ الواعظین۔ راحۃ الارواح۔ قصص الانبیاء۔ کتاب اربعین۔ عیون اخبار رضا۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ دلائل النبوت ربیع الابرار۔ مصابیح القلوب۔ روضۃ الشہدا وغیرہ بالفاظ جناب مرزا باقر علی بیگ کتاب فضائل مرتضوی سے پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت علی علیہ السلام اور سنگِ خارا

مروی ہے کہ جب جناب امیر المومنین علی علیہ السلام نے جنگ صفین سے مراجعت کی تو اثنائے راہ میں ایک صحرا میں نزول اجلال فرمایا۔ لشکر پر تشنگی نے ایسا غلبہ کیا کہ زبانیں پیاس کے مارے باہر نکل پڑیں۔ اہل لشکر نے جناب امیر علیہ السلام سے تشنگی کی شکایت کی۔ آپ اٹھے اور سب طرف اس صحرا میں نظر دوڑائی۔ ایک طرف دیکھا کہ ایک سنگ عظیم پڑا ہے آپ نے اس کی طرف گھوڑا دوڑایا اور اس کے پاس آکر ارشاد فرمایا۔ کہ اے سنگ ہم کو خبر دے کہ اس صحرا میں پانی کس جگہ ہے۔ اس سنگ نے آپ پر سلام کیا اور کہا کہ السلام علیک یا وارث علم النبوۃ و یا وصی رسول اللہ الماء تحتی۔ سلام تجھ پر اے وارث علم النبوت اور وصی رسول اللہ! پانی میرے نیچے ہے۔ یہ سن کر آپؑ نے سب کو حکم دیا کہ اس پتھر کو اٹھا دیں۔ سو کوئی متوجہ اس کے کھودنے اور اٹھانے کے ہوئے۔ مگر کسی طرح اس کے کھودنے پر قادر نہ ہو سکے جب جناب نے ان کا عجز دیکھا۔ تو ان کو اس پر سے ہٹا دیا۔ اور لب ہائے مبارک کو حرکت دی، اور دست خیبر کشا کو اس پتھر پر مارا۔ کہ وہ پتھر بقدرت

الٰہی اس جگہ سے ایک فرسخ دور جا پڑا اور اس کے نیچے سے پانی شہد سے شیریں تر اور برف سے سرد تر نکلا۔ سب نے سیر ہو کر پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ اور مشکیں بھر لیں۔ من بعد جناب امیر علیہ السلام نے سنگ کی طرف خطاب کیا۔ کہ تو اپنی جگہ پر پھر آ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ کہ میں نے دیکھا کہ وہ پتھر مثل گنبد کے لڑھکتا ہوا آکر اپنی جگہ پر قائم ہوگیا۔ اور سب نے شکر خدا کا شکر بجالایا۔

(۲) انسان کتا بن گیا

اصبغ بن نباتہ روایت کرتا ہے کہ ایک روز میں جناب امیر المومنینؑ کے ہمراہ تھا کہ ایک شخص قریش سے آپ کے آگے آیا اور کہا کہ اے علی میں نے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ اور بہت سے اطفال یتیم کئے۔ یہ سن کر آنجناب ناراض ہوئے اور کہا اخسا یا کلب یعنی دور ہو اے کتے۔ اسی وقت وہ شخص کتا سیاہ ہوگیا۔ جب اس نے اپنا یہ حال دیکھا۔ تو دم ہلانے لگا۔ اور فریاد و فغاں کرنے لگا۔ اور بکمال تضرع و زاری زمین پر لوٹنے لگا۔ جناب امیرؑ کو اس کی بے تابی دیکھ کر رحم آیا۔ اور اس کے واسطے دعا کی۔ کہ وہ پھر انسان بن گیا۔ اور ہاتھ اور پاؤں اس نے جناب امیرؑ کے چوم کر توبہ کی۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین تم کو خدا تعالےٰ نے ایسے معجزات پر تو قدرت دی ہے پھر اپنے دشمنوں کو کیوں دفع نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص ہم بندہ گرامی خدا تعالیٰ کے ہیں اور ہم کوئی کام بغیر اس کے حکم کے نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے حکم سے کرتے ہیں۔

(۳) ایک خارجی کا خواب

ابو الحسن علی بن ہارون منجم روایت کرتا ہے کہ ایک شخص مسمی ارا ضی خلفاء بنی عباس سے کہتا تھا۔ کہ علی بن ابی طالبؑ نے جو معاویہ سے محاربہ کیا۔ تو خطا کی۔ اور کہتا تھا کہ وہ جناب حق پر تھے۔ اور دلیلیں اس پر قائم بیان کرتا تھا۔ اور وہ راضی نہ ہوتا تھا۔ آخر میں نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ بعد چند روز کے جو اس سے ملاقات ہوئی۔ تو اس نے کہا کہ میں نے توبہ کی اپنے اس اعتقاد فاسد سے۔ جب سبب پوچھا تو بتایا۔ کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا۔ کہ سر اس کا مثل کتے کے تھا۔ میں نے جو سبب اس کا پوچھا تو اس نے کہا۔ کہ میں معاویہ کو حق پر کہتا تھا اور علی کو ناحق پر۔ اس سبب سے میری صورت ایسی ہوگئی۔ یہ دیکھ کر مجھے خوف ہوا تو میں نے توبہ کی۔

(۴) حضرت علیؑ کا عقد جناب فاطمہؑ کے ساتھ

جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ جب سن مبارک فاطمہ زہرا سیدہ زنان عالمیان کا نو برس کا ہوا تو جبرئیل امین بحکم رب جلیل جناب رسول مقبول کے پاس نازل ہوئے اور کہا کہ اے رسول اللہ حق تعالےٰ تم کو بعد تحفہ سلام کے ارشاد کرتا ہے کہ اے حبیب ہمارے اپنی دختر نیک اختر کو شوہر دے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک نور کو دوسرے نور کے ساتھ وصل کر۔ آپ نے پوچھا کہ وہ دونوں کون سے ہیں۔ جبرئیل نے کہا کہ نور اول تمہاری دختر ہے اور نور ثانی علی بن ابی طالب ہیں پس دونوں نوروں کو آپس میں ملا دے آپ نے فرمایا سمعاً و طاعةً اور صبح کو مسجد میں تشریف لائے۔ اور نماز صبح ادا کرکے روئے مبارک طرف صحابہ کے کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے خداوند عالم کا کہ فاطمہؑ کا عقد دن پس میں اس کا حکم بجالاؤں گا۔ عبد اللہ ابن عباس نے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ آپ فاطمہؑ اصحاب کو دیں گے۔ یا ملوک و سلاطین و امراء کو۔ آپ نے جواب دیا کہ نہ سلاطین کو نہ امراء کو اور نہ اصحاب کو۔ بلکہ جس کے لئے خداوند عالم کا حکم ہوا ہے اس کو دوں گا جب اصحاب نے یہ سنا تو سب کو طمع ہوئی۔ وقت عصر حضرت ابو بکر نے پیغام بھیجا اور خواستگاری فاطمہ کی کی۔ صبح کو حضرت عمر نے ایک شخص کو بھیجا بعد ایک لحظہ کے خالد نے کسی کو بھیجا بعد ایک ساعت کے بشیر انصاری نے پیغام بھیجا۔ غرض سب اصحاب نے خواستگاری کی یہاں تک ایک مرتبہ میں ایک ہزار سات سو آدمیوں نے پیغام بھیجا اور خواستگاری کی۔ جناب رسول مقبولؐ نے یہی جواب دیا کہ مجھے امر فاطمہ میں

کچھ اختیار نہیں۔ خداتعالیٰ کو اختیار ہے جس کے ساتھ حکم کرے گا اس کے ساتھ فاطمہؑ کا عقد کیا جائے گا۔ من بعد عبدالرحمن بن عوف نے جو کہ صحابہ کرام میں سے تھا۔ اور مال و منال اور حشمت و تجمل دنیا بہت رکھتا تھا چنانچہ اس کے حال میں لکھا ہے۔ کہ ہزار آدمی واسطے تحصیل زر دیہات اور جائداد کے اس کے پاس تھے۔ اور ہزار غلام کمربستہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور تین سو تاجر اس کے مال کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور تین سو پچاس دکانیں تجارت کی مدینہ میں اور طائف اور شام وغیرہ میں اس کی تھیں۔ اور گماشتے اور وکیل بر رسم تجارت دکانوں میں بیٹھے تجارت کیا کرتے تھے۔ القصہ اس شخص نے بھی ایک شخص کو بھیجا اور جناب معصومہ کی خواستگاری کی جناب رسول مقبول سن کر خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ عبدالرحمن نے جانا کہ خاموشی آپ کی ازراہ رضا کے ہے اور مجھ سے عقد کرنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ یہ گمان کر کے جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ کہ جس قدر مال اور اسپ و شتر و گاؤ و گوسفند میرے پاس ہیں۔ سب کو میں نے آپؐ کی دختر نیک اختر کے کابین میں دیا اور اس قدر مال و زر و اسباب آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ کہ جس کی شرح دشوار ہوگی۔ یہ سن کر آنجنابؐ غصہ میں آئے اور عبدالرحمن کو بلوایا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی زمین سے اٹھائی۔ اور اس کی گود میں ڈالی۔ راوی کہتا ہے کہ جب تک وہ سنگریزے آپؐ کے ہاتھ میں رہے۔ تسبیح خدا کی کرتے رہے۔ اور جب عبدالرحمن کی گود میں گئے۔ تو در ناہموار ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ان کو لے جا مال و زر تیرا زیادہ ہو جائے گا۔ اور اے عبدالرحمن میں نے چند بار کہا ہے کہ یہ کام تعلق خداوند عالم سے رکھتا ہے۔ مجھے اس میں کچھ دخل نہیں ہے اور اس نے جبرائیل کو بھیجا ہے۔ کہ تو نور کو نور کے ساتھ مواصلت کر۔ پس نور اول تو فاطمہؑ ہے اور نور دوسرا بھی ایسا عظیم الشان ہو کہ جس کو خدا نے فرمایا ہے۔ اور نور ہونا تجمل اور اسباب و زر و جواہر سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ واللہ کہ اگر کوئی شخص پھر بعد اس کے اس مقدمہ میں مجھ سے کچھ کہے گا تو میں شکایت اس کی خداتعالیٰ سے کروں گا۔ پس اسی شب جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ خداتعالیٰ نے تم کو سلام ارشاد کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ فاطمہؑ زہرا اس شخص کو دو۔ کہ جس کے گھر میں شب جمعہ ستارہ زہرا نازل ہو۔ میں نے بھی فاطمہؑ کو اسی شخص کو دیا ہے تم بھی اسی شخص کو دو۔ اور عقد اس کا اس سے کر دو۔ دوسرے دن جناب رسول خدا مسجد میں تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ ابھی مجھ کو وحی جانب رب جلیل سے نازل ہوئی ہے خداوندتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں نے فاطمہؑ کا عقد اس شخص کے ساتھ کیا ہے کہ جس کے گھر میں شب جمعہ ستارہ زہرا نازل ہوگا۔ اور اس کے گھر کے کوٹھے پر اترے گا۔ پس تم بھی اس کے ساتھ اس کا عقد کیجیو کسی نے پوچھا کہ یا حضرت وہ آپؐ کے اصحاب میں سے ہوگا یا غیر اصحاب میں سے ہوگا۔ فرمایا اصحاب کے مابین میں سے ہوگا۔ یہ سن کر سب اصحاب کو اس امر کی طمع ہوئی۔ اور شب کو سب نے اپنے گھروں کو زینت دی اور آراستہ کیا۔ اور عود و عنبر و مشک کا مجمروں میں بخور کیا۔ اور شمعہائے کافوری اور مشعل و چراغ روشن کئے۔ دالانوں میں پردے چادریں لگائیں طرح طرح کی زینت اور انواع انواع کے سامان خوشی اور شادی کے مہیا کئے۔ اور آمادہ کئے جناب رسول خدا بھی بعد نماز صحن مسجد میں تشریف لائے اور ستارہ کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ اور سب آدمی بھی کوٹھوں پر چڑھے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ پھر جناب رسول مقبول بھی بام خانہ پر تشریف لے گئے اور جناب سیدۃ النساء العالمین بھی تھیں۔ جناب رسول مقبول بام خانہ پر تشریف لائے تا کہ دیکھیں۔ کہ ستارہ آسمان سے کیونکر اترتا ہے اور کس کے گھر میں گرتا ہے۔ پس جبکہ نصف شب ہوئی تو ستارہ زہرہ آسمان سے جدا ہو کر نیچے کی طرف چلا۔ اور اتنی دیر میں آن کر پہنچا کہ جتنی دیر میں جناب زہراؑ چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہا اور نیچے پہنچ کر سب کوٹھوں پر پھرنے لگا جب کوٹھے پر جناب امیرؑ کے پہنچا تو اتر پڑا۔ اور کوٹھے پر سے پھر گھر میں آ کر جناب امیرؑ پر سلام کیا اور مبارکباد دی۔ جب فاطمہؑ نے دیکھا کہ ستارہ جناب امیرؑ کے گھر میں اترا۔ تو فرمایا الحمد للہ رب العالمین۔ پس بیگانوں اور غیر قبیلوں میں نہ گئی۔ اور اس کے شکریہ میں تینتیس بار الحمد للہ کہا۔ اور اتنی ہی دیر ستارہ بھی حضرت کے گھر میں رہا۔ کہ جتنی دیر میں تینتیس بار الحمد للہ

کیا تھا مگر یہ روشنی اس ستارہ میں اس قدر تھی۔ کہ شب تار مثل روز روشن کے پُرضیا ہوگئی تھی۔ من بعد ایک صدائے عجیب ستارہ سے پیدا ہوئی اور جس راہ سے آیا تھا پھر اسی راہ سے اوپر چلا گیا۔ پس جبکہ جناب معصومہ نے وقت صعود ستارہ تجلی اور روشنی دیکھی۔ تو از راہ تعجب تیس بار سبحان اللہ کہا۔ پس سب نے ستارہ کو آسمان پر جاتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت طمع ہر ایک کی قطع ہوئی، اور جب شب پنجشنبہ ہوئی تو جبرئیل امین نازل ہوئے۔ اور عرض کی کہ یا رسول اللہ خدا تعالیٰ نے خازنان بہشت کو ارشاد کیا ہے کہ آراستہ کریں شجر طوبیٰ اور درخت سدرہ کو فرمایا ہے۔ کہ حلے لادیں اور حورالعین کو ارشاد کیا ہے۔ کہ عطر اور خوشبوؤں کو بہشت سے باہر لاویں۔ اور پراگندہ کریں تاکہ تمام عالم معطر ہو جاوے۔ اور سورہ یٰسین اور حم و طس کو پڑھیں اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ آسمان چہارم میں جمع ہوں۔ اور صحن بیت المعمور میں کرسی نور کی بچھائیں۔ اور ایک فرشتہ ہے کہ نام اس کا راحیل ہے اور سب فرشتوں سے فصیح تر ہے اس کو حکم ہوا ہے۔ کہ اس منبر پر جا کر خطبہ پڑھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ملائکہ گواہ رہو۔ کہ میں نے دیا اپنی کنیز خاص فاطمہ زہرا اپنے خیر العباد علی کو۔ کہ ولی میرا اور وصی اور برادر رسول محمد مصطفیٰ کا ہے۔ پس اس وقت طوبیٰ نے اپنے زیور کو گرایا اور حورالعین نے نثار فاطمہ کو پہنا۔ اور ایک دوسری کو وہ نثار قیامت تک ہدیہ بھیجیں گی اور فخر کریں گی۔ کہ یہ نثار ہے تزویج فاطمہ کا اس وقت ابر کو حکم دیا کہ طومار مشک لاوے۔ فرشتوں نے عرض کی کہ خداوندا یہ طومار کیسے ہیں کہ جواب ملا یہ نجات شیعان علی بن ابی طالب ہے۔ دوزخ سے جو شخص علی اور اور اولاد علی سے ذرہ برابر بھی محبت رکھتا ہوگا فردائے قیامت یہ خط آزادی جہنم سے ملے گا۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ ھذہ براءۃ من اللہ الجبار لشیعۃ علی و فاطمہ من النار یہ خبر دے کر جبرئیل نے کہا کہ اے رسولِ مقبولؐ اب تم نور کو نور کے سپرد کر دینی فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کر دو پس جناب رسولؐ خدا مسجد میں تشریف لائے۔ اور اصحاب کو جمع کر کے ایک خطبہ اور حمد و ثنا خدا تعالیٰ کے انشا کیا اور فرمایا کہ اے گروہ مہاجر و انصار مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب فرشتوں کو آسمان میں قریب بیت المعمور کے جمع کر کے فاطمہؑ کا عقد علی کے ساتھ کیا ہے۔ اور مجھے بھی حکم دیا ہے کہ میں بھی ان دونوں کا عقد کر دوں۔ پس جناب امیر کو حکم دیا۔ کہ خطبہ تم ہی پڑھو۔ پس جناب نے بکمال فصاحت و بلاغت خطبہ ادا فرمایا۔ پھر کہا کہ ایہا الناس تم گواہ رہو کہ رسول مقبول نے مجھے ساتھ شرف دامادی اپنی کے مشرف اور مخصوص کیا اور بحکم خدا اپنی دختر فاطمہ زہرا کو مجھ سے تزویج کیا یہ فرما کر سجدہ میں تشریف لے گئے۔ اور کہا الحمد للہ الذی حبیبی و شرفنی الیٰ خیر البریہ محمد مصطفیٰ پھر جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ طبق خرما اور طبق موز اور طبق حلوائے انگبین لائیں پس ان کو حاضر کیا۔ تو عبد اللہ ابن عباس اور عقیل اُٹھے، اور ان کو سب پر تقسیم کیا۔ کہ سب اصحاب کو پہنچ گیا اور فرمایا کہ سب اصحاب اپنے اطفال و عیال کے واسطے بھی تمیناً و تبرکاً اپنے گھروں میں لے جائیں تاکہ جو کوئی کھائے وہ نیک دین ہو جائے پس جناب رسولِ خدا اُٹھے۔ اور جس حجرہ میں کہ عورتیں بیٹھی تھیں تشریف لے گئے اور کہا کہ اٹھو اور فاطمہ کے پاس جاؤ اور مبارکباد دو۔ اور پاس خدیجہ کبریٰ مادر فاطمہ زہرا کا ان کو پہناؤ اور کرسی پر بٹھاؤ۔ اور نزدیک گرد کرسی کے بیٹھو۔ اور ذکر خدا کرو۔ اور عطر اور خوشبو لاؤ اور بخورات جلاؤ۔ اور فرش بچھاؤ یہ فرما کر باہر تشریف لائے۔ اور جناب امیر کو بلایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ امیرؑ نے عرض کیا کہ یا حضرت میں اپنی زرہ کو بازار میں بیچنے کے لئے گیا تھا۔ راہ میں ایک اعرابی ملا اور پوچھا کہ اے علی! تم اس کو بیچتے ہو میں نے کہا کہ ہاں بیچتا ہوں اس نے کہا کتنے کو بیچتے ہو میں نے کہا پانچ سو درہم کو۔ اعرابی نے آستین میں سے وہ درہم نکال کر مجھے دیئے۔ یہ کہہ کر وہ درہم آنحضرتؐ کے روبرو رکھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ! تم نے جانا۔ کہ وہ اعرابی کون تھا عرض کیا کہ خدا و رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے۔ اور پہلے اس سے کہ یہ درہم تم میرے پاس لاؤ۔ وہ زرہ کو لا کر مجھے دے گیا ہے الغرض جو کچھ ساز و سامان واسطے عروس کے چاہیے اس کو خریدا اور اصحاب بہت تحفہ اور ہدایا اور گاؤ اور گوسفند و شتر و خرما اور برنج و گندم و روغن حضرتؐ کے پاس لائے۔ اور جنابؐ نے ہر ایک صحابی کو تھوڑا تھوڑا آٹا دیا اور فرمایا کہ بروز جمعہ روٹیاں پکوا کر لائیں۔ اور جناب امیرؑ نے اس شب شتر اور گوسفند وغیرہ

ذبح اور نحر کئے۔ اور جناب رسولِ خدا نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس گوشت کے ٹکڑے کئے۔ جب صبح ہوئی کھانا پکوا کر تیار کیا جناب رسول خدا نے جناب امیرؑ کو حکم دیا۔ کہ تم سب مہاجرو انصار کو قریب ہوں یا بعید دعوت کے واسطے جمع کرو۔ جناب امیرؑ نے عرض کی یا حضرت میں سب کو کیونکر جمع کروں۔ کہ بعض آدمی شہر کے باہر اپنی زراعت اور باغوں میں کاروبار و پانی دینے میں مشغول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم مسجد کے کوٹھے پر چڑھ کر باآوازِ بلند کہو کہ "اجیبو رسول اللہ"! پس جناب امیرؑ مسجد کی سقف پر گئے اور ندا کی۔ خدا تعالےٰ نے ہوا کو حکم کیا۔ پانچ پانچ فرسنگ تک اس نے آپ کی آواز کو سب کے کانوں تک پہنچا دیا اور سب لوگ آن کر جمع ہو گئے بلکہ شہر مدینہ میں کوئی ادنیٰ و اعلےٰ فقیر و امیر و کبیر باقی نہ رہا۔ کہ جو حاضر نہ ہوا پس آپؐ نے ارشاد کیا۔ دسترخوان بچھاؤ اور سب کو بٹھا کر دو دو ہر ایک کے کھانا چنو۔ غرض سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور پھر اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھے رسولِ خدا نے ام سلمہ کو حکم دیا۔ کہ تم جاؤ اور حفصہ اور عائشہ اور اسما بنت عمیس زن جعفر طیار کو اور سب زنان ہاشمیان کو اپنے ہمراہ فاطمہ کے گھر میں لے جاؤ اور فاطمہ کو آراستہ کر کے اور حلل اور زیور اور پوشاک خدیجہ کبریٰ کی پہناؤ۔ اور عطر اور خوشبو کر کے علی کے گھر میں شادی و خرمی کرتی ہوئی پہنچاؤ۔ پس سب عورتیں گئیں اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا تھا اس پر عمل کیا۔ جب شب ہوئی تو جناب رسول خدا نے فرمایا۔ کہ اسپ شہبا پر زین رکھو۔ اور جناب معصومہ کو اس پر سوار کیا۔ اور سلمان کو فرمایا کہ لگام اسپ پکڑو۔ اور سب خرمی اور شادی اور ذکر خدا کرتے ہوئے جناب امیرؑ کے گھر پہنچے پس مردان بنی ہاشم تو دروازہ تک پہنچا کر واپس آئے اور زنانِ ہاشمیہ گھر کے اندر داخل ہوئیں منقول ہے کہ جبرئیل اور میکائیل اور دو صف ملائکہ کی ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے خانہ جناب رسول خدا سے تا بخانہ جناب امیرؑ ہوا پر کھڑے ہوئے رحمت و مغفرت اور نور نثار کرتے تھے۔ پس جناب رسول خدا نے جناب امیرؑ کو مسجد سے بلوایا اور سلمان سے کہا کہ علی کو گھر میں بھیجو اور عورتوں کو رخصت کر دو۔ کہ اپنے اپنے گھر جائیں مگر اسما بنت عمیس کہ ان کو رہنے دینا۔ کہ اس واسطے وصیت خدیجہ کبریٰ کی وقت وفات یہ تھی۔ کہ فاطمہ کو وقت عروس تنہا نہ چھوڑنا۔ کہ وہ دلگیر نہ ہو۔ یہ کہہ کر آنجنابؐ رونے لگے غرض سب بیبیاں رخصت ہوئیں۔ اور اسما بنت عمیس موافق وصیت خدیجہ سات دن تک وہاں رہیں۔ اور بعد تین روز کے جناب ختمی مآبؐ جناب معصومہ کو دیکھنے تشریف لائے جناب معصومہ اپنے پدر عالی قدر کی خدمت میں آ کر بیٹھ گئیں۔ ان کو جنابؐ نے مبارک باد دی جناب معصومہ نے غایت شرم سے سر جھکا لیا۔ اور بعد ایک ساعت کے سر اٹھا کر کہا۔ کہ اے رسولِ خدا جب مجھے آپؐ نے بھیجا۔ تو صبح کو بہت سی عورتوں کو دیکھا۔ کہ حسن و جمال اور صورتیں و شمائل مشابہ زنانِ دنیا سے نہ تھیں۔ اور زینت و لباس بھی ان کا مثل زینت و لباس اہل دنیا کے نہ تھا اور نہایت صفا اور خوشبو تھیں۔ جناب رسول خدا نے فرمایا۔ اے نور چشم وہ حور العین تھیں۔ کہ تمہیں مبارکباد عروسی دینے آئی تھیں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور عرض کی۔ کہ اے رسولِ خدا زنانِ قریش تہنیت اور مبارکباد دینے کو باکمال زینت و آرائش آتی ہیں۔ فرمایا آنے دو۔ غرض وہ سب زنانِ قریش آئیں اور مبارکباد دی۔ جناب امیرؑ اس وقت محراب عبادت پر پشت لگائے بیٹھے تھے اور روبرو آنجنابؑ کے ایک ستون تھا۔ گوشہ چشم سے اس ستون کی طرف نگاہ فرما کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اور لب مبارک کو جنبش دی۔ اور کچھ دعا کی فوراً ستون شق ہوا اور دو شاخ سبز اس میں سے باہر آئیں کہ ان میں طرح طرح کے میوے لگے ہوئے تھے۔ جناب امیرؑ نے سلمان سے فرمایا۔ کہ جس قدر میوے ان شاخوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کو توڑ کر ان عورتوں کو دو۔ چنانچہ سلمان نے میووں کو توڑ کر طبق بھر کر ان عورتوں کے آگے لیجا کر رکھا۔ پھر جناب امیرؑ نے فرمایا۔ کہ یہ میوے مخصوص ہمارے دوستوں کے واسطے ہیں جو ہمارا محب صادق ہے۔ اس کا ہاتھ ان کی شاخوں تک پہنچے گا اور جو ہمارا مخالف ہے اس کا ہاتھ نہ پہنچے گا۔ اور ان میووں سے وہ محروم رہے گا۔ غرض محبان صادق تو خوش ہو ہو کر ان میووں کو توڑتے تھے۔

لوٹ کھاتے تھے۔ اور مخالفین کا ہاتھ ان تک نہ پہنچتا تھا وہ محروم رہتے تھے۔ اور بجائے میوہ کے حسرت کھاتے تھے۔ اس وقت بعض نے تو یہ حال دیکھ کر ولایت کا آنجناب کی اقرار کیا۔ اور بعض کا کفر اور نفاق اور زیادہ ہوگیا۔

(۵) حضرت علی اور بادشاہ حبشہ

منقول ہے کہ ملک حبشہ میں ایک بادشاہ تھا عظیم الشان رفیع المکان اشکیوس نام تھا اس کا ایک برادر زادہ حقیقی تھا۔ فتاح نامی شجاع و دلیر بطلال ہمیشہ اس میں اور اس کے بھائی اشکیوس میں جنگ و جدال اور نزاع و فساد واقع رہتا تھا ایک روز اشکیوس نے فتاح سے کہا کہ تو جو ہمیشہ مجھ سے قتال و جدال اور جھگڑا اور قضیہ کیا کرتا ہے، اور ہمیشہ آزار پہنچاتا رہتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے، اور مقصد تیرا اس سے کیا ہے فتاح نے کہا اس سے دو مطلب میرے ہیں۔ اگر ان دونوں کو تو بر لائے تو میں تجھ سے دائم مقام صلح میں رہوں۔ اور کبھی کسی طرح کا تجھ سے فساد و نزاع نہ کروں ایک تو یہ کہ تو اپنی بیٹی کا مجھ سے عقد کردے۔ اور دوسرے یہ کہ جس قدر تو نے میرے باپ کا مال و متاع لیا ہے۔ وہ مجھے دے دے اور بادشاہی بھی میرے نام پر مقرر کردے اشکیوس نے کہا کہ اے فتاح کوئی شخص بھی بغیر شیر بہا کے اپنی دختر کسی کو دیتا ہی فتاح نے کہا کہ اے عم سارا ملک و مال میرے باپ کا تیرے قبضہ و اختیار میں ہے۔ میرے پاس تو نے کیا چھوڑا ہے۔ کہ جس کو میں تجھ سے شیر بہا میں دوں۔ اشکیوس نے کہا۔ کہ میں تجھ سے مال کا طالب نہیں ہوں۔ بلکہ شیر بہا تجھ سے یہ چاہتا ہوں۔ کہ ایک بڑا دشمن میرا ہے کہ اس کا نام علی ہے۔ اس کا سر کاٹ کے تو مجھے لادے۔ تو میں اپنی دختر کا عقد تجھ سے کردوں گا اور جس قدر تیرے باپ کا مال و اسباب ہے وہ بھی تجھے دے دوں گا فتاح چونکہ اس کی لڑکی پر عاشق تھا۔ اس امر کو قبول کیا اور کہا کہ تو اپنے بیٹے فضل کو مع سات ہزار جوانان جرار کار آزمودہ جنگ میرے ہمراہ کرتا کہ میں مدینہ میں جا کر علی کا سر کاٹ لاؤں۔ اور اشکیوس نے فضل کو مع سات ہزار سپاہ جرار بہادران روزگار فتاح کے ساتھ کرکے مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ دو مہینے کے عرصہ میں یہ لوگ طے منازل و مراحل کرکے قریب مدینہ منورہ کے پہنچے۔ اور ایک فرسخ شہر سے دور خیمہ برپا کرکے اترے اور تھوڑی دیر استراحت اور آسودگی حاصل کرکے فتاح نے ارادہ کیا کہ شہر میں چل کر علی کو دیکھیں کہ کس شان و شوکت کا جوان ہے۔ غرض فتاح اور فضل اور بارہ نفر قوی ہیکل وطاقت ور کہ قوت و دورہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ لے کر شہر کے دروازے پر پہنچا۔ اتفاقاً جناب امیرؑ اندر شہر سے باہر آئے تھے۔ اور بیلچہ دوش مبارک پر رکھے۔ نخلستان کو پانی دینے تشریف لے جاتے تھے۔ فتح نے فضل سے کہا کہ اس جوان کو پکارو۔ تاکہ ہم اس سے حال علی کا پوچھیں فضل نے آواز دی کہ اے جوان ذرا ہمارے پاس سے ہوتا جا کہ ہم نے تجھ سے کچھ پوچھنا ہے۔ یہ سن کر وہ جناب ان کے پاس تشریف لائے جوں ہی نظر مبارک آپ کی فتاح پر پڑی فرمایا صدق رسول اللہ فتاح نے پوچھا اے بندہ خدا علی بن ابی طالب کو بھی جانتا ہے آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص علی کو بہتر مجھ سے نہیں جانتا۔ تیری غرض علی سے کیا ہے اور کس مطلب کے واسطے تو اس کو پوچھتا ہے۔ فتاح نے کہا کہ اے جوان میں بہت دور سے آیا ہوں فقط اس واسطے کہ علی کا سر کاٹ کر بادشاہ حبش کے لیے تحفہ پہنچاؤں آپ نے پوچھا کہ اے شخص علی نے تیرا کیا قصور کیا ہے کہ جو تو اس کا سر کاٹنے آیا ہے۔ فتاح نے سارا قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ اے شخص اگر تو بت پرستی کو ترک کرے اور اسلام لائے تو علی اپنے سر کو تجھ پر فدا کردے۔ فتاح نے کہا اے جوان پہلے تو ہیئت اور ترکیب اور صورت و شکل اس کی بیان کر کیسی شکل و شمایل اور کس ہیئت کا وہ جوان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی رنگت میری سی ہے اور قد اس کا قد میرا سا ہے۔ اور زور اس کا زور میرا سا ہے غرض جو باتیں مجھ میں ہیں وہی سب باتیں علی میں بھی ہیں اور اس میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے۔ پس اگر تو مجھ پر غالب آئیگا تو علی پر بھی غالب آئے گا۔ فتاح نے کہا کہ پس آمین اور تو باہم گر محاربہ کریں تا دیکھوں

ہیں کہ علی کے مقابل ہو سکتا ہوں یا نہیں یہ کہہ کر فتاح سے ایک تلوار حوالہ فرق مبارک جناب امیر کی آپ نے ایک بیلچہ اس کی تلوار پہ مارا کہ دو ٹکڑے ہو گئی فتاح نے اس کو پھینک کر گرز گران فرقِ مبارک پر آپ کے مارا آپ نے ہاتھ اس کا پکڑ کر گرز کو چھین لیا اور فرمایا کہ اے جوان تو تو اپنے کے وار کر چکا اب میں تجھ پر وار کرتا ہوں تو ہوشیار ہو جا فتاح نے سن کر سپر کو سر پہ لیا جناب امیر نے بیلچہ اس کی کمر پہ مارا۔ اس نے اپنے میں بچانا چاہا اس جناب نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زمین سے اٹھا لیا اور سر سے بلند کر کے فرمایا کہ اے فتاح مجھے تجھ پر رحم آتا ہے یہ کہہ کر اس کو زمین پر رکھ دیا اور نقاب اس کے منہ سے اٹھا دی دیکھا کہ ایک مرد جوان سفیدہ آغاز تیس ۳۰ بتیس ۳۲ برس کا سن و سال ہے فرمایا کہ اے فتاح آ اور اسلام قبول کر فتاح نے بھی جان لیا کہ یہی علی بن ابیطالب ہیں عرض کی کہ اگر تین شرطیں میری آپ قبول کریں تو میں اسلام لاؤں آپ نے فرمایا کہو وہ کیا شرطیں ہیں عرض کیا کہ ایک شرط ان میں سے یہ ہے کہ مجھے اپنی غلامی میں آپ قبول کریں دوسری شرط یہ ہے کہ حلقہ اپنی بندگی کا میرے گوش جان میں ڈالیں تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے آپ اپنے سے جدا نہ کریں۔ آپ نے یہ سب شرطیں اس کی قبول فرمالیں۔ فتاح نے ازروئے اخلاص کلمہ زبان پر جاری کیا اور کہا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ واشھد ان امیر المومنین علیا ولی اللہ و وصی رسول اللہ فضل نے جو یہ حال فتاح کا دیکھا تو مع سات ہزار جوانوں کے وہ بھی مسلمان ہوا۔ اس وقت جناب امیر نے فتاح کا نام قنبر رکھا اور اس کو اور فضل کو مع جمیع لشکر رسول خدا کی خدمت میں پہنچا وہ جناب قنبر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے فضل نے جناب رسول خدا سے رخصت چاہی۔ اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ حبشہ جا کر اپنے باپ کو بھی مسلمان کروں۔ آنحضرت نے اس کو خلعت فاخرہ مرحمت فرما کر رخصت کیا۔ پھر جناب امیر سے بھی رخصت ہو کر اپنے شہر کو روانہ ہوا تین شخص حضرت کی خدمت میں باقی رہے ایک قنبر دوسرا فجر تیسرا البصیر۔ اور فضل مع لشکر باعجاز جناب امیر دوسرے ہی دن وقت صبح اپنے شہر میں جا پہنچا۔ مگر جناب امیر نے فضل سے وقت رخصت ارشاد فرما دیا تھا۔ کہ جب تجھے کوئی سختی پیش آئے تو مجھے یاد کر لینا جب فضل قریب حبشہ کے پہنچا۔ تو وزیر اشکیوس نے اس کا استقبال کیا اور شہر میں لے گیا اور خلعت اور گھوڑا جو اس کے باپ نے بھیجا تھا پیش کیا فضل نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ خلعت بت پرستوں کا نجس ہے۔ یہ خبر اشکیوس کو خبرداروں نے پہنچائی۔ کہ فضل نے تیرا خلعت نہیں پہنا۔ خلعت محمد کا پہنے ہوئے ہے اور بتوں کو توڑ ڈالا ہے اشکیوس اس خبر کو سن کر متغیر ہوا کہ اس حال میں فضل مع لشکر دربار میں داخل ہوا۔ اور کہا کہ سلام میرا اس مجلس میں اس شخص پہ ہو کہ جو یہ جانے کہ ہزار عالم میں ایک خدا ہے۔ اور محمد رسول اس کا ہے اور علی ولی خدا کا ہے اور وصی اس کے رسول کا ہے۔ اشکیوس نے پوچھا کہ اے پسر کس خدا کو تو کہتا ہے کہا اس خدا کو کہ جس نے مجھے اور تجھے اور آسمان اور زمین اور سب مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور سب کو فنا اور زوال ہے۔ مگر اس کی ذات کو کہ اس کو فنا اور زوال نہیں۔ اشکیوس نے کہا کہ اے پسر فتاح کیا ہوا۔ کہا کہ سعادت دو جہانی کو فائز ہوا۔ اور اسلام لایا اور غلامی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بجا لایا۔ یہ کہہ کر فضل نے اپنے باپ سے کہا کہ تو بھی اسلام قبول کر و اللہ میں تجھے بضرب شمشیر ہلاک کروں گا۔ اشکیوس نے یہ سن کر کفار کو آواز دی۔ کہ فضل کو گرفتار کر لو۔ فضل نے سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا کہ یا اللہ بحرمت محمد و علی مجھے قوت دے تا کہ میں ان کفار کو اس دیار سے نکال دوں۔ اور توفیق کو رفیق کہہ کر ایک بار پھر جمال علی ولی کا دیکھوں یہ کہہ کر فضل نے تلوار میان سے کھینچی اور ایک حملہ میں تیس کافروں کو جہنم میں پہنچا دیا۔ اشکیوس نے جو یہ حال دیکھا تو خود کھڑا ہو گیا اور باتفاق کفار فضل کو گرفتار کر لیا۔ اور جلاد کو بلا کر کہا کہ اس کو لے جا کر قتل کر دے یہ دیکھ کر سات ہزار فوج نے کہ ہمراہ فضل کے گئی تھی اور مسلمان ہو کر واپس آئی تھی۔ سب نے باتفاق کہا کہ فضل کو قتل کرتے ہو تو پہلے ہم کو قتل کر لو۔ تب اسے قتل کرنا اشکیوس نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ فضل کو قتل نہ کروں تو تم سب ایک دفعہ

ایک دوسرے کے منہ پر ہاتھ رکھ لو۔ بجز اس کے کہ انہوں نے تعمیل اس کے کہنے کی کی۔ اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ ان سب کی مشکیں باندھ لو اور امیر کو کہ شجاعت میں اور تہور میں بے مثل و بے نظیر تھا حکم دیا۔ کہ فضل کو پہلے قتل کرو۔ من بعد اس کے اس جماعت کو قتل کرنا پس جب اس کافر بے دین نے فضل کے قتل کا ارادہ کیا۔ تو فضل منہ طرف مدینہ منورہ کے کر کے پکارا۔ کہ یا علی ادرکنی جلد پہنچ کہ مجھے اس کافر کے ہاتھ سے نجات دلاؤ۔ بجرد اس ندا کے دفعتہً سب قوم کے کانوں میں آواز اللہ اکبر کی آئی۔ اس آواز کو سن کر خوف کے مارے سب کافر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو ایک سوار پشمینہ پوش کو دیکھا۔ کہ بارگاہ کے دروازہ سے چلا آتا ہے اور فضل کے پاس آکر کہا۔ کہ اٹھ کھڑا ہو اور اس کی نظر جونہی روئے مبارک جناب امیر علیہ السلام پر پڑی فرط شوق سے خود رفتہ ہو گیا۔ اور باعجاز حضرت علی غل و زنجیر ٹوٹ کر الگ جا پڑے۔ اور فضل بے ساختہ کھڑا ہو کر قدم مبارک حضرت پر گر پڑا۔ اور پائے اقدس کے بوسے لینے لگا۔ اور رو کر بولا۔ کہ یا مولا اپنے اس غلام کو ان کافروں سے بچایئے آپ نے اس کی تشفی کی۔ اشکیوس نے آپ کو دیکھ کر فضل سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے اس نے کہا کہ علی ابن ابی طالب یہی ہیں۔ کہ ایک چشم زدن میں مدینہ منورہ سے دیار حبش میں تشریف لائے ہیں۔ یہ سن کر اشکیوس نے آپ سے پوچھا۔ کہ اے پسر ابو طالب کس وقت مدینہ سے چلے تھے۔ فرمایا جس وقت تو نے فضل کے ہاتھ بندھوائے تھے۔ اور اس نے مجھے آواز دی تھی۔ کہ یا علی ادرکنی۔ اس وقت میں مدینہ سے روانہ ہوا تھا۔ اور ایک چشم زدن میں یہاں آن کر پہنچا تاکہ فضل کی مدد کروں۔ پس اگر تو اسلام لایا تو فبہا ورنہ تجھے قتل کروں گا۔ اشکیوس نے عرض کی کہ یا علی ایک معجزہ کہ میں تم سے طلب کرتا ہوں۔ اگر تم اس کو دکھا دو گے تو میں اسلام قبول کر لوں۔ آپ نے فرمایا بتا کیا معجزہ چاہتے ہو۔ اس نے کہا کہ اس سنگ عقیق سے کہ میرے آگے رکھا ہوا ہے دو چشمے پانی کے جاری ہو جائیں۔ یہ سن کر آنجناب نے خداوند تعالیٰ کی عظمت و بزرگی یاد کر کے ذوالفقار کو اس پتھر پر مارا، اور پھر اسے گھسیٹا۔ تو دو چشمے آب خوشگوار کے اس میں سے جاری ہوئے۔ ایک ملازم اشکیوس نے جو چلو پانی کا اس سے بھر کر منہ میں ڈالا تو اس پانی سے اس کے منہ میں ذائقہ زہر تلخ کا دیا۔ اور جب ان سات ہزار فوج نے جو اسلام لائی تھی۔ اس کو پیا۔ تو ان کو خوشگوار مثل شہد کے شیریں معلوم ہوا۔ اشکیوس نے جناب امیرؑ سے باعث اختلاف ذائقہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ یہ باعث ان کے کفر اور اسلام کا ہے۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے ان کو ذائقہ شیریں دیا اور جو کافر ہیں ان کو ذائقہ تلخ دیا۔ اشکیوس نے کہا کہ اے علی تجھ سا ساحر میں نے نہیں دیکھا۔ آنجنابؑ کو یہ کلمہ سن کر غیظ آیا۔ اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سر سے بلند کیا۔ اور زمین پر دے مارا۔ فضل نے عرض کی کہ یا امیر المومنینؑ ایک دفعہ ان کو اور دین اسلام کی دعوت کرو۔ کہ اسلام قبول کر لے۔ مگر وہ اسلام نہ لایا۔ آخر فضل نے اپنے باپ کا سر کاٹ لیا۔ اہل حبشہ نے جو یہ حال دیکھا تو سب نے باخلاص تمام اسلام قبول کیا مگر وزیر اشکیوس کہ وہ بھی اسلام نہ لایا۔ اور آدمیوں کو کفر کی طرف رغبت دلاتا تھا فضل نے اس کو بھی قتل کیا جناب امیرؑ نے فضل کو وہاں کا بادشاہ کیا فضل نے سب بت خانے خراب و مسمار کر کے مسجدیں تبدیل کرا دئے۔ اور جناب امیرؑ سے عرض کی کہ فتاح طالب تھا میری بہن کا۔ اگر اب وہ چاہے تو میں اس سے عقد کر دوں جناب امیرؑ نے قنبر سے پوچھا اس نے عرض کی کہ یا حضرت اب میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اس کی بہن کو لے کر کیا کروں بغرض ہر چند اس نے اصرار کیا اور اس نے انکار کیا جناب امیر اہل شہر سے رداع ہو کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ یہودیوں نے قنبر سے پوچھا کہ علی ابن ابی طالب تو ایک چشم زدن میں حبشہ سے مدینہ میں آئے۔ تو پیادہ اُن کے جلو میں کیوں کر آیا۔ قنبر نے کہا کہ بخدا علی مرتضیٰ ہیں میں ان کے جلو ہی میں آیا ہوں۔

(۶) امیر المومنین اور خسرو جابلسا

منقول ہے کہ ایک روز سید الابرار بعد ادائے نماز صبح پیش اصحاب وعظ فرما رہے تھے کہ اثنائے وعظ میں ایک درویش نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں ایک ہزار روپے کا قرض دار ہوں۔ کوئی شخص میرے قرض کو ادا کر دے۔ کہ دو لڑکے میرے قرض خواہ نے پکڑ رکھے ہیں اور مجھے اس قدر میسر نہیں آتا۔ کہ قرض خواہ کو دے کر اپنے لڑکوں کو اس کے ہاتھ سے چھڑاؤں

جناب امیرؑ نے یہ سن کر اس سائل سے فرمایا کہ تو اس قدر صبر کر کہ جناب رسول خدا وعظ فرما چکیں۔ تو میں تجھے ہزار دینار دے دوں گا۔ آپ کے فرمانے سے وہ بیٹھ گیا سعد وقاص نے اس مرد درویش سے کہا کہ تو علیؑ کے کہنے پر تکیہ نہ کر۔ کہ وہ خود محتاج ہیں ہمیشہ نان جویں کھاتے ہیں۔ اور اکثر ان پر فاقہ گذرتا ہے۔ وہ لئے یا محتاج پر تو قادر ہی نہیں تجھے ہزار دینار کہاں سے لا دیں گے۔ تو کھڑا ہو کر پھر سوال کر۔ اس مرد درویش نے اس کے ورغلانے سے پھر کھڑے ہو کر سوال کیا جناب امیرؑ نے پھر اس سے ارشاد کیا کہ اے شخص تو بے صبری نہ کر۔ اتنی دیر ٹھہر جا کہ جناب سرور کائناتؐ اپنا وعظ فرمانے سے فارغ ہو جائیں۔ تو میں تجھے دو ہزار دینار دوں گا۔ مرد درویش پھر بیٹھ گیا سعد نے پھر اس کو ورغلایا۔ پھر اس نے سوال کیا پھر جناب امیرؑ نے اس کی تشفی کی اور فرمایا کہ تو نہ گھبرا جب آنحضورؐ منبر سے اتریں گے۔ تو میں تجھے تین ہزار دینار دوں گا۔ پھر وہ سائل خاموش ہو کر بیٹھ گیا غرض اس طرح ہر بار وہ بسبب ورغلانے سعد کے کھڑا ہو کر سوال کرتا تھا۔ اور جناب امیرؑ ہر بار ایک ہزار دینار اور زیادہ کرتے تھے تا آنکہ فرمایا بارہ ہزار دینار دوں گا۔ الغرض جناب ختمی مآبؐ وعظ فرما چکے۔ تو جناب امیر مرد درویش کو اپنے ہمراہ دولت سرا میں لے گئے۔ اور دستر خوان بچھوا کر نان جویں اس فقیر کے روبرو رکھیں اس کو دیکھ کر سعد کے کہنے کا اس مرد درویش کو یقین ہو گیا اور اضطراد کے سبب لقمہ حلق سے نہ اترا جناب امیرؑ نے اس کا یہ حال دیکھ کر قنبر سے ارشاد کیا کہ دستر خوان اٹھا لے۔ کہ سعد نے اس کو وسوسہ میں ڈال دیا ہے۔ اس مرد درویش نے یہ جانا کہ جناب امیر میری مافی الضمیر سے آگاہ ہو گئے۔ تو کہنے لگا حضورؑ آپ سچ فرماتے ہیں مجھے سعد کے کہنے سے شک پیدا ہو گیا تھا۔ القصہ جناب اس مرد درویش کو اور قنبر کو ہمراہ لے کر محلہ ترسایاں تشریف لائے اور جمشید کشیش رئیس ترسا کے گھر پہنچ کر دروازہ کی زنجیر ہلائی جمشید نے غلام سے کہا کہ دیکھ باہر کون ہے۔ غلام نے دروازہ کھول کر آپ کو کھڑا دیکھا اور نام آپ کا پوچھ کر جمشید سے جا کر کہا کہ علی بن ابی طالب دروازہ پر تشریف رکھتے ہیں۔ جمشید نے غلام سے کہا کہ چپکے سے جا کر دروازہ بند کر آ۔ غلام نے ایسا ہی کیا پھر قنبر نے کئی بار زنجیر کو کھڑکایا۔ اور آواز بھی دی۔ کسی نے جواب نہ دیا جناب امیرؑ نے غیظ میں آ کر ایک ایسی آواز مہیب دی۔ کہ گھر میں جمشید کانپ اٹھا۔ اور وہ لرزتا کانپتا باہر آیا اور جناب امیر پر سلام کر کے عرض کی کہ میں ہر سال وہ روپیہ جزیہ کا جو مجھ پر مقرر کیا ہے ادا کرتا رہتا ہوں۔ اور اس سال کا روپیہ بھی تیار ہے۔ آپ نے کیوں تکلیف کی جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں اس کام کے لئے نہیں آیا۔ مجھے بارہ ہزار دینار اس مرد درویش کو دینے ہیں۔ ان کو تجھ سے قرض لینے آیا ہوں۔ جمشید نے کہا دینار حاضر ہیں بشرطیکہ کوئی چیز آپ رہن رکھیں۔ آنجنابؑ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک دُلدل ہے اور ایک قنبر ہے اور ایک ذوالفقار۔ ان تینوں چیزوں میں سے جس کو تو کہے تیرے پاس رہن رکھ دوں۔ جمشید نے کہا کہ یا علی دُلدل آپ کے سوائے کسی کو سواری نہیں دیتا۔ اور قنبر بغیر آپ کے کسی کی متابعت نہیں کرتا۔ ذوالفقار بجز آپ کے ہاتھ کے اور کسی سے چلتی نہیں۔ سوائے ان کے اگر کوئی اور چیز آپ رہن رکھیں تو روپیہ موجود ہے۔ یہ سن کر جناب متردد ہوئے۔ اتفاقاً حسنینؑ اس راہ سے تشریف لئے جاتے تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کو متردد دیکھ کر پوچھا کہ یا بابا آپ کو کس امر کا تردد ہے آپ نے حال بیان کیا حسنینؑ نے عرض کی۔ کہ اگر جمشید ہماری ضمانت قبول کرے تو ہم اپنی ضمانت دینے کو حاضر ہیں جمشید نے کہا کہ مجھے ان کی ضمانت قبول ہے۔ جناب امیرؑ نے وثیقہ اپنے دستخط خاص اور حسنین کی العبد سے لکھ کر جمشید کو دیا اور بارہ ہزار دینار اس سے لے کر اس مرد درویش کو عنایت کئے جمشید نے عرض کی کہ تا ادائے زر حسنین کو آپ میرے سپرد فرمائیں کہ یہ ضامن ہیں میرے زر کے۔ آنجناب نے شہزادوں کو اس کے سپرد کیا۔ اور آپ قبرستان کی طرف تشریف لے چلے اور قنبر سے فرمایا کہ تو گھر جا کر فاطمہ سے یہ حال بیان نہ کرنا۔ کہ وہ حسنین کا یہ حال سن کر گھبرائیں گی بغرض جمشید حسنین کو گھر میں لایا۔ اور ایک حجرہ تاریک میں لا کر بٹھایا۔ اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے باپ سے کبھی یہ قرض ادا نہ ہوگا۔ لہذا تمہیں لازم ہے۔ کہ تم میری مطابعت سے کبھی سرتابی نہ کرنا۔ اور ہمیشہ میرے حکم میں رہو۔ اور جو کام میں

تم سے کہوں اس کی تعمیل کرو۔ حسنین نے فرمایا کہ اے جمشید ہم فرزند مصطفٰے اور جگر گوشہ علی مرتضٰی اور نور دیدگان فاطمۃ الزہرا ہیں اگر تو ہماری حرمت نہیں کرتا تو آزادی بھی نہ دے۔ جمشید نے دروازہ حجرہ کا بند کر کے مقفل کیا۔ اور کھانا کھانے میں مشغول ہوا۔ حسنین تاریکی حجرہ اور کثافت مکان سے دل تنگ ہوئے اور باہمدگر فرمایا۔ کہ یہ شخص ہم سے عداوت دینی رکھتا ہے ہم توکل کرتے ہیں جناب کبریا پر اس گفتگو میں تھے کہ یکایک سقف حجرہ کی شق ہوئی اور دو کرسیاں یاقوت سرخ کی آن کر رکھی گئیں اور حجرہ میں اس قدر روشنی ہو گئی۔ کہ آنکھیں اس کے دیکھنے سے خیرہ ہوتی تھیں۔ پس ندا آئی کہ اے نور دیدگان علی بفراغت تمام ان کرسیوں پر بیٹھو۔ من بعد ایک طبق پُر از میوہ بہشت روبرو ان کے رکھا گیا اور آواز آئی کہ اس میوہ کو تناول کرو۔ حسنین یہ دیکھ کر نہایت مسرور اور شاد ہوئے اور جمشید جب کھانے سے فارغ ہوا۔ تو غلام سے کہا کہ پسران علی کو میرے روبرو لاؤ تاکہ ان کو نخلستان میں لے چلیں اور ان سے پانی کھچوا کر سب درختوں کو دلوائیں اور اس سے عہدہ برآ ہو سکیں تو پھر ان کو آزار پہنچائیں۔ غلام اس کے حسب الحکم دروازے پر حجرہ کے گیا۔ دیکھا کہ اس قدر حجرہ میں روشنی ہو رہی ہے۔ کہ جس سے آنکھوں کو خیرگی ہوتی ہے غلام متوجہ ہو کر فوراً پھرا۔ اور جمشید کی خدمت میں آن کر عرض کی کہ میں نے تو حجرہ میں چراغ بھی نہیں جلایا۔ مگر حجرہ میں اس قدر روشنی ہو رہی ہے کہ آنکھوں کو دیکھنے کی طاقت نہیں ہے جمشید نے کہا کہ تجھے میلان ہے ان کی طرف اور تو بہت ہوا خواہ ان کا ہے۔ تو نے ہی چراغ جلایا ہوگا اس نے کہا کنجی حجرے کی تو تیرے پاس ہے میں نے کیوں کر چراغ جلایا۔ جمشید نے کہا کہ میں چلتا ہوں۔ اگر تو نے چراغ جلایا ہوگا۔ تو تجھے برابر ان کے قتل کروں گا۔ غلام نے کہا کہ وہ فرزندان رسول و جگر گوشان علی و بتول ہیں۔ اگر تو ان کو آزار دے گا تو بروز قیامت خدا و رسول کو کیا جواب دے گا۔ جمشید یہ سن کر خفا ہوا۔ اور طمانچہ غلام کے منہ پر مارا۔ اور کہا کہ میں نے تجھے پند و نصیحت کے واسطے نہیں خریدا۔ آخر جمشید حجرے کے دروازے پر آیا۔ اور دروازہ کھول کر اندر گیا۔ دیکھا کہ ایسی روشنی ہو رہی ہے کہ سو مشعل اور شمع کے نور کو بھی اس کے سامنے کچھ ظہور نہیں۔ اور صاحبزادے کرسیوں پر یاقوت کی بیٹھے ہیں اور آگے ان کے شمعہائے کافوری روشن ہیں اور خوان میووں کے روبرو رکھے ہیں اور میوے ان میں سے تناول فرما رہے ہیں جمشید نے غلام کو آواز دی۔ کہ جلد آن کر تماشہ دیکھ کہ یہ کس طرح بیٹھے ہیں۔ غلام نے دیکھ کر کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ فرزند رسول کے ہیں۔ اب تو دیکھ۔ کہ پیش خدا قدر و منزلت ان کی کیسی ہے۔ جمشید نے کہا کہ کچھ ہو۔ مگر عداوت اور دشمنی علیؑ کی میرے دل سے باہر نہ جائے گی۔ اور صاحبزادوں سے پوچھا کہ میوے اس جگہ تمہارے پاس کون لایا ہے فرمایا کہ فرشتے بحکم خدا بہشت سے ہمارے لئے لائے ہیں جمشید نے قدم آگے رکھا اور کہا کہ ایک دانہ اس میں سے میں بھی کھاتا ہوں۔ کہ میں نے انجیل میں دیکھا ہے۔ کہ جو شخص میوہ بہشت کا کھائے گا آتش دوزخ اس پر حرام ہوگی امام حسن نے فرمایا کہ اے جمشید جب تک تو اسلام نہ لائے گا یہ میوہ بہشت کا تجھ پر حرام ہے اور تو کبھی نہ کھا سکے گا۔ غلام نے بھی کہا کہ اے خواجہ یہ صحیح فرماتے ہیں۔ کسی اور غرض سے نہیں کہتے اور اگر تو اسلام لائے اور ان کو نہ ستائے تو البتہ بروز قیامت میوہ بہشت کا کھائے۔ جمشید غلام پر خفا ہوا۔ اور ایک دانہ طبق سے اٹھا کر منہ میں ڈالا۔ جونہی دانت اس کے اس پر لگے۔ وہ دانہ پتھر کا ہو گیا۔ اور آگے کے دو دانت اس کے ٹوٹ گئے۔ اور درد ہونے لگا۔ جمشید نے کہا کہ اے پسران محمد و علی خوب سحر تم نے سیکھا ہے میرے دانتوں کو تم نے توڑ ڈالا ہے جب تک اس کا بدلہ تم سے نہ لوں گا مجھے قرار نہ آئے گا۔ اب چلو تم میرے ساتھ اور جس کام کو میں تمہارے سپرد کروں اس میں مشغول ہو۔ یہ سن حسنین بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے جمشید نے غلام سے کہا۔ کہ ڈول و رسی ان کے سپرد کر اور میں آگے چلتا ہوں۔ اور تو ان کو اپنے ہمراہ نخلستان میں لا۔ غلام لاچار شہزادوں کو اپنے ساتھ لے کر نخلستان کو روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں غلام نے حسنین سے عرض کی۔ کہ اے مخدوم زادو میں غلام اس شخص کا ہوں بجز اس

کی متابعت کے اور کچھ مجھے چارہ نہیں ہے جب میں تمہیں نخلستاں میں پہنچا دوں گا۔ اور خواجہ چلا جائے گا۔ تو میں تمہارے عوض تمہارا پانی بھر دوں گا۔ اور کھانا اور پانی بھی تمہیں پہنچا دوں گا۔ حسنین نے فرمایا۔ کہ اے فرخ! ہم تجھ سے کچھ گلہ نہیں کرتے۔ ہم نے تجھے معاف کیا۔ تو کچھ فکر ہمارے آب و طعام کی نہ کرنا کہ خدا رازق ہے۔ بغرض نخلستان میں پہنچے جمشید نے کہا کہ اس ڈول اور رسی کو لو۔ اور اتنا پانی چاہ سے کھینچو کہ یہ حوض بھی بھر جائے۔ اور سب اشجار سیراب ہو جائیں۔ میں غلام کو اپنے ہمراہ لئے جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد اس کو پھر بھیجوں گا اگر تم نے ان حوضوں کو بھر دیا اور نخلستان کو سیراب کر دیا تو بہتر ورنہ تم دیکھو گے کہ میں نے تم سے کیا سلوک کیا۔ یہ کہہ کر وہ دروازہ کو باغ کے بند کرکے چلا گیا۔ حسنین نے ایک ساعت تو باغ کی سیر کی۔ اور شکر خدا بجا لائے۔ من بعد جناب امام حسینؑ سے امام حسنؑ نے فرمایا کہ اے برادر اول دو ڈول میں کھینچتا ہوں۔ پھر تم دو ڈول کھینچنا۔ شاید کہ یہ حوض بھر جائے۔ اور جمشید سے ہمیں کوئی آزار نہ پہنچے یہ فرما کر دونوں صاحبزادوں نے دو دو ڈول کھینچے۔ اور من بعد مناجات پیش قاضی الحاجات اس طرح پر کی کہ خداوندا غفارا چھوڑ ہمیں تا کہ جمشید سے کوئی ضرر نہ پہنچے اور جلد ہمارے پدر عالیقدر کو ہمارے پاس پہنچے ہنوز دعا تمام ہوئی تھی کہ تیر دعا ہدف قبولیت و اجابت پر پہونچا فوراً پانی چاہ سے جوش مار کر اوپر آیا اور آواز ہاتف کی آئی کہ اے نور دیدگان علی مرتضےٰ تم فلاں درخت کے سایہ میں جا کر استراحت کرو اور کسی طرح کی فکر اور زردو کو دل میں راہ نہ دو کہ جلد تمہارا باپ تمہارے پاس پہنچتا ہے حسنین اس درخت کے نیچے آن کر بیٹھے اور چاہ سے اس قدر پانی ابلا کہ نخلستان مثل دریا کے ہو گیا۔ اور پانی مانند حصار کے گرد حسنین کے کھڑا ہو گیا جمشید نے بعد ایک ساعت کے غلام کو بھیجا۔ کہ دیکھ پانی حسنین نے کھینچا ہے یا نہیں۔ اور اگر نہ کھینچا ہو۔ تو ان پر تاکید کر۔ اور اگر کھانا مانگیں تو کہنا کہ جمشید پیچھے آتا ہے بس اگر تم نے نخلستان میں سیراب کیا تو وہ تمہیں کھانے کو دے گا۔ اور نہیں تو تمہیں آزار پہنچائے گا۔ اور اگر تو دیکھے پانی کے کھینچنے میں کچھ دیر کرتے ہیں۔ تو تو ان کو مارنا۔ اور ان کے باپ سے کچھ خوف نہ کھانا وہ میرے قرض دار ہیں۔ غلام یہ سن کر باغ کی طرف روانہ ہوا اور راہ میں اپنی انگشتری ایک نان بائی کو دی اور کچھ روٹیاں اس سے خریدیں۔ اس خیال سے کہ اگر حسنین خواہش طعام کریں گے۔ تو میں ان کو کھلا دوں گا غرض جونہی باغ کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ سارا باغ پانی سے بھر گیا ہے اور باغ کی دیواروں سے پانی ٹپک رہا ہے یہ حال دیکھ کر غلام الٹا پھرا اور خواجہ سے آن کر کہا۔ کہ اے خواجہ جلد دوکان کو بند کر اور چل کر باغ کو دیکھ سارا باغ تیرا پانی میں ڈوب گیا اور مثل دریا کے ہو گیا اور نہالان بوستان نبوت کا کہیں نشان پیدا نہیں ہے جمشید یہ سن کر نہایت دل تنگ ہوا اور جلد باغ میں آیا دیکھا کہ باغ کی دیواروں سے پانی ٹپک رہا ہے غلام سے کہا کہ انہوں نے میرے دانت توڑے تھے خدا نے امیر سے میرا عوض لیا کہ ان کو غرق کیا۔ غلام نے کہا کہ میں ہرگز اس حرف کو قبول نہ کروں گا۔ اس واسطے حسنین ریحان باغ نبوت ہیں مگر ہاں چونکہ تو نے اسلام قبول نہ کیا اور اور پر خلاف ملت پیغمبر کے تھا۔ اس سبب سے وہ میوے تیرے منہ میں پتھر ہو گئے اور تیرے دانت ٹوٹ گئے جمشید نے کہا کہ اے غلام تو بہت باتیں بناتا ہے میں تجھ پر بہت رحم کرتا ہوں۔ بہر حال اگر لوگ تجھ سے حال فرزندان علی کا پوچھیں تو تو کہیو کہ میں ان کے حال کی خبر نہیں رکھتا اور تو اگر اس راز کو فاش کریگا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہاں کا تو یہ حال تھا۔ اب سنئے حال جناب امیر کا کہ وہ جناب حسنین کو سپرد جمشید کرکے قبرستان بقیع میں تشریف لے گئے اور وہاں سے فاتحہ مومنین کے مزارات پر پڑھ کر نیچے ایک درخت عظیم کے آکر بیٹھے دیکھا کہ درخت پر ایک مرغ بہت بڑا عظیم الجثہ کہ جس کے پر دیال در یاقوت کے تھے بیٹھا ہے۔ جناب امیر نے دفعتہً پاؤں اس مرغ کا پکڑ لیا اس مرغ نے اڑنا چاہا جناب امیر نے پاؤں اس کا ایسا مستحکم پکڑا تھا کہ وہ مرغ اڑنے سے رہ گیا۔ مرغ بحکم خدا جلیل گویا ہوا اور عرض کی کہ السلام علیک یا ولی اللہ میرے پاؤں پر زور نہ فرمائیے کہ میں آپ کے زور کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور نبوت محمد

اور تیری ولایت کا اقرار رکھتا ہوں حکم حق سبحانہ تعالےٰ کا مجھے ایسا ہوا ہے کہ آپ میرا پاؤں پکڑ لیں اور میں پرواز کروں اور تمہیں جہاں کا حکم ہوا ہے وہاں پہونچا دوں تاکہ وہ بارہ ہزار دینار کا جو تم نے راہ خدا میں فقیر کو دیئے ہیں سرانجام ادا کا ہو جائے۔ یہ سن کر جناب امیر نے اپنے ہاتھ کو سنک اور ڈھیلا کر دیا اور وہ مرغ اڑا اور ایک ساعت کے بعد جائے تا مور پر پہونچا۔ جناب امیر نے ایک شہر دیکھا نہایت وسیع مرغ نے کہا کہ یا حضرت آپ اس شہر کے اندر تشریف لیجائیں اور اہل شہر کو مسلمان کریں۔ اور بعد حصول مدعا پھر آپ یہیں تشریف لائیں مجھے آپ اسی جگہ پائیں گے یہ کہہ کر وہ مرغ ایک دیوار پر جا بیٹھا جناب امیر نے بسم اللہ کہہ کر دروازے میں شہر کے پاؤں رکھا اور چالیس دروازے اس شہر کے تھے جناب امیر نے ان چالیس دروازوں کو طے کیا مگر کسی آدمی کو ان میں نہ دیکھا جب شہر میں پہونچے تو جانب راست دیکھا کہ ایک خلق کثیر بادشاہ کے دروازے پر جمع ہے اور آگے دربار شاہی کے ایک میدان بہت بڑا ہے اور اس میدان میں ایک منبر رکھا ہے اور کنارے پر اس میدان کے ایک حوض پانی کا بہت طویل و عریض ہے جناب امیر کنارہ پر اس حوض کے آکر بیٹھے اور تماشہ وہاں کا دیکھنے لگے کہ اس میں پیر مرد چالیس دیئوں کے ساتھ مشکیں دوش پر رکھے اس حوض کے کنارہ پر آیا اور ایک جوان پشمینہ پوش کو دیکھا کہ نور اس کے رخ انور سے تاباں ہے پیر مرد دوڑ کر آگے آیا اور جناب امیر کو سلام کیا آپ نے جواب سلام کا دیا اور پوچھا کہ اے عبداللہ کس ارادہ پر یہاں آیا ہے۔ اور کیا کرے گا تو وہ پیر مرد حیران ہوا اور کہا کہ اے جوان نورانی نہ میں نے تجھے دیکھا اور نہ تو نے مجھے دیکھا پھر تو نے مجھے کیوں کر پہچانا۔ اور نام میرا کیوں کر جانا۔ میں جانتا ہوں کہ تو غریب و مسافر ہے شاہ ولایت نے فرمایا کہ اے عبداللہ سبھی غریب و مسافر ہیں۔ عبداللہ نے کہا کہ اے جوان نیک خو تم یہ نہ کہو میں مسافر اور غریب ہوں یہاں مسافروں کو بہت آزار پہنچاتے ہیں حضرت نے پوچھا کہ اے عبداللہ اس شہر کا کیا نام ہے۔ اور یہاں کے باشندے کیا دین رکھتے ہیں۔ مرد پیر نے کہا کہ اس شہر کو جابلسا کہتے ہیں۔ اور یہ شہر شہرہائے مغرب سے ہے اور ساکنان اس طرف کے ملت حضرت عیسیٰؑ کی رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا ایک پیر ضعیف امام اور پیشوا ہے کہ ہمیشہ خلوت میں رہتا ہے مگر تمام سال میں ایک مرتبہ باہر آتا ہے اور سب کو وعظ و پند کرتا ہے۔ اور آج کا دن اس کے باہر آنے کا ہے۔ اور یہ ممبر اسی میدان میں رکھا گیا ہے۔ اسی پیر راہب کے واسطے ہے۔ وہ ابھی ابھی باہر آئے گا اور اس ممبر پر جا کر وعظ کہے گا۔ اور ہمارے بادشاہ کا نام خسرو جابلسا ہے سب امیر و رئیس اور امیر اور بادشاہ اس ممبر کے نیچے آن کر جمع ہوں گے اور وہ راہب ہر سال سب کو نصیحت کرتا رہتا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں ایک شخص محمد نام پیدا ہوگا۔ دعویٰ پیغمبری کا کرے گا۔ اور اس سبب سے ہمارا بادشاہ جس شخص کو دین محمد پر دیکھتا ہے اس کو قتل کرتا ہے اور ہم چالیس جوان اس میدان میں آبپاشی کیا کرتے ہیں۔ بغرض عبداللہ نے جب چاہا کہ میدان میں آبپاشی کرے جناب امیر نے کہا اے عبداللہ ڈول مجھے دے اور اس سے ڈول لے کر چاہ سے پانی بھرا اور عبداللہ سے کہا کہ دہانہ مشک کا کھول اس میں حضرت نے پانی ڈالا۔ کہ مشک بھر گئی اور پانی کا ڈول ذرا کم نہ ہوا جیسا تھا۔ ویسا ہی رہا۔ اسی طرح آپ نے چالیس مشکوں کو بھر دیا۔ اور ڈول بھرا کا بھرا ہی رہا۔ کچھ کم نہ ہوا۔ عبداللہ سقہ یہ حال دیکھ کر قدموں پر گر پڑا۔ اور کہا کہ اے جوان ظاہر اً عیسیٰ پیغمبر ہے کہ خلائق کو ہدایت کرنے آیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ عیسیٰ پیغمبر میرے بھائی ہیں۔ میں دین محمد بن عبداللہ بن ہاشم بن عبد مناف پر ہوں۔ عبداللہ نے کہا کہ اے جوان اول ایمان مجھ پر عرض کرو۔ اور مجھے مسلمان کرو۔ حضرت نے ان چالیسوں کو مسلمان کیا۔ اور باتفاق عبداللہ اور سب سقوں کے میدان میں تشریف لائے۔ اور ڈول حضرت کے ہاتھ میں تھا۔ چالیس خم کلاں میدان میں رکھے ہوئے تھے۔ ایک ایک خم میں چالیس چالیس مشک پانی آتا تھا۔ جناب امیر نے سقوں سے فرمایا۔ کہ اے دوستو خموں کو بھر دو ایک سقہ نے ایک ایک

خم کو بھرا۔ اور معجزانہ امیرؑ مشک کا پانی کم نہ ہوا۔ سنتے حیران تھے کہ دفعتہً ہوا چلی اور آنجناب نے ڈول کو حرکت دی پس ہوا نے پانی کو سارے میدان میں چھڑک دیا اور ڈول پانی سے بھرا رہا۔ کہتے ہیں۔ کہ وہ میدان اس قدر طویل و عریض تھا۔ کہ تین سو مشکیں ہوتیں تو بھی وہ میدان چھڑکا نہ جاتا عبداللہ نے یہ حال دیکھ کر کہا کہ اے جوان تجھے قسم ہے اس خدا کی جس کی تو پرستش کرتا ہے اور یہ کرامت تجھے عطا کی ہے بتا کہ تو کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ میں ہوں علی ابن ابی طالب داماد محمد مصطفےٰؐ۔ عبداللہ نے کہا۔ کہ الحمدللہ کہ یہ دولت عظمیٰ ہمیں میسر ہوئی۔ غرض جناب امیرؑ نے دیکھا۔ کہ منبر کے برابر ایک تخت بچھا ہوا ہے اور وہ تخت خسرو کے بیٹھنے کا ہے جناب امیرؑ اس تخت پر جا بیٹھے بعد ایک لمحہ کے بہت سے آدمی اطراف و جوانب سے آئے اور اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مگر جس شخص کی نظر آپ کے روئے انور پر پڑتی تھی ہیبت اور دہشت سے آپ کی کانپنے لگتا تھا اور آپس میں کہتے تھے۔ کہ یہ شخص کون ہے جو جناب خلیفہ کی جگہ پر آن کر بیٹھا ہے۔ اب جو خلیفہ آئے گا تو اس جوان کو تخت سے نیچے گرا دے گا۔ اور عبداللہ بھی معہ اپنے مریدوں کے صف باندھے روبرو جناب کے کھڑا تھا۔ اور فکر میں تھا کہ مبادا خلیفہ آن کر نسبت آنجناب کی کچھ بے ادبی نہ کرے اور اپنے مریدوں سے کہا کہ اگر حضرت علی شہر والوں سے مقابلہ کریں۔ تو تم بھی اپنی جان آپ کے قدموں پر نثار کرنا۔ اس اثنا میں خسرو جا بلسا مع امراء اور لشکر اور حشم و خدام کے آیا۔ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ خسرو نے حکم دیا پیر واعظ کو لاؤ ایک جماعت گئی اور اس کو دیر سے باہر نکال کے لائی۔ پیر واعظ جونہی منبر پر گیا تو دیکھا کہ ایک جوان خوش رو کہ جس کے نور جبیں سے تمام میدان پُر از نور ہو رہا ہے خلیفہ کی جگہ پر بیٹھا ہے۔ اپنے دل میں حیران ہو کر کہا کہ آیا یہ کون شخص ہے پس خلیفہ بھی متوجہ طرف منبر کے ہوا۔ تاکہ تخت پر اپنی جگہ جا کر بیٹھے۔ کہ نظر اس کی جمال باکمال جناب امیر علیہ السلام پر پڑی بیہوش ہو گیا اور پیر واعظ بھی منبر پر چپ بیٹھا تھا۔ اور منہ سے کچھ نہ کہتا تھا۔ خسرو جب ہوش میں آیا تو ایک شخص کو پیر کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آج تجھے کیا ہو گیا ہے۔ کہ تو خاموش بیٹھا ہے۔ اور کچھ نہیں کہتا۔ پیر منبر پر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ اے خسرو تو ان خلائق کو ملامت اور سرزنش نہیں کرتا۔ اور کچھ نہیں کہتا۔ کہ کوئی شخص اس مجلس میں حاضر ہے کہ اس کے علم کی برابر کوئی علم نہیں دکھتا اور نہ ہوگا۔ اور میں جس وقت قصد تکلم کا کرتا ہوں۔ کہ کچھ کہوں تو ایک ہاتف غیب سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ بے چیارہ اس جگہ جبریل کو بھی کلام کرنے کی مجال نہیں ہے۔ خسرو نے یہ سُن کر سب آدمیوں کو صدا دی کہ تم میں غریب اور مسافر کون سا ہے۔ اس کو تلاش کر کے قتل کر کے قتل کرو۔ کہ مبادا محمدی ہو پیر راہب نے کہا کہ میں خود اسے ڈھونڈھ کر تمہیں دکھاتا ہوں۔ تم سے وہ شخص پیدا نہیں ہونے کا۔ یہ کہہ کر باآواز بلند کہا کہ اے مرد عالی قدر اگر تو آج یہاں آیا ہے۔ اور دین محمدی رکھتا ہے۔ تو کھڑا ہو جا تاکہ سب لوگ تجھے دیکھیں اور معلوم کریں کہ تو کس کام کے لئے یہاں آیا ہے۔ یہ سُن کر جناب امیرؑ کھڑے ہو گئے۔ خسرو اور سب خلائق کی نظر جو ہیں جمالِ پُرنور آنجناب پر پڑی تو خوف کے مارے مثل بید کے کانپنے لگے۔ خسرو نے لشکر کو آواز دی۔ کہ اس کو پکڑ لو۔ جناب امیرؑ نے خسرو کی طرف ایسی تند و تیز نظر سے دیکھا۔ کہ قریب تھا کہ زہرہ اس کا آب ہو جائے۔ راہب نے جو دیکھا کہ خسرو ارادہ حضرت کے پکڑنے کا رکھتا ہے۔ تو کہا اے خسرو صبر کر میں اس سے پوچھوں کہ کس پیغمبر کے دین پر ہے۔ پھر جو تیرا جی چاہے وہ کرنا۔ خسرو نے کہا کہ اے پیر جو تو کہے گا وہ کروں گا۔ اگر یہ شخص محمدی ہے تو اس سے وہ کام کروں گا۔ کہ کوئی محمدی اس طرف کا رخ نہ کرے گا۔ پیر نے کہا کہ اے خسرو اگر یہ شخص محمدی ہے تو تو اور سب خلائق اس پر قبضہ نہ پا سکیں گے۔ اس واسطے کہ میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ اس سال ایک شخص دربار میں آئے گا۔ کہ مظہر العجائب مظہر الغرائب داماد محمد مصطفےٰ علی نام ہوگا۔ خسرو یہ سن کر غضب میں آیا۔ اور کہا اے پیر یہ کیا باتیں ہیں۔ جو تو کرتا ہے۔ مگر یہ شخص

محمدی ہے تو میں اس کو امان نہ دوں گا۔ پیر نے کہا کہ اگر یہ محمدی وہی ہے کہ جس کو میں کہتا ہوں۔ تو ستیزہ اور جنگ و جدال اس سے عبث ہے واللہ جو تیرا جی چاہے وہ کرنا۔ خسرو نے کہا جو کچھ انجیل میں ہے میں اس کو قبول رکھتا ہوں۔ پیر راہب جناب امیر کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا مدینہ سے آیا ہوں۔ راہب نے کہا کہ مدینہ سے اس شہر تک تین مہینہ کی راہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک ساعت میں آیا ہوں۔ راہب نے کہا کہ صدق اللہ العظیم فرماؤ کہ کیا نام ہے آپ نے ارشاد کیا کہ حلال المشکلات خسرو کو معلوم ہوا کہ یہ محمدی ہے۔ کہ بات کرنا اس سے غلط ہے۔ راہب نے کہا کہ اے خسرو میں ان سے انجیل کے کئی مسئلے پوچھتا ہوں۔ اگر ان کا جواب دیا تو یقیناً یہ شخص وہی ہے۔ کہ جس کی خبر عیسیٰ نے انجیل میں دی ہے اور اگر عاجز آیا تو پھر یہ اسیر و قیدی تمہارا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جو چاہے سو پوچھ راہب نے کہا کہ میں بارہ مسئلے پوچھتا ہوں بتاؤ کہ وہ کون سی ایک چیز ہے کہ جس کا دوسرا نہیں ہے اور دو کونسی چیزیں ہیں کہ جن کا تیسرا نہیں۔ اور تین وہ کونسی چیزیں کہ جن کا چوتھا نہیں۔ اور چار وہ کونسی چیزیں ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں۔ پانچ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کا چھٹا نہیں۔ چھ وہ کون سی چیزیں ہیں کہ جن کا ساتواں نہیں۔ سات وہ کون سی چیزیں ہیں کہ جن کا آٹھواں نہیں۔ آٹھ وہ کون سی چیزیں جن کا نواں نہیں۔ نو وہ کون سی چیزیں ہیں جن کا دسواں نہیں۔ دس وہ کون سی چیزیں ہیں جن کا گیارھواں نہیں۔ گیارہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کا بارھواں نہیں۔ بارہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کا تیرھواں نہیں

راہب نے یہ مسائل پوچھے تو ایک شور و غل خلائق سے پیدا ہوا اور سب نے کہا کہ اگر عیسےٰ آسمان سے نزول کریں۔ تو ان مسائل کا جواب دیں۔ آنجناب نے سن کر فرمایا کہ اے قوم ترسا میں ہوں وارث علوم جمیع انبیاء کا تم غل نہ کرو۔ اور خاموش رہو۔ تاکہ میں ان مسائل کا جواب دوں پس جب سب خاموش ہو گئے تو جناب امیرؑ نے فرمایا۔ کہ اے راہب وہ ایک کہ جو دو نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا وحدہ لا شریک ہے۔ کہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ دو کہ تین نہیں ہو سکتے۔ وہ روز و شب۔ اور وہ تین کہ جو چار نہیں وہ تین طلاق ہیں اور وہ چار جو پانچ نہیں وہ عناصر ہیں (یعنی خاک، باد، آتش آب) اور وہ پانچ کہ جو چھ نہیں وہ حواس خمسہ ہیں۔ اور وہ چھ کہ جو سات نہیں وہ شش جہت ہیں اور وہ سات جو آٹھ نہیں وہ ہفت زمین ہیں۔ اور وہ آٹھ کہ نو نہیں۔ وہ آٹھ بہشتیں ہیں اور وہ نو جو دس نہیں۔ وہ نو فلک ہیں۔ اور وہ دس جو گیارہ نہیں وہ دس روز حاجیوں کے ہیں اور گیارہ جو بارہ نہیں وہ فرزند یعقوب ہیں اور وہ بارہ جو تیرہ نہیں وہ بارہ وصی حضرت محمد مصطفیٰ کے ہیں۔ کہ اول ان کا میں ہوں اور آخر ان کا مہدی ہوگا۔ اور اے راہب اگر تو اس کو قبول نہ کرے تو وہ بارہ برج آسمان کے ہیں۔ بارہ مہینے سال کے ہیں۔ پیر نے یہ سن کر کہا کہ قول تمہارا درست اور سخن تمہارا حق۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اے راہب میں بھی تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر تجھے معلوم ہو تو جواب دے۔ ورنہ چپ رہ۔ راہب نے کہا میں نے جانا کہ علم اولین و آخرین کا تجھ میں جمع ہے پوچھو اگر جانتا ہوں گا تو جواب دوں گا۔ واللہ عالم الغیب رب کا خدا ہے حضرت نے فرمایا کہ اے پیر جس وقت خدا تعالیٰ نے عرش کو خلق کیا۔ تو وہ قرار نہ پکڑتا تھا۔ خدا تعالےٰ نے قلم کو حکم دیا کہ لکھ پس قلم نے کیا لکھا جو عرش نے قرار پکڑا۔ راہب یہ سن کر سر پکڑ کے بیٹھ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ خسرو نے ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے پیر ہر سال اطراف و جوانب سے تیرے پاس ہزاروں روپے آتے اور سوائے اس کے کہ ہمیشہ تو ہم سے کہا کرتا تھا۔ کہ میری مانند علم میں کوئی نہیں علی نے تیرے بارہ مسئلوں کا جواب دیا۔ تو اس کے ایک مسئلہ کے جواب میں عاجز ہے۔ پیر نے کہا کہ تو مجھے امان دے کہ میں اس کے مسئلہ کا جواب دوں۔ اس نے امان دی پیر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ اے خلائق تم سنو میں کہتا ہوں۔ اور جناب امیرؑ

کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے علی! تم نے ایسا سوال کیا کہ جس نے مجھے اور آپ کو قتل کرایا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے پیر مرد تو نہ ڈر کہ کلمہ حق حصار میرے دوستوں کا ہے پس پیر مرد نے کہا کہ جماعت آگاہ ہو کہ جس وقت خداوند عالم نے عرش کو خلق کیا اور وہ بیقرار ہوا۔ کہ خداوند عالم نے قلم کو حکم دیا کہ اس پر لکھ۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ اشھد ان علیا ولی اللّٰہ وصی رسول اللّٰہ

خسرو نے جو یہ کلمات سُنے تو اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے پیر تو مجھ سے نہ ڈرا کہ یہ کلمات زبان پر جاری کیے۔ پیر نے کہا کہ خدا سے ڈرنا چاہئے نہ اور کسی سے خسرو نے اپنے لشکر کو آواز دی۔ اور کہا کہ پکڑ لو۔ اس پیر بے حقیقت کو اور قتل کرو۔ اس کو حسب الحکم اس کی قوم ترسا نے تلواریں کھینچ لیں اور پیر کی طرف دوڑے پیر نے فریاد کی۔ کہ یا علی میں نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور کلمہ پڑھا آپ میری مدد کو پہنچیں جناب امیر یہ سنتے ہی زیر منبر تشریف لائے اور تلواریں ترسایوں کے ہاتھوں سے چھین لی اور ایک ایک کا سر پکڑ کر دوسرے کے سر سے ٹکرایا کہ دماغ ان کے سروں سے نکل پڑے۔ من بعدہٗ ایسا نعرہ اللّٰہ اکبر کا کیا۔ کہ سب بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو آپ نے فرمایا۔ اے قوم تم سب اسلام قبول کرو۔ واللّٰہ ایک کو تم میں سے زندہ نہ چھوڑوں گا اور تمہارے شہر کو مثل شہر لوط کے الٹ دوں گا۔ خسرو نے کہا اے جوان ہم اس کو قبول نہیں رکھتے کہ تو ہی علی ہے اس واسطے ہم نے سُنا ہے کہ علی کے پاس ایک شمشیر ہے۔ کہ نیام میں وہ ساڑھے تین گز کی اور نیام سے باہر آتی ہے تو سات گز یا نو گز کی ہو جاتی ہے اور ایک ضرب میں ستر آدمیوں کے سر کاٹتی ہے۔ اگر تو علی ابن ابی طالب ہے تو وہ تلوار ہمیں دکھا۔ آپ نے فرمایا وہ تلوار مدینہ میں ہے میرے پاس نہیں ہے۔ خسرو نے کہا کہ اگر دین محمدی برحق ہے تو وہ تلوار ہمیں دکھلا۔ آپ نے فرمایا صبر کرو تا کہ میں تمہیں دکھلاؤں یہ کہہ کر درگاہِ خدا لایزال میں دستِ مناجات بلند کیے۔ اور عرض کی کہ اے قادر مطلق اتنی قدرت مجھے دے کہ میں یہاں سے ہاتھ دراز کروں اور مدینہ سے تلوار اُٹھا لاؤں۔ اور اس قوم ترسا کو مسلمان کروں۔

فوراً حضرت کے گوش مبارک میں آواز آئی کہ اے علی! تم ہاتھ اپنا دراز کرو۔ اور ہماری قدرت کا تماشہ معائنہ کرو۔ آپ نے فرمایا کہ اے قوم ترسا آنکھیں بند کر لو۔ اور پھر کھول دینا۔ قوم نے آنکھیں بند کر لیں اور جب کھولیں تو دیکھا کہ دست مبارک آپ کا مدینہ کی طرف دراز ہے حضرت نے ایک نعرہ اللّٰہ اکبر کا کیا۔ سب بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو دیکھا۔ ذوالفقار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ جناب فاطمہؑ اس وقت حجرہ میں تھیں۔ دیکھا کہ ایک باز ہوا میں پیدا ہوا۔ اور ذوالفقار کو منقار میں پکڑ کر لے گیا۔ وہ معصومہ اپنے پدر عالی قدر کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کی۔ کہ یا ابتاہ ایک باز ہوا میں پیدا ہوا۔ اور ذوالفقار اٹھا کر لے گیا جناب رسول مقبول نے فرمایا۔ کہ اے جانِ پدر وہ علی ابن ابی طالب ہی تھا۔ اور اس وقت وہ ذوالفقار لیکر آتا ہے پس آنجناب نے ذوالفقار کو اپنی کمر سے لٹکایا۔ اور جب غلاف سے اس کو نکالا۔ تو سات گز کی تھی۔ اور خسرو جناب امیرؑ سے ستر گز دور تھا۔ آنجناب نے ذوالفقار کو اس کی طرف حرکت دی۔ تو وہ پچاس گز لمبی ہو گئی اور خسرو کے سر پہ پہنچی۔ اور سر ذوالفقار سے ایک دھواں بلند ہوا۔ مگر جناب امیر چونکہ از راہ اعجاز جانتے تھے۔ کہ خسرو مسلمان ہو جائے گا۔ اس واسطے ذوالفقار کو سر سے جدا رکھا۔ خسرو نے جو اپنے سر پر ذوالفقار کو دیکھا تو سر کو اپنے نیچے جھکا لیا۔ اور فریاد کرنے لگا۔ کہ میں نے دین محمدی کو قبول کیا۔ اور حکم دیا کہ ناقوسوں کو توڑ ڈالیں۔ آخر کار سب ترسا مسلمان ہو گئے۔ اور خسرو مع پیر قدم مبارک جناب امیر علیہ السلام میں آن کر گرا۔ اور عرض کی کہ یا علی

آپ کے مکارم اخلاق سے امید یہ ہے کہ چند روز آپ یہاں اور قیام رکھیں۔ تاکہ ہم آپ کی ملازمت سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت مدینہ میں جانا ضروری ہے کہ بارہ ہزار دینار میں نے قرض لیے ہیں۔ اور وعدہ نماز پیشین کا کیا ہے۔ تم جاؤ اور وہ ہمیانی کہ فلاں کیسے میں ہے اور سفید بند اس پہ بندھے ہوئے ہیں۔ اور اسی وقت اس کو مدینہ سے لائے ہیں۔ وہ لے آؤ کہ میں جلد جایا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ ہمیانی حضرت کو لا کر دی۔ اور سب نے عرض کی کہ یا علی آپ کے پاس کوئی سواری نہیں ہے کیوں کر تشریف لے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھے مرکب کی ضرورت نہیں ہے۔ غرضیکہ آپ ایک لحظہ میں نخلستان میں آن پہنچے۔ اور آنجناب ہمیانی کو لے کر جمشید کے گھر تشریف لاتے۔ اور وہ وقت نماز پیشین کا تھا۔ اور آواز دی جمشید نے غلام سے کہا کہ اب علی کو کیا جواب دوں گا۔ غلام نے کہا کہ حسنین تو غرق ہو گئے تو اپنا روپیہ لے لے۔ غرض جمشید باہر آیا جناب امیر نے وہ ہمیانی جمشید کے روبرو ڈال دی۔ اس نے ہمیانی کو جو دیکھا تو اپنی مہر اس پہ لگی ہوئی دیکھی۔ حیران ہوا اور پوچھا کہ یا علی یہ ہمیانی کہاں سے لائے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ آج میں شہر جابلسا میں گیا تھا۔ تمہارے پیر کو اور بادشاہ کو اور سب اہل شہر کو مسلمان کر کے آیا ہوں اور اس ہمیانی کو وہیں سے لایا ہوں۔ جمشید نے کہا یا علی تم نے شک میرے دل سے دور کیا اب اسلام کو بھی مجھ پر عرض کر دو میں نے جانا دین محمدی برحق ہے۔ پس جناب امیر نے کلمہ اس کو پڑھایا اور مسلمان کیا۔ من بعد جمشید رونے لگا اور کہا کہ یا علی تمہارے فرزندوں کو میں نے باغ میں بھیجا تھا۔ قضا را نہر میں سے پانی نے اس قدر جوش مارا۔ کہ سارا باغ ڈوب گیا۔ صاحبزادے بھی غرق ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جمشید تو غم نہ کھا۔ کہ وہ صحیح سلامت ہیں تو میرے ساتھ باغ میں چل غرض جب جناب امیر متصل باغ کے پہنچے تو دیکھا کہ باغ میں پانی بھرا ہوا ہے کہ اس کی دیواروں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ جمشید نے دیکھ کر کہا کہ یا اللہ تو رحم کر۔ حضرت نے فرمایا کہ الحمدللہ اے جمشید تو شرف اسلام کو پہنچا واللہ خوف یہ تھا کہ آگ تیرے گھر کو جلا دیتی پس آں جناب نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ باغ پہ رکھا۔ بفرمان حق تعالے فوراً دروازہ کھل گیا اور پانی دونوں طرف بطریق کوچہ کھڑا ہو گیا۔ جناب امیر مع جمشید اور غلام داخل باغ ہوئے۔ اور آئے اس درخت کی طرف کہ جس کے سایہ میں حسنین تشریف رکھتے تھے۔ جمشید فریاد کرنے لگا کہ یا امیر تین برس سے اس درخت کے نیچے ایک اژدھا پیدا ہوا ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس درخت کے پاس آ سکے۔ حضرت نے ہاتھ جمشید کا پکڑ کر کہا۔ کہ آگے آ۔ جب وہ آگے آیا تو دیکھا کہ حسنین گردن میں ایک دوسرے کے ہاتھ ڈالے سوتے ہیں۔ اور ایک اژدھا گلدستہ منہ میں لیے ان کو ہوا دے رہا ہے اور ان کے منہ پر جھل رہا ہے اتنے میں حسنین خواب سے چونکے اور روئے مبارک اپنے پدر عالی قدر کا دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور سلام کیا اور وہ اژدہا بحکم خدا گویا ہوا اور جناب امیر پہ سلام عرض کر کے کہا اے ولیِ خدا میں اژدھا نہیں ہوں بلکہ فرشتہ ہوں ہزار برس ہوئے۔ کہ ایک روز میں ہمراہ جبریل امین اس جگہ پہنچا تھا پس جبریل نے اس جگہ دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اس کے بعد دعا کی تھی کہ خدا بحرمتِ حسنین مجھ پہ رحمت کر۔ میں نے جبریل سے پوچھا تھا کہ جن کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے تم نے وہ کون ہیں۔ جبریل نے جواب دیا کہ وہ پیغمبر آخر الزمان کے فرزند ہوں گے اب عرصہ تین سال کا ہوا کہ پھر ہم دونوں کا اتفاق یہاں آنے کا ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ یہی جمشید اس جگہ شراب پیتا تھا۔ جبریل نے کہا میں نافرمانی خدا کی نہیں کر سکتا۔ واللہ اس کشیش کو ابھی ہلاک کرتا۔ اس واسطے کہ بعد تین سال کے حسنین اس درخت کے نیچے آن کر استراحت فرمائیں گے۔ یہ سن کر میں نے خداوند عالم سے دعا کی۔ کہ مجھے بصورت اژدہا بنا دے۔ پس اس روز سے میں ہر روز اس جگہ آیا کرتا ہوں۔ تاکہ کوئی شخص اس جگہ آن کر بے ادبی نہ کرنے پائے اب میں نے آپ کو یہاں دیکھا کہ آپ میرے حق میں خداوند عالم سے دعا کریں۔ کہ مجھے اپنی صورت اصلی پہ کر دے۔ اور صفوف ملائکہ میں جگہ دے۔ چنانچہ آپ نے فرشتہ کے حق میں دعا کی۔ کہ وہ بصورت فرشتہ ہو کر آسمان کو عروج کر گیا پس جناب

امیر مع حسنین مسجد میں تشریف لائے اور سب حالات گزشتہ رسول خدا کے روبرو بیان کیے اور جشید مع پچاس آدمی کے خدمت رسولِ خدا میں حاضر ہوا اور سب اسلام لائے۔

(۷) خیبر میں حضرت علی کی بہادری اور کرامت

سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور جابر انصاری سے روایت ہے کہ ایک روز جبرئیل امین رب جلیل سے رسول خدا کے پاس یہ حکم لائے۔ کہ ساٹھ ہزار خیبری اور مرحب اور علقمہ ارادہ اس سمت کا رکھتے ہیں۔ اگر وہ آگئے تو اس مملکت کو خراب کریں گے۔ اور صغیر و کبیر کو تیری اُمت سے قتل کریں گے۔ تو جلد قلعہ خیبر پر پہنچ اور انسداد اس امر کا کر۔ یہ حکم سن کر جناب رسول خدا نے علی ابن ابی طالب کو مدینہ میں قائم مقام کیا۔ اور عمرو معدی کرب کو دس ہزار سپاہ کے ساتھ پہلے اس سے روانہ فرمایا اور عقب اس کے آپ بھی چھتیس ہزار سپاہ جرار سے روانہ ہوئے۔ عمرو معدی کرب نے زیر قلعہ خیبر خیمے برپا کئے۔ پھر آپ نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر قلعہ کی طرف نظر کی دیکھا کہ وہ ایک پہاڑ بلند سر بفلک کشیدہ پر نہایت مضبوطی اور کمال استحکام کے ساتھ بنا ہوا ہے۔ اور برابر اس کے ایک پہاڑ وسیع اور سات حصار اس قلعہ کے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ٹیلہ سے اُتر آیا۔ خبر رساں نے خیبریوں کو لشکر اسلام کے آنے کی خبر پہنچائی۔ مرحب نے یہ سن کر چاہا کہ قلعہ سے باہر نکل کر عمرو معدی کرب سے مقابلہ اور مقاتلہ کرے۔ کہ اتنے میں رسول خدا بھی آن پہنچے۔ مرحب کو سپاہ کثیر دیکھ کر تردد ہوا۔ سدی نامی منجم کو جو فن نجوم و رمل میں بے مثل تھا۔ بلا کر کہا کہ نجوم میں دیکھ کہ غلبہ کس کی جانب ہے۔ اور محمد ہمارے قلعہ کو فتح کرے گا یا نہیں۔ منجم مذکور نے زائچہ بنا کر یہ کہا کہ اے مرحب طالع تمہارے نہایت ضعیف اور طالع خدا پرستوں کے نہایت قوی ہیں۔ مرحب نے یہ سن کر منجم سے کہا کہ تو جھوٹا ہے اور قتل کا اس کے حکم دیا۔ بادشاہ نے مرحب کو قتل منجم سے منع کیا۔ مرحب نے منجم سے کہا کہ تو یہ شرط کر کہ حکم تیرا جھوٹا نکلے تو خون تیرا ہمارے اُوپر حلال ہو۔ منجم نے کہا یاد رکھو تم رب گواہ رہو۔ میری اس بات کے بعد چالیس دن کے ایک مرد پیدا ہوگا۔ کہ وہ نہایت زور آور ہوگا۔ کہ وہ دروازہ کو اس قلعہ کے اکھاڑ کر پھینک دے گا۔ پس اگر یہ حکم میرا غلط ہو۔ تو خون میرا مرحب پر حلال ہے۔ اور وہ شخص کہ جس کی یہ صفت بیان کرتا ہوں وہ ابن عم اور داماد اس کا ہے۔ کہ نام اس کا علی ہے۔ پس چالیسویں روز آج سے دوپہر کو وہ اس خندق کو کود کر اس در کو اکھاڑے گا۔ مرحب نے پوچھا کہ پھر وہ ہمارے سر پر کیا بلا لائے گا۔ منجم نے کہا کہ تمہارے زن و فرزند کو اسیر کرے گا۔ مرحب نے یہ سن کر منجم کے سر پر ایک دھول ماری۔ سرداروں نے پھر اس کو منع کیا۔ آخر کار اس کو قید خانہ میں بھیج دیا۔ اور مرحب برج قلعہ پر آیا۔ اور کہا کہ اے محمدؐ تو دعوی پیغمبری کا کرتا ہے۔ کہ اس قلعہ کو کتنے روز میں فتح کرے گا۔ فرمایا انشاء اللہ چالیس روز میں۔ مرحب نے یہ سن کر کہا سو برس میں بھی نہ لے سکے گا۔ یہ سن کر مرحب دو ہزار مرد جوان اور پوری طرح مسلح کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلا۔ اور لشکر اسلام سے مقابلہ اور محاربہ شروع کیا۔ القصہ بتیس روز تک لشکر اسلام سے جو شخص مرحب سے لڑنے جاتا تھا وہ مغلوب ہو کر پھر آتا تھا۔ تیسویں روز لیث و قیث کے لئے اور داد شجاعت اور مردانگی کی دی۔ اس طرح پر کہ غربو اور افغان دونوں لشکر سے بلند ہوا۔ آخر کار ابراہیم بد علیے مالک اشتر قیت پر غالب آیا۔ اور ایک نیزہ اس کے سینہ پر مارا۔ کہ وہ پشت کے پار ہوگیا۔ اور اس کو خندق میں پھینک دیا۔ مالک اشتر یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور لشکر کو آواز دی کہ خیبریوں پر حملہ کرو۔ یہ سن کر لشکر اسلام خیبریوں پر حملہ آور ہوگیا۔ اور ایک ہزار پانسو خیبریوں کو واد لوار کو پہنچایا۔ جناب رسول خدا یہ سن کر نہایت خوش ہوئے اور اُن

کے حق میں دعا کی۔ پس بہ برکت دعا نے جناب رسولؐ خدا لشکر اسلام نے تین قلعے خیبر کے مفتوح کئے۔ جب چوتھے قلعہ پر پہنچے تو دیکھا کہ گرد اس کے خندق ستر گز کی چوڑی کھُدی ہوئی ہے اور دروازہ اس کا چالیس گز کا لمبا ہے۔ مالک اشترؓ کو یہ دیکھ کر کمال حزن و ملال ہوا اور رسولِ خدا کی خدمت میں آن کر عرض کی۔ کہ میرا ارادہ یہ تھا۔ کہ جب تک قلعہ کو مسخر نہ کر لوں اُلٹا نہ پھروں۔ مگر خندق اور در نے لاچار کر دیا۔ آپ نے مالک اشتر کو تحسین و آفرین فرمائی۔ اور پیشانی پر دونوں باپ و بیٹا کے بوسہ دیا۔ اور فرمایا کہ یہ ادائی تمہاری یادگار زمانہ رہے گی۔ غرضکہ کوئی شخص لشکر اسلام سے اہل قلعہ پر غالب نہ آیا۔ کہ انتالیسواں دن شروع ہوا۔ مرحب وغیرہ یہودی برج قلعہ پر آئے۔ اور طعنہ زن ہوئے کہ اے محمد تمہاری بات جھوٹی نکلی فردا دور نہیں ہے۔ جب کل کا نصف روز گزر جائے گا تو ہم تمہیں معہ تمہارے لشکر کے قتل کریں گے۔ لوگوں نے یہ سن کر باہمدگر کہا کہ ظاہراً خیبری سچ کہتے ہیں۔ یہ باتیں سب کی سن کر جناب رسول خدا مغموم ہوئے۔ اور خیمہ میں تشریف لا کر عمار یاسر کے زانو پر سر مبارک رکھ کر لیٹ گئے۔ اور آنسو دیدہ ہائے مبارک سے جاری ہوئے۔ کہ اتنے میں جبریل جناب رب جلیل سے بعد تحفہ سلام پیغام لائے۔ کہ اے حبیب کلید اس قلعہ کی علی ابن ابی طالب ہے جب تک وہ نہ آئے گا قلعہ نہ لیا جائے گا تو خاطر جمع رکھ کل علی طلوع آفتاب کے وقت پہنچ جائے گا۔ یہ سن کر حضور نے اصحاب کو بشارت دی۔ اور فرمایا کہ لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرار غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ۔ منافقین کو قول آپ کا غلط معلوم ہوا۔ اور مومنین خوش ہوئے۔ اور ان کو یقین ہوا القصہ جب شب گزری اور جناب رسالت مآبؐ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو لشکر اسلام نے برابر قلعہ کے خیموں کو آراستہ کیا۔ خیبریوں نے قلعہ پر سے آواز دی۔ کہ اے محمد تمہارے وعدے میں نصف روز باقی رہا ہے اس آدھے دن میں تم قلعہ کو کیوں کر لو گے۔ کسی نے کہا کہ یا حضرت کل آپ نے فرمایا تھا کہ میں صبح کو رایت ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا کہ وہ شخص ہنوز مدینہ میں سجادہ پر بیٹھا ہے۔ اور آنکھوں میں اس کی درد ہے اور اسی لحظہ حکم خدا سے حاضر ہوگا۔ یہ فرما کر منہ طرف مدینہ کے کیا۔ اور ناد علی کے پڑھنے میں مشغول ہوئے۔ منقول ہے کہ جب اول مرتبہ آپ نے ناد علی پڑھی جناب امیرؑ نماز صبح سے فراغت کر کے سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قنبر سے کہا کہ دلدل کو حاضر کرو۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے مجھے طلب فرمایا ہے۔ اور جب دوسری دفعہ ناد علی پڑھی تو جناب امیر نے عرض کی کہ لبیک یا رسول اللہ! اور سب کو وداع فرما کر دلدل پر سوار ہوئے۔ اور پیچھے اپنے قنبر کو دلدل پر بٹھا لیا۔ پس جبکہ تیسری دفعہ پھر حضرت کی آواز سنی تو پھر کہا لبیک یا رسول اللہ اور تازیانہ دلدل پر مار کر فرمایا۔ کہ اے دلدل اگر ایک طرفۃ العین میں مجھے تو نے خدمت میں رسولخدا کے نہ پہنچایا تو میں پھر کبھی تجھ پہ سوار نہ ہوں گا۔ دلدل نے بزبان حال پیش قادر ذوالجلال استغاثہ کیا۔ کہ خدایا اس راہ کو مجھ پر آسان کر کہ میں تاب غضب امیر المومنین رکھتا۔ پس خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا۔ کہ طنابیں زمین کی کھینچ لیں اور دلدل کو اس قدر طاقت دی۔ کہ ایک مہینہ کی راہ چشم زدن میں طے کی۔ اور اپنے تئیں خیبر میں پہنچایا۔ بتیس ہزار آدمیوں کی آنکھیں راہ مدینہ کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ ناگاہ مظہر العجائب و الغرائب علی ابن ابی طالبؑ دور سے نمودار ہوئے۔ سب دیکھ کر خوش ہوئے حضرت دلدل سے اتر کر جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے بغل گیر ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے علی حکم خداوند جلیل کا تم کو یہ ہے کہ آج بعد ساعت کے اس قلعہ کے دروازہ کو اکھیڑ دو جناب امیر نے عرض کی کہ یا حضرت خیبریوں نے اس در کو صیقل کر رکھا ہے اور آفتاب کی شعاع سے وہ چمکتا ہے اور آنکھیں میری دکھتی ہیں۔ روبرو اس کے نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے فرمایا اے علی میں نے ان سے اقرار کیا ہے کہ دوپہر کو میں اس قلعہ کو لے لوں گا۔ اگر یہ وقت گزر جائے گا تو خلاف ہوگا میرے وعدے کے آپ یہ فرما رہے تھے کہ جبریل امین نازل ہوئے اور کہا کہ اے رسولؐ خدا خداوند عالم فرماتا

ہے۔ کہ لعاب دہن مبارک کا علی کی آنکھوں میں لگاؤ۔ ابھی اچھی ہو جائیں گی۔ چنانچہ جنابؐ نے لعاب دہن جناب امیر کی آنکھوں میں لگایا آنکھیں فوراً اچھی ہوگئیں۔ پس جناب رسول اللہؐ نے رایت جناب امیرؑ کے ہاتھ میں دیا۔ اور جناب امیر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور ایک جماعت نے محبان حضرت سے عرض کی کہ یا امیر یعرب ایک کافر قلعہ کے اوپر ہے اور تیر اس کا دو سو قدم سے آن کر لگتا ہے پس جو کوئی آگے جاتا ہے۔ وہ اس کو تیر سے مار دیتا ہے سعد نامی نے عرض کی یا امیرالمومنین میں آپ کے آگے چلتا ہوں۔ اور اپنی جان آپ پر سے فدا کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اے سعد کیوں اپنی جان کو معرض تلف میں ڈالتا ہے۔ تو خاطر جمع رکھ کہ میں کام اس یہودی کا پہلے اور یہودیوں سے درست کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر صف لشکر سے باہر تشریف لائے۔ اور ان یہودیوں پر ایک نعرہ کیا۔ کہ اے ملعونوں تم کس خیال میں ہو میں آن پہنچا۔ اس یہودی نے کہا کہ اے علی ابن ابی طالب میں چاہتا تھا۔ کہ بے خبر تجھ کو تیر سے بے جان کروں مگر میں تجھ کو خبردار کرتا ہوں۔ کہ تیر میرا کبھی خطا نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر حضرت کی طرف تیر مارا۔ خدا کی قدرت سے تیر نے خطا کی۔ حضرت امیرؑ نے سعد سے کہا کہ تو عوض میرے اس کافر کو تیر سے ہلاک کر۔ سعد نے کہا کہ ہرگز تیر میرا اس تک نہ پہنچے گا۔ مالک اشتر سے کہا کہ تم اس کافر کو تیر باراں کرو۔ مالک اشتر نے پھر عذر کیا۔ کہ میرا تیر اس تک نہ پہنچ سکے گا۔ اس وقت خود جناب امیر نے ایک تیر مالک سے لیا اور بسم اللہ کہہ کر انگشتان مبارک سے وہ تیر اس کافر پر مارا۔ مروی ہے کہ وہ کافر اس وقت جناب امیرؑ کو ناسزا اور برا کہہ رہا تھا۔ کہ تیر اس کے منہ پر آن کر لگا۔ اور پشت سر سے نکل گیا اور وہ لعین خندق میں گر پڑا۔ جناب امیر نے کہا کہ اے یارو تم پیچھے میرے آؤ۔ اور میں خندق کی طرف چلتا ہوں۔ کفار نے برج پر سے تیروں کا آپ پر مینہ برسایا۔ مگر قدرت خدا نے ایک تیر بھی حضرت کے قریب نہ آنے دیا۔ سب ادھر چلے گئے غرض جناب امیر خندق کے کنارے پہنچے اور عرض اس کا دیکھ کر دعا کی۔ کہ خداوندا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں جست کر کے خندق کے اس طرف کود جاؤں۔ اور دروازے کو اس قلعہ کے اکھیڑوں یہ دعا فرما کر جست کی اور فوراً اس طرف خندق کے جا پہنچے اور دروازہ قلعہ پر تشریف لائے۔ اور اس کو دیکھا منقول ہے کہ مدینہ میں نذر کی تھی کہ اول دو رکعت نماز پڑھ کر دروازہ کو اکھیڑوں گا سجادہ بچھا کر نماز میں مشغول ہوئے۔ کہ یہودیوں نے فرصت پا کر حملہ کیا اور ایک پاٹ چکی در دروازہ قلعہ پر تھا۔ اور وزن اس کا چار ہزار سات من کا تھا۔ سب یہودیوں کی یہ صلاح ہوئی کہ اس سنگ کو آپ کے سر پر گرا دیں۔ اتنے میں مرحب منجم کو بلا لایا اور کہا کہ اے منجم زبان تیری لال ہو۔ جو کچھ تو نے زبان سے نکالا تھا۔ اثر اس کا پیدا ہوا۔ اب بتا کہ ہم اس پشمینہ پوش یعنی علی پر سنگ پھینکیں تو علاج اس کا ہوگا یا نہیں۔ منجم نے کہا کہ اے مرحب یہ مظہر العجائب ہے۔ اس پر کسی کی دسترس نہ ہوگی۔ اور اسی لحظہ یہ در کو اکھیڑے گا۔ مرحب یہ سن کر غصہ ہوا۔ اور منجم کو مع سنگ برج کے نیچے پھینکا منجم نے صدا دی کہ یا علی ادرکنی۔ حضرت نے جو یہ حال دیکھا تو سجدہ سے اٹھ کر پہلے منجم کو پکڑ کر زمین پر اتار دیا۔ اور پھر ذوالفقار کو اس پر مارا۔ کہ مثل قرص پتھر دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک ٹکڑا خندق میں جا پڑا اور ایک ٹکڑے کو حکم دیا۔ کہ یا حجر قف بامر اللہ۔ پس وہ بموجب حکم کے ٹھہرا۔ حضرت کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ من بعد جناب امیرؑ نے دو انگلیاں حلقہ در میں ڈال کر ایسا ہلایا کہ زمین پر گر پڑا۔ اور وہ ساتوں قلعے ایسے ہلے کہ علقمہ اور دختر اس کی تخت سے نیچے گر پڑی۔ اس کی دختر صفیہ خاتون نامی نے کہا کہ دین محمدیؐ برحق ہے جناب امیر نے دروازے کو اٹھا کر خندق پر رکھ دیا۔ ایک بالشت خندق سے وہ کم رہا پس اپنے ہاتھوں پر اس کے سرے کو رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ اے دوستان محمدؐ آؤ اور اس پر سے گزرو۔ اور قلعہ کے اندر جا کر ان کافروں کو ہلاک کرو۔ بغرض ایک طرف سے جناب امیرؑ سرے کو اٹھائے رہے۔ پس تینتیس ہزار آدمی اس دروازے پر سے گزر گئے۔ اور نہ دروازہ ہلا اور نہ پاؤں جناب امیرؑ کے

لغزش میں آئے اور سب آدمی اندر قلعہ کے داخل ہوئے ایک ساعت نہ گزری تھی کہ سب فریاد کرتے ہوئے اندر سے بھاگے اور کہتے تھے "یا علی ہماری امداد کو پہنچو۔ جناب امیرؑ نے جب یہ حال دیکھا کہ وہ فریاد کرتے چلے آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یا علی پہنچو اور بچاؤ۔ تب مرحب یہ تیغ عظیم لئے ہوئے چلا آتا تھا۔ جناب امیرؑ نے راہ مرحب کی روکی۔ اور سد راہ اس کے ہوئے۔ مرحب نے جو دیکھا کہ تیس من کا دروازہ سپر ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں۔ تو کہا اے علی! اگر تم مرد ہو تو اس دروازے کو جو تمہاری پناہ ہے۔ زمین پر پھینک دو اور پھر مجھ سے حرب کرو۔ یہ سن کر جناب امیرؑ نے اس دروازے کو زمین پر پھینک دیا۔ مرحب نے تلوار زہر دار کا وار جناب امیر پر کیا۔ جناب امیر نے ذوالفقار اس کے ہاتھ پر ماری کہ بند دست اس کا کٹ کر مع تلوار زمین پر گر پڑا۔ مرحب کو تو اب نصیحت اپنی ماں کی یاد آئی۔ اس نے کہا تھا۔ کہ جس کسی سے جنگ کرے اول نام اس کا پوچھ لیجیو۔ پس جس کا نام اسد اللہ ہو اس سے نہ لڑیو۔ واللہ ہلاک ہوگا۔ تو اس نے پوچھا اے علی سوائے اس نام کے اور بھی نام تمہارا ہے۔ فرمایا اے کافر ملعون میرا نام اسد اللہ بھی ہے۔ یہ سن کر بند بند اس کافر کا لرزنے لگا۔ اور چاہا کہ بھاگے مگر ہمسروں سے شرم آئی۔ کہ وہ طعن کریں گے پھر سپر لی اور کہا اے علی اب تمہیں مجھ پر دست قدرت نہیں ہے۔ جناب امیرؑ نے ذوالفقار اس کے سر پر ماری کہ سپر کو اور اس کے خود کو اور اس کے سر و سینہ و کمر کو دو ٹکڑے کر کے زمین میں گھس گئی۔ غریو اور فغان دونوں لشکروں سے تحسین و آفرین کا شور و غل مچا۔ اور اس کے بعد ہشام خیبری آپ کے مقابلے پر آیا جناب امیرؑ نے اس کو بھی مار کر بدار البوار پہنچایا یہ دیکھ کر سب اہل قلعہ نے آواز الامان الامان کی بلند کی اور دین اسلام کو قبول کیا۔ مروی ہے کہ دوبارہ پھر آنجنابؑ نے بعد سر کرنے خیبر کے اس در کو اسی طرح خندق پر پل کیا۔ اور ایک سرا پکڑے رہے اور لشکر سے کہا کہ قلعہ سے نکل کر اس پل پر سے چلے جاؤ۔ چنانچہ سب اس پر سے عبور کر گئے۔ القصہ سب مال و اسباب لوٹ کا جناب امیر کے پاس حاضر کیا گیا اور سلمان فارسی ایک ماہرو و خوبصورت عورت کو اپنے ہمراہ لائے حضرت نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میرا نام صفیہ ہے۔ اور میں بیٹی ہوں علقمہ کی۔ کہ جو بادشاہ خیبر کا ہے میں نے قبل اس کے آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور میں اسلام لائی تھی۔ اب آرزو میری یہ ہے۔ کہ آپ مجھ کو اپنی کنیزی میں قبول کریں کہ جبریل امین جناب رب جلیل سے نازل ہوئے۔ اور عرض کی کہ خداوند عالم بعد تحفہ سلام کے ارشاد کرتا ہے۔ کہ صفیہ ہمارے دوستوں میں سے ہے اس کو اپنے حبالہ نکاح میں لاؤ۔ پس آپ نے اس سے عقد کیا اور سب مال اس پر تقسیم کیا۔ منقول ہے کہ خالد اور بہت سے آدمی زور آوروں نے مل کر حرکت دینا چاہی وہ ذرا بھی جنبش میں نہ آیا اتنے میں جبریل پھر نازل ہوئے۔ اور رسول مقبول سے عرض کی۔ کہ خدا تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ علی سونے کے دروازے کو سب پر تقسیم برابر کر دے۔ یہ سن کر جناب رسول خدا نے سب فوج کو حکم دیا کہ اپنا اپنا حصہ آن کر علی سے لے لو۔ چنانچہ ہر ایک آیا اور جناب امیر اس میں سے ٹکڑا توڑ کر دے دیتے تھے جیسے کہ خمیر میں سے ٹکڑا توڑ لیتے ہیں پس سب نے آن کر نصیبا اپنا اپنا لے لیا۔ اور کوئی باقی نہ رہا۔

(۸۱) جنگ خیبر کے بعد غشام کی داستان اور قنبر کے مہار چھوڑ دینے کا واقعہ

منقول ہے جب رسالت مآبؐ نے مع اصحاب خیبر کو فتح فرما کر مراجعت کی۔ اور ایک منزل مدینہ رہا۔ تو اہل مدینہ اور حسنینؑ نے آپ کا استقبال کیا۔ جناب رسول مقبولؐ مع اصحاب خیمہ میں بیٹھے سیر صحرا کی فرما رہے تھے۔ کہ ناگاہ اس صحرا سے ایک آہو پیدا ہوا۔ اور طوق اس کی گردن میں تھا اور شاخیں اس کی طلا کار تھیں۔ اور ایک رقعہ اس کے سینگ میں لٹکا ہوا تھا۔ اور آہو در دروازہ خیمہ پر آن کر کھڑا ہوا حضرت نے اصحاب سے فرمایا کہ

کوئی شخص ایسا ہے۔ کہ اس آہو کو حسینؑ کے واسطے پکڑے۔ قنبر نے عرض کی کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں اسے پکڑوں آپ نے فرمایا اچھا قنبر جناب امیر سے رخصت خواہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے رخصت ہے۔ کہ ایک فرسخ سے زیادہ اس کے پیچھے نہ جاؤ۔ والاّ تو گرفتار ہو جائے گا۔ اور تین روز تک مجھے دکھائی نہ دے گا۔ غرض قنبر نے گھوڑا اس آہو کے پیچھے ڈالا۔ اور کمند اس پر ڈالی۔ وہ کمند سے صاف نکل گیا۔ پھر قنبر نے ایک فرسخ پر جاکر اس پر کمند ماری۔ پھر وہ کمند سے نکل گیا۔ قنبر کو نہایت خجالت معلوم ہوئی۔ اس واسطے کہ ان کی کمند سے صید کبھی باہر نکل کر نہ گیا تھا۔ غرض مارے غیرت کے سات فرسخ آہو کے پیچھے گھوڑا ڈالے گئے اور سات دفعہ اس پر کمند ماری۔ اور ہر دفعہ کمند سے نکل گیا۔ جب قنبر اس کے زندہ پکڑنے سے عاجز آئے۔ تو ارادہ کیا۔ کہ اول اس کو تیر سے مجروح کر کے پکڑ لیں۔ اس اندیشہ میں تھے کہ جانب راست سے آواز آئی۔ کہ خبردار آہو پر تیر نہ مار لو۔ والاّ تجھے ہلاک کر دوں گا۔ قنبر کو اس وقت نصیحت جناب امیر کی یاد آئی۔ تیر کو ترکش میں کیا۔ نیزہ ہاتھ میں لیا۔ دیکھا کہ ایک شخص مثل کوہ بزرگ مرکب بارفتار پر سوار سراپا سلاح میں مستغرق مسلح اور مکمل ایک بُت مرصع گردن میں ڈالے چلا آتا ہے اور قنبر کے پاس آن کر نعرہ کیا کہ تو کون ہے۔ کہ میرے پیک اور رقاصد کو تیر مارنا چاہتا ہے قنبر نے کہا کہ میں بندہ خدا اور امت محمد مصطفےٰ ہوں۔ تو کون ہے اے ملعون! اس نے کہا۔ کہ میں غشام بن ہشام خیبری ہوں۔ قنبر نے نام اس کا سن کر کہا۔ البتہ بموجب فرمودہ جناب امیر تو اس کے ہاتھ میں گرفتار ہو گا۔ پس اس ملعون نے قنبر سے کہا۔ کہ تیرا نام کیا ہے؟ تاکہ بے نام اس دشت میں تو نہ مارا جائے۔ کہ آج مجھے دس روز ہوئے ہیں۔ کہ اس نواح مدینہ میں اپنے دشمن کو ڈھونڈھتا ہوں۔ قنبر نے پوچھا کہ دشمن تیرا کون ہے کہا علی ابن ابی طالب۔ اور میں نے سُنا ہے کہ علی نے میرے باپ ہشام کو قتل کیا ہے اور اسی سبب سے میں نے ستر آدمیوں مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ اب امیدوار ہوں۔ کہ جیسے تو میرے دام میں گرفتار ہوا ہے۔ علی بھی میرے دام میں گرفتار ہو۔ قنبر نے سن کر کہا او ملعون تیری کیا طاقت ہے کہ تُو علی کو گرفتار کر لے۔ اگر تو ان کے نعرہ اللہ اکبر کو سُنے تو پھر تجھے حرب زدن کی نہ رہے۔ یہ سُن کر وہ ملعون قنبر سے لڑنے لگا۔ اور بعد رد و بدل طعن نیزہ و سنان کے وہ ملعون قنبر پر غالب آیا۔ اور ان کو ہلاک کرنا چاہا۔ قنبر کو اس وقت ہنسی آئی اس ملعون نے پوچھا کہ وقت ہنسی کا کیا ہے قنبر نے کہا کہ دو باعث ہیں۔ میری ہنسی کا ایک تو یہ کہ جس وقت تو مجھے ذبح کرے گا میں فوراً بہشت میں چلا جاؤں گا اور دوسرے یہ کہ میں غلام ایسے شہسوار کا ہوں۔ کہ اگر تو اس کا نام سُنے تو زہرہ تیرا آب آب ہو جائے۔ اس نے پوچھا تیرے آقا کا کیا نام ہے۔ کہا علی ابن ابی طالب۔ کہ ابھی چند روز ہوئے کہ اس نے در خیبر کو اکھاڑا اور قلعہ کو فتح کیا اور تیرے باپ ہشام اور مرحب کو داصل جہنم کیا۔ یہ سن کر غشام نے قنبر کے قتل سے ہاتھ اُٹھایا۔ اور کہا کہ تیرا نام قنبر ہے۔ کہا ہاں اس ملعون نے کہا کہ جب تو نے ایسا کچھ کہا تو اب میں اول علی کو تیرے برابر اور تیرے سامنے قتل کروں گا تب تجھے قتل کروں گا۔ یہ کہہ کر قنبر کے ہتھیار چھین لئے۔ اور ہاتھ ان کے مضبوط باندھے اور ان کا جامہ سر سے اتار کر ایک سرا اس کا ان کی گردن میں باندھا اور ایک سرا اپنے گھوڑے کی زین سے باندھا اور ان کے گھوڑے کے چاروں پاؤں کاٹ ڈالے اور قنبر سے کہا کہ یہاں سے میرا مقام تیس فرسخ پر ہے پس تجھے ایک رات دن پیادہ مرے گھوڑے کے ساتھ دوڑنا پڑیگا اور اگر نہ دوڑیگا۔ تو تجھے ہلاک کر دونگا یہ کہکر قنبر کے سر پر ایک تازیانہ مارا کہ سر اس کا پلٹ گیا قنبر نے درگاہ خدا میں دعا کی کہ خداوندا یہ دشمن چونکہ شاہ مردان کا ہے اور پیادہ یا برہنہ تیس ۳۰ فرسخ مجھے لیجائیگا تو اس مشقت کو مجھ پر آسان کر اور اس جناب کو جلد میرے پاس پہنچا یہ کہکر روانہ ہوئے راوی کہتا ہے کہ جب ایک شب و روز قنبر کی خبر جناب امیر کو نہ ہوئی تو خدمت رسول خدا میں حاضر ہوئے اور عرض کی

کہ یا حضرت معلوم ہوتا ہے کہ قنبر کس بلا میں مبتلا ہوا اور کوئی قضیہ یا ئیلہ اس کو درپیش آیا صلاح یہ ہے کہ اہل مدینہ آپ کے استقبال کو آئے ہیں آپ نوان کے ساتھ مدینہ کو تشریف لیجائیں اور میں قنبر کی جستجو میں جاتا ہوں ۔ پس وہ جناب اس طرف کو چلے جدہر سے آہو آیا تھا ۔ مگر شب روشن اور پُر نور ضیا تھی جب صبح ہوئی تو حضرت گھوڑے سے اترے اور نماز صبح ادا کی اور بعد ورود وظائف سوار ہو کر آگے کو روانہ ہوئے دور سے گھوڑا قنبر کا نظر آیا کہ سر اٹھاتا ہے اور پھر زمین پر رکھدیتا ہے جب آپ اس کے قریب پہونچے تو دیکھا کہ چاروں ہاتھ پاؤں اس کے کٹے ہوئے ہیں اور زمین پر پڑا ہے اور زرہ قنبر اس پر ٹکڑے ٹکڑے ہوئی دھری ہے ۔ وہ جناب گھوڑے سے اترے اور ہاتھ پاؤں اس کے ملا کر سورہ حمد کو اس پر پڑھا فوراً قدرت خدا اور اعجاز اس معجز نما سے ہاتھ پاؤں گھوڑے کے درست ہو گئے اور کھڑا ہو گیا ۔ آپ نے گھوڑے سے کہا کہ تو مدینہ کی سمت روانہ ہو اور جلد خدمت رسولخدا میں پہونچکر حاضر ہو ۔ میں عنقریب تیرے راکب کو تجھ سے ملا کر لاتا ہوں ۔ یہ فرما کر آگے کو روانہ ہوئے قریب غروب آفتاب بڑا ٹیلہ نظر آیا حضرت اس پشتہ پر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ ٹیلہ نہایت سرسبز ہو رہا ہے اور اشجار ثمردار وغیرہ کثرت سے ہیں ۔ اور ایک چشمہ پانی کا ہے آپ چشمہ پر گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گئے اور گھوڑے کو چرنے کو چھوڑ دیا ۔ اس میں اس جناب نے دیکھا کہ ایک طرف چشمہ کے ایک خیمہ استادہ ہے اور گرد خیمہ کے ایک لشکر عظیم اترا ہوا ہے ۔ کہ ستر ہزار آدمی اور ستر نشان اس میں ہیں راوی کہتا ہے اس خیمہ میں ایک دختر بیٹھی تھی کہ حسن و جمال میں اپنا نظیر و سہیم نہ رکھتی تھی اور غلام پردے خیمہ کے اس کے آگے اٹھائے ہوئے ہے اور وہ دختر مرغزار کا تماشا کر رہی تھی ۔ کہ نظر اس کی دلدل پر پڑی نقشہائے زنگار رنگ دلدل سے دختر حیران ہوئی اور آدمیوں سے کہا کہ اسے پکڑ لاؤ غلاموں نے عرض کی کہ وقت شب کا ہے صبح کو پکڑ لائیں گے غرض صبح نمودار ہوئی تو آدمی بہت سے اس کے گرفتار کرنیکو گئے دلدل نے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کیا اور زخمی ہوئے جو بچے انہوں نے اس دختر سے آن کر کہا تو نے طمع میں اس دلدل ناحق اکثر آدمیوں کا خون کرایا وہ دختر نے یہ سن کر کہا کہ اب میں اس کو نہ چھوڑوں گی ۔ اور آپ کھڑی ہو گئی اور مع غلام عاقل دلدل کیطرف آئی دلدل نے ایسی نگاہ ہیبت و صلابت سے اس کی طرف دیکھا کہ دختر خوف سے کانپنے لگی اور ایسی بدحواس ہو کر بھاگی کہ راہ خیمہ کی گم کر کے سر چشمہ پر جا پہونچی دیکھا ایک پشمینہ پوش سجادہ پر بیٹھا عبادت خدا میں مصروف ہے ۔ اس کی ہیبت اور جلالت سے زمین لرزے میں ہے اور روے انور کے نور سے تمام مرغزار و صحرا روشن ہے ۔ دختر نے غلام سے کہا کہ اس جوان کو تو نے دیکھا وہ غلام اتفاقاً مسلمان ہوا اور دوستداران اس جناب سے تھا اس نے آپکو پہچانا اور کہا ہاں دیکھا ۔ دختر نے کہا کہ اے غلام تو خیمہ میں جا کہ طعام کے آنیکا وقت ہے پس اگر وہ اجازت دے تو مجھے خبردار کیجو میں اس جوان سے اس کا حال پوچھتی ہوں ۔ غلام نے کہا کہ بہت ادب سے کلام کیجو پس دختر آپ کے پاس آئی اور کہا کہ اے جوان سر زانو سے اٹھا تا کہ میں تجھ سے کچھ پوچھوں آپ نے اس کی طرف کچھ التفات نہ کی اس دختر نے کہا اے شخص شاہان عالم میری حسرت میں ہیں اور آرزو کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری صورت کو دیکھیں اور کلام کریں مگر ان کو میسر نہیں ہوتا ۔ اور اب میں خود تجھ سے باتیں کرتی ہوں اور تو جواب نہیں دیتا ۔ اس عورت نے چاہا کہ ایک کف اب اس جناب پر ڈالے کہ آپ نے فرمایا کہ اے عورت اگر تو چاہتی ہے کہ میں تجھ سے باتیں کروں تو تو نقاب اپنے منہ پر ڈال لے ۔ یہ سن کر نہایت تعجب آیا اور نقاب منہ پر ڈال لی پس حضرت نے فرمایا کہ پوچھ کیا پوچھتی ہے ۔ کہا کہ یہ گھوڑا صحرا میں جو چرتا پھرتا ہے تیرا ہی ہے فرمایا ہاں میرا ہی ہے ۔ اس نے کہا میرے بہت غلاموں کا خون کیا ہے میں آئی ہوں کہ اس سے انتقام لوں آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے آدمی اس کو گرفتار کرنے کو نہ آتے تو یہ کیوں ان کو مارتا اور وہ کیوں مارے جاتے اور اے دختر اگر تمام لشکر تیرا اس کے پکڑنے کو آئے گا ۔ تو بھی یہ سب کو مار بھگا دے گا ۔ اور کسی کے ہاتھ نہ آئے گا ۔ یہ سنکر اس دختر نے کہا کہ تم اس کو میرے ہاتھ بیچ ڈالو جو مرضی میں آئے تو اس کی قیمت میں زر نقد لے لو یا اس کے عوض

گھوڑا لے لو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ گھوڑا میرا قیمت بہت رکھتا ہے۔ تو اس کی قیمت کو ادا نہیں کر سکتی ہے۔ اس نے کہا کہ اے شخص تو مجھے نہیں جانتا چار سو اونٹ پر میرا خزانہ چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے دختر اگر تمام روئے زمین کے دریا موتی اور جواہر سے بھر جائیں۔ تو تو ان سب کو اس کی قیمت میں دیوے۔ تو بھی اس کے ایک بال کی قیمت نہ ہو۔ اس عورت نے کہا کہ جو قیمت تم کہو گے دوں گی۔ بشرطیکہ اس کو میرا تابعدار کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو بت پرستی کو ترک کر دے۔ تو یہ تیرا رام اور تابعدار ہو جائے اور یہ باتیں تھیں کہ جانب مدینہ سے ایک گرد نمودار ہوئی۔ اس گرد میں وہی آہو کہ جس کے عقب میں قنبر گئے تھے پیدا ہوا۔ اور دونوں شاخوں میں دو رقعے رکھے تھے۔ اور وہ آہو خیمہ کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت نے اس آہو کو دیکھ کر تبسم فرمایا دختر نے باعث تبسم کا پوچھا تو فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہی ہوا۔ کہ اتنے میں آہو خیمہ میں داخل ہوا۔ خیمہ میں دو شیر بندھے ہوئے تھے۔ وہ شیر آہو کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ حضرت نے تعجب کیا اور فرمایا سبحان اللہ اس جماعت نے دو دشمنوں کو باہم دوست کر رکھا ہے۔ اور کیسا تابعدار اپنا کیا ہے۔ کہ نہ شیر قصد آہو کے ہلاک کرنے کا کرتے ہیں نہ آہو شیروں سے خوف کرتا ہے۔ کہ اتنے میں وہ آہو دختر کے پاس آیا۔ اس نے اس کو پکڑ کر پیار کیا اور منہ چوما اور کہا کہ اے آہو میرے یار سے کیا خبر لایا ہے۔ اور ایک رقعہ کو کہ شاخ چپ آہو میں بندھا تھا کھول کر پڑھا اور اس کو پھاڑ کر دور پھینک دیا پھر دوسرے رقعہ کو کھول کر پڑھا۔ اس کو پڑھ کر خوش ہوئی۔ اور جناب امیر سے کہنے لگی کہ اے جوان عربی تیرا قدم مجھ پر بہت مبارک ہوا۔ آپ نے حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ یہ آہو پیک ہے غشام خیبری کا۔ اے شخص آگاہ ہو کہ ایک شخص میرا دشمن ہے کہ نام اس کا علی ابن ابی طالب ہے۔ اور سنا ہے کہ وہ بہت شجاع بڑا دلیر اور بہادر زور آور ہے۔ اور میں نے اپنے عاشقوں سے شرط کی ہے کہ جو کوئی اس کا سر لائے گا اس کے ساتھ وصلت قبول کروں گی۔ اور اس کی ہمدم اور یار رہوں گی۔ اور یہ غشام میرے عاشقوں میں سب سے زیادہ بہادر پہلوان اور زور آور ہے بموجب اپنی شرط کے علی کو قتل کرنے گیا ہوا ہے۔ نامہ اول میں اس نے لکھا تھا کہ دس دن کے عرصہ میں چار جانب مدینہ کے پھرا۔ اور جس سے احوال علی کا پوچھا۔ اس نے کہا قلعہ خیبر میں واسطے مدد محمد کے گیا ہے۔ اور اب میں تیرے پاس آتا ہوں جب تک علی خیبر سے پھرے۔ دوسرے نامہ میں لکھا تھا کہ قنبر غلام علی کو میں نے پکڑا ہے۔ اور بصد ذلت و خواری اپنے ہمراہ لاتا ہوں۔ اور یقین ہے کہ علی بھی اس کے پیچھے آئے گا۔ پس جب وہ آئے گا تو اسے قتل کروں گا۔ اس خبر سے میں بہت خوش ہوئی۔ جناب امیر نے فرمایا اے دختر علی نے تیرا کیا بگاڑا اور قصور کیا ہے کہ تو اس کے سر کی تشنہ ہے اس نے کہا کہ علی نے میرے باپ ذوالخمار کو قتل کیا ہے۔ جب تک میں اپنے باپ کے خون کا بدلا اس سے نہ لوں گی چین نہ آئے گا۔ اس گفتگو میں تھے کہ ناگاہ غشام آپہنچا۔ اس عورت نے کہا کہ اے جوان اب تو اس جگہ سے چلا جا۔ مبادا غشام سے تجھے کچھ ضرر پہنچے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی فکر کر میں اپنی حفاظت کر لوں گا۔ اور اگر میں اس سے ڈرتا تو یہاں کیوں آتا۔ غرض وہ دختر روانہ ہوئی اور خیمہ کے پاس پہنچی۔ اور جونہی نظر اس کی قنبر پہ پڑی تو دوڑ کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور کہا کہ اے غلام کب تیرا آقا میرے دام ظلم میں گرفتار ہوگا۔ قنبر نے کہا اے دختر صبر کر بہت جلد وہ تشریف لاتے ہیں۔ غشام دست و پا قنبر کے باندھ کر اوپر خندق کے لایا کہ بیس گز اس خندق کی گہرائی تھی اس کے کنارے پر قنبر کو ڈال کر ایک لات ماری کہ قنبر خندق کے اندر جا گرا۔ جناب امیر کو یہ دیکھ کر بہت غیظ آیا۔ اور غضب سے رنگ مبارک سرخ ہوگیا اور نہایت رنج و ملال حاصل ہوا اور چاہا کہ اسی وقت اس لعین کا کام تمام کریں اور قنبر کا انتقام لیں۔ پھر کچھ سوچ کر تحمل کیا۔ اور کہا کہ خداوندا مجھے توفیق دے۔ کہ میں بھی اس کافر کا سر اگر اسلام نہ قبول کرے تو مثل قنبر اس خندق

میں ڈالوں۔ پس غشام خیمہ میں آیا، اور دختر سے کہا کہ کھانا لا۔ اس نے کھانا منگوایا اور دسترخوان بچھا کر دونوں کھانے پر بیٹھے چند لقمے کھائے تھے۔ کہ نظر غشام کی جناب امیرؑ پر پڑی کہ ایک جوان کنارہ برچشمہ کے بیٹھا ہے۔ لقمہ ہاتھ میں سے پھینک دیا اور طمانچہ منہ پر اس دختر کے مارا۔ اور کہا کہ اے گیسو بریدہ چونکہ شہرہ تیرے حسن و جمال کا سب طرف پہنچا ہے، اور یہ جوان تیرے واسطے اس جگہ آیا ہے۔ میں اسی وقت اس کو قتل کرتا ہوں۔ اور پھر تجھے تیری سزا کو پہنچاؤں گا۔ اس دختر نے اس بت کو گردن سے نکال کر قسم کھائی۔ کہ اس جوان نے میری صورت تک بھی نہیں دیکھی۔ اور جب تک میں نے نقاب منہ پر نہ ڈال لی۔ مجھ سے اس نے بات نہ کی۔ میں نے سبب یہاں آنے کا پوچھا تو کہا میرے غلام کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔ اس کے واسطے آیا ہوں۔ غشام نے جو یہ بات سنی تو عذر کرنے لگا کہ اے آرام دل جو یہ بے ادبی مجھ سے تیری خدمت میں ہوئی ہے۔ باعث اس کا فرط محبت اور زیادتی عشق کا تھا۔ مجھے معاف کر اور اس کے عوض میں جو تیرا مطلب ہو وہ بیان کر اس کو بجالاؤں۔ اس نے کہا کہ اے غشام میں چاہتی ہوں کہ اس کو خیمہ میں لاکر ضیافت اس کی کر کہ میں نے تمام عمر میں اس سیرت و صورت کا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ کہ خیمہ اور صحرا اس کے نور سے روشن ہو رہا ہے۔ غشام نے کہا کہ باپاس خاطر تیری ضیافت تو اس کی کر دیتا ہوں مگر خیمہ میں اس کو نہ لاؤں گا۔ کہ مبادا دشمن نہ ہو۔ پس غشام نے غلام کو جو کہ در پردہ مسلمان تھا بلا کر کہا۔ کہ اس جوان کے پاس کھانا لے جا اور میری طرف سے عذر خواہی کیجیو۔ پس غلام کھانا جناب امیرؑ کے پاس لایا۔ اور عرض کی کہ السلام علیک یا عبداللہ! میری جان آپ پر فدا ہو۔ میری ملکہ نے یہ کھانا آپ کے واسطے بھیجا ہے کہ آپ تناول فرمائیں۔ اور میں یقین جانتا ہوں کہ آپ اس کو تناول نہ فرمائیں گے لیکن میں حق بندگی کا بجالاتا ہوں۔ آپ نے جواب سلام کا دیا اور فرمایا کہ اے ادراک جزاک اللہ خیر تجھے خدا جزائے خیر دے۔ انشاء اللہ فردا تجھے ان کفار کے ہاتھ سے چھڑا دوں گا۔ ادراک کو یقین ہوا کہ علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ حضرت کے پائے مبارک پر بوسہ دیا اور عرض کی کہ اے ولی خدا بیمار برس سے میں اس دختر کے قبضہ میں ہوں۔ اور کفار کے ہاتھوں گرفتار ہوں۔ الحمد للہ کہ آپ کی زیارت مجھے نصیب ہوئی۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اس کھانے کو لے جا اور کہو کہ میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ جس وقت تو پہنچا تھا اسی وقت میں نے چاہا تھا۔ اور میرا ارادہ ہوا تھا۔ کہ تجھ لعین کا کام تمام کر دوں۔ اور جلد تجھے جہنم میں پہنچا دوں۔ مگر چونکہ تو گرسنہ اور تشنہ تھا لہذا تجھ پر رحم کیا اب انشاء اللہ جس طرح تو نے قنبر کو خندق میں ڈالا ہے اسی طرح تیرے سر کو بھی خندق میں ڈالوں گا۔ غلام غشام کے پاس آیا اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا۔ من و عن پیغام حضرت کا اس کو پہنچایا اس دختر نے کہا۔ کہ غشام اب کیا دیر ہے۔ جلد کھڑا ہو اور علی کو پکڑ میرے پاس لا۔ اور عید کو موقوف کر اور اگر اس کو نہ پکڑے گا تو کبھی پھر منہ میرا نہ دیکھے گا غرض ابھی یہ باتیں تھیں کہ وہ لعین اس فکر میں تھا کہ جناب امیرؑ سجادہ سے اٹھے۔ اور دلدل پر سوار ہو کر جانب کوہ کے برابر جو جناب امیرؑ کے تھا۔ دلدل کو اس مرغزار میں چرنے کے واسطے چھوڑ دیا۔ اس دختر نے غشام سے کہا کہ اے مرد جبکہ اس وقت علی تنہا تھا تو نے نہ پکڑا تو پھر کب اس کو پکڑے گا۔ تو اس خیمہ سے نکل جا اور نہ پھر آئیو۔ غشام نے کہا کہ اے دختر میں نے اپنا کام کر لیا ہے کہ اس کے غلام کو گرفتار کر لایا ہوں۔ اور وہ میری قید میں ہے۔ اگر وہ علی ابن ابی طالب ہے تو پھر آئے گا گھبرا نہیں۔ اور جناب امیرؑ اس طرف کوہ کے سیر فرما رہے تھے۔ اور قدرت خدا کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ کہ ناگاہ صحرا کے ایک طرف سے آواز آئی کہ اے خدائے محمد جلد علی ابن ابی طالب کو میرے پاس پہنچا۔ یہ آواز سن کر جناب امیرؑ کو تعجب آیا۔ کہ یہ کون شخص ہے جو میرا طالب ہے۔ غرض آپ اس شخص کے پاس آئے اور سنا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ کہ اے بت شب و روز میں نے تجھ سے دعا کی۔ کہ تو علی کو میرے پاس پہنچا مگر تو نے نہ پہنچایا۔ اب میں خدائے محمدؐ سے اس کو طلب کرتا ہوں۔ اگر اس نے پہنچایا تو پھر کبھی تجھے سجدہ نہ کروں گا۔ آنجناب نے نزدیک اس کے

اگر پوچھا کہ اے کافر تو علی سے کیا کام رکھتا ہے۔ وہ شخص حضرت کو دیکھ کر اور ان کی آواز سن کر خائف ہوا۔ اور کہا کہ اے جوان عرب تو کون ہے۔
کہ تیرے نورِ جمال سے صحرا روشن ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے مطلب کو بیان کر۔ اس نے کہا کہ اوّل تم اپنا نام بتاؤ۔ اور بیان کرو کہ کس شہر
کے باشندہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں مدینہ کا رہنے والا ہوں اس نے مدینہ کا نام سن کر ایک سرد آہ کھینچی۔ اور کہا کہ اے عبداللہ قسم ہے تجھے
اس خدا کی کہ جس کی تو پرستش کرتا ہے۔ کہو کہ علی ابن ابی طالب داماد پیغمبر کو بھی جانتا ہے۔ فرمایا کہ ہاں۔ مجھ سے بہتر ان کو کوئی نہیں
جانتا۔ علی اسد اللہ اور مظہر العجائب اور مظہر الغرائب ہے خداوند تعالیٰ نے اپنی قوت اور طاقت ان کے بازوؤں میں عطا کی ہے۔ کہ دو
انگشت سے در خیبر کو اکھاڑا۔ اس شخص نے کہا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ وہ کسی طرح میرے روبرو آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو ان کو از روئے
اخلاص طلب کرے۔ تو وہ تیرے پاس بے شک آویں۔ اس نے پوچھا کہ اخلاص کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمان ہو جا۔ اور وحدانیت خدا
اور رسالت جناب محمد مصطفیٰؐ کا اقرار کر پھر آپ نے پوچھا کہ اے کافر تجھے علی سے کیا کام ہے۔ اور کس واسطے تو ان کا طالب ہے۔ اس نے
کہا کہ اے جوان ایک روز میں صحرا کا سیر کر رہا تھا۔ کہ ناگاہ دختر ذوالحمار کو دیکھا۔ کہ اس پر عاشق ہوگیا۔ ہوش میرے جاتے رہے جب
ہوش میں آیا۔ اور اس سے پوچھا کہ اے گل چمن محبوب تو کس کی دختر ہے کہ مجھے شیدا بنا گیا اس نے کہا کہ میں دختر ذوالحمار کی ہوں۔ اور
غشام بن ہشام سے نامزد ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تو بس غشام کی چھوڑ دے۔ تاکہ جو تیرا مطلب ہو میں اس کو پورا کروں۔ اس نے کہا کہ
میرا مہر اور شیر بہا ایسا ہے۔ کہ سوائے غشام کے اور کسی کو اس کے ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے اس سے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ کہا سر علی بن ابی طالب
کا۔ بس اے جوان مجھ میں اور اس میں یہ شرط ہوئی۔ کہ اگر پہلے غشام کے سر علی کا اس کے پاس لے جاؤں۔ تو اس کا مالک اور اس پر متصرف ہو جاؤں۔
اور آج دس دن کا عرصہ ہوا کہ میں اس کی جستجو میں ہوں۔ اور غشام بھی اس کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ میں مدینہ بھی گیا اور اس کا حال پوچھا تو معلوم
ہوا کہ وہ قلعہ خیبر پر گیا ہوا ہے۔ اور سب نے مجھے یہ بھی کہا کہ تو حریف اور مقابل علی کے نہیں ہے۔ اے عبداللہ میں جانتا ہوں کہ تو نشان علی کا بتا کہ
وہ کس ہیبت کا انسان ہے تاکہ میں اس کو دیکھ کر پہچان لوں۔ آپ نے کہا کہ اے علقمہ رنگ علی کا میرے ایسا ہے قد علی کا قد میرا سا ہے۔
زور علی کا زور میرا سا ہے۔ مجھ میں اور علی میں کچھ فرق نہیں ہے علقمہ نے یہ سن کر کہا۔ کہ اے شخص تو جھوٹ کہتا ہے اس واسطے کہ میں نے سنا ہے
کہ علی نے آٹھ برس کے سن میں جبلہ زنگی کے سر پر تلوار ماری۔ کہ چار پارہ ہوگیا۔ حالانکہ اس زنگی کا قد چالیس گز کا لمبا تھا۔ اور تو کہتا ہے کہ
زور میرا سا ہے۔ اے عبداللہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ گھوڑا تجھ سے لے کر تجھے آزاد کر دوں۔ مگر اب مجھ پر لازم ہوا۔ کہ تجھے قتل کر دوں۔ تاکہ جانوں کہ
میں حریف اس کا ہو سکتا ہوں کہ نہیں۔ یہ کہہ کر نیزہ آپ پر مارا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر سنان نیزہ کی پکڑ لی اور ایک جھٹکا مارا کہ اس کے ہاتھ سے نیزہ
نکل گیا۔ اور خمازہ پر سے نیچے گرا جناب امیر نے مرکب پر سے اتر کر زانوئے مبارک کو اس کے سینہ پر کینہ پر رکھ دیا۔ اور اس کی گردن سے منہ نکال
کر زمین پر دے مارا۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا پھر نقاب اس کے منہ پر سے ہٹائی۔ دیکھا جوان خوشرو ہے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو بت
کو سجدہ کرتا ہے۔ اب توبہ کر بت پرستی سے اور وحدانیت خدا اور نبوت محمد مصطفیٰؐ اور امامت علی مرتضیٰ کا اقرار کر۔ علقمہ نے کہا کہ بے شک علی
تو ہی ہے۔ اور جانا کہ خدائے محمد برحق ہے۔ مگر کیا کروں کہ دختر ذوالحمار پر عاشق ہوں حضرت نے فرمایا۔ کہ اسلام قبول کر تاکہ میں سر راہ خدا میں
تجھے دوں۔ علقمہ نے کہا کہ مجھے کیوں کر یقین ہو کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں۔ تو تم سر اپنا راہ خدا میں مجھے دو گے۔ جناب امیر نے یہ سن کر ذوالفقار
اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور سر مبارک جھکا کر اس کے روبرو ہو بیٹھے اور فرمایا کہ سر میرا کاٹ لے۔ علقمہ نے کہا کہ یا علی میں تم سے خوف کرتا
ہوں مجھے اجازت دو کہ اوّل تمہارے ہاتھ باندھ دوں پھر تمہارا سر جدا کر دوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اے علقمہ آج تک میرے ہاتھ کسی نے نہیں باندھے

ہیں۔ مگر تیرا یہی مطلب ہے تو میں اس کو بھی روا کروں گا۔ پس یہ فرما کر ہاتھ دونوں ملائے اور فرمایا کہ لے ان کو باندھ دے۔ علقمہ نے جب حال جناب امیرؑ کا دیکھا کہ راہ خدا میں سر دینے کو آمادہ اور مستعد ہو گئے ہیں زنگار آئینہ دل سے دور ہوا ہاتھوں سے ذوالفقار دے کر بوسہ دیا اور حضرت کے سامنے رکھ دی۔ اور عرض کی کہ ہزار جان میری تم پر فدا ہو۔ یا علیؑ میں اپنے اس افعال سے توبہ کرتا ہوں۔ غرض اس نے کلمہ شہادت پڑھا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ واشھد ان امیر المومنین علی ولی اللہ وصی رسول اللہ اور مسلمان ہوا جناب امیر نے علقمہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے علقمہ تو غم نہ کر کہ فردا بعد طلوع آفتاب دختر ذوالحمار کو تیرے عقد میں لاؤں گا۔ انشاءاللہ۔ بشرطیکہ غشام نے اسلام قبول نہ کیا کیونکہ اس کو قتل کروں گا۔ علقمہ نے عرض کی کہ یا حضرت اس جگہ سے تا منزل ذوالحمار بیس فرسنگ ہے۔ اور صبح بہت قریب ہے۔ کیوں کر آپ قریب طلوع آفتاب دختر ذوالحمار کو میرے عقد میں لاویں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دے اور آنکھیں اپنی بند کر لے۔ علقمہ نے کہا کہ جو ہیں میں نے آنکھیں بند کیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ زمین دفعتاً پاؤں کے نیچے سے نکل گئی اور چند قدم چلا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا آنکھیں کھول دے۔ جو ہیں آنکھیں وا کیں۔ دیکھا کنارہ پر اس چشمہ کے کھڑا ہوں۔ کہ جہاں خیمہ ذوالحمار کا استادہ ہے۔ پس ہم اترے حضرت نے فرمایا۔ کہ جس طرح میں وضو کروں۔ تو بھی اسی طرح وضو کر اور نماز پڑھ کہ دو رکعت نماز تیری ستر برس کی عبادت کے برابر ہوگی۔ پس آواز نماز کی بلند ہوئی۔ تو دختر علقمہ نے دیکھا اور پہچانا۔ غشام سے کہا کہ علی نے علقمہ کو اپنے موافق کر لیا ہے غشام نے اپنے غلاموں کو صدا دی۔ کہ ہمارے لشکر سے کہو کہ جلد تیار ہو جائے اور آپ بھی ہتھیار لگا کر تیار ہوا۔ علقمہ نے جو لشکر کو دیکھا تو ڈرا اور کہا کہ یا حضرت میں دختر ذوالحمار سے درگزرا۔ آپ ان سے ارادہ جنگ کا نہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ تو کچھ خوف نہ کر۔ اور میری پشت پر رہ۔ علقمہ نے کہا کہ یا علیؑ آپ یکہ و تنہا ہیں اور یہ ستر آدمی ہیں۔ آپ ان سے کیوں کر بر سر آسکیں گے۔ آپ نے جب یہ دیکھا کہ علقمہ نہایت خوفزدہ ہے تو فرمایا کہ اے علقمہ تو چاہتا ہے کہ میری سپاہ کو دیکھے عرض کی کہ ہاں۔ جناب امیر نے دست مبارک علقمہ کی آنکھوں پر پھیرا۔ علقمہ نے جو نگاہ کی۔ تو دیکھا کہ آسمان سے زمین تک فرشتے ہیں۔ کہ جن کا ایک بازو مشرق تک ہے اور دوسرا مغرب تک ہے یہ دیکھ کر علقمہ کا خوف جاتا رہا۔ اور عرض کی کہ یا حضرت میری آنکھوں کو اصلی حالت پر کر دیجئے۔ کہ آنکھوں کو خیرگی حاصل ہو آپ نے پھر ہاتھ آنکھوں پر اس کی پھیرا۔ اس کو فرشتے دکھائی دینے سے رہ گئے۔ غرض غشام نے پہلے دونوں شیروں کو جناب امیر کی طرف بھیجا۔ تاکہ کام جناب امیر کا تمام کریں۔ علقمہ نے جو شیروں کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو کہا تو کہا کہ یا علی مجھے ان سے بچاؤ۔ میری فریاد کو پہنچو۔ ان شیروں کی طرف آپ متوجہ ہوئے اور کچھ کلمات ان سے فرمائے وہ دونوں شیر حضرت کے قدم مبارک پہ گر پڑے اور باعجاز حضرت زبان ان کی گویا ہوئی۔ اور عرض کی کہ یا حضرت ہم نے آپ کو پہچانا نہ تھا کہ بے ادبانہ آپ کی طرف آئے۔ آپ ہم کو رخصت فرمایئے کہ ہم جا کر غشام کو پارہ پارہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اے شیروں میں چاہتا ہوں کہ پہلے غشام کو اسلام کی دعوت کروں۔ اگر وہ قبول نہ کرے تو قتل کروں۔ اب تم شرط کرو کہ کبھی میرے دوستوں کو آزار نہ پہنچانا۔ اور تم صحرائے بغداد میں جاؤ جب سلمان فارسی وفات پائے تو تم اس کی قبر پر مقیم رہنا۔ شیروں نے یہ سن کر جبین زمین پر رکھی اور بغداد کو روانہ ہو گئے۔ غشام نے جو یہ سلوک شیروں کا دیکھا تو شیروں کو آواز دی۔ انہوں نے اس کی طرف کچھ التفات نہ کیا۔ اور چلے گئے وہ ملعون گھوڑے پر سوار ہوا اور جناب امیر کی طرف آیا۔ آپ بھی دلدل پر سوار ہوئے اور علقمہ سے کہا کہ تو بھی حمارہ پر سوار ہو اور میری پشت کی جانب رہ۔ دختر نے علقمہ سے کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ تو پیچھے علی کے ہے آخر باپ تیرا کون تھا۔ علقمہ نے کہا کہ میرا باپ کمتر سگ سے تھا۔ مگر بدولت علی ابھی تجھے اپنے عقد میں لاتا ہوں اور اپنی آغوش میں لیتا ہوں۔ غشام نے چاہا کہ علقمہ پر وار کرے۔ دختر نے کہا ذرا صبر کر کہ میں اس سے دو دو باتیں کر لوں۔ اور علقمہ کے نزدیک آ کر کہا تجھے

ننگ و عار نہیں آتا کہ خدائے نادیدہ کی پرستش کرتا ہے علقمہ نے کہا کہ اے دختر تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو غیر خدا کی پرستش کرتی ہے۔ اور مطلب میرا یہ تھا کہ کسی طرح وصال کو پہنچوں۔ ابھی غشام مارا جاتا ہے اور میں تیرے وصال کو پہنچتا ہوں۔ دختر یہ سن کر غیظ میں آئی اور ایک ہاتھ تلوار کا علقمہ کے سر پر مارا۔ کہ سپر کو اس کی کاٹ کر ران کو مع ہڈی کے کاٹا۔ قریب تھا کہ علقمہ اس صدمہ سے زمین پر گر پڑے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام پہنچے اور فرمایا۔ کہ اے علقمہ مرد زخم سے نہیں ڈرتے۔ خاص کر وہ زخم جو عورت کے ہاتھ سے لگے اتنے میں غشام نے نیزہ جناب امیر پر مارا۔ حضرت علی نے نیزہ اس کے ہاتھ سے کھینچ کر دُور پھینک دیا۔ غشام نے غصہ میں آن کر عمود گراں سنگ حضرت علی کے خرق مبارک پر مارا۔ اس قوت بازوئے مصطفوی نے ہاتھ بڑھا کر غشام کا ہاتھ پکڑ لیا اور دیکھا دختر نے تلوار بلند کی ہے اور چاہتی ہے کہ علقمہ کے مارے آپ نے ایک ایسا نعرہ کیا کہ ہاتھ اس دختر کا خوف کے مارے اوپر کا اوپر ہی رہ گیا پھر آپ نے غشام کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زمین سے اٹھا کر سر سے بلند کیا قنبر نے خندق میں نعرہ کی آواز سنی تو مارے خوشی کے بند قید کو توڑ کر خندق سے باہر آیا جناب امیر کے ہاتھ میں غشام کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور پاس آن کر کہا کہ السلام علیک یا مولائی۔ آپ نے جواب سلام کا دیا اور فرمایا کہ اے قنبر تو علقمہ کی خبر لے۔ کہ مبادا اس کو کچھ ضرر نہ پہنچے۔ قنبر علقمہ کے پاس آیا اور اس کو جمازہ سے نیچے اتارا۔ اور کہا کہ اے علقمہ تو اس زخم سے خوف نہ کھا تجھے اس سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ ادھر جناب امیرؑ نے غشام سے کہا کہ اسلام قبول کر۔ واللہ ایسا زمین پر پٹکوں گا کہ استخواں تیرے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اس نے اسلام لانے سے انکار کیا۔ آپ نے اس کو زمین پر دے مارا۔ اور دلدل سے نیچے اتر کر اس کے سینہ پر کینہ پر چڑھ بیٹھے اور قنبر سے کہا کہ جس طرح سے اس نے تجھے باندھا تھا۔ اسی طرح تو اسے باندھ قنبر نے اس کو اچھی طرح سے باندھا پھر اس کو اوندھا کر کے خندق کے کنارے لائے۔ اور اس سے پھر ارشاد کیا۔ کہ اب بھی تو کلمہ پڑھ لے۔ تو میں تجھے نجات دوں۔ اس لعین نے کہا کہ تم میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ تب بھی اسلام نہ لاؤں گا۔ یہ انکار اس کا آپ نے دیکھ کر ایک ٹھوکر اس کے حلقوم پر ماری۔ کہ مثل حباب سر اس کا تن سے جدا ہو کر خندق میں جا پڑا۔ لشکر نے دیکھ کر چاہا کہ آپ پر حملہ کریں۔ غشام کا وزیر تھا جس کا نام شاہ بند بہت زیرک اور دانا تھا۔ اس نے بہت کہا کہ اے بے وقوفو اتم ہرگز علی سے معترض نہ ہو۔ کہ اگر تمام عالم جمع ہو کر ان کو ضرر پہنچانا چاہے تو بھی نہ پہنچے گا۔ سب نے قول وزیر کی تصدیق کی اور اپنے ارادے سے باز آ کر الگ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے قنبر سے فرمایا کہ تو دختر ذوالخمار کو میرے پاس لا۔ جب وہ آئی تو آپ پر سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام فرمایا۔ کہ حکم خدا سے اب میں تیرا محرم ہو گیا اب تو اسلام لا۔ اس نے عرض کی۔ میں تم سے ایک معجزہ چاہتی ہوں کہ اگر علقمہ کا زخم آپ اچھا کر دیں۔ تو میں آپ کے فرمانے کو قبول کروں۔ اس واسطے کہ میں نے ناحق اس کو زخمی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے دختر تو علقمہ کو جا کر آواز دے۔ اگر وہ زندہ ہے تو مجھے آن کر خبر کر۔ دختر علقمہ کے روبرو آئی۔ اور مؤدب دوزانو ہو کر اس کے روبرو بیٹھی۔ اور کہا کہ اے علقمہ تو تقصیر میری معاف کر کہ میں تیرے سے ملول و دلگیر ہوں۔ علقمہ نے کہا کہ اے دختر اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تجھ سے راضی ہوں۔ دختر جناب امیر کی خدمت میں آئی اور گردن سے بُت کو نکال کر توڑ ڈالا۔ اور اسلام لائی اور کہا یا علی میں استدعا کرتی ہوں۔ کہ آپ میرے گناہوں کو معاف کریں اور گناہ میرا بخشیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہرگاہ تو مسلمان ہوئی کہ میں تجھ سے راضی ہوں۔ اور خداوند ذوالجلال بھی تجھ سے راضی اور خوشنود ہے۔ دختر نے کہا کہ یا حضرت آپ دعا کریں۔ کہ علقمہ کا زخم اچھا ہو جائے تاکہ سب لشکر ہی میرا اسلام لائے۔ آپ نے علقمہ کو پاس بلایا اور زخم اس کا کھلوایا جضاد نے جو زخم اس کا دیکھا تو کہا کہ یہ زخم زہر دار تلوار کا ہے اس کا اچھا ہونا ناممکن ہے جناب امیرؑ نے یہ سن کر لعاب دہن اس پر ڈالا۔ اور سورہ فاتحہ پڑھی۔ زخم فوراً اس کا اچھا ہو گیا۔ کہ ذرا اثر زخم باقی نہ رہا۔ یہ معجزہ اس شاہ ولایت کا دیکھ کر وزیر اور اہل لشکر نے بے ساختہ از سر اخلاق کلمہ شہادت پڑھا پھر اس دختر سے جناب امیر نے کہا کہ اگر

تو میری خوشنودی چاہتی ہے تو علقمہ سے عقد کر۔ اس نے کہا کہ آپ کو اختیار ہے میرے سب امور کا۔ جناب امیر نے دختر کا عقد علقمہ سے کیا اور آپ نے اس کا خطبہ پڑھا، اور پھر علقمہ سے فرمایا کہ اپنے شہر میں جا اور اپنے باپ کو مسلمان کر۔ اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو اسے قتل کر، اور قنبر سے فرمایا کہ تو خزانہ غشام کا مدینہ میں پہنچا۔ قنبر نے چار سو اونٹوں پر خزانہ غشام کا لدوایا۔ اور مدینہ کو روانہ ہوا۔ اور وہ آہو جو پیک غشام کا تھا۔ خزانہ کے آگے آگے جاتا تھا۔ پس جناب امیر جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اہل مدینہ اور حسنین دروازہ شہر پر واسطے استقبال کے آئے۔ اور جناب امیر شہر میں داخل ہوئے۔ راہ میں ایک اندھا بھیک مانگ رہا تھا۔ آواز سم اسپاں و سم دلدل سن کر روٹی کا سوال کیا۔ آپ نے قنبر سے ارشاد کیا۔ کہ تو اس کو روٹی دے۔ قنبر نے عرض کی یا حضرت دسترخوان روٹیوں کا اونٹ کے شلیطے میں درمیان اسباب بندھا ہوا ہے فرمایا سب قطار اونٹوں کی اس کے حوالے کر۔ قنبر قطار اونٹوں کی لے کر فقیر کے پاس آیا۔ اور مہار چھوڑ کر الگ جا کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ قنبر کیوں اس طرح سے قطار چھوڑ کر دور جا کھڑا ہوا قنبر نے کہا یا حضرت مجھے خوف ہوا کہ مبادا آپ مجھے بھی قطار کے ساتھ فقیر کو نہ بخش دیں۔ غرض فقیر نے جو ہاتھ ہر طرف پھیرا۔ تو مہار ایک شتر کی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اندھے نے تعجب سے کہا کہ یہ کیا ہے۔ قنبر نے فقیر سے کہا کہ اے گدا تو نے جو شاہ آسمان سخا و جود سے روٹی مانگی ہے تو اس بحر کرم نے تجھ کو چار سو اونٹ پُر از لعل و گوہر و یاقوت تجھ کو عنایت کیے ہیں۔ اندھے نے کہا کہ اے قنبر برائے خدا تو مجھے جناب امیر تک پہنچا دے جب قنبر اس کو حضرت امیرؑ کے پاس لائے۔ اندھے نے کہا کہ یا امیر امیدوار ہوں کہ اپنا دامن فیض مامن ذرا میرے ہاتھ میں عنایت فرمایئے۔ آپ نے اپنا دامن اس کے ہاتھ میں دیا۔ اس اندھے نے حضرت کے دامن کو اپنی آنکھوں سے ملا۔ بمجرد ملنے کے اس کی دونوں آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اس نے عرض کی یا حضرت اب مجھے کسی طرح کی احتیاج نہیں رہی۔ اب اس مال کو کسی اور کو عنایت کر دیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ مال تجھے دے چکا ہوں تو جو چاہے وہ کر۔ آپ خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور تمام و کمال قصہ بیان کیا۔

۱۰۔ حضرت علیؑ کی مشکلکشائی

منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک روز غوغا اور غلغلہ عظیم شہر میں ہوا اور تمام شہر جمع ہو کر خدمت جناب رسول خدا میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کی یا حضرت ایک دیو عظیم مثل کوہ کلاں شہر میں آگیا ہے۔ اور قد اس کا اکیس گز کا لمبا اور بال اس کے بدن پر سات سات گز کے لمبے ہیں۔ اور چار دانت اس کے منہ میں ہیں۔ کہ ہر ایک مثل ملیہ پر بزرگ کے ہے۔ اور دونوں ہاتھ اس کے لیف خرما سے بندھے ہوئے ہیں۔ ابھی لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ وہ بھی آپ کی خدمت باعظمت میں آن کر حاضر ہوا اور زمین کو بوسہ دے کر عرض کی کہ اے بہترین خلق جہاں والے پیغمبر آخرالزمان والے رہنمائے انس و جان والے حاجت روائے عالمیان ایک مشکل لاینحل رکھتا ہوں۔ کہ وہ کسی سے حل نہیں ہوتی امیدوار ہوں کہ آپ اس میری مشکل کو حل کریں۔ اور وہ مشکل میری یہ ہے کہ میں تیس ہزار سال پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہوا تھا اور ہمیشہ کام یہ تھا کہ میں خلق کو آزار اور ایذا پہنچاتا رہتا تھا، اور کوئی ذی روح میرے ہاتھ سے بچ کر نہ جاتا تھا، اور مطلق میرے دل میں رحم نہ تھا کہ ایک روز ایک جوان رعنا خوش منظر و خوش رو سرو قد رخ انور مثل آفتاب کے تاباں برابر میرے نمودار ہوا۔ میری جو نظر اس پر پڑی میں نے قصد اس کے ہلاک کرنے کا کیا، جب میں اس کے قریب گیا تو اس نے ایک ایسا طمانچہ مارا کہ رخسارہ اور گال میرے زخمی ہو گئے۔ اور اس روز سے آج تک برابر پیپ اور لہو اس زخم سے جاری ہے۔ اور کسی طبیب کا علاج کارگر نہیں ہوتا اور کوئی دوا اور کوئی مرہم فائدہ نہیں کرتا۔ غرضیکہ میں نے اس کا طمانچہ کھایا اور روبرو اس کے اپنے تئیں مثل پشہ کے کمال ضعیف اور ذلیل و حقیر پایا۔ من بعد اس جوان خوش رو نے ہاتھ میرے ریشہ خرما سے باندھ دیئے۔ ہر چند میں نے چاہا ہاتھوں کو کھولوں کسی طرح نہ کھل سکے۔ اور دیووں سے امداد چاہی۔ مگر کسی سے نہ کھلے۔ لاچار ہو کر صبر کیا

حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں تو میں ان کی خدمت میں گیا۔ اور نہایت عجز و انکساری سے عرض کی آپ ہاتھ میرے کھول دیں۔ ان کو میرے حال پر رحم آیا۔ اور میرے ہاتھوں پر زور کیا جتنا کہ زور آپ میں تھا مگر ہاتھ میرے نہ کھلے۔ غرض اسی طرح جو نبی پیدا ہوا۔ میں اس کے پاس حاضر ہوا۔ مگر عقدہ لاحل کسی سے حل نہ ہوا۔ جب حضرت سلیمان کے پاس آیا۔ ان سے بھی باوجود بادشاہ جن و انس کے ہاتھ میرے نہ کھلے۔ کہ اتنے میں جبریل امین نازل ہوئے اور کہا کہ اے سلیمان! جس شخص نے اس کے ہاتھ باندھے ہیں۔ وہی ان کو کھولے گا اور کسی سے یہ نہیں کھلیں گے اے سلیمان! آخر زمانہ میں ختم المرسلین محمد مصطفےٰ پیدا ہوگا اس کے زمانہ میں وہ شخص پیدا ہوگا۔ جس نے اس کے ہاتھ باندھے ہیں اس کا نام علی ابن ابی طالب ہوگا۔ حضرت سلیمان نے جبریل سے یہ سن کر مجھ سے یہ بیان کیا۔ غرضیکہ میں نے ہزار جور و جفا اور مصیبت و بلا میں یہ زمانہ بسر کیا۔ اب میں نے سنا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ پیدا ہوئے ہیں۔ سو الحمد للہ کہ شرف ملازمت حضور سے مشرف ہوا۔ پس اے حلال المشکلات میری مشکل کو حل کرو اس مصیبت سے نجات دو۔ ایک ایک شخص نے اپنا زور لگایا اور خنجر اور چھری سے اس لیف کو کاٹنا چاہا اور زور کیا۔ مگر کسی سے نہ کٹا۔ سب شرمندہ اور منفعل ہوئے۔ اور اپنی جگہ جا بیٹھے۔ کہ اس اثنا میں جناب امیر سامنے سے نمودار ہوئے۔ اور سن آپ کا بہت کم تھا جونہی نظر اس دیو کی آپ پر پڑی نہایت خائف و ترساں ہوا۔ ایک ایک کے پیچھے چھپنے لگا۔ جناب رسول خدا متبسم ہوئے اور اس دیو کو آپ نے پاس بلا کر باعث خوف اور ترس کا پوچھا اس نے عرض کی کہ یا حضرت یہ لڑکا وہی ہے کہ جس نے میرے طمانچہ مارا تھا۔ اور ہاتھ میرے باندھے تھے آج تک اس کا خوف میرے دل میں سمایا ہوا ہے۔ اور صورت اس کی میرے دل میں منقوش ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے امور علی کی ذات سے بعید نہیں ہیں۔ قدر و منزلت اس کی اس سے زیادہ ہے کہ خیال کو اس میں راہ ہو۔ اور بعض فضائل جناب امیرؑ کے حضرت نے ارشاد کئے۔ من بعد کہا کہ اے علی جس طرح تو نے اس دیو کے ہاتھ باندھے ہیں اسی طرح کھول بھی دو۔ کہ ایک مدت سے یہ دیو تعب و اذیت میں گرفتار ہے پس جناب امیر نے حسب الحکم جناب رسول خدا دیو کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً وہ کھل گئے یہ دیکھ کر ایک شور مرحبا و احسنت کا حاضرین سے بلند ہوا۔ اور سب نے کہا کہ اے علی حقا کہ تو شیر خدا ہے۔ اور چالیس آدمی یہ اعجاز دیکھ کر مسلمان ہوئے۔ اور دیو نے بھی بصد عجز و انکسار کہا کہ یا حضرت میں چاہتا ہوں کہ جس قدر میری عمر باقی ہے اس کو خدمت میں علی ابن ابی طالب کے بسر کردوں آپ نے فرمایا کہ اے علی! تم اس کو اپنی خدمت میں رکھو۔

(۱۱) طفولیت میں حضرت علیؑ کا کلہ اژدر چیرنا

منقول ہے ایک زمانہ میں حوالی مکہ میں ایک اژدہائے عظیم مثل کوہ بزرگ پیدا ہوا کہ چار سو گز کا اس کا قد و قامت تھا۔ اور سر پر اس کے مثل چنار دو شاخیں تھیں اور دونوں آنکھیں اس کی مانند مشعل کے روشن تھیں۔ سر مثل کوہ کے اور دہن مثل غار کے اور ایک ایک دانت اس کا چار چار بالشت کا عریض اور منہ اس کا بیس گز کا چوڑا۔ جس وقت کہ وہ سانس کھینچتا تھا تو دور دور سے جانور اور مرغ اور گوڑا وغیرہ کھنیچ کر اس کے منہ میں چلے آتے تھے۔ اور اکثر اوقات اس کے منہ سے شعلے نکلتے تھے۔ اور زیادہ سبب عوام کے تنگ آنے کا یہ تھا کہ کوئی حربہ اس کے بدن پر کارگر نہ ہوتا تھا۔ تاآنکہ ایک بادشاہ اس طرف کا لشکر عظیم ہمراہ لے کر اس کے مارنے کو گیا۔ وہ اژدھا اس سے مارا نہ گیا۔ بادشاہ عاجز ہو کر پھر آیا اتفاقاً ایک روز اس اژدھے نے رخ مدینہ شہر کا کیا، اور جب شہر میں داخل ہوا۔ تو اس کے خوف سے ایک شور و غل پڑ گیا۔ اور قیامت برپا ہو گئی۔ اکثر آدمی گھر چھوڑ کر صحرا کو بھاگ گئے۔ اور عجب طرح کی شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ غرض وہ اژدھا آتے آتے ابو طالب کے گھر میں آیا۔ زمانہ جناب امیر کی طفولیت کا تھا۔ آپ گہوارہ میں لیتے تھے جب وہ اژدھا قریب گہوارے کے

آیا تو جناب امیر نے دونوں ہاتھوں سے اس کے دونوں لب پکڑ کر نعرہ اللہ اکبر کیا اور اس اژدھے کو سر سے تا دم چیر کر دو ٹکڑے کر دیا۔ اور گہوارے سے آپ نے اصلا حرکت نہ کی۔ اور نہ ایک قطرہ اس کے خون کا آپ کے کپڑوں پر گرا۔ اور تا دیر اژدھے کو دست مبارک میں اٹھائے رہے جیسے کوئی سبک شے یا خفیف لکڑی کو ہاتھ میں لئے رہتا ہے۔ اور نصف بدن اس کا گہوارے کے پاس زمین پر پھینک دیا۔ یہ سن کر خلقت شہر کی دیکھنے کو دوڑی پس جو دیکھتا تھا وہ حیران و ششدر ہو جاتا تھا۔ اور انگشت تعجب دانتوں میں پکڑتا تھا اور حمد و ثنا جناب امیر کی کرتا تھا۔ اور سب دیکھتے تھے کہ دو پہاڑ کے ٹکڑے گہوارہ کے نیچے پڑے ہیں۔ اور دریائے خون اس سے جاری ہے۔ جناب رسول خدا نے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اس مردہ اژدھے کے ٹکڑے کو یہاں سے اٹھا کے لے جاؤ۔ چار سو آدمیوں نے کمال طاقت اور زور کر کے نصف بدن اژدھے کا اٹھایا۔ اور چار سو آدمیوں نے دوسرا ٹکڑا اس کا اٹھایا اور شہر سے باہر لے جا کر ڈالا اور ہر شخص تحسین و آفرین جناب امیر پر کرتا تھا۔

(۱۲) اسد اللہ حضرت علیؑ اور جنگل کا بادشاہ

منقول ہے اور کتاب تاریخ ابو حنیفہ میں مسطور ہے۔ کہ ایک روز جناب رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ ایک سائل نے کہا کہ اے رسول خدا سات ہزار درہم کا میں قرض دار ہوں۔ اور قرضخواہ بسبب اس کے کہ سب کا فر ہیں مجھے تنگ کرتے ہیں۔ اور آزار دیتے ہیں۔ آپ نے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آیا تم میں سے کوئی ہے کہ اس کے قرض کو ادا کرے کسی نے جواب نہ دیا۔ حضور اکرمؐ نے جناب امیر سے فرمایا کہ یا علی۔ تم اس کے قرض کو ادا کرو۔ آپ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سائل کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے باہر لائے۔ اور فرمایا کہ تو اپنی آنکھیں بند کر۔ اور بعد ایک لمحہ کے فرمایا کہ اب آنکھیں کھول دے۔ اب سائل نے آنکھیں کھولیں تو ایک شہر عظیم نہایت آباد نظر آیا۔ باکمال اور پاکیزہ اور لطیف آب و ہوا خوش آئندہ خوشگوار کثرت باغ و بوستان اور نہر اور چشموں سے نمونہ بہشت عنبر سرشت۔ مگر خلائق اس شہر کی سب یہودی۔ آپ نے اس سائل سے کہا کہ اب مجھے اس شہر میں بیچ لے اور اپنے قرض کو ادا کر۔ سائل نے کہا کہ اے سر حلقہ اولیاء اے برگزیدہ اوصیا میرا کیا مقدور اور کیا طاقت کہ یہ کام میں کروں۔ اگر قرضخواہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کریں تو بھی یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اے شخص جو میں کہتا ہوں تو اس کی متابعت کر۔ کہ اس میں ایک مصلحت ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اہل شہر کو مسلمان کروں۔ سائل آپ کو بادشاہ شہر کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ میرے پاس ایک غلام ہے کہ شجاعت اور بہادری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اور اگر کسی شخص کو سو ہزار مشکلیں پیش ہوں تو وہ ایک لمحہ میں سب مشکلات حل کرتا ہے۔ اسی طرح بہت سے فضائل آپ کے اس بادشاہ کے روبرو بیان کئے بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور پوچھا کہ تیرے غلام کی قیمت کیا ہے اس نے کہا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ ایک پلہ ترازو میں اس کو بٹھا اور دوسرے پلہ میں جواہر آبدار اور گوہر شہوار ڈال۔ بادشاہ نے کہا کہ اس قدر جواہرات میرے خزانہ میں نہیں ہیں۔ مگر میں اس کو زر کے برابر خریدتا ہوں جناب امیر نے فرمایا کہ میں پاؤں اپنا پلہ ترازو میں رکھتا ہوں۔ اور تو دوسرے پلہ میں زر کو ڈال پس جس وقت میرا پاؤں حرکت کر جائے اور اٹھ جائے وہی قیمت میری ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ سات خروار زر کے لاؤ۔ جناب امیر نے پاؤں اپنا ایک پلہ میں رکھا۔ دوسرے پلہ میں ان خروار کو ڈالا۔ پائے مبارک نے آپ کے ذرا حرکت نہ کی۔ بغرض اسی طرح چالیس خروار اس میں ڈالے اور جناب امیر کے پاؤں کو حرکت نہ ہوئی۔ اہل شہر یہ دیکھ کر متعجب ہوئے۔ سائل بھی اپنے اس فعل سے خجل ہوا۔ اور کہا بس مجھے اسی قدر زر اس کی قیمت میں کافی ہے۔ جناب امیرؑ نے پاؤں اپنا ترازو سے اتار لیا۔ سائل نے اس زر و مال کو ایک شخص معتمد کے سپرد کیا بادشاہ حضرت کا نام پوچھا آپ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں ان میں سے اسد اللہ بھی ہے اب تو کوئی خدمت بتا کہ میں اس کو بجا لاؤں بادشاہ نے کہا تیری خدمت یہ

ہے۔ ہر روز چالیس خروار لکڑیوں کے میرے مطبخ خانے میں لایا کر۔ آپ نے قبول کیا اور فرمایا۔ کہ اگر تو کہے تو میں ایک دفعہ میں تمام ہیزم بیشہ کو جمع کر دوں اس نے کہا کہ نہیں بتدریج لاؤ بغرض چالیس اونٹ آپ کے ہمراہ گئے اور تین آدمی راہ نما ساتھ ہوئے اثنائے راہ میں سو جن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے امیر المومنین ہمیں اجازت دو کہ ہم لکڑیاں آپ کے واسطے جمع کر دیں۔ آپ نے ان کو اجازت دی اور آپ مشغول سیر بیشہ ہوئے۔ کہ ناگاہ صحرا سے ایک شیر پیدا ہوا اور ان چالیس اونٹوں کو ہلاک کیا ان تینوں آدمیوں نے جو یہ حال دیکھا تو ڈرے۔ اور جناب امیر کو خبر دی آپ نے شیر کے روبرو آن کر ایک نعرہ اسد اللہی کیا اور فرمایا کہ اے شیر تو نے یہ کیا حرکت کی۔ مگر شیر یزدان سے نہ ڈرا۔ اور کچھ خوف شیر الٰہی کا نہ کیا۔ شیر نے بزبان فصیح کہا کہ یا علی میں نے بہت برا کیا۔ اور میں نہ جانتا تھا کہ یہ جمادی آپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب اگر آپ حکم دیں۔ تو یہ بوجھ چالیس اونٹوں کا میں شہر میں پہنچا دوں۔ آپ نے فرمایا اچھا اور جنات کو حکم دیا کہ اس پر یہ لکڑیاں لاد دو۔ پس ان جنوں نے چالیس خروار ہیزم کی اس شیر پر لاد دیں پس جناب امیر تو آگے آگے جاتے تھے۔ اور وہ شیر پیچھے پیچھے آپ کے چلا آتا تھا۔ تا آنکہ جب شہر میں داخل ہوئے شیر کے آنے سے ایک غلغلہ عظیم شہر میں پڑ گیا۔ اور آدمیوں نے بہ تعجیل تمام بادشاہ کو خبر پہنچائی۔ بادشاہ یہ سن کر جناب امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور احوال پوچھا آپ نے فرمایا یہ شیر ہر روز چالیس خروار ہیزم کے تمہارے باورچی خانہ میں لایا کرے گا۔ اور کچھ کھانا اور پانی نہ تم سے مانگے گا۔ اور تمہارے سب حیوانوں کی پاسبانی و نگہبانی کرے گا جماعت یہود نے کہا کہ یہ شیر مردم آزار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس شیر کو منع کر دیا ہے یہ کسی شخص کو تم میں سے آزار نہ پہنچائے گا۔ اور ایک لڑکا بھی اس کو صحرا میں لے جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی چلا جائے گا۔ بادشاہ نے چالیس خروار گندم کے اس کی پیٹھ پر لاد دیے اور ایک قیدی کو جیل خانہ سے بلوا کر اس کے ساتھ کیا اور کہا۔ کہ اس کو لے جا کر پسوا لاؤ۔ بادشاہ کو شیر کا امتحان منظور تھا۔ کہ آدمی کو آزار دیتا ہے یا نہیں اگر اس قیدی کو ہلاک کرے گا تو یہ شخص غیر شہر کا رہنے والا ہے۔ کسی کو رنج نہ ہوگا۔ مردم شہر نے دیکھا کہ اس شیر نے اس شخص کے پاؤں پر پیشانی کو رکھا اور اس کے ساتھ ہو لیا پس وہ شخص شیر کو خراس میں لے گیا اور گندم کو پسوا کر آٹا شیر کے اوپر لاد کر پھر لے گیا۔ لوگوں کو اس مشاہدے سے تعجب ہوا۔ اور جناب امیر پر تحسین اور آفرین کی۔ پھر جماعت یہود نے آپ سے کہا کہ اے جوان اگر کوئی اور ہنر رکھتا ہو تو دکھا جناب امیرؑ نے فرمایا جتنے تمہارے بیمار ہیں ان کو لاؤ تاکہ میں سب کو اچھا کر دوں۔ پس جب سب مریض جمع ہوئے تو آپؑ نے درگاہ رب العزت میں عرض کی شفا بخش۔ فوراً سب صحیح سالم ہو گئے پھر جناب امیرؑ نے بغل میں ہاتھ ڈال کر آفتاب کو نکالا۔ اور آسمان کی طرف اس کو رہا کیا وہ آسمان پر چلا گیا۔ سب نے دیکھ کر لفظ آمنا زبان پر جاری کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے قوم اگر میں چاہوں تو دو انگلیوں پر زمین و آسمان اٹھا لوں۔ اور یہ فرما کر دست مبارک دراز کر کے گرد شہر کے ایک خط کھینچا اور سات فرسنگ تک اس شہر کی زمین کو اٹھا کر آسمان کی طرف بلند کیا اور دو پہر تک ہاتھ پر بلند کئے رہے۔ اہل شہر نے فریاد الاماں کی بلند کی۔ اور آواز گریہ مردان و زنان بلند ہوئی۔ اس وقت آپ نے اس تختہ زمین کو پھر اسی جگہ رکھ دیا۔ پس یہ معجزہ دیکھ کر سب اہل شہر مع بادشاہ ایمان لائے اور بادشاہ نے چار سو خروار جواہرات کے اور چار سو گھوڑے اچھے مع زین و لجام طلائی اور چار سو غلام اور کنیز آپ کے پیش کش کئے من بعد جناب امیر مع درویش متوجہ طرف مدینہ ہوئے۔

(۱۳) حضرت علی اور ابراہیمی کرامت

منقول ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک مرد تھا۔ کہ بی بی اس کی محب علی اور اہلبیت کی تھی۔ اور اس کا معمول تھا۔ کہ ہر صبح اٹھ کر پہلے روئے انور جناب رسولؐ

خدا اور علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہراؑ کو دیکھ کر گھر میں آتی تھی۔ جب اور کام گھر کے کرتی تھی۔ ایک روز اس کے شوہر نے پوچھا کہ اے عورت تو ہر صبح اٹھ کر کہاں جاتی ہے اس نے کہا کہ اے شخص بے دیدار انوار جناب محمد مصطفےٰ و علی مرتضیٰ زندگی مجھے تلخ ہوتی ہے۔ اس واسطے میں ان کی زیارت کو جایا کرتی ہوتی ہوں۔ اس مرد نے کہا اگر سوائے ان کے اور کسی کی نظر تجھ پر پڑ گئی تو میرے نکاح سے اور مہر سے باہر ہو جائے گی۔ اس نے کہا ہاں ایسا ہی ہوگا اتفاقاً ایک روز ایک مرد یہودی نے اثنائے راہ میں پوچھا تو کہاں جاتی ہے، اس نے حال بیان کیا۔ یہودی نے کہا اگر ان کی دوستی میں تو صادق ہے تو انہیں کی دوستی کی تجھے قسم ہے۔ تو نقاب اپنے منہ سے اٹھا کر شکل اپنی دکھا دے۔ یہ سن کر عورت نے درگاہ خدا میں عرض کی کہ اے رب العزت۔ شوہر نے مجھ سے یہ عہد لیا ہے کہ اگر غیر تیری شکل کو دیکھے گا۔ تو تو نکاح سے باہر ہو جائے گی اور یہ مجھے قسم دلاتا ہے اس کو بھی ترک نہیں کر سکتی۔ تو ہر شخص کی نیت پر آگاہی رکھتا ہے یہ کہہ کر نقاب منہ سے اٹھا دیا۔ خدا کی قدرت سے اس یہودی کی نظر میں وہ عورت نہایت زشت اور بری معلوم ہوئی۔ وہ شخص دیکھ کر چلا گیا۔ یہ عورت دولت سرائے جناب رسول خدا پر آئی حسب اتفاق اس کو اس روز زیارت کسی کی نصیب نہ ہوئی مغموم اپنے گھر کو پھری۔ اور آن کر تنور روشن کیا اور پانی اس پر رکھ دیا اور اپنے بچوں کے سر دھلانے میں مصروف ہوئی۔ اتنے میں شوہر اس کا باہر سے آگیا عورت نے اس کو دیکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔ جب شوہر نے اس سے پوچھا تو سارا واقعہ اس نے یہودی کا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ اب تیرے نکاح سے میں باہر ہوں۔ وہ مرد یہ سن کر غضب میں آیا اور کہا کہ اگر سچ کہتی ہے کہ میں محمدؐ اور علیؑ کو دوست رکھتی ہوں۔ اور کسی سے سروکار نہیں رکھتی تو اٹھ کھڑی ہو۔ اور اس تنور میں گر پڑ۔ وہ عورت یہ سن کر کھڑی ہو گئی۔ اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اپنے فرزندوں کا منہ چوما۔ اور تنور کے کنارے پر آئی اس کے فرزند اس سے چمٹ گئے اور رونے لگے۔ اس عورت نے اپنا دامن ان سے چھڑا کر تنور میں بسم اللہ اور یا علی کہہ کر کود پڑی۔ فوراً ایک دھواں سیاہ تنور سے پیدا ہوا۔ اور آسمان تک پہنچا۔ اور لڑکے اس کے گریہ وزاری کرنے لگے۔ ان کے رونے پر اس کا شوہر بھی رونے لگا۔ اور ہاتھ لڑکوں کا پکڑ کر جناب رسول خدا کے پاس آیا اور سب حال بیان کیا۔ رسولِ خدا بھی چشم پُرآب ہوئے اور حاضرین مجلس بھی رونے لگے۔ غرض کہ جناب رسولِ خدا اور علی مرتضیٰ اور اصحاب اس تنور پر آئے دیکھا کہ ایک دودِ سیاہ اس تنور سے سر بہ فلک کشیدہ ہے۔ آپ نے درگاہ باری میں عرض کی۔ کہ تو قادر ہے سب چیز پر اس عورت کو آسیب آتش سے نگاہ رکھ۔ فوراً جبریل امین نازل ہوئے اور بعد تحفہ سلام کے عرض کی کہ خداوند عالم ارشاد کرتا ہے۔ اے حبیب ہمارے تو اندیشہ نہ کر۔ تیرے دوستوں کو آگ ضرر نہ پہنچائے گی نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ تم اس عورت کا نام لے کر پکارو۔ آپ نے جناب امیرؑ سے ارشاد کیا۔ کہ تم اس کو پکارو۔ آپ نے اس عورت کو آواز دی کہ اے محب اہل بیت آگ میں تیرا کیا حال ہوا۔ اس عورت نے تنور میں سے آواز دی۔ لبیک لبیک وسعدیک یا امیر المومنین و امام المتقین و خلیفۃ المسلمین و ابن عم رسول رب العالمین۔ پس اسی وقت دود تنور برطرف ہوا۔ اور عورت مثل ماہ شب چہاردہ کے تنور سے باہر نکل آئی دیکھا کہ جناب رسول خدا اور امیر عرب تشریف رکھتے ہیں۔ قدموں پر گر پڑی قدموں کے بوسے لینے لگی اور شکر خدا کا بجا لائی۔ آپ نے پوچھا کہ اے زن صالحہ آگ میں تجھ پر کیا گزری اس نے عرض کی کہ یا حضرت جس وقت میں آپ کی محبت میں آگ میں کود پڑی۔ تو آگ مجھ پر گلزار ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ ایک شخص نورانی شکل قابل درود پڑھنے کے تشریف لائے۔ اور ہاتھ میرا پکڑ کر مجھے اس آگ سے نکال کر ایک باغ میں لے گئے جب وہاں پہنچی تو ہزار کنیز اہل باہر وہاں میری زیارت کو آئیں۔ اور میری بہت تعظیم و تکریم کی پھر اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑ کر کے حضور میں حاضر کیا آپ نے پوچھا۔ تو اس شخص کو پہچانتی ہے۔ اس نے کہا ہاں میں خوب پہچانتی ہوں۔ کہ وہ شخص امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اتنے میں جناب

جبرئیل امین بجانب رب جلیل نازل ہوئے اور کہا کہ اے رسول اللہ یہودی نے اس عورت کی صورت نہیں دیکھی خدائے تعالےٰ نے اس کی صورت کو اس کی نظروں سے محفوظ رکھا کہ اس پر طلاق واقع نہ ہو یہ سُن کر زن و شوہر خوشنود ہوئے۔ اور اطفال بھی اپنی ماں کو دیکھ کر شاد ہوئے۔ اور جناب رسولِ خدا دولتسرا کو تشریف لے گئے۔

۱۱۴ شاہ شمس اور قلعہ عنقا

ایک روز جناب رسالت مآبؐ بعد نماز صبح پشت مبارک محراب عبادت پر تکیہ کرکے حدیث فرما رہے تھے۔ اور گرد آپ کے انصار و مہاجر جلوہ افروز تھے۔ حدیث سُن رہے تھے۔ کہ ایک جماعت سراسیمہ اور حیران مسجد میں آئی۔ اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک شتر دیوانہ ہوگیا ہے۔ اور چیختا چنگاڑتا اس طرف کو چلا آتا ہے اور صاحب شتر بھی پیچھے پیچھے اس کے ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ شتر بھی آپہنچا۔ اور باآواز بلند کہا کہ السلام علیک یا رسول اللہ۔ میں صاحب کے جور و جفا سے تنگ آکر حضور میں پناہ لینے آیا ہوں۔ جناب رسول اللہ نے جواب سلام کا دیا اور فرمایا کہ اے شتر تُو جانتا ہے۔ کہ خدا نے تجھ کو بندوں کی راحت و آرام کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اور تجھے طاقت اور قوت بھی دی ہے۔ تاکہ موافق اپنی قوت کے بوجھ ان کا اُٹھائے شتر نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ آپ سچ فرماتے ہیں مگر صاحب میرا حد میری ایک نہیں جانتا۔ پوچھا تیرا صاحب کون ہے۔ کہا کہ ابوالفتوح اور وہ مجھے میرے لکڑی لئے آزار دینے کو چلا آتا ہے۔ اتنے میں ابوالفتوح بھی آن پہنچا آپؐ نے فرمایا کہ اے ابوالفتوح اپنے قہر و غضب کو فرو کر۔ اور شتر کو آزار نہ دے۔ یہ سُن کر ابوالفتوح نے لکڑی ہاتھ سے پھینک دی۔ جناب رسولِ خدا نے اول شتر سے پوچھا کہ تو کیا کہتا ہے اس نے عرض کی کہ یا حضرت ابوالفتوح کے چالیس اونٹ جوان ہیں اور میں ان سب میں پیر و ضعیف ناتواں ہوں یہ صاحب میرا ان سب سے زیادہ مجھ پر بوجھ لادتا ہے اور میری پیری اور ضعیفی کا کچھ خیال نہیں کرتا ہے پس یا حضرت آپ دعا کریں خدا تعالےٰ سے یا تو مجھے جوان کردے۔ کہ میں اپنے صاحب کا خاطر خواہ بوجھ اُٹھاؤں۔ یا اس کو مجھ پر شفیق اور مہربان کردے۔ آپؐ نے فرمایا کہ دونوں باتوں کے لئے دعا کروں گا۔ اور ہاتھ دعا کے لئے بلند کئے۔ سب اصحاب نے آمین کہی۔ پس شتر نے ایک ایسی آواز کری کہ سب بیہوش ہوگئے جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ شتر جوان بسن پانچ سالہ ہوگیا ہے۔ پس شتر آپ کے روبرو آیا اور خاک منہ پر ملنے لگا۔ اتنے میں جبرئیل بجانب رب جلیل پیغام لے کر آئے۔ کہ اے رسول اللہ خداوند عالم بعد تحفہ سلام کے ارشاد کرتا ہے کہ اے حبیب ہمارے جانب مغرب ایک کافر ہے۔ شاہ شمس بتاں اس کا نام ہے۔ اور وہ چالیس قلعہ کا مالک اور پایہ تخت اس کا ایک قلعہ ہے۔ کہ اس کو قلعہ عنقا کہتے ہیں۔ اس نے اپنے لشکر کو مسلح کیا ہے اور چاہتا ہے کہ تم سے لڑنے کو آئے۔ اے محمد! تم ابوالفتوح سے یہی اونٹ لے کر اس پر سوار ہو اور زمام اس کی اس کی گردن میں ڈال دو۔ اور سورہ یٰسین کو پڑھنا شروع کرو جب اس سورہ کو تم تمام کردگے۔ تو شتر تمہارا بحکم خدا تین سو فرسخ پر پہنچ گیا ہوگا۔ تم اپنے اصحاب سے کہہ دو کہ سات روز مجھے معاف رکھیں۔ آٹھویں روز میں اس جگہ تم سے آن ملوں گا۔ اور کسی اپنے اصحاب کو اپنے ہمراہ نہ لو۔ تنہا جاؤ۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ تو خاطر جمع رکھ میں خداوند عالم ہوں۔ تیری محافظت کروں گا۔ آپ نے پوچھا۔ کہ اے اخی جبرئیل علی کو اس سفر میں اپنے ہمراہ لوں یا نہ لوں۔ جبرئیل نے عرض کی کہ یا حضرت خداوند تعالےٰ علی کو تمہارے پاس حاضر کردے گا۔ پس حضورؐ نے مضمون خدائے پاک کا ارشاد اصحاب کیا۔ اور ابوالفتوح سے شتر کو لے کر اس پر سوار ہوئے اور مہار اس کی گردن پر ڈال دی اور سورہ یاسین کو پڑھنا شروع کیا۔ جب سورہ تمام ہوا تو شتر ایک بلندی پر پہنچا۔ حضور انور نے جب نگاہ کی۔ تو ایک کوہ بلند نظر آیا۔ ایک نہر پانی کی اس کے گرد جاری ہے اور چالیس قلعہ میدان اس پہاڑ پر ہیں۔ پس جب شتر حضور اکرمؐ کا زیر قلعہ عنقا پہنچا تو بیٹھ گیا اور آپ اس پر سے نیچے اترے اور

عصا ہاتھ میں لے کر کنارے کنارے خندق کے روانہ ہوئے اور اونٹ چرنے میں مشغول ہو گیا نگہبان قلعہ نے دیکھا کہ جانب دیار عرب سے ایک نور پیدا ہوا ہے اور ایک شتر سوار ٹیلہ پر آیا ہے۔ نور روئے مبارک کا آفتاب پر سبقت لے گیا ہے۔ پس رسول اللہؐ نے ایک نعرہ اللہ اکبر کا بلند کیا۔ کہ دیدہ بان مثل بید کے کانپنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے دیدہ بان تم جا کر شاہ شمس تباں سے کہو کہ پیغمبر آخرالزمان محمد مصطفےٰؐ آیا ہے اور کہتا ہے کہ اے شاہ شمس باہر آ میں بحکم مالک الملک کے آیا ہوں۔ تا کہ تجھ کو اور تیرے تابعین کو ہدایت کروں۔ اور راہ حق دکھاؤں دوسرے یہ کہ تو ان دنوں میں ارادہ رکھتا تھا مدینہ میں مجھ سے لڑنے کا۔ اور مدینہ یہاں سے تین سو فرسخ ہے اور لشکر اس مسافت دور دراز پر اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا میں تنہا آیا ہوں۔ اور مجھ پر کام کو آسان کیا ہے۔ اور تیری محنت اور مشقت کو بچایا ہے۔ اٹھ اور باہر آ تجھے مسلمان کردوں۔ ورنہ سب تیرے قلعوں کو مثل شہر لوط سرنگوں کردوں۔ دیدہ بان یہ سن کر بادشاہ کے پاس دوڑے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا اے دیدہ بان یہ کیسی آواز تھی۔ کہ میں نے سنی اور کیوں تمہارے چہروں کا رنگ اڑ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ محمد عربی آیا ہے۔ اور سب قصہ بیان کیا شاہ شمس نہایت پرخوف ہوا۔ اور فوراً سرداروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہ میں نے سنا ہے کہ محمدؐ جھوٹ نہیں بولتا۔ جو کہتا ہے خدا ویسا ہی کر دیتا ہے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ ہم تم سب باہر جاویں اور محمدؐ سے معجزہ طلب کریں۔ اور جب وہ معجزہ دکھائے تو ہم اس کی اطاعت کریں۔ اور اس ملت میں آ جائیں بادشاہ کا ایک خواہرزادہ تھا بڑا پہلوان املاک بت پرست اس کا نام تھا۔ بہت شجاع اور زبردست کہ تمام قلمرو میں اس کا نظیر نہ تھا۔ وہ بھی پایہ تخت بادشاہ کے حاضر تھا۔ جب اس نے شاہ شمس سے یہ بات سنی تو کرسی پر سے کود پڑا اور شمشیر نیام سے کھینچی اور بادشاہ سے کہا کہ تو میری قوت پر بادشاہی کرتا ہے۔ محمدؐ مسافر سے کیا ہو سکے گا اور تو نے اس سے کیا دیکھا ہے جو تو اس کے دین کو قبول کرتا ہے۔ ایک دیدہ بان نے کہا کہ اے املاک محمدؐ کے حق میں ایسی باتیں نہ کہو۔ اگر وہ محمد مصطفےٰؐ ہے تو ہم سب کا کام تمام کر دے گا۔ املاک نے ایک زور کا طمانچہ اس کے منہ پر مارا۔ اور کہا اے مردک یہ نالائق باتیں تو کیوں کرتا ہے اور شاہ شمس سے کہا۔ کہ اگر تو تابع محمدؐ کے ہو گا۔ تو اول میں تجھی کو قتل کر دوں گا۔ امراء وزراء وغیرہ نے املاک کی بہت چاپلوسی کی۔ اور کہا کہ تو خفا نہ ہو جو کہے گا وہی ہم کریں گے۔ املاک نے دیدہ بان سے کہا۔ کہ تو جا اور دربان سے کہہ کہ دروازہ کھول دے اور محمدؐ سے کہہ کہ شاہ شمس کہتا ہے۔ کہ اگر تو سچ کہتا ہے اور خدا تیرا برحق ہے۔ تو قلعہ میں آ اور کوئی معجزہ ہمیں دکھلا تا کہ ہمیں معلوم ہو تیرا دین سچا ہے اور ہم سب لوگ مطیع ہوں۔ اور تیرے دین میں آئیں۔ اور تیرے حکم کی اطاعت کریں۔ دیدہ بان بہ تعجیل تمام روانہ ہوا۔ اور ایک جماعت بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئی کہ دیکھیں محمد کیسا ہے اور کیا کہتا ہے۔ بغرض دیدہ بان دروازہ پر پہنچا۔ اور دربان کو حکم دیا۔ دروازہ کھول دے اور پل کو خندق پر ڈال دے۔ دیدہ بان آپ کے روبرو آیا اور کہا۔ اے محمدؐ شاہ شمس کہتا ہے کہ اگر تو سچا ہے۔ اور خدا تیرا برحق ہے۔ تو قلعہ کے اندر چلا آ۔ اور معجزہ ہمیں دکھلا۔ تا کہ معلوم ہو کہ تو پیغمبر برحق ہے۔ ہم تیرا دین قبول کریں۔ رسول اللہؐ نے جب یہ بات سنی۔ تو قدم مبارک پل پر رکھا۔ اور فرمایا کہ لیا میں نے اس قلعہ کو بحکم خدا اور بسم اللہ کہہ کر قلعہ کے اندر پاؤں رکھا پس جونہی جناب قلعہ کے اندر آئے اور سب آدمیوں نے سنا۔ کہ در و دیوار سے صدا اللھم صل علے محمد و آل محمد کی آتی تھی۔ پس یہ آواز سن کر سب لوگ حیران ہوئے بغرض جب رسول اللہ محل کے دروازہ پر تشریف لائے۔ تو دیدہ بان آگے دوڑ گیا۔ اور شاہ شمس سے کہا کہ محمد عربی آئے ہیں۔ اور دروازہ پر کھڑے ہیں۔ املاک نے کہا ان کو اندر بلا دو۔ تا کہ ہم انھیں پشیمان کریں بغرض آپ مجلس شاہ شمس میں تشریف لے گئے۔ اور جونہی قدم مبارک مجلس میں رکھا تو آتش کدہ سالہا سال سے روشن تھا۔ فوراً بجھ گیا اور خاکستر ہو گیا۔ سب کافر یہ دیکھ کر حیران ہوئے۔ آپ نے فرمایا سلام ہو میرا اس بارگاہ میں اس شخص پر جو جانتا ہو کہ اس ہجدہ ہزار عالم میں خدا ایک ہے اور میں محمد ہوں پیغمبر

اس کا اور فرستادہ اس کا ہوں۔ کسی شخص کو اس مجلس میں بخوف املاک طاقت جواب سلام کی نہ ہوئی۔ مگر شاہ شمس اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہا کہ علیک السلام اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا پس رسول اللہ نے سجادہ ودوش مبارک سے اتار کر بچھایا۔ اور اس پر بیٹھ گئے۔ املاک حضرتؐ کو دیکھ کر صندلی پر سے کودا اور شمشیر مثل [illegible] کے نیام سے کھینچ کر بولا۔ کہ اے اعرابی تو کون ہے کہ مجھ سے نہیں ڈرتا۔ اور خدائے نادیدہ کی ستائش و ثنا کرتا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ استغفر اللہ العظیم اے ناکس بخت برگشتہ تو کون ہے اس نے کہا کہ املاک بت پرست جو سنا ہوگا۔ وہ میں ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آ اور بت پرستی سے توبہ کر اور اسلام قبول کر تاکہ خدائے تعالیٰ تجھ سے راضی ہو۔ املاک نے کہا اے محمدؐ خدا ہمارا اس جگہ حاضر تھا۔ جب تو آیا تو وہ خاموش ہو گیا بتا کہ اب وہ کہاں گیا آپؐ نے فرمایا اے ملعون آگ دوزخ سے آئی ہے وہ لائق خدائی کے نہیں ہے وہ آگ جس کو تو خدا جانتا ہے اپنی اصل کی طرف رجوع کر گئی۔ اور جہنم میں وہ تیرا انتظار کرتی ہے۔

املاک ان باتوں سے متغیر ہوا۔ اور تلوار کو حرکت دی اور کہا کہ میں تم کو ایک ضرب میں ہلاک کروں گا تاکہ اوروں کو عبرت حاصل ہو اور تو کسی کو علم سحر سے گمراہ نہ کرے۔ اور سنا ہے میں نے سب تیرے ہاتھ سے آزاد ہیں۔ اور چاہا تلوار ان کے مارے۔ بفرمان ایزد بازو اس کا خشک ہو گیا۔ فریاد کرنے لگا۔ اے محمدؐ توبہ کرتا ہوں۔ میں پھر ایسی گستاخی نہ کروں گا۔ جانا میں نے کہ خدا تیرا برحق ہے دعا کر کہ ہاتھ میرا اچھا ہو جائے۔ پس رسول اللہ نے دعا کی۔ ہاتھ اس کا پھر سے درست ہو گیا۔ اس ملعون نے کہا کہ اے محمدؐ سحر میں تو اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اگر معجزہ ہمیں دکھلا دے تو ہم مسلمان ہو جائیں۔ میں نے سنا ہے کہ تیرے پاس بہت سے معجزے ہیں۔ جو کچھ ہم چاہیں وہ تو ہمیں دکھلا ہم دین تیرا قبول کریں گے۔ فرمایا جو معجزہ تو چاہے مجھے بتوفیق خدا دکھلاؤں۔ املاک یہ سن کر بارگاہ سے باہر آیا۔ اور ایک ساعت کے بعد ہتھیار جنگ کے پہن کے آیا اور ایک دوسرا کافر اس کے ہمراہ تھا۔ چادر میں ایک چیز لپیٹ کر لایا۔ اور کہا اے محمدؐ اگر تو بتا دیوے۔ کہ اس چادر میں کیا ہے تو ہم دین تیرا قبول کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی جبریل امین خدا کے پاس سے آتا ہے اور مجھے پیغام دیتا ہے میں تجھے بتاتا ہوں۔ میں بغیر حکم خدا تعالیٰ کسی چیز کو نہیں کہہ سکتا۔ اتنے میں آواز جناب جبریل کی آئی اور کہا خدا تعالیٰ نے آپ کو تحفہ سلام ارشاد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ املاک ملعون سے کہو کہ تو کل شکار کو گیا تھا۔ اور آہو زندہ کمند سے گرفتار کر کے لایا۔ اور قلعہ میں اس کو لا کر میخ سے باندھا۔ اس کو دانہ پانی ہر چند دیا لیکن اس نے نہ کھایا۔ تو نے غصہ ہو کر ایک لکڑی اس کو ماری اور وہ مر گئی۔ پس اس کو تو چادر میں لپیٹ کر لایا ہے۔ بغرض چادر جو کھولی اس میں سے مرا ہوا آہو نکلا آپ نے اس آہو کی طرف خطاب فرما کر کہا قم باذن اللہ بمجرد آپؐ کے فرمانے کے آہو حرکت میں آیا۔ اور زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور قدرت خدا سے گویا ہوا۔ اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ حقا اشہد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ ان علیا ولی اللہ آپ نے جواب سلام کا دیا۔ اور فرمایا اے آہو کیا تجھ پر گزرا۔ آہو نے عرض کی یا محمدؐ میری فریاد کو پہنچو۔ میں دو بچے رکھتی ہوں کل میں ان کو مکان میں چھوڑ کر چرنے میں مشغول تھی۔ کہ املاک کافر نے مجھ کو کمند مار کر پکڑا۔ اور میخ آہنی سے باندھ کر آب و گیاہ میرے لئے لایا میں نے بچوں کی مفارقت میں کچھ نہ کھایا۔ اس نے مجھے لکڑیاں مار مار کر ہلاک کیا اور اس چادر میں لپیٹ لایا۔ الحمد للہ دولت دیدار آپ سے مشرف ہوئی۔ اور بدولت آپ کے دوبارہ زندگی پائی۔ یا رسول اللہ میری آرزو یہ ہے۔ میں اپنے فرزندوں کو جا کر دیکھوں۔ ڈرتی ہوں۔ کہ مبادا ان کو بھیڑیا نہ کھا گیا ہو یا بھوک پیاس سے مر گئے ہوں۔ اے رسول اللہ اگر مجھے املاک سے رخصت دلوا دو۔ تو میں جا کر ان کو دودھ پلاؤں اور اگر زندہ ہوں تو ان کو بھی اپنے ساتھ لے آؤں۔ اور وقت نماز پیشین میں آن کر حاضر ہوں گی پس اس وقت املاک جو چاہے میرے ساتھ کرے جناب رسول خدا نے املاک سے کہا کہ تو اس کو اجازت دے دے کہ یہ اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آئے اس ملعون نے کہا اے محمدؐ اگر یہ آہو تیرے

خدا کا اقرار نہ کرتا تو میں اسے آزاد کر دیتا مگر اب اسے میں آگ میں جلاؤں گا۔ آہو نے یہ سنا تو فریاد کرنے لگی۔ اور کہا اے محمدؐ فریاد کو پہنچو۔ اس ملعون نے کہا کہ مجال ہے کہ میں تجھے آزاد کروں۔ ابھی میں تجھے جلاتا ہوں۔ دیکھو کہ محمدؐ کیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے سیاہ دل غضب الٰہی سے ڈر۔ املاک نے کہا اے محمدؐ تو ضامن ہو جائے اور شرط کرے اگر وہ وقت پر نہ آئے۔ تو اس کی عوض تجھ کو قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ضامن ہوا شرط کی املاک نے منشیوں کو بلا کر ضمانت نامہ لکھوایا۔ اور آہو کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ پر ایک جماعت کو موکل کیا کہ یہ بھاگ نہ جائیں۔ املاک کا ایک وزیر یہودی تھا۔ دشمن خاندان رسالت کا اس کو بلا کر املاک نے سارا قصہ روبرو اس کے بیان کیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ چار ہزار چار طرف قلعہ کے کھڑے رہیں جس وقت آہو آوے تو اس کو ہلاک کریں تاکہ وعدہ خلافی ظہور میں آوے اور میں محمدؐ کو قتل کروں۔ وزیر نے کہا اے املاک محال ہے آہو دام سے نکلا ہوا پھر عود کرے۔ املاک نے کہا اے وزیر دین محمدؐ برحق ہے اور اس نے معجزات عجوبہ دکھلائے۔ اور ضامن آہو کا ہوا ہے۔ جو وہ ارادہ کرتا ہے اس کا خدا وہی کرتا ہے وزیر سن کر ہنسا اور کہا جب تجھے اس کا یقین ہے تو پھر ان سے مکر و حیلہ کیوں کرتا ہے۔ غرض جس طرح املاک نے کہا وزیر نے وہی کیا لیکن مادہ آہو جب اپنے مکان پر پہنچی تو دور سے دیکھا کہ بھیڑیا اس کے گھر میں سوتا ہے یہ دیکھ کر خون اس کی آنکھوں سے جاری ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ گرگ نے تیرے بچے تو کھائے۔ اب شاید تیرا انتظار کرتا ہے مبادا تجھے بھی کھا جائے۔ اور تیرے عوض محمدؐ قتل ہوں۔ تو اس کے پاس نہ جا اور الٹی پھر چل۔ مگر محبت نے فرزندوں کی جوش کیا اور کہا کہ چونکہ تین روز ہو گئے۔ تو نے کچھ کھایا نہیں آنکھوں کی خطا ہو اس سبب سے خیال میں گرگ آیا ہو۔ اور گرگ نہ ہو چل کر دیکھ تو سہی چنانچہ جب قریب پہنچی تو آواز اس کے پاؤں کی گرگ کے کان میں پہنچی وہ جاگ اٹھا۔ ہرنی خوف کی وجہ سے اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اور قوت آگے جانے کی نہ پائی۔ اور کہا کہ احکم اللہ العلے الکبیر الٰہی تو جانتا ہے میرے حال کو مجھے شر سے گرگ کے بچا تاکہ جلد خدمت میں تیرے پیغمبر کے پہنچوں۔ پس بفرمان الٰہی وہ گرگ گویا ہوا اور کہا کہ اے مادہ آہو۔ میں نے تیرے بچوں کو آزار نہیں پہنچایا اور سلامت رکھا ہے۔ ہرنی نے کہا میں کیوں کر تیری بات کا یقین کروں۔ گرگ یہ سن کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ بحق محمد مصطفٰےؐ آج تو نے اس کو دیکھا ہے اور وہ تیرا ضامن ہوا ہے آگے آ۔ آہو مادہ نے کہا کہ یہ بات تو نہ کہتا مجھے تیری بات کا یقین نہ ہوتا۔ اب جانا میں نے تو سچ کہتا ہے۔ جناب رسالت مآبؐ نے مجھ سے ارشاد کیا تھا۔ تو اپنے فرزندوں کو دیکھنے گئی۔ اور میں جانتی ہوں کہ رسول اللہ کی بات خلاف نہیں ہوتی۔ پس ہرنی آگے گئی۔ اور گرگ مادہ نے عذر خواہی کی اور کہا کہ میرا قصد نہیں خدا تعالیٰ نے مجھے بھی دو فرزند عطا کئے تھے۔ اور وہ دونوں مر گئے ہیں۔ نہایت غمگین ہوئی۔ ناگاہ اس جگہ میرا گذر ہوا تیرے بچوں کو بھوکا اور پریشان دیکھا میں نے دل میں کہا آیا ماں باپ ان کے کیا ہوئے۔ کہیں ان کا نشان تک معلوم نہیں ہوتا پس میں بہت روئی۔ اس لئے کہ کا دنیا نہایت اندوہ الم ہے۔ آہو مادہ اپنے فرزندوں کے داغ کی وجہ سے تیرے بچوں کے کھانے کا ارادہ نہ کیا۔ اس واسطے مارگزیدہ قدر مارگزیدہ کے جانتی ہے پس تیرے بچوں کو چھوڑ کر قصد آگے جانے کا کیا چند قدم آگے گئی تھی۔ تو خیال ہوا تو تو جاتی ہے مبادا کوئی گرگ سیاہ دل ان کو آ کر کھا جائے۔ اس فکر میں تھی ناگاہ ایک سوار پہنچا۔ شوکت و جلالت سے اس کی زمین و آسمان لرزتا تھا۔ مجھ سے کہا کہ اے گرگ مادہ۔ میں ہوں علیؑ۔ تو ان بچوں کی محافظت کر اور دودھ پلا۔ یہ سن کر میں دوڑی اور پیشانی اپنی دلدل کے سموں پر ملی۔ اس نے کہا اے گرگ مادہ ان بچوں کی ماں کو املاک کا فر گرفتار کرے گیا ہے۔ رسول خدا اس کے ضامن ہوں گے۔ اور اس کو رہا کرائیں گے اور وہ ان بچوں کو دودھ پلائے گی۔ جب تک اس کی

ماں نہ آئے۔ تو ان کو دودھ پلا۔ اور ان کی محافظت کر۔ میں نے اطاعت جناب امیرؑ کی کی۔ اے آہو! مجھے قسم ہے جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی میں نے اسوقت تک دس بھیڑیوں کو زخمی کیا ہے اور تیرے بچوں کو ان سے بچایا ہے۔ پس ہرنی اپنے بچوں کے پاس آئی۔ اور ان کو دودھ پلایا۔ بچوں نے پوچھا کہ اے ماں تین روز سے کہاں تھی اگر یہ گرگ مادہ ہماری حفاظت نہ کرتی تو ہمیں بھیڑیے کھا جاتے۔ آہو مادہ نے اپنا سارا قصہ بیان کیا۔ اور کہا کہ املاک مجھے قید کرکے لے گیا تھا۔ اور اس نے مجھے مار ڈالا تھا جناب رسولِ خدا نے مجھے زندہ کیا۔ اور املاک سے جناب رسول اللہ میرے ضامن ہوئے ہیں اگر نماز پیشین تک نہ پہنچوں گی۔ تو میری عوض رسول اللہ کو قتل کریں گے۔ بچوں نے سن کر کہا اے ماں اب دودھ پینا ہم پر حرام ہے جب تک رسول اللہ ضمانت سے باہر آئیں۔ آہو مادہ نے کہا کہ اے گرگ مادہ تو اتنی ہمت کر کہ میں جاکر رسول اللہ پر اپنی جان قربان کروں۔ گرگ مادہ نے کہا کہ میں بھی آرزومند ہوں۔ رسول اللہ کی زیارت کی۔ بچوں نے کہا ہمیں کہاں چھوڑے جاتی ہو ہمیں بھی ساتھ لے جاؤ۔ غرض سب راہی ہوئے۔ اور پہنچے قریب قلعہ عنقا کے۔ فوج نے جو آہو کو آتے دیکھا تو سب نے تیر کمانوں میں جوڑے اور چاہا کہ آہو پر مینہ تیروں کا برسائیں۔ دفعتہً ایک ایسا نعرہ اللہ اکبر کا ان کے کانوں میں پہنچا کہ سب تھرانے لگے اور بے ہوش ہوگئے۔ اور ہاتھوں سے کمانیں چھوٹ پڑیں جب ہوش میں آئے تو دیکھا ایک سوار جانب یثرب سے پیدا ہوا ہے۔ اور آہو کے بچوں نے دوڑ کر سر اپنا پائے دلدل پر ملا۔ انہوں نے دیکھا کہ گرگ آہو اس سوار سے ہمکلام ہیں اور باتیں کر رہے ہیں۔ غرض سوار نے ان کافروں سے کہا۔ اے لعینان گمراہ! تم سب نبوت جناب رسالت مآبؐ کی تصدیق کرو ورنہ تم سب کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ وزیر یہود نے کہا تو کون ہے کہ ہم کو دین محمد کی طرف دلالت کرتا ہے۔ سوار نے کہا کہ میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ ان لعینوں نے جو نام علی کا سنا تو بند بند ان کا کانپنے لگا۔ یہودی نے بانگ لشکر پر ماری کہ اے نامردو۔ آخر ایک شخص سے زیادہ نہیں ہے اس کو گھیر لو اور نہ چھوڑو کہ باہر جاوے۔ پس وہ چار ہزار آدمی دفعتاً جناب امیرؑ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر گرگ مادہ بھی حملہ آور ہوئی۔ اور جس سوار پر حملہ کرتی تھی اس کو گرا دیتی تھی۔ پھر جناب امیر نے بھی اپنی ذوالفقار نیام سے کھینچی۔ اور حملہ ان کافروں پر کیا۔ ایک ساعت میں قریب ذوالفقار نے اکثر ملاعین کو بدر البوار پہنچایا تھا۔ اور وزیر یہودی کو بھی تیغ ابداد سے مثل خیار تر دو ٹکڑے کیا۔ اور باقی لشکر بھاگا۔ جناب امیرؑ نے ان کا تعاقب کیا چار سو کافر اور قتل کئے۔ اور باقی جو بچ رہے وہ بھاگ گئے۔ اور قلعہ میں پہنچے جناب امیرؑ نے آہو اور گرگ سے کہا تم جلد جناب رسولِ خدا کی خدمت میں پہنچو اور آپ بھی پیچھے ان کے قلعہ میں آئے اور گرگ اور آہو مع بچوں اپنے کے مجلس شاہ شمس میں داخل ہوئے۔ اس وقت حال اہل مجلس کا یہ ہوا کہ جس شخص کی نظر رخ انور جناب امیر پر پڑی وہ فوراً جان مالک دوزخ کے سپرد کر دیتا تھا ستر آدمی اور مر گئے شاہ شمس نے کہا کہ کیا چیز واقع ہوئی کہ لوگوں نے مرنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ملازمین املاک کے حاضر ہوئے اور املاک سے سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اب علی محمد کے پاس بیٹھا ہے۔ املاک نے یہ سن کر شاہ شمس سے کہا کہ بازوئے علی سے بازو میرا قوی ہے اور کسی نے تمام ضلع مغرب میں فن کشتی میں میری برابری نہیں کی اچھا ہے کہ میں اس کے ساتھ کشتی کروں اور الیبا پٹخوں زمین پر کہ استخوان اُس کے ریزہ ریزہ ہوجائیں یہ کہکر وہ لعین اٹھا اور آگے جناب امیر کے آیا کہ اے علی محمد یہاں موجود ہے میں چاہتا ہوں تو نے ان بازوئے باریک کے ساتھ کیونکر دروازہ خیبر اکھاڑا جناب امیر نے فرمایا اے املاک تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا میں کشتی لڑنا چاہتا ہوں اگر میں تجھے پچھاڑوں تو خون تیرا مجھ

حلال ہے۔ اور اگر تو مجھے زمین پر گرا دے تو میرا تجھ پر حلال ہے۔ جناب امیر نے قبول کیا اور خدا کو ساتھ عظمت اور بزرگواری کے یاد کر کے قدم مبارک آگے رکھا۔ املاک نے دونوں ہاتھ حضرت کی کمر میں ڈال دیئے اور تین زور ایسے کیے کہ اگر درخت پر کرتا تو وہ بھی زمین سے اکھڑ جاتا۔ مگر اس جناب کو مطلق حرکت نہ ہوئی۔ پھر جناب امیر نے اس سے کہا کہ اے غافل نابکار تو اپنے زور کو آزما چکا اب زور مردوں کا دیکھ۔ املاک نے جو نظر کی تو دیکھا دونوں پاؤں جناب کے بسبب قوت کرنے کے پتھر کے اندر گھس گئے ہیں۔ حیران ہوا کہ علی میں یہ زور کہاں سے آیا۔ اس خیال میں تھا کہ اس جناب نے کمر میں اس کی ہاتھ ڈال کر مثل گیند زمین سے اٹھا لیا اور سر سے بلند کیا۔ شاہ شمس نے یہ حال دیکھ کر کہا یا علی تو ہی ہے ولی خدا اور وصی مصطفےٰ۔ میں دیکھتا ہوں کہ سر کافرون کو تو نے سرنگوں کیا۔ مگر اس سگ نابکار کو جہنم میں پہونچا کہ اس نے ہمیں نہ چھوڑا کہ ہم مسلمان ہوتے۔ یہ سن کر اس جناب نے املاک کو ایسا زمین پر پٹکا کہ استخوان اس کی ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اور جان مالک دوزخ کے سپرد کی۔ پس شاہ شمس مع سب امرا اور ملازمین کے آئے اور کہا کہ اے رسول خدا ہم کو مسلمان کرو۔ آپ نے فرمایا کہ کہو اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ شاہ شمس اور سب ملازمین اس کے اسلام لائے اور کہا کہ ہم سب آپ کے غلام ہیں اور چالیس قلعہ میرے پاس ہیں آپ ان کی سیر کریں۔ پس آپ اور جناب امیر اور شاہ مع امرا قلعہ بہ قلعہ پھرے اور سب کی سیر کی اور بتوں کو توڑا اور شاہ کو شرائع اسلام کی تعلیم کی اور بادشاہی اس پر مقرر رکھی اور آپ متوجہ مدینہ طیبہ کے ہوتے اور ڈھائی کے آٹھویں روز گھر پہونچے اور سارا حال اصحاب سے بیان کیا اور بہت سا مال جو وہاں سے لائے تھے سب اصحاب و مساکین پر تقسیم کیا۔

(۱۵) حضرت علی علیہ السلام اور درخت انار کی سرسبزی

منقول ہے ایک روز امیرالمومنین علی ابن ابی طالب بیٹھے تھے کہ وہاں ایک درخت انار کا تھا جو کہ خشک ہو گیا تھا۔ ایک جماعت آپ کے دوستوں اور دشمنوں کی آئی۔ جناب امیر نے فرمایا آج تمہیں ایک معجزہ دکھاتا ہوں مثل مائدہ حضرت عیسیٰ کے بنی اسرائیل میں ہے۔ سب نے کہا وہ کیا ہے فرمایا اس خشک انار کی طرف نگاہ کرو۔ جب سب نے اس کی طرف دیکھا تو وہ درخت حرکت میں آیا اور سرسبز ہو گیا اور پیدا اور ہوا اور انار پیدا ہو گئے۔ سب آدمی دیکھ کر تعجب میں آئے۔ آپ نے فرمایا اٹھو اور بسم اللہ کہہ کر انار توڑو اور کھاؤ۔ غرض سب اٹھے اور درخت کے پاس آئے اور ہاتھ انار کی طرف بڑھایا۔ پس جو دوست آنجناب کے تھے ان کے ہاتھ آنار آجاتا تھا اور جو دشمن تھے ان کے ہاتھ سے انار اوپر چلا جاتا تھا۔ لوگوں نے جو اس کا باعث پوچھا تو فرمایا اس کا یہ سبب ہے جو دوست ہمارے ہیں ان کے ہاتھوں میں انار آجاتا ہے۔ اور ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں۔ آیا ایہا الناس فردائے قیامت ایسا ہی حال ہوگا۔ دوست ہمارے تختوں پر بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے۔ اور جب کسی میوہ کی طرف رغبت کریں گے تو شاخ اس درخت کی اس کے پاس آجائے گی۔ اور وہ بے زحمت اس کو توڑ کر کھائیں گے اور ہمارے دشمن دوزخ میں سے بہشتیوں کو دیکھیں گے اور ان کا ہاتھ بہشت کی نعمتوں تک نہ پہونچیگا۔ اس وقت وہ اہل بہشت سے کہیں گے کہ ہمیں بھی تھوڑا سا پانی پلا دو۔ اور وہ نعمتیں جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ہمیں بھی دو۔ اہل بہشت کہیں گے نعمتیں بہشت کی خدا نے تم پر حرام کی ہیں۔

(۱۶) جنوں سے جناب امیر کی نبرد آزمائی

کتاب قصص الانبیا میں منقول ہے جناب رسول خدا نبی برحق برائے جہاد تشریف لئے جاتے تھے کہ نزدیک ایک وادی کے فروکش ہوئے۔ ناگاہ جبریل امین جانب رب جلیل نازل ہوئے اور کہا اے حبیب خدا اس صحرا میں ایک طائفہ کفار بنی جان کا تمہارے

ہلاک کرنے کے لئے پنہاں ہوا ہے۔ رسول اللہ نے جناب امیر کو بلایا اور فرمایا۔ کہ اس صحرا میں جاؤ اور دشمنانِ خدا کو جو قوم اجنہ سے ہیں۔ دفع کرو ساتھ اس قوت اور طاقت کے جو تم کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اور ان اسمائے الٰہی کو کہ حق جل وعلےٰ نے تم کو ان کے ساتھ مخصوص کیا ہے، حصن حصین اپنا کرو۔ اور سو آدمی آپ کے ہمراہ کیئے پس جب جناب امیرؑ قریب اس وادی کے پہنچے۔ تو سو آدمیوں کو وہیں چھوڑا اور آپ تنہا کنارے اس وادی کے پہنچے اور معوذتین اور اسمائے الٰہی کو اپنے اوپر پڑھا پھر ان سو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ کہ اب تم بھی میرے ساتھ چلے آؤ۔ جب وہ لوگ آ گئے۔ اور جناب امیر اور ان آدمیوں میں ایک تیر کا فاصلہ تھا۔ تو ایک آندھی اس زور کی چلی کہ قریب تھا کہ وہ لوگ منہ کے بل گر پڑیں۔ اتنے میں جناب امیر نے بصدائے بلند باعلائے صوت کی اور کہا کہ میں ہوں علی ابن طالب وصی رسول خدا اور پسر عم رسول مقبول۔ ناگاہ ایک سیاہ رنگ بدشکل مہیب صورت پیدا ہوا۔ کہ شعلہ ہائے آتش اس کے ہاتھ سے برستے تھے۔ جناب امیر آیات قرآنی پڑھتے ہوئے وادی کے اندر تشریف لے گئے۔ اور چپ و راست ذوالفقار کے وار کرتے تھے پس وہ قوم اجنہ مثل دو دیہاء کے ہو گئی۔ جناب امیر نے تکبیر زبان سے کہی۔ اور اس وادی سے باہر نکل آئے۔ سب اصحاب نے جناب امیرؑ سے پوچھا کہ جناب نے کیا دیکھا۔ واللہ اے امیر المومنین قریب تھا۔ کہ ہم سب خوف و ہیم سے ہلاک ہو جاتے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب وہ قوم مجھ پر ظاہر ہوئی تو میں نے اسمائے الٰہی کو پڑھا۔ وہ سب حقیر اور ضعیف ہو گئے۔ میں نے ان سے مقابلہ کیا۔ بعض کو ان میں سے ہلاک کیا اور بقیہ ان کے مجھ سے پہلے خدمت رسول میں حاضر ہوئے۔ اور ایمان لائے۔ پس جناب امیر المومنین مع اصحاب خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ دیکھ کر خوش ہوئے۔

(۱۷) حضرت علی کی زیر زمین شمشیر زنی

ابو سعید حذری نے روایت کی ہے کہ ایک روز میں ابطح میں رسولِ خدا کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا۔ اور ایک گروہ کثیر بھی اصحاب کا تھا۔ ناگاہ دور سے ایک غبار بلند ہوا۔ اور دم بدم نزدیک ہوتا تھا۔ اور برابر روئے مبارک جناب رسالت مآبؐ کے پہنچ کے ٹھہر گیا۔ اور اس گرد سے ایک آواز آئی السلام علیک یا رسول اللہ رب العالمین۔ آپؐ نے جواب سلام کا دیا۔ اور پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا یا حضرت میری قوم نے مجھ پر ظلم کر رکھا ہے اور میرے اس جنگل کو جس میں میرے مویشی چرتے تھے آب و علف کھاتے تھے مجھ سے چھین لیا ہے اب میں آپ کے پاس فریاد لایا ہوں۔ اور آپ سے مدد چاہتا ہوں۔ کہ آپ کسی ایسے شخص کو میرے ہمراہ کریں کہ وہ درمیان ہمارے اور ان کے انصاف سے حکم کرے۔ اور میں عہد کرتا ہوں اور ضامن دیتا ہوں۔ کہ اس کو صحیح سلامت یہاں پہنچا دوں گا جناب رسول خدا نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اور تیری قوم کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یا حضرت میں عرفطہ بن شمراح جنی ہوں اور میں پیش از بعثت آپ کے آسمان پر جایا کرتا تھا۔ اور وہاں کی باتیں سن کر سب کو خبریں دیا کرتا تھا جب خدا تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ کرکے اپنی مخلوق پر بھیجا۔ تو میں اس حال سے منع کیا گیا۔ اور آپ کی رسالت اور نبوت پر ایمان لایا۔ اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور مسلمان ہوا۔ پس اس سبب سے میری قوم میری دشمن ہو گئی ہے اور بغض و عداوت کرنے لگی ہے۔ چونکہ کثرت ان کی ہے۔ مجھ میں طاقت ان کی مقاومت کی نہیں ہے لہٰذا میں امیدوار ہوں آپ کی شفقت کا کہ آپ رحمتِ عالمیان ہیں جناب رسول مقبول نے فرمایا اے عرفطہ اپنے تئیں اس صورت پر کہ جس پر مخلوق ہوا ہے۔ اسی ہیئت اصلی پر ہمارے سامنے ظاہر ہو۔ اس نے سمعاً و طاعۃً کہہ کر پردہ اپنے منہ سے اٹھا لیا۔ ہم نے دیکھا غبار میں سے ایک شخص پیدا ہوا۔ کہ سر اس کا دراز آنکھیں درمیان پیشانی کے چھوٹی چھوٹی حلقے آنکھوں

کے مثل خرس سارے بدن پر بال، دانت مثل سباع کے دراز۔ غرض جناب رسول خدا نے اس سے عہد لیا۔ کہ جس کو میں تیرے ہمراہ کروں۔ اس کو تو سلامت میرے پاس پہنچا دے۔ بعد اس کے جناب رسول خدا مختلف اصحاب کی طرف مخاطب ہوئے مگر سب نے عذر ہی کیا۔ آپ نے فرمایا کہاں ہے قرۃ العین میرا اور کہاں ہے برطرف کرنے والا غم و ہم کا اور کہاں ہے زوج میری دختر کا اور کہاں ہے پدر میرے فرزندوں کا اور کہاں ہے مروج میرے دین کا۔ اور قاضی میرے دین کا۔ شاہ ولایت امیر عرب نے جواب دیا۔ لبیک لبیک یارسول اللہ میں حضور میں حاضر ہوں۔ جو حکم ہو اس کو بجالاؤں۔ فرمایا یا علی تم باتفاق عرفطہ جاؤ۔ اور خبر لو اس قوم کی اور حکم کرد۔ ان میں اور اس قوم میں بحق جناب امیر نے کہا۔ سمعاً و طاعۃً پس عرفطہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور جناب امیر نے شمشیر حمائل کی۔ اور اس کے ہمراہ ہولیے ابوسعید خدری اور سلمان فارسی بھی آپ کے ہمراہ چلے تاکہ دیکھیں کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ اور کہاں جلتے ہیں۔ پس جب جناب امیر پائین صفا و مروہ پہنچے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ زمین شق ہو گئی اور عرفطہ زمین کے اندر چلا گیا جناب امیر بھی پیچھے پیچھے اس کے سب یاروں کو وداع کر کے زیر زمین تشریف لے گئے۔ اور زمین بدستور مل گئی۔ سب ہمراہی جناب امیر کے حسرت و ندامت کے ساتھ روتے ہوئے پھرے۔ اور فکر میں تھے۔ کہ آیا علی کو کیا پیش آیا ہوگا۔ غرض صبح روز دوم جناب رسالت مآبؐ نے نماز ادا کی۔ اور سب اصحاب گرد آن کے جمع ہوئے۔ اور رسول اللہ کی صحبت سے مستفید ہوئے تا آنکہ وقت ظہر کا آیا آپؐ نے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کی۔ مگر کچھ خبر جناب امیر کی معلوم نہ ہوئی۔ کہ وقت نماز عصر کا پہنچا۔ اور نماز عصر بھی ادا کی اور کچھ حال جناب امیر کا نہ واضح ہوا۔ محبان علی کو اب نہایت فکر حزن و ملال عارض ہوا۔ کچھ منافقین اور دشمن جناب امیر کے خوش تھے۔ اور آپس میں کہتے تھے۔ کہ جنوں نے خوب حیلہ کیا اور علی کو اس بہانہ سے ہلاک کرنے کے واسطے لے گئے۔ اور ہم کو فخر کرتے محمد سے کہ ہم پر علی کے ساتھ افتخار کرتے تھے۔ رہائی دی۔ یہ آپس میں گفت و شنید کرتے تھے۔ کہ جناب رسول خدا صفا میں تشریف لائے۔ اور ذکر جناب امیر کا کرتے تھے۔ آفتاب قریب غروب ہونے کے پہنچا۔ کہ یک بار زمین اس جگہ سے شگافتہ ہوئی اور عرفطہ آگے اور جناب امیر اس کے پیچھے ہاتھ میں ذوالفقار خون چکاں لیے ہوئے ظاہر ہوئے۔ پس جناب امیر کو دیکھ کر سب دوستوں نے تکبیر کہی اور جناب رسول خدا نے دوڑ کر گلے سے لگا لیا۔ اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا اے علی اس قدر دیر تم کو کیوں ہوئی۔ عرض کی یا حضرت جب میں قوم عرفطہ پر داخل ہوا۔ تو تین چیزوں میں سے ایک چیز کی طرف ان کو دعوت دی۔ انہوں نے تینوں چیزوں میں سے ایک چیز کو بھی قبول نہ کیا۔ اول میں نے ان سے کہا کہ تم اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ کہو انہوں نے انکار کیا۔ دوبارہ میں نے کہا کہ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ دینا اختیار کرو۔ انہوں نے اس سے بھی انکار کیا۔ تیسری دفعہ میں نے کہا کہ تم عرفطہ سے صلح کر لو۔ اس طرح ایک روز چراگاہ تمہارے پاس رہے اور ایک روز عرفطہ کے پاس رہے۔ انہوں نے اس کو بھی نہ مانا تب میں نے تلوار کھینچی اور اکثر اجنہ کو ان میں سے قتل کیا۔ اور باقیوں نے فریاد الامان الامان کی بلند کی۔ میں نے کہا امان تمہاری اسلام لانے میں ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کیا۔ میں نے ان کو امان دی۔ اور ان میں اور عرفطہ میں مصالحت کرا دی پس اب تک اس مشغلہ میں مشغول تھا۔ اس میں عرفطہ جناب رسول خدا کے پاس آیا۔ اور عرض کی اے رسول خدا حق سبحانہ تعالیٰ تم کو ساتھ خیر و خوبی کے جزا دے۔ اس قدر آپ نے میری یاری اور مددگاری کی۔ کہ زبان اس کے وصف سے قاصر ہے۔ اگر آپ اور علی ہمارے ساتھ لطف نہ کرتے۔ تو اسلام ہم میں سے اٹھ جاتا۔

(۱۸) حضرت علی کی کرامت اور سام بن نوح کی زمین سے برآمدگی

مروی ہے کہ ایک جماعت اہل یمن سے جناب رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کی کہ حضرت ہم اولاد میں فلاں بادشاہ کے ہیں۔ اور وہ بادشاہ اولاد نوح نبی اللہ سے تھا۔ اور اس کی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ ہر پیغمبر کے لیے معجزہ ہے۔ اور پیغمبر کے لیے وصی ہے کہ اس کا جانشین ہوتا ہے۔ پس آپ کا وصی کون ہے۔ رسول اللہ نے اشارہ طرف جناب امیر کے کیا اور کہا کہ میرا وصی اور جانشین یہ ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں صفت اور علامت اور شکل و شمائل حضرت سام کی اور نشان انکی قبر کا اسی شہر میں لکھا ہے۔ تم اس کو ہمیں دکھلا دو پس ان کی قبر اگر ہم کو دکھلا دو گے۔ اور اس سے ہمیں ملا دو گے۔ تو ہم تم پر ایمان لائیں گے۔ جناب رسول خدا نے جناب امیر سے اشارہ کیا کہ تم اس جماعت کے ساتھ مسجد میں جاؤ۔ اور پیش محراب دو رکعت نماز بجا لاؤ۔ بعد اس کے زمین پر ایک لات مارو۔ تاکہ مطلب اس جماعت کا حاصل ہو۔ پس جناب امیر معہ اس جماعت کے مسجد میں تشریف لائے۔ اور دو رکعت نماز ادا کی اور لب مبارک کو جنبش دے کر زمین پر ماری۔ کہ زمین شق ہوگئی۔ اور ایک تابوت نکلا۔ اور جناب امیر پر سلام کر کے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ و سید المرسلین وانک یا علی وصی خاتم النبیین انا سام بن نوح۔ پس اس جناب نے صحیفہ اپنا کھولا۔ اور شکل و شمائل ان کی کتاب میں لکھی ہوئی تھی ملی۔ اس کو مطابق پایا۔ ان سب نے سام سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی سورہ تمام صحیفہ نوح سے پڑھو۔ سام نے ایک سورہ اس کا پڑھا۔ پھر جناب امیر پر سلام کر کے تابوت میں جا لیٹے۔ اور وہ تابوت زمین میں چلا گیا۔ اور زمین مل گئی۔ پس اس جماعت نے کہا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام اور ایمان خدا اور رسولؐ پر لائے۔

(۱۹) حضرت علی کی محبت میں ایک دختر نیک اختر کی دست بریدگی اور اس کا نعم البدل

منقول ہے کہ شہر موصل میں زمانہ خلافت بنی عباس میں ایک مرد بخیل تھا کہ بخل میں شہرہ آفاق اور صفت میں بے مثل و بے مانند۔ مروانی دشمن اہل بیت تھا۔ مگر دختر اس کی زوجہ کی اولاد شیعیان علی ابن ابی طالب سے تھی۔ یعنی ربیعہ اس بخیل کی جو زوجہ کے ہمراہ آئی تھی۔ اس مرد بخیل نے اس لڑکی کے واسطے دو قرص نان مقرر کر رکھے تھے۔ اتفاقاً اس سال غلہ کی گرانی تھی۔ کہ دو قرص بھی قیمتی ہوتے تھے۔ ایک روز ایک فقیر کہ محب اہل بیت سے تھا۔ اس بخیل مروانی کے دروازہ پر آیا۔ اور آواز دی کہ آیا اس گھر میں کوئی ایسا ہے کہ بدوستی محمدؐ و علی مرتضیٰ روٹی دے کہ تین روز سے میرے اطفال صغیر نے کچھ نہیں کھایا ہے اس دختر نیک اختر نے جو نام اہل بیت کا سنا۔ تو کہا کہ ہزار جان میری فدائے اہل بیت رسولؐ ہو۔ وہ دونوں قرص نان معمولی اپنے اس فقیر کو دے دیئے۔ وہ درویش دراز ریش قرص نان لے کر روانہ ہوا۔ جب ایک ساعت گزری تو اس دختر نیک اختر کو بھوک لگی اور بخیل کے حصہ کی روٹیوں میں سے ایک روٹی نکال کر کھا رہی تھی اور آدھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ کہ وہ بخیل مروانی گھر میں آ گیا۔ اور اپنے حصہ کی روٹی اس کے ہاتھ میں پہچان کر کہنے لگا۔ کہ تو نے اپنی روٹیاں کیا کیں۔ کہ جو میری روٹی لی ہے اس نے کہا کہ پدر اس وقت ایک فقیر آیا تھا۔ اور وہ کہتا تھا کہ تین روز سے میرے اطفال نے کچھ نہیں کھایا۔ کوئی بدوستی محمدؐ و علیؑ و اہلبیت مجھے کچھ دے۔ میں نے

وہ دونوں روٹیاں اس محتاج کو دے دیں۔ اس ملعون نے کہا کہ تو ابوترابی ہے یعنی تمہیں جانتا تھا کہ تو دوست ہے علی اور اولاد نبی کی۔ دختر نے کہا سو جان میری فدائے نام علی اور آل نبی۔ اس لعین نے پوچھا تو نے کس ہاتھ سے اس کو روٹیاں دی ہیں۔ اس نے کہا کہ سیدھے ہاتھ سے۔ اس لعین نے کہا کہ اگر دوستی ہیں تو ابوتراب کی راسخ ہے۔ تو ہاتھ اپنا دے کہ میں اس کو کاٹ ڈالوں۔ اس دختر نیک اختر نے کہا کہ ہاتھ کیا چیز ہے جان میری حاضر ہے۔ نام علی اور اولاد علی پر۔ مگر اے پدر تو مجھے ناقص اور محتاج خلق نہ کر۔ ہر چند اس دختر نے تضرع و زاری کی۔ مگر اس سیاہ دل نے نہ مانا۔ اس دختر سعادت مند نے روئے نیاز خاک پر رکھا اور کہا اے خداوند کریم تجھ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے تو آگاہ ہے سب ظاہر اور باطن اور مخفی اور آشکارا سے۔ اور دیکھتا ہے کہ اس لعین نے کس چیز کا ارادہ کیا ہے تو داد میری اس سنگ دل سے لے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ دراز کر دیا۔ اس لعین نے اس کا ہاتھ پہنچے سے اس کے جدا کر دیا۔ اور گھر سے نکال دیا۔ اور کہا کہ میں نے اب تک ابوترابی کی نگہداری کی۔ اور کھلانے کو دیا۔ اب خدا مجھ پر رحم نہ کرے۔ کہ آئندہ رافضیہ بوترابیہ پر رحم کروں اور روٹی دوں۔ پس وہ دختر اس لعین کے گھر سے باہر نکلی اور صحرا کو روانہ ہوئی۔ اور نیچے ایک درخت کے پہنچی۔ اس قدر خون اس کے ہاتھ سے بہا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اور اس درخت کے نیچے لیٹ گئی۔ اتفاقاً شہر موصل میں ایک بادشاہ تھا۔ عاقل عادل اور شیعہ علی اور محب خاندان پیغمبر و اہلبیت۔ اس روز برسم شکار شہر سے باہر نکلا۔ اور ایک آہو نظر آیا۔ اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ آہو نظر سے غائب ہو گیا اور بادشاہ آبادی سے دور چلا گیا۔ لشکر بھی اس تک نہ پہنچا وہ درخت اس کو نظر آیا۔ اس کی طرف گھوڑا دوڑایا جب اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک نور اس درخت کے تخت سے ہوا پر بلند ہے۔ تعجب ہوا اور جلد اس کے نیچے آیا۔ اور دیکھا کہ ہزارہا جانور پرند اس درخت پر بیٹھے ہیں۔ اور صدہا سباع اور وحشی گرد اس کے جمع ہیں اور سب نالہ و فغاں کر رہے ہیں۔ اور ایک لڑکی کمال حسینہ کہ نور جس کے چہرے کا خورشید پر طعنہ زن تھا دست بریدہ بہزار خواری و زاری اس درخت کے نیچے پڑی ہے جو ہیں نظر بادشاہ کی اس کے جمال بے مثال پر پڑی۔ آنکھوں نے اس کے لمحہ نور رخ سے اس کے خیرگی قبول کی گھوڑے سے نیچے اترا اور سر سے اپنی دستار اتار کر اور اس کو پھاڑ کر اس کے زخم کو محکم باندھا۔ خون اس کا بند ہو گیا۔ بعد ایک ساعت کے وہ دختر ہوش میں آئی۔ اور آنکھیں کھولیں۔ ایک جوان کو بازینت تمام بالیں پر بیٹھے دیکھا سر اٹھا کر سلام کیا۔ بادشاہ نے اس کو ہوشیار دیکھ کر پوچھا۔ اس دختر نے سب حال اپنا بیان کیا۔ بادشاہ بھی چونکہ محب اہل بیت تھا اس دختر کو بھی عاشق جناب امیر کا پایا تو محبت اس کی بادشاہ کے دل میں زیادہ ہوئی اور کہا کہ روئے زمین پر میرا ایک بیٹا ہے اس دختر کا عقد اس سے کروں گا۔ یہ کہ اس نے اس کو اپنی پشت پر سوار کیا۔ اور روانہ ہوا۔ چند قدم آگے گیا ہو گا۔ کہ سپاہ اور خدام اور حشم بادشاہ کی آن پہنچی بادشاہ نے اس دختر اور پدر کی بے رحمی کا حال سپاہ سے بیان کیا۔ پھر عماری منگوا کر اس دختر کو اس میں بیٹھا کر حرم سرا میں لا داخل ہوا اور جراحوں کاملوں کو بلوا کر اس کے علاج کیواسطے حکم دیا۔ چند روز میں زخم اس کا اچھا ہو گیا بادشاہ نے اپنے وزراء سے تاکید کی کہ اس ملعون کو جلد ڈھونڈ کر لا دینا اس سے قصاص لیا جائے وزراء نے اس دختر سے اس کے نام و نشان پوچھ کر اس کے محلہ اور کوچہ کا پتہ دریافت کر کے اسے ڈھونڈنے کو آدمی بھیجے غرض آدمی ان کو ڈھونڈ کر لائے بادشاہ نے اس لعین سے کہا کہ میں نے باغ میں ایک کنواں کھد دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس قدر رافضیوں زندوں کو اس میں ڈالوں کہ وہ ان سے پٹ جائے میں نے سنا ہے کہ تیری بی بی کی بیٹی رافضیہ

ہے اس کو لا تاکہ اس کو کنویں میں ڈالوں۔ اس نے کہا کہ وہ گھر میں نہیں ہے بادشاہ نے کہا یا تو اس کو لا یا ایک ہزار دینار بعنوان
مصادرہ داخل کر۔ اس ملعون نے جو سنا تو کہا اے بادشاہ میں سچ کہتا ہوں۔ اس دختر نے مجھ سے کچھ بے ادبی کی تھی۔ میں نے اس
کا ہاتھ کاٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ یقین ہے کہ درندوں نے اس کو پکڑ کر چیر پھاڑ کر کھا لیا ہوگا۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم کیا کہ اس دختر
کو حاضر کرو۔ جب وہ حاضر ہوئی تو بادشاہ نے اس ملعون سے کہا کہ یہی وہ تیری زوجہ کی بیٹی ہے۔ وہ دیکھ کر متحیر ہوا اور کہا کہ ہاں
یہی ہے غرض جب بادشاہ کو سبب اس دختر کا اور ظلم کرنا اس ملعون کا ثابت ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس لعین کو سنگسار کرو غرض وہ
دختر محل میں بادشاہ کے رہتی تھی۔ شاہزادے نے جو اس کے حسن و جمال کی تعریف سنی۔ تو لوگوں سے کہا کہ اس کو مجھے دکھلا دو۔
غرض جب اس کو دکھلایا۔ تو وہ دیکھ کر اس کا عاشق ہو گیا۔ لوگوں نے اس حال کو بادشاہ سے عرض کیا۔ بادشاہ نے سن کر شہزادے
سے کہا کہ اے پسر ایک دختر پس پردہ عصمت رکھتا ہوں۔ کہ اس کا عقد تجھ سے کروں۔ تیری اس میں کیا مرضی ہے۔ شہزادہ یہ سن
کر دل میں بکمال خوش ہوا۔ اور ظاہراً کہا آپ کو اختیار ہے میں تابع فرمان ہوں۔ پس بادشاہ نے تیاری شادی کی کی اور اسباب دعوت
کا درست کیا۔ اور عقد اس کا شہزادے سے باندھا۔ اور اس کو شہزادے کے سپرد کیا لیکن شہزادہ اس کے کٹے ہوئے ہاتھ سے واقف
نہ تھا بادشاہ نے بھی از راہ احتیاط شہزادے سے اس حال کو بیان نہ کیا تھا۔ مبادا ان کی طبیعت دختر کی طرف سے نفرت کرے۔ لیکن
اس شب کو پس پردہ کھڑا رہا۔ بایں خیال کہ اگر شہزادہ اس کے حال پر مطلع ہو۔ اور ہاتھ کٹا ہوا دیکھ کر اس سے دل میں نفرت کرے
اور خاطر کو تکدر حاصل ہو۔ تو اس کو منع کروں۔ اور سمجھا دوں۔ شہزادے نے جو اس کے حسن و جمال بے مثال کو دیکھا۔ اور اس کی صورت
پر نظر پڑی تو از خود رفتہ ہو گیا۔ اور بے اختیار تخت سے اتر پڑا اور اپنے پاس اس دختر کو بٹھایا اور پیار کی باتیں کرنے لگا۔ اتفاقاً شہزادہ
کو پیاس لگی اور وہ دختر آئی اور بائیں ہاتھ سے پیالہ پانی کا رکھ کر لائی شہزادے نے دیکھ کر کہا میرے باپ نے بی بی تو دی مگر ایسی دی کہ
دست راست اور دست چپ میں فرق نہیں کرتی یہ کلمہ سن کر دختر کو کمال رنج ہوا اشک خون دیدہ شرم آگین سے رخساروں پر جاری
کئے شہزادے نے جو اس کو روتے دیکھا تو اس کہنے پر بہت منفعل ہوا تخت پر جا کر لیٹ رہا آنکھیں بند کر لیں گویا کہ سو گیا دختر نے جب دیکھا کہ شہزادہ
سو گیا اٹھ کر وضو کو تازہ کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے سر سجدہ میں رکھا اور کہا کہ اے بادشاہ کارساز بندہ نواز تو خوب آگاہ ہے حال سے اس ضعیفہ
عاجزہ کے ہاتھ اتنا دوستی اور محبت میں تیرے دوستوں اور خاص بندوں کے کٹوایا ہے یا جان میری قبض کر یا میری مراد کو پہنچ اغثنی یا غیاث
المستغیثین یہ کہہ کر بہت روئی کہ بیہوش ہو گئی اس بیہوشی میں خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت نیچے اترا اس کے پاس آن کر رکھا گیا اس دختر نے
دیکھا کہ اس میں پانچ شخص ہیں ایک بی بی اور چار مرد اور نور آپ کے چہرے ہائے مقدس سے ایسا طمع ہے کہ سارا گھر مثل روز روشن پر نور ہو گیا ہے
وہ سب تخت سے اترے اور اس کے پاس آئے اور اس کو گلے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ اے دختر تو غم نہ کھا کہ اب زمانہ تیرے
رنج و الم کا تمام ہوا میں ہوں فاطمہ زہرا اور یہ جو تخت پر بیٹھے ہیں۔ پدر بزرگوار میرے محمد مصطفےٰ ہیں اور دوسرے شہسوار میدان لافتیٰ شوہر میرے
علی مرتضےٰ ہیں اور وہ دونوں فرزند میرے حسن حسین ہیں پھر جناب معصومہ نے حضرت امیر سے ارشاد کیا کہ اے حلال مشکلات اس دختر نے تمہاری
محبت میں ہاتھ کٹوایا ہے۔ دعا کرو کہ تمہاری دعا کی برکت سے ہاتھ اس کا صحیح و سالم ہو جائے اور وہ شہزادہ کے روبرو شرمندہ نہ ہو جناب
امیر المومنین نے ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور اس عورت کا پنجہ مع بازو ہوا میں سے لا کر اس کی جگہ پر کہ جہاں سے کٹ گیا تھا لگا دیا۔ اور سورہ فاتحہ
پڑھی اور اس پر دم کیا بفرمان حق جل و علا معجزہ حضرت شاہ ولایت پناہ ہاتھ اس دختر کا درست ہو گیا من بعد جناب معصومہ نے

پیشانی کو اس کی بوسہ دے کر تخت پر سب بیٹھ گئے اور وہ تخت آسمان کی طرف روانہ ہوا بادشاہ جو دروازہ پر گھر کے کھڑا تھا۔ جب ایک مدت گذری کچھ آواز نہ آئی تو آہستہ دروازہ کو کھول کر اندر آیا اور دیکھا شہزادہ تخت پر سوتا ہے۔ اور وہ دختر سجادہ پر مستغرق عبادت الٰہی ہے۔ اور سجدہ میں پڑی ہے اور دونوں ہاتھ اس کے درست ہیں۔ اور نیند آگئی ہے۔ بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا اور دیر تک اندیشہ و خیال میں اس امر کے کھڑا دیکھا کیا کہ ناگاہ بادشاہ کو چھینک آئی۔ اس لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں ہاتھ اپنے درست دیکھے۔ خوش ہو کر دوبارہ سجدہ میں گئی۔ اور خدا کا شکر بجا لائی۔ جب سجدہ سے سر اٹھایا تو بادشاہ کو قریب کھڑے پایا تعظیم بجالائی۔ بادشاہ نے ہاتھ درست ہونے کا حال پوچھا۔ دختر نے تمام واقعہ اور خواب بیان کیا شہزادہ بھی بیدار ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر محبت دوچند ہو گئی۔ تخت سے نیچے آ کر دختر سے عذر و معذرت کی بادشاہ نے بھی بیٹے سے نصیحت اور دختر کی سفارش کی دونو کو مہربان پا کر خوش ہوا۔ اور ان کے حق میں دعا کر کے چلا گیا۔

(۲۰) حضرت علی کی برکت اور ایک فقیر کی مالداری

سلمان فارسی سے منقول ہے۔ ایک روز ایک درویش محتاج مدینہ میں آیا۔ اور خدمت جناب امیر المومنین میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے گوہر کان جود و سخا اے حل المشکلات غربا و فقرا میں ان دنوں نہایت محتاج و پریشان ہوں۔ اے مولا دس آدمی میرے اہل و عیال سے ہیں۔ اور مجھے ان کے کھانے کو کچھ میسر نہیں آتا۔ اور پہلے اس سے میں زراعت کرتا تھا۔ اس میں اس قدر پیدا ہو جاتا تھا کہ مجھے مع اہل و عیال کافی ہو جاتا تھا۔ اب سات برس سے ایسی برکت زراعت سے جاتی رہی ہے اس میں اس قدر پیدا نہیں ہوتا۔ کہ ہمیں کافی ہو۔ اس سبب سے جو کچھ اسباب رکھتا تھا۔ وہ سب صرف ہو گیا۔ اب ہل وگاؤ وغیرہ کچھ باقی نہیں ہے جس سے زراعت کروں میں نہیں جانتا کہ میرا حال کیوں تباہ ہے۔ اور کیا عمل زشت مجھ سے سرزد ہوا کہ جس کے سبب حضرت رزاق العباد نے رزق مجھ پر تنگ کر دیا ہے اور میری راحت کو سختی کے ساتھ بدل دیا ہے۔ اس واسطے میں حضور میں حاضر ہوا ہوں۔ کہ میرے عیال کے حق میں التجا کریں کہ مشقت اور خواری دور ہو۔ آپ نے فرمایا۔ جا اور ایک ورق کاغذ میرے پاس لا میں تیرے واسطے لکھ دوں۔ کہ جو ضرر تجھے سات برس میں پہنچا ہے وہ سب بحکم خدا تجھے حاصل ہو جائے گا۔ غرض وہ شخص ورق کاغذ کا لایا۔ آپ نے سات ٹکڑے اس ورق کے کئے اور ایک ایک پارچہ پر ایک ایک اسم خدا کا لکھا اور اس کو دیا اور فرمایا۔ کہ اس کو اپنے کھیت میں لے جا اور سات جگہ اس زراعت میں اس کاغذ کے ٹکڑوں کو دفن کر دے۔ اور چالیس روز صبر کر اور پھر جا کر دیکھ کیا چیز پیدا ہوتی ہے پھر مجھے آن کر اس کی خبر دینا۔ اس شخص نے آپ کے فرمانے پر عمل کیا۔ اور بعد چالیس روز کے جو وہاں گیا۔ تو دیکھا کہ کدو اس میں برابر مشک کے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ ہیں۔ وہ شخص یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ اور جناب امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ یا حضرت میں نے گیہوں بوئی تھی۔ کدو پیدا ہوئے ہیں ان کدوؤں کو لے کر کیا کروں۔ یہ امر تو میرے واسطے ایسا ہوا ہے کہ کسی کے واسطے ایسا نہ ہوا ہو گا آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور پوچھا کہ اے درویش کس قدر کدو پیدا ہوئے ہیں۔ عرض کی کہ لاکھ سے زیادہ ہیں۔ فرمایا خوش ہو اور یہ مثل بڑے مشکے کے ہوں گے چالیس روز اور صبر کر پھر جا کر ان کو چن لینا۔ اور قدرت کا تماشہ اور مشاہدہ کرنا۔ اس فقیر نے حسب الحکم اور صبر کیا۔ اور پھر جا کر ان میں سے ایک کدو کو توڑا۔ تو اس میں گندم بھری ہوئی تھی۔ وہ فقیر خوش ہو گیا اور پھر سب کدوؤں کو توڑا اس قدر گندم ان میں سے نکلی۔ کہ کئی انبار

ان سے جمع ہو گئے اور برکت سے جناب امیرؑ کی مالدار ہو گیا ہو

(۲۱) عہد موسوی کا ایک وصیت نامہ

منقول ہے کہ بیچ زمانہ حضرت موسیٰ پیغمبر ایک مرد تھا کمال زاہد و عابد متقی اور پرہیزگار صاحب علم و ورع اور مخصوصان حضرت موسیٰ سے ہمیشہ وصف اور ثنا و منقبت جناب پیغمبر آخر الزماں کی ثنا کرتا تھا اور پیوستہ دعا کرتا تھا اور وہ مرد زاہد اپنی اوقات عزیز کو زیادہ تر عبادات اور مجاہدات میں صرف کرنے لگا۔ اور ریاضت اور عبادت پہلے سے بھی زیادہ بجالانے لگا اور صحرا بصحرا اور جہاں جاتا وہاں عبادت خدا تعالےٰ کرتا مدینہ اور مصر کے درمیان ایک صحرا تھا اس وادی کو مدائن کہتے تھے اس واسطے کہ سب شہر حکمائے مدینہ کے اس جگہ جا کر چرا کرتے تھے اور وہ صحرا مدینہ کے قریب تھا مگر صحرا میں نہ پانی تھا اور نہ درخت تھا اس مرد زاہد کو وہ دشت نہایت پسند آیا اس جگہ عبادت خدا میں مشغول ہوا اور ایک عبادت خانہ اس صحرا میں بنوا کر رہنا شروع کر دیا لیکن کبھی کبھی مدینہ منورہ میں بھی آن کر اور اس کو دیکھ کر پھر اپنے عبادت خانہ میں چلا جاتا تھا۔ بعد چند روز کے اس صحرا میں ایک مکان بنوایا۔ اور کنواں بھی کھدوایا۔ قدرت خدا سے اس میں پانی بہت شیریں خوشگوار نکلا پس ہموارہ توریت کی تلاوت و توجہات کیا کرتا تھا۔ اور مدح اور صفت اور ثنا میں جناب محمد مصطفےٰ کی رطب اللسان اور تر زبان رہتا تھا اور حب و محبت جناب امیرؑ میں کہ توریت میں نام جناب امیرؑ کا ایلیا ہے معروف رہتا تھا اور اوصاف اور محامد آپ کی بھی بیان کیا کرتا تھا اور علم نجوم و ہیئت وغیرہ میں اپنا نظر نہیں رکھتا تھا۔ گاہے گاہے۔ اصطرلاب میں بھی نظر کر کے عجیب و غریب حکم پیدا کرتا تھا۔ اور یہ برکت اس عابد و زاہد کی اس موضع میں ایک چشمہ پانی کا بھی پیدا ہوا۔ روز بروز اس زہد کی سعی سے پانی میں زیادتی ہونے لگی تھی۔ اور اس میں وہ زراعت کرنے لگا اور مکانات بھی بنوائے۔ اور باغات بھی لگوائے۔ اور بہت سے عابدوں اور زاہدوں اطراف و اکناف قبائل اور عشائر ان کو جگہ دی اور انہوں نے بھی مکانات بنوائے اور باغات لگوائے چند سال میں آٹھ قریہ وہاں معمور اور آباد ہو گئے۔ اور ہر طرف سے آدمی آ کر جمع ہوئے۔ اور ہر روز آبادی زیادہ ہوتی گئی اور زاہد کے بھی فرزند زادے بہت سے پیدا ہو گئے پس جبکہ عمر اس زاہد کی تمامی کو پہنچی اور قریب المرگ ہوا تو اس نے ایک صندوقچہ فولاد کا بنوایا اور ایک لوح طلائی اور اپنے ہاتھ سے اس پر وصیت نامہ لکھ کر اس کو صندوق میں رکھ دیا۔ اور ایک قفل بے کلید اس میں لگا دیا۔ اور اپنے فرزندوں کو وصیت کی کہ بعد میرے ایک ہزار پانچ سو برس بعد ایک پیغمبر مبعوث ہوں گے۔ نام ان کا محمدؐ ہوگا اور ان کا وصی اور خلیفہ ابن عم اس کا ہوگا۔ نام اس کا علی ہوگا۔ اور وہ جناب رسول اللہ کا داماد ہوگا۔ توریت میں اس کو ایلیا کہتے ہیں۔ اور شجاعت اور زور بازو میں کوئی اس کی مثال نہ ہوگا اور نہ کوئی قیامت تک ہوگا۔ بعد اس پیغمبر خدا کے پھر کوئی اور پیغمبر پیدا نہ ہوگا۔ مثل علی کے کوئی صاحب ولایت نہ ہوگا مگر اس ہی کی اولاد سے جب وہ پیغمبر مبعوث ہوگا تو ایک شخص ہماری قوم میں سے اس پر اسلام لائے گا۔ اور ان کو اپنے گھر میں مہمان کرے گا۔ اور وہ جناب اس انگشتری کو کنوئیں سے نکال لے گا۔ بے اس کے کہ کنوئیں میں اترے پھر اس صندوقچہ کو تم سے کھولے گا۔ پس جب تم اس معجزے کو اس پیغمبر کے وصی سے دیکھو گے تو تم سب اس پر ایمان لانا اور اگر خلاف اس امر کے کرو گے تو عاصی اور مردود ہو گے۔ ان اپنے قریوں کو جو تم نے اپنے تصرف میں رکھے اس کے سپرد کر دینا۔ میں نے ان کو اس جناب پر فدا کیا یہ کہہ کر اس نے انتقال کیا۔ جب ایک ہزار برس گزرے۔ حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ اس جناب میں وہ صفات جن کو ان کے دادا نے بتائی تھیں نہ پایا۔ تو جانا کہ یہ وہ پیغمبر نہیں ہیں۔ جن کی خبر ہمارے دادا نے دی ہے۔ اس کا

منتظر رہنا چاہیے۔ پھر منتظر جناب محمد مصطفےٰ کے ہوئے۔ ساڑھے پانسو برس اور گذرے۔ اور وہ جناب پیدا ہوئے اور پیدا ہونے کی خبر تمام عالم منتشر ہو گئی۔ اور شور و غل آپ کے معجزات کا بلند ہوا۔ اور سب اموات نے آپ کے قوت پکڑی۔ اور بحکم خدا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تو ایک روز وہ جناب مع اپنے اصحاب کے گھر میں سردار زہاد و عباد کے تشریف رکھتے تھے۔ اور یہ ایک قوم تھی۔ کہ مدینہ میں رہتی تھی۔ اور اعیان شہر مدینہ میں سے تھے۔ اس مہتر زاہد کا ایک بیٹا تھا۔ نہایت زیرک اور عقلمند اس کی نظر جمال باکمال جناب پر پڑی۔ ایک شخص سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہستی ہیں۔ اس نے کہا یہ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ اس لڑکے نے جو نام نامی آپ کا سنا۔ تو ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گیا۔ پس اس حال سے رسول خدا کو خبر دی۔ رسول اللہ یہ سن کر بالیں پر تشریف لائے ایک جوان کو دیکھا۔ نور ایمان کا اس کے چہرہ سے نمایاں ہے۔ جناب رسول خدا نے سر اس کا اپنی گود میں رکھا۔ اس قوم نے جو حسن خلق آپ کا دیکھا۔ بصد دل و جان محب اس جناب کے ہوئے اور زاری کناں اس جوان کے سر پر آن کر جمع ہو گئے جب تک وہ ہوش میں نہ آیا۔ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ سر اس کا آپ کی گود میں ہے۔ بے ساختہ زبان سے نکلا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ و اشہد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ۔ پس وہ لڑکا بدوں دیکھے معجزہ کے ایمان لایا مگر ماں باپ نے اس جوان سے کچھ نہ کہا پھر وہ لڑکا اٹھا اور جناب رسول خدا کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور جناب امیر کے بھی ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ اور سب اصحاب رسول خدا سے مصافحہ کیا پھر گھر میں جا کر ہر چند ماں باپ کو نصیحت کی اور سمجھایا۔ مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ غرض ہر روز وہ اسلام کی دعوت دیتا رہا۔ اور وہ قبول نہ کرتے تھے۔ وہ لڑکا ہر روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا ایک روز اس نے عرض کی یا رسول اللہ ماں باپ میرے ایمان نہیں لاتے۔ آپ دعا فرمائیں کہ وہ اسلام کو قبول کریں آپ نے فرمایا کہ تو ان کو میرے پاس لے آتا کہ میں ان کو ہدایت کروں۔ اس نے عرض کی وہ سب آپ کے دشمن ہیں آپ کے پاس نہ آئیں گے۔ اگر آپ زحمت دیں تو میں مہمانی کے بہانہ سے آپ کو گھر لے جاؤں۔ جب آپ وہاں قدم رنجہ فرمائیں گے تو یقین ہے آپ کے قدموں کی برکت سے وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ جوان گھر میں آیا۔ اور بندوبست مہمانی کا کیا جب بتقریب مہمانی جوان کے گھر تشریف لائے۔ اس جوان نے دیکھا۔ ماں باپ نے گھر نہیں رکھا تو باغ میں آپ کو لایا باغ میں ایک چبوترہ تھا۔ اس پر آپ کو بٹھایا ناگاہ انگشتری دست مبارک سے آپ کے نکل کر چاہ میں جا پڑی۔ یہ دیکھ کر سب متحیر ہوئے اقوام زاہد زرفام کو نصیحت اپنے دادا کی یاد آئی۔ لیکن منتظر تھے۔ کہ حکم وصیت کا کیا ہوتا ہے جناب رسول مقبول نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا اے علی انگوٹھی کو تم چاہ میں سے نکالو کہ حل المشکلات سوائے تمہارے اور دوسرا کوئی نہیں ہے پس جناب امیر چاہ پر تشریف لائے اور کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک سورہ فاتحہ کو تلاوت کیا اس وقت چاہ میں سے پانی نے جوش مار کر کنارے پر آ گیا۔ اور سب نے دیکھا کہ انگوٹھی پانی پر تیر رہی ہے۔ جناب امیر نے ہاتھ بڑھا کر اس انگوٹھی کو پانی پر سے اٹھا لیا اور اس کو بوسہ دے کر رسول خدا کے ہاتھ میں دیدیا قوم زاہد زرفام نے جو یہ معجزہ دیکھا تو وصیت ان کو دادا کی یاد آئی مگر منتظر رہے کہ آپ صندوقچہ کو بھی طلب کریں اس خیال میں تھے کہ حضرت علی نے قوم زاہد زرفام کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ امانت جو تمہارے دادا نے ہمارے واسطے سپرد کی ہے اور تم کو وصیت کی ہے وہ ہمیں لا دو انہوں نے پوچھا وہ امانت کیا چیز ہے اور اس کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا صندوقچہ ہے یہ سن کر سب ایمان لائے اور وہ صندوقچہ لا کر آپ کو دیا اور ہاتھوں کو بوسہ دیا صندوقچہ جناب امیر نے جناب رسول خدا

کو دیا وہ جناب اس کا تماشہ فرماتے رہے اور دیکھتے تھے صندوقچہ فولاد کا بنا ہوا نہایت مستحکم اور قفل بے کلید اس پر لگا ہوا ہے پس رسول خدا نے صندوقچہ زمین پر رکھدیا اور فرمایا اس صندوقچہ کو بھی تم کھولو اور اس ولایت کو بھی تم ظاہر کرو۔ پس جناب امیر نے دست دعا بیش خالق ارض وسماں بلند کئے اور کچھ پڑھا پھر سر انگشت مبارک اس قفل پر مارا قدرت خدا معجزہ اس معجز نما سے اس قفل نے آواز کی اور کھل گیا اور دروازہ بھی صندوقچہ کا کھل گیا شاہ ولایت نے جو صندوقچہ پر نظر کی تو دیکھا ایک لوح طلا اس میں رکھی ہے اور بخط بنی اسرائیل اس میں کچھ لکھا ہوا ہے پس جناب امیر نے اس لوح کو نکالکر دیکھا پھر جناب رسول خدا کو دی اس جناب نے بھی اس کو دیکھا اور دیکھا اور دیکھ کر کہا اے علی اس کو تم پڑھو۔ پس اس جناب نے اس میں دیکھا تمام قصہ گذشتہ جو زاہد نے کہا تھا پڑھا بعد میرے ایک ہزار ساڑھے پانچسو برس بعد پیغمبر آخر الزماں محمد مصطفےٰ پیدا ہوں گے اور ابن عم اس کا داماد اور خلیفہ ان کا علی ہوگا میں نے یہ اٹھوں قریہ ان پر فدا کئے پس تم بھی اپنے تصرف میں سے ان کو باہر کرنا کہ تم پر وہ حرام ہیں۔

(۲۲) جنت اور دوزخ کے متعلق حضرت علی کی کرامت

منقول ہے ایک دن اصحاب نے جناب امیر المومنین سے سوال کیا یا امیر المومنین بنی اسرائیل نے وصی حضرت موسیٰ سے علامات اور براہین معجزات دیکھے اور قوم عیسےٰ نے ان کے اوصیا سے خوارق عادات مشاہدہ کئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے بھی معجزات دیکھیں تا موجب ہمارے اطمینان اور قلب کا ہو آپ نے فرمایا تم کو تاب علوم غریبہ کے مشاہدہ کی کسی طرح۔ ہو سکے گی اصحاب نے پھر مبالغہ کیا اور بہت ہی الحاح وزاری کی ناچار اس جناب نے بسبب اصرار اصحاب قبرستان کی طرف توجہ فرمائی اور سب اصحاب بھی آپ کے ہمراہ ہوئے ایک زمین شورہ زار پر پہونچکر آہستہ دعا کی اور پھر فرمایا کہ اے زمین تو پردہ روئے کا اٹھا اور جو کچھ پردہ اخفا میں رکھتی ہے اس کو ظاہر اور آشکار کر اصحاب نے جو چشم وا کی تو دیکھا کہ جانب راست مضمون دلکشائی جنات تجری من تحتہا الانہار کا ہے یعنی ایک باغ نمونہ روضہ رضوان کا تحت اشجار میوہ دار آب خوشگوار جاری ہے قصر عظیم الشان کھڑے ہیں غرفوں سے حوریں سر باہر نکالے نظارہ کر رہی ہیں اور اصحاب کو بلاتی ہیں اور بائیں جانب جو نظر کی تو بمصداق غم فزائے وقودہا الناس والحجارہ کو بعین بصیرت ملاحظہ کیا یعنی جہنم نظر آیا کہ سانپ اور بچھو اس میں بھرے ہوئے ہیں اور شعلہ آتش ور رہے اور احوال اصحاب شمال یاد دلاتا ہے جب اصحاب نے معجزہ معائنہ کیا تو جو لوگ کہ منافق تھے اور ثبات قدم نہ رکھتے تھے مثل دیو کے کہ قرآن سے بھاگے اور اپنے نفاق پر قائم رہے اور اس معجزہ کو سحر و جادو سمجھے اور جو لوگ صاحب یقین و پاک دین تھے ان کا یقین اور زیادہ ہوا اور کہا کہ یہ حال مقال زبان سید ابرار شاہد ہے کہ آپ نے فرمایا القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفرات النیران یعنی قبر ایک باغ ہے باغوں بہشت سے ایک قطعہ ہے قطعات دوزخ ہے۔

(۲۳) حضرت علی اور خولہ بنت جعفر

مروی ہے کہ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی حنیفہ پر واسطے لینے زکوٰۃ کے بھیجا انہوں نے کہا کہ جناب رسول خدا ایک شخص کو ہمارے پاس بھیجتے تھے تو اس کے روبرو ہمارے اغنیا زر زکوٰۃ اپنے فقرائے قبیلہ پر تقسیم کر دیا کرتے تھے اگر تو بھی اس طرح کرے تو ہم زر زکوٰۃ لا کر حاضر کریں خالد یہ سن کر غضب میں آیا اور ابوبکر سے خلاف واقع آن کر کہا کہ قبیلہ بنی حنیفہ زکوٰۃ نہیں دیتے ابوبکر نے ایک لشکر اس قبیلہ پر بھیجا اور خالد کو اس لشکر کا سردار کیا خالد اس قبیلہ پر تاخت لایا اور ان کو مارا اور ابن نویرہ جو سردار قبیلہ تھا

اس کو قتل کیا اور اسی روز اس کی زوجہ سے شب باش ہوا۔ اور ان کی عورتوں کو اسیر کرکے لایا۔ عمر بن خطاب نے یہ قصہ سن کر تاسف کیا۔ وہ ابن نویرہ سے ایام جاہلیت میں دوستی رکھتے تھے۔ ابوبکر سے کہا کہ خالد کو اول حد زنا مارنا چاہیئے اور بعد عوض قتل رئیس نویرہ قتل کرنا چاہیئے۔ ابوبکر نے کہا کہ مالک اب زندہ نہیں ہے۔ اور خالد ہمارا ناصر اور مددگار ہے مصلحت وقت یہ ہے کہ آپ اس خطا سے درگزر کریں۔ چنانچہ جب اسیر قریب مسجد نبوی پہنچے۔ ان قیدیوں میں خولہ نام دختر ایک اکابر اس قبیلہ کی بھی تھی۔ جب نظر اس کی مرقد منور جناب رسالت مآب پر پڑی۔ تو فریاد بلند کی۔ اور رو کر کہا۔ یا رسول اللہ ان لوگوں نے ہم کو ناحق قید کیا اور بے گناہ ہمارے مردوں کو قتل کیا۔ حالانکہ ہم کلمہ گو ہیں۔ ابوبکر نے کہا کہ تم نے زکوٰۃ کو منع کیا۔ خولہ نے کہا کہ ہم نے منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا تھا۔ کہ رسول خدا زکوٰۃ ہمارے فقراء پر تقسیم کیا کرتے تھے۔ تم بھی ایسا کرو۔ انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور ہم پر ظلم کیا۔ اور مسلمان عورتوں کو نامحرموں کے سپرد کیا۔ بالفرض ہمارے مردوں نے زکوٰۃ کو منع کیا۔ تو ہم عورتوں کا کیا قصور تھا۔ کہ ہمیں گرفتار کیا گیا۔ خدا و رسول اس قوم سے اس افعال پر راضی نہ ہو۔ یہ کہہ کر گوشہ میں بیٹھی۔ حضار یہ باتیں سن کر منفعل ہوئے۔ ابوبکر نے جو دیکھا کہ بسبب اس امر کے ہم رسوا ہوئے۔ اور اس عورت نے سب کے روبرو فضیحت کی تو اس بات کو ٹال کر اور باتیں کرنے لگے اور کہا جناب رسول خدا کے زمانہ میں یہ دستور تھا۔ جو شخص اپنا جامہ جس اسیر کے سر پر ڈال دیتا۔ اور پھر کوئی اور اس پر کچھ زیادہ نہ کرتا تھا۔ وہ اسیر اسی کو مل جاتا تھا۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ یہ سن کر دو شخص کھڑے ہوئے اور چاہا کہ خولہ بنت جعفر بن قیس کے سر پر جامہ ڈالیں۔ اور اس کو اپنی بی بی بنائیں۔ خولہ نے کہا کہ لا واللہ ہرگز یہ صورت نہ ہوگی۔ اور یہ فکر محال ہے اور کوئی شخص میرا مالک نہ ہوگا۔ مگر وہ شخص جو خبر دے کہ وقت ولادت میری کیا واقع ہوا۔ اور کہے کہ میں نے پیدا ہوتے ہی کیا کلام کیا تھا۔ یہ سن کر جناب امیر مسجد میں تشریف لائے۔ یہ ماجرا دیکھ کر کہا اے قوم صبر کرو تاکہ میں اس دختر سے سوال کروں۔ پس آپ نے فرمایا اے خولہ تو کیوں جزع فزع کرتی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ قوم میرے مالک ہونے کا قصد کرتی ہے۔ اور میں اس شخص کی منتظر ہوں۔ جو مجھے یہ خبر دے اس چیز کی کہ وقت ولادت مجھ سے کیا صادر ہوا۔ آپ نے فرمایا سن۔ جس وقت تو شکم مادر میں تھی۔ اور درد زہ اس کو عارض ہوا۔ تو اس نے دعا کی اور کہا۔ الھم سلمنی من ھذا المولود۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور تو پیدا ہوئی۔ اور جب تو زمین پر پہنچی تو کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور بعد اس کے تو نے کہا۔ کہ اے مادر قریب ہے مجھے اپنے حبالہ نکاح میں لائے ایک سید اور اس سے خدا مجھے ایک فرزند عطا کرے۔ سب لوگ تیرا یہ کلام سن کر متعجب ہوئے تھے۔ اور جو کچھ تجھ سے سنا تھا اس کو ایک قیمتی مس پر لکھ کر تیری ماں کو دیا تھا۔ اور اس نے گھر میں دفن کر دیا تھا۔ جب وہ مرنے لگی تھی۔ تو اس کی محافظت کے لئے تجھ سے کہا تھا۔ اور جب پکڑی گئی تو تو نے نکال کر اس کو اپنے بازو پر باندھا ہے۔ اب وہ تیرے بازو پر ہے۔ اس کو نکال اور میرے کہنے کے مطابق کر اور میں ہی ہوں صاحب اس فرزند کا اور نام اس کا محمد ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ جب لوح کو کھول کر دیکھا۔ تو جو آپ نے فرمایا تھا وہی نکلا۔ ابوبکر اور عثمان نے بھی اس کو دیکھا اور کہا یا علی یہ دختر تمہاری ہے۔ پس اس دختر نے شکر خدا کا کیا۔ اور آپ نے اس کو اسما بنت عمیس کے سپرد کیا اور بعد ایک مہینہ کے نکاح میں لائے۔

(۲۴) حضرت علی کا استاد جبریل ہونا

مرقوم ہے ایک روز جبریل امین خدمت رسول میں حاضر تھے۔ کہ جناب امیر المومنین تشریف لائے۔ جبریل پے تعظیم اٹھ کھڑے ہوئے اور شرائط تعظیم بجا

لائے۔ جناب ختمی مآبؐ نے جبریل سے فرمایا۔ تم اس جوان کی تعظیم کرتے ہو۔ جبریل نے کہا میں کیوں کر نہ کروں۔ اس کا میرے اوپر حق تعظیم ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا تم کو اس نے کیا چیز تعلیم کی ہے۔ عرض کیا جس وقت مجھے خدائے تعالےٰ نے پیدا کیا تو پوچھا کہ تو کون ہے اور میں کون ہوں اور تیرا نام کیا ہے میرا نام کیا ہے۔ اس کے جواب میں میں عاجز ہوا اور ایک مدت تک متحیر ہوا اس کا جواب ایک بلا دیا اس جوان نے عالم نور میں ظہور کیا اور کہا کہ کہہ تو پروردگار جلیل ہے اور نام تیرا جمیل ہے۔ اور میں بندۂ ذلیل ہوں۔ اور نام میرا جبرئیل ہے اس سبب سے میں نے ان کی تعظیم کی۔ پھر حضرتؐ نے پوچھا تمہاری عمر کس قدر ہوئی عرض کی رسول اللہ ایک ستارہ ہے کنار افق میں تیس ہزار برس بعد وہ طلوع کیا کرتا ہے اور میں نے اس کو تیس ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ اس جناب نے فرمایا۔ کہ لو کشف الغطا ما ازددت یقیناً اگر کشف حجاب ہو اور پردہ مابین سے اٹھ جائے۔ اور مجھے مرتبہ وصول کا ساتھ عالم نور کے بہم پہنچے۔ تو جو یقین مجھے اب اس کے وجود کا حاصل ہے۔ اس میں کچھ زیادتی اور میرے علم میں نہ ہو۔ اور کچھ تغیر پیدا نہ ہو۔ اس واسطے علم میرا ساتھ ذات احدیت اور صفات صمدیت اور وجود واجب الوجود اور صفات ثبوتی اور سلبی کے مرتبہ عین الیقین کو پہنچا ہے اور اس درجہ پر ترقی کی ہے۔ کہ دوسرے شخص کو وقوف اس مرتبہ پر میسر نہیں ہے۔

(۲۵) حضرت علیؑ کی کرامت اور ایک مشلول کی شفایابی

ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک روز میں وقت صبح خدمت بابرکت رسول خدا مدینہ منورہ حاضر تھا۔ وہ جناب پشت محراب کی طرف کئے بیٹھے تھے۔ مقداد اور ابوذر اور سلمان فارسی اور بہت سے اصحاب بھی آپ کی خدمت باعظمت میں جمع تھے۔ کہ دفعتاً ایک شور و غل آواز مہیب ہمارے کانوں میں آئی۔ اور وہ ایسی دہشت ناک آواز تھی۔ کہ کسی کو ہم میں سے سننے کی طاقت نہ تھی جناب سلمان اور حذیفہ سے فرمایا۔ کہ دیکھو کیا امر واقع ہوا ہے۔ یہ شور و غل کیسا ہے۔ حذیفہ خبر لے کر آئے کہ چالیس آدمی نیزے ہاتھ میں لئے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں ٹوپیاں بڑی بڑی مکلل بہ دُر و یاقوت سر پر رکھے ہیں۔ اور عجیب ان کی صورتیں ہیں۔ اور ہر نیزے کے سرے پر ایک کیسہ موتیوں کا لٹکتا ہے۔ اور آگے ان کے ایک لڑکا مرد بے ریش ہے حسن و جمال مانند شب چاردہ کے ہے۔ وہ لڑکا فریاد کرتا ہے۔ البدار البدار البدار محمد المبعوث الاقطار۔ جناب رسول خدا نے اس قوم کو بلایا۔ اور حذیفہ سے ارشاد فرمایا۔ کہ تم فاطمہ علیہا السلام کے حجرہ میں جاؤ۔ اور اس کاشف کرب اور بندہ علام الغیوب علی ابن ابی طالب کو بلا لاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں۔ کہ جو میں اس جناب کی خدمت میں پہنچا۔ تو فرمایا کہ اے حذیفہ تم آئے ہو خبر دو مجھے اس قوم کی کہ جن کے احوال کا مجھے علم ہے جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں مجھے معلوم ہے کہ جس کام کے واسطے وہ آئے ہیں۔ پھر حمد و ثنا خداوند کریم بجا لا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور میرے ہمراہ مسجد میں خدا کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے سب آدمی جناب کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رسول مقبول نے ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پس ایک جوان ان میں سے کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ کون ہے تم میں سے بتوں کے توڑنے والا۔ اور معدن ایمان کا۔ اور صبر کرنے والا اوپر طعن و سنان کے اور قتل کرنے والا شجاعوں کا اور نصرت دینے والا دین کا اوپر سب ادیان کے اور سب صفات آپ کی گنیں جناب رسول خدا نے فرمایا اے علی اجابت اس لڑکے کی بر لاؤ۔ کہ تمہاری تعریف از روئے صدق اخلاص کرتا ہے جناب امیرؑ نے فرمایا۔ کہ اے پسر میرے پاس آ تاکہ میں تیری حاجت بر لاؤں۔ اور مسلمانوں پر ظاہر میں ہوں سفینہ نجات کا اور بر لانے والا حاجات کا اور میں ہوں وصی نبی عظیم اور صراط مستقیم کا۔ تو جو درد دل رکھتا ہے اس کو کہہ میں اس کا علاج کر دوں۔ جب جوان نے

یہ بشارت سنی۔ تو کہا کہ اے حلال مشکلات ایک میرا بھائی ہے۔ اس کو صید و شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک روز صحرا میں شکار کھیلنے کو گیا۔ ایک وحشی کو دیکھ کر اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا، اور تیر اس کے مارا۔ بعد تیر مارنے کے نصف بدن اس کا شل ہو گیا۔ اور حس و حرکت جاتی رہی۔ اور زبان بند ہو گئی۔ اب اشاروں سے باتیں کرتا ہے اور میں نے سنا ہے۔ کہ آپ کی توجہ سے اس کے امراض دفع ہو جاتے ہیں۔ پس میرا بھائی آپ کے طفیل سے اس مصیبت و بلا سے نجات پائے گا۔ تو میری قوم و اقربا وغیرہ جو ستر ہزار ہیں۔ با اسپان رہوار و دوست و بازوئے کارگزار بجود و کرم معروف و منقاد قوم عاد سے ہیں۔ مسلمان ہو جائیں گے۔ اور مویشی و چارپائے اور خدم اور عبد اور اسباب صامت و ناطق اس قدر رکھتے ہیں۔ کہ زبان ان کے وصف سے عاجز ہے۔ سب کو اس شخص پر نثار کر دیں گے۔ جس طرح وہ چاہے ہمارے اسباب میں تصرف کرے۔ جناب امیر نے اس سے کہا کہ الحجاج بن حلحا بن ابی العصف بن سعید بن ممتنع بن علاق وہب بن صعب بادی کہاں ہے: تیرا بھائی کہاں ہے: تیرا بھائی۔ اس نے جو اپنا حسب و نسب سنا۔ تو متعجب ہوا اور کہا کہ قریب ہے ہودج اس کا اور ابھی اپنے قبیلے کے ساتھ پہنچتا ہے۔ اگر اس نے شفا پائی تو بت پرستی کو ترک کرے گا۔ اور آپ کے ابن عم کے دین کو قبول کرے گا۔ ابھی وہ یہی کہہ رہا تھا۔ کہ ایک پیر زن نے شتر کو مسجد کے دروازہ پر لا کر بٹھا دیا۔ اس لڑکے نے کہا یہ ہے بھائی میرا جناب امیرؑ محمل کے قریب تشریف لائے اور ایک جوان خوش رو کو دیکھا۔ کہ محمل میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی نظر جو جناب امیر پر پڑی تو دیکھ کر رو دیا اور باواز حزیں و دل اندوہگین کہا کہ الیکم المشتکی والمستجار یا اہل مدینہ المصطفےٰ یعنی اپنا شکوہ تمہاری طرف لایا ہوں اور پناہ تمہاری ڈھونڈھی ہے اے اہل مدینہ محمد مصطفےٰ اور جناب امیرؑ نے اس کی تسلی و تشفی کی اور فرمایا کہ اب تو کچھ نہ کر اور نہ ڈر۔ خاطر جمع رکھ کہ زمانہ تیری بلا و مصیبت کا گزر گیا۔ پھر آپ نے حکم کیا کہ شہر میں منادی کریں۔ کہ سب آدمی بعد نماز عصر بقیع میں آن کر جمع ہوں۔ تاکہ وہ سب اس امر عظیم کو دیکھیں۔ کہ کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ حذیفہ کہتا ہے۔ کہ وقت موعود بقیع میں سب لوگ آن کر جمع ہوئے۔ جناب امیر مع ذوالفقار تشریف لائے۔ اور جبکہ آفتاب قریب غروب کے پہنچا تو ہم نے دیکھا۔ کہ دو آگیں روشن دود سے پیدا ہوئیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی جناب امیر اس آگ کی طرف تشریف لے گئے اور چھوٹی آگ میں داخل ہو کر غائب ہو گئے۔ اور وہ دونوں آگیں آپس میں مل کر ایک ہو گئیں۔ اور جیسے کہ دو لشکر آپس میں لڑتے ہیں۔ اور ایک لشکر دوسرے لشکر کو مارتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کو مارتی تھیں۔ اور مثل صاعقہ بلند ہوتی تھیں اور رعد کی سی آواز بلند ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر سب آدمی خوف و بیم میں تھے۔ کہ ہر دم صدائے رعد کی اور شعلہ صاعقہ کا بلند ہوتا تھا۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیا امر ہونے والا ہے۔ اور کیا واقعہ منہ دکھائے گا۔ تمام شب یہی حال رہا۔ صبح طالع ہوئی اور سب آدمی جناب امیر سے مایوس ہوئے اور منافقین نے آپ کی ہلاکت کا یقین کیا۔ کہ ناگاہ وہ آگ بیٹھ گئی اور دھواں دور ہوا۔ اور اس رعد و برق سے کچھ اثر باقی نہ رہا جناب امیر ہاتھ میں ایک سر تھما ہوا کہ جس کا طول گیارہ انگشت کا تھا، اور آنکھیں درمیان پیشانی کے تھیں۔ اس سر کو پکڑے ہوئے ظاہر ہوئے اور بال اس کے مثل درندوں کے تھے۔ پس وہ جناب محمل کے پاس تشریف لائے۔ اور اس جوان سے کہا اب تو اٹھ کھڑا ہو۔ کہ تیرا سب مرض دور ہوا۔ اور آگے پھر کبھی نہ ہو گا۔ پس وہ جوان کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے تئیں سب طرح سے صحیح و سالم پایا اور چلنے لگا۔

(۲۶) ایک زاہد کی نکلی ہوئی آنکھیں پھر روشن ہو گئیں

منقول ہے کہ زمانہ خلافت جناب امیر میں ایک زاہد مدینہ میں صالح متقی تھا۔ اول دین عیسائی رکھتا تھا۔ پھر اس نے دینِ محمدی اختیار کیا۔ اور اس قدر زہد اور عبادت کو بڑھایا کہ شہرہ آفاق ہوا۔ اس زاہد کی ایک بیٹی ماہ سیما نہایت شکیلہ جمیلہ حسینہ تھی۔ کہ اپنی خوبروی سے خورشید پر بھی طعنہ زن تھی۔ اور لعل رخسار اس کے رشک وہ حور بہشتی تھے۔ اس کے ہمسایہ میں ایک عزیز ان کا بیمار تھا۔ وہ دختر اس روز عبادت خانہ سے نکل کر اس بیمار کی عیادت کو چلی۔ اتفاقاً اثنا راہ میں نظر ایک جوان امیر زادہ طرب دوست کے قریب خانہ بیمار کے اس دختر کی آنکھوں پر پڑی۔ فوراً وہ جوان شیفتہ و عاشق اس دختر پری رخسار کی آنکھوں کا ہو گیا اور ہر روز درد دل اور سوزش عشق اس کو زیادہ ہوتا تھا۔ صبر و قرار اور تاب و طاقت خواب و خور اکل و شرب سب نے اس کو جواب دے دیا۔ اور غم و غصے نے حقیر و ناتوان بشکل مجنوں بنا دیا۔ چار برس تک مطلقاً اس کو حال زار سے خبر نہ رہی۔ سوائے گریہ زاری اور آہ و بیقراری کے اور کچھ کام نہ تھا۔ ہر چند دوست و احباب یگانے اور بیگانے اس کو فہمائش کرتے تھے اور سمجھاتے تھے۔ مگر کسی کی نصیحت سود مند نہ ہوتی تھی۔ وہ اپنے اس خیال میں اور اس کے تصور میں رہتا تھا۔ سرائے خواص و عام اور انگشت نمائے خورد و کلاں ہوا۔ ہر مہینے وہ شخص کسی کو اس دختر نیک اختر کے پاس کہلا بھیجتا کہ اے جان جہان اور اے آرام دل ناتواں اے بے رحم زن دین و ایمان ایک دفعہ اپنے تئیں مجھے دکھا دے ورنہ تیرے فراق میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور خون میرا تیری گردن پہ رہے گا۔ اس دختر پری رو کا باوجود اس حسن و جمال کے عبادت خدا میں یہ حال تھا کہ دن کو روزہ رکھا اور رات کو محراب عبادت میں کھڑی رہتی اور نہایت عبادت سے نفس امارہ کو اپنے زیر کر رکھا اور خواہش نفسانی کو مغلوب اور سب پر آپ غالب آئی تھی جب وہ جوان کے پیغاموں سے عاجز آئی تو ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اے شیفتہ عشق خرمن جانسوز دائے والہ شوخ چشماں دل روز ہر چند میں نے تجھ سے کہا کہ تو خیال میرا چھوڑ دے اور میری طمع نہ کر خدا سے ڈر اور میری یاد بھلا دے۔ تو نے نہ مانا اب کہہ تو میری کس چیز پر عاشق ہے۔ قاصد یہ پیغام اس دلدادہ خانماں خراب پاس لایا اور اس کو سنایا۔ تو وہ جوان کھڑا ہو گیا۔ قاصد کی تعظیم کی ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے قاصد فرخندہ پیغام اس پری رو سے کہو کہ میں تیری چشم نرگس کا بیمار ہوں۔ اور ان کا عاشق زار ہوں۔ قاصد نے آن کر اس دختر پاکیزہ خصال سے کہا۔ کہ وہ جوان تیری آنکھوں کا عاشق ہے۔ یہ سن کر اس حور لقا نے چاقو سے دونوں آنکھیں نکال لیں اور طبق میں رکھ کر اس جوان کے پاس بھیج دیں۔ اور کہلا بھیجا کہ جن کا تو عاشق ہے وہ یہ موجود ہیں۔ چونکہ انہوں نے نامحرم پر نظر کی ہے۔ یہ میرے کام کی بھی نہیں رہیں۔ اس جوان نے وہ طبق دیکھا گریبان چاک کیا۔ اور سر و سینہ خوب کوٹا۔ اور منہ پر طمانچے مارے اور رویا اور وہ طبق لے کر جناب امیر المومنین کی خدمت میں آیا۔ اور روبرو حضرت کے رکھ دیا۔ اور ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے جوان تو نے کیوں اس کے جمال پر نظر کی۔ اور اپنے تئیں عذاب آخرت میں گرفتار کیا۔ وہ جوان رونے لگا اور عرض کی۔ یا امیر المومنین میں نے بہت بد اور برا کیا اور استغفار کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ پھر ایسا کام نہ کروں گا۔ زاری اور عاجزی کی۔ اتنے میں دختر کی ماں یہ خبر پا کر کہ بیٹی نے اپنی آنکھیں نکال ڈالی ہیں۔ روتی پیٹتی جناب امیر کی خدمت میں آئی۔ اور قدم مبارک پر لوٹ گئی۔ اور گریہ زاری و فریاد و فغان کرنے لگی۔ آپ کو اس کے حال پہ رحم آیا اور فرمایا اے پیرزال تو اپنی دختر نیک اختر کو میرے پاس لے آ۔ وہ غمدیدہ دوڑی گئی اور اپنی

بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت کی خدمت میں لائی۔ وہ دختر آپ کے پاؤں پر گر پڑی۔ اور خاک قدم پیشانی پر ملی۔ اور کہا ہزار جان میری فدا ہو پائے مبارک کے۔ جناب نے دونوں آنکھیں اس کی کاسہ سر میں رکھیں۔ اور اپنی ردا اس کے سر پر ڈال دی اور سورہ فاتحہ کو پڑھا۔ جونہی سورہ ختم ہوئی آنکھیں اس کی درست ہو گئیں۔ اور منہ اس کا مثل شمع کے روشن اور پُر نور ہو گیا۔ وہ دختر حضرت کے گرد پھری اور حمد و ثنا آپ کی کی۔ یہ معجزہ شغف دیکھ کر بہت سے ترسا یہود و دیگر شرف اسلام کو پہنچے اور اسلام قبول کیا اور مومن ہوئے جناب امیر نے اس دختر سے کہا۔ اے دختر صالحہ اس جوان نے تیرے عشق میں بہت جفا اور مشقت کھینچی ہے۔ اور آزار اٹھائے ہیں۔ اب تو بھی اس کو قبول کر دختر نے کہا اے شاہ اولیا آپ کو میرا اختیار ہے۔ پس آنجناب نے ان دونوں کا عقد کیا۔ اور صیغہ پڑھا۔ اور دونوں اپنے مدعائے دلی کو پہنچ کر گھر کو واپس ہوئے۔

(۲۷) دین کو تباہ کرنے والا بے دین تباہ ہو گیا

منقول ہے کہ دیار بیت المقدس میں ایک یہودی تھا۔ انکا نام فاضل منجر اور دمشق میں بھی ایک یہودی تھا۔ اور دو شخص اور تھے ایک کا نام شمشاد اور دوسرے کا نام اسلامون۔ یہ دونوں علم عربی اور علم نجوم میں کامل۔ اور احوال آفرینش عالم اور مبداء و معاد کے ماہر اور آئندہ کی خبریں دیا کرتے اور جو کہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ ایک روز ان سب کا اتفاق اور اجماع بیت المقدس میں ہوا۔ اور سب جمع ہو کر ایک جگہ بیٹھے۔ اور احوال زمانہ آئندہ کا دیکھنے لگے۔ تاکہ معلوم ہو کہ زمانہ مستقبل میں کیا حوادث اور سوانحات پیدا ہوں گے غرض ان کو معلوم ہوا۔ کہ زمانہ ہرمز اور نوشیرواں میں ایک شخص پیدا ہو گا۔ کہ دین ملت یہود و نصاریٰ کو خراب کرے گا۔ اور سب ادیان سابقہ کو باطل اور مضمحل اور برباد کر دے گا۔ وہ شخص قریش سے ہو گا۔ اور جو جماعت اس کی متابعت اور اطاعت نہ کرے گی۔ اس کو وہ قتل کرے گا۔ چھ ماہ اس کی پیدائش میں باقی ہیں۔ بغرض یہ خبر اپنے زمانہ کے سب عالموں کو پہنچا دی پھر نجوم کو دیکھ کر معلوم کیا۔ وہ خاندان ابو طالب سے بلکہ ابو طالب کی نسل سے ہو گا۔ یہ سن کر آپس میں ہر ایک نے اس امر کے دفع کرنے کی مشورت کی۔ مگر خاندان ابو طالب سے سب خوف کرتے تھے۔ اور ان کے دفع اندیشہ ناک تھے۔ اس واسطے کہ ابو طالب کا برادر عظمائے اہل مکہ سے تھا۔ یعقوب اور انجانے کہا کہ مکہ میں ہمارا ایک دوست شمعون نام و مفتی و عالم اس طرف کا ہے اس کو اس مضمون سے خبردار کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو کہنا چاہیئے۔ کہ جس طرح سے ہو سکے۔ اور مصلحت دیکھے۔ اس کا کام تمام کرے۔ یہ کہہ کر شمعون کو نامہ لکھا کہ برادر اعظم خواجہ شمعون کو معلوم ہو چھ ماہ بعد خاندان ابو طالب ابن عبد المطلب ہاشمی مکہ میں ایک شخص پیدا ہو گا۔ اور تابع اس کے ایک شخص علی ہو گا۔ اور نام اس کی ماں کا فاطمہ بنت اسد ہے۔ دین و ملت قدیم یہود و نصاریٰ کو باطل اور ہمارے گروہ کو قتل کرے گا ہمارے عبادت خانوں کو منہدم اور مسمار کرے گا پس جس طرح تجھ سے ہو سکے۔ اس کے دفع کرنے میں کوشش کر پہلے تولد سے اس کے یا بعد تولد کے اس کے تاکہ ہمارے دین و آئین میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہو۔ جب یہ نامہ شمعون کے پاس پہنچا۔ اس نے پڑھا تو ڈرا کہ اس نے بھی یہ حال کتابوں میں پڑھا تھا۔ جواب میں نامہ کے لکھا۔ کہ بالراس والعین جہاں تک ممکن ہو گا۔ میں اس کے دفع کی کوشش کروں گا۔ اور پھر فکر میں گیا کیا تدبیر کیجیئے اس کے دفیعہ کی۔ آخر رائے نے اس کی اس پر قرار کیا۔ کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکوا کر زہر اس میں ملا کر ابو طالب کے گھر میں بھیجے بغرض اس نے ایسا ہی کیا اور ایک کنیز کے ہاتھ تکلف کے ساتھ ابو طالب کے گھر بھیجا۔ کہ شمعون نے یہ تحفہ بھیجا

ہے۔ غرض کنیز ابو طالب کی بی بی کے پاس آئی۔ اور شمعون کا پیغام دیا۔ انہوں نے چاہا ہاتھ بڑھا کر اس کو لیں۔ پیٹ میں سے ایک آواز سہمگی سنی۔ کہ کوئی کہتا ہے کہ مستان اند کے توقف کر پھر چاہا کہ اس کو لیں بشکم مادر میں طفل نے ایک لات ماری اور کہا کہ یہ طعام زہر آلود ہے۔ تمہارے اور میرے ہلاک کرنے کو بھیجا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کنیز سے کہا۔ کہ اس کو لے جا ہمارے خاندان اور شمعون کے خاندان میں کچھ رابطہ اور واسطہ نہیں ہے۔ اور کبھی رسم تحفہ تحائف باہمد گر نہیں ہوا۔ یہ تحفہ خالی مکر سے نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ کنیز خوان پھیر کر لے گئی۔ اور حجرہ میں گھر کے لا کر رکھ دیا۔ شمعون ملعون کے دو بیٹے نہایت حسن و جمال کے ساتھ متصف ہے۔ مکتب سے جو آئے تو دیکھا کہ ماں باپ دونوں سیر باغ کو گئے ہیں۔ کنیز سے کہا کہ ہم بھوکے ہیں۔ گھر میں کچھ کھانے کو ہے۔ کنیز نے کہا حجرہ میں نان اور گوشت بریاں رکھا ہے۔ وہ کنیز ملعون کے مکر سے خبر نہ رکھتی تھی۔ کہ اس میں زہر ملا ہے۔ غرض وہ دونوں لڑکے دوڑے۔ اور دستر خوان کو کھول کر کھانے لگے۔ ایک لقمہ منہ میں ڈالا تھا۔ کہ زہر کے اثر سے گلا ورم کر آیا۔ اور فوراً دونوں مر گئے۔ اتنے میں شمعون مع بی بی کے واپس آیا۔ کنیز سے کہا لڑکے ابھی تک مکتب سے نہیں آئے۔ لونڈی نے کہا کہ آتے ہیں۔ اور حجرہ میں نان و گوشت بریاں کھا رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہاں سے آیا۔ کنیز نے کہا زن ابو طالب نے تحفہ قبول نہ کیا الٹا پھیر دیا۔ یہ بات جو سنی تو بے بیقرار ہو کر اندر دوڑا۔ دیکھا دونوں لڑکے مرے پڑے ہیں۔ عورت تو دیکھتے ہی اس سیخ سے جس پر کباب پختہ کئے تھے۔ اپنے پیٹ میں مار کر مر گئی۔ شمعون ملعون نے اس چھری جس سے بچہ بز ذبح کیا تھا۔ اپنا گلا کاٹ لیا اور دونوں واصل جہنم ہوئے۔

(۲۸) ایک مومن کی حاجت برآری

ایک دفعہ جناب امیر کا گذر ایک کوچہ میں مدینہ کے ہوا آپ نے دیکھا ایک مومن منافق کے ہاتھ میں گرفتار ہے اور وہ منافق اس کو سخت عذاب اور آزار دے رہا ہے مومن نے جناب امیر کو دیکھ کر فریاد کی آپ اس کے پاس آئے اور حال پوچھا مومن نے کہا اے امام مومنین اس شخص کے مجھ پر ایک ہزار سات سو دینار قرض آتے ہیں اب یہ مانگتا ہے میرے پاس اس وقت دینے کو نہیں ہیں اور نہ مجھے مہلت دیتا ہے کہ کہیں سے تدبیر کروں آپ نے فرمایا مرتبہ میرا اس سے ارفع اور اعلےٰ ہے اس شقی کا منت کش ہوں کس واسطے خالق ارض و سما سے طلب نہ کروں یہ فرما کر سر سوئے آسمان بلند کیا اور عرض کی اے بادشاہ اے ملکا اے کارساز بندہ نواز بحرمت محمد و آل محمد مطلب اس مومن با عتقاد کا بر لا اور خاطر کو اس کے دین کی طرف سے شاد کر دروازے آسمان کے کھل گئے اور آواز آئی یا ابا الحسن کہو اس بندہ سے ہاتھ زمین کی طرف دراز کرے اور جو کچھ سنگ و کلوخ اس کے ہاتھ آئے اٹھائے حق سبحانہ تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو سونے کا کر دے گا۔ آپ نے یہ حکم اس مرد دیندار کو دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر زمین سے جو کچھ ہاتھ میں آیا کنکری اور ڈھیلے اٹھائے اور ان کو دیکھا تو قدرت خدا اور اعجاز امام ہر دو سرا سے وہ سب سونے کے تھے آپ نے فرمایا اس میں سے قرض کو ادا کر اور جو بچ رہے اس میں گذر بسر کر دوسرے روز آپ مسجد میں جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے جناب رسول خدا نے اصحاب سے ارشاد کیا تم میں سے وہ کون سا ہے جس نے کل کے دن ایک ہزار سات سو دینار برادر مومن کے قرض کے ادا کئے جناب امیر نے عرض کیا یا حضرت وہ میں ہوں آپ نے فرمایا سچ ہے میں بھی جانتا تھا مگر جبرئیل نے مجھے آن کہا تھا کہ سخاوت و کرم کو تمہارے اصحاب کے روبرو بیان کروں اور ان کو اس سے آگاہ کروں۔

(۲۹) کور مادر زاد کو چشم بینا مل گئی

منقول ہے کہ عبداللہ بن یونس کہتا ہے کہ ایک سال میں واسطے حج بیت اللہ کیلئے گھر سے چلا راہ میں ایک زن حبشیہ نابینا کو دیکھا کہ دست مناجات پیش قاضی الحاجات بلند کر رہی ہے کہ اے معلی السالکین بحق علی بن ابیطالب مجھے دوبارہ بصارت چشم مرحمت کر اور پھر مجھے بینا کر دے میں عورت کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ علی ابن ابیطالب کو دوست رکھتی ہے اس نے کہا ہاں ہزار جان میری ان پر نثار ہے وہ میرے امام و پیشوا اور رکن دین و ایمان ہیں میں نے کئی درہم جیب سے نکال کر ہاتھ پر رکھدیئے اس نے کہا میں درہم کی طالب نہیں ہوں آنکھیں چاہتی ہوں اور وہ درہم نہ لئے میں آگے چلا گیا اور بیت اللہ پہونچ کر مناسک حج بجا لایا اور بعد ادائے حج گھر کی طرف مراجعت کری اسی منزل پر اس عورت کو دیکھا کہ دونوں آنکھیں اس کی روشن ہیں اور سب کچھ دیکھتی ہے۔ اس کا حال پوچھا اس نے کہا اے شخص میرے مولا علی بن ابیطالب نے مجھے آنکھیں دیں میں نے کہا کیوں کر ماجرا ہو کر بیان کر اس نے کہا ایک روز میں دعا کر رہی تھی کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ تو علی کو دوست رکھتی ہے کہا کہ ہاں بصد جان ان پر سے فدا ہوں اس نے کہا خداوندا اگر یہ عورت سچ کہتی ہے تو اس کو بینائی عطا کر فوراً میری آنکھیں روشن ہو گئیں میں روئے نور اگیں ان کا دیکھ کر قدموں پر گر پڑی اور آنکھوں کو قدموں پر ملا اور عرض کی یا حضرت مجھے بتلائیے کہ آپ کون ہیں جو آپ دعا سے میری آنکھیں صحیح ہو گئیں فرمایا میں وہ ہوں کہ جس کا تو واسطہ کرتی تھی۔

سلور جوبلی نمبر اخبار شیعہ کا تئیس سالہ سلور جوبلی نمبر کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ جس میں توحید نبوت امامت اور چہاردہ معصومین کے حالات زندگی نیز تاریخ نجف اشرف اور بہت سے مفید مضامین درج ہیں مقدس مقامات اور علمائے ایران و عراق کے عکسی فوٹو۔ ہدیہ صرف دو روپے

تاریخ اسلام جلد اول مصنفہ جناب علامہ محمد بشیر صاحب قبلہ۔ جو کہ زمانہ حال کی تازہ تصنیف ہے۔ اور انصاف پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ابتدائے خلق سے لے کر حضرت آدم اور تمام انبیاء علیہم السلام کے حالات درج ہیں۔ چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ طرز بیان نہایت آسان اور سادہ۔ ایک طالب بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ بہترین ضخامت ۸۰۰ صفحات خوبصورت جلد مع گرد پوش ہدیہ صرف تین روپے جلد دوم و سوم بھی جلد شائع ہو جائیں گی۔

ذکر العباس ؑ سوانح حیات حضرت عباس علمدار علیہ السلام۔ ذکر العباس نام ہے اس عظیم الشان کتاب کا جس میں علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کے حالات زندگی جمع کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب فخر العلماء جناب سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی کی دس سالہ کاوشوں کا نتیجہ ہے اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے اس کتاب کو لکھ کر کتب تواریخ میں اضافہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰ کتب کا نچوڑ ہے اور ۲۱۳ صفحات کتابت، طباعت نہایت عمدہ اور سائز مناسب ہے قیمت صرف تین روپے مجلد سنہری چار روپے چار آنے۔

نماز شیعہ مترجم موجودہ زمانے میں شیعہ بچوں کو نماز، روزہ، اصول دین فروع دین پڑھانے کی از حد ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب آسان اور عام فہم اردو زبان میں تیار کی گئی ہے ہدیہ نماز شیعہ مترجم کلاں ۷/ خورد ۳/ فی سیکڑہ نو روپے۔

شیعہ دینیات سٹ مؤلفہ جناب علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ لکھنوی بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے یہ کتابیں از حد مفید ہیں دینیات کی پہلی ۳/ دوسری ۳/ تیسری ۶/ چوتھی ۸/ پانچویں ۱۲/ مکمل سٹ ایک روپیہ بارہ آنہ

شیعہ پاکٹ بک المعروف براہین شیعہ مصنفہ علامہ مرزا احمد علی صاحب اس کتاب سے تمام مذہبی ضرورتوں کو پورا کیجئے اس کتاب سے دیکھ کر مخالفین کے اعتراضوں کا جواب دیجئے یہ کتاب علمی مذہبی معلومات کا ذخیرہ اور مناظرہ کی جان ہے اور سرکار علامہ صاحب کی تمام عمر کا نتیجہ ہے حجم تین سو صفحات پاکٹ سائز خوبصورت جلد۔ قیمت دو روپے مجلد

آئینہ کربلا مصنفہ حضرت بے باک بالی۔ اس کتاب میں اسلام کے اہم تاریخی واقعات نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی ہے کہ تیسری بار چھپ چکی ہے اس کتاب کے بعض اہم واقعات یہ ہیں۔ قتل جناب عثمان۔ ملک شام اور معاویہ۔ مسجد کوفہ میں علی کا انتظار۔ جنگ صفین امام حسن کی شہادت معاویہ کی موت۔ باپ کی پر بیٹے کا جشن۔ یزید کا دربار حسین اور صبح عاشورہ۔ میدان جنگ اور ظہر کی نماز۔ حضرت زینب خیمہ میں عباس اور میدان جنگ۔ یزید کی موت مختار کا دربار اس طرح ۳۶ اہم واقعات اس کتاب میں درج ہیں کتاب ہذا کی مطالعہ سے آپ کی معلومات میں بے حد اضافہ ہوگا۔ ہدیہ ایک روپیہ ۸ آنے صرف

عقائد مذہب شیعہ مصنفہ علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ لکھنوی اس کتاب میں شیعہ مذہب کے عقائد نہایت تفصیل سے درج ہیں بچوں کا مذہبی اعتقاد اس کتاب کے مطالعہ سے پختہ ہو جائے گا۔ یہ کتاب بڑے اور بچوں سب کے لئے مفید ہے اس کتاب کا ہر شیعہ گھر میں ہونا ضروری ہے ہدیہ ۸ آنے

تحفۃ الزائرین بالتصویر کربلائے معلےٰ نجف اشرف کاظمین شریف سامرہ شریف۔ دمشق معصومہ قم مشہد مقدس کی زیارت گاہوں کا اگر خوف ہو تو تحفۃ الزائرین کا ضرور مطالعہ کریں اس کتاب میں مقامات مقدسہ کی تمام زیارتگاہوں کا مفصل حال درج ہے۔ کتاب ہذا زائرین کو رہبری کا کام دے گی اور سفر میں ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائے گی۔ کتاب ہذا میں تمام مقامات مقدسہ اور علمائے ایران و عراق کے عکسی فوٹو بھی درج ہیں۔ اور ملک صادق علی عرفانی مدیر شیعہ کا مکمل سفرنامہ بھی درج ہے۔ ہدیہ صرف ایک روپیہ۔

بہتر تارے شہسوار کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کے بہتر جانثاروں کے سلسلہ وار مختصر حالات اور اٹھارہ جوانان بنی ہاشم کے حالات۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے ہر مومن مسلمان کے گھر میں یہ کتاب ہونی ضروری ہے۔ ہدیہ صرف بارہ آنے

رجسٹرڈ ایل نمبر 1964 یا علی مدد

دینِ و دُنیا کا فائدہ!

اِنصاف پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ شیعیانِ پاکستان کی واحد تجارتی کمپنی ہے جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوئی۔ اس کمپنی کا منظور شدہ سرمایہ ایک لاکھ رُوپیہ ہے۔ اب کمپنی خدانے قرآن مجید باتفسیر اور دینی کُتب شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ بھی اپنی اس قومی کمپنی کے حصص خرید کر قرآنِ مجید و دینی کُتب کی اشاعت میں حصہ لیں اور دین و دنیا میں فائدہ اُٹھائیں تفصیلات و فارم خرید حصص پتہ ذیل سے طلب فرمائیں!

اِنصاف پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ

ریلوے روڈ۔ لاہور!

مستند مطبع احمد جعفری المشہدی

قیمت -/-/3 - اونکار روڈ کرشن نگر لاہور